پیران پیر نمبر

ماہنامہ

قومی ڈائجسٹ

لاہور

یا غوثِ معظم نورِ ہُدیٰ مختارِ نبی مختارِ خدا
سلطانِ دو عالم قطبِ عُلےٰ حیراں ز جلالت ارض و سما

(حضرت خواجہ معین الدین چشتی)

فہرست مضامین

○ یہ خصوصی شمارہ..... چند معروضات..... — مجیب الرحمٰن شامی
○ محی میگوید..... شیخؒ کا فارسی حمدیہ کلام..... — ۲۶

حالات، کرامات

○ محبوبِ سبحانی شہبازِ آسمانی شیخ عبدالقادر جیلانیؒ.......... — ۲۷
○ تعلیماتِ جیلانی، انقلاب کی نوید انقلاب کی نشانی.......... — ۳۷
○ سلسلۂ قادریہ کے اوراد و وظائف.......... — شاہ ولی اللہ دہلوی — ۴۴
○ شیخؒ کی تلقین.......... — ۵۰
○ بندے کے سوالات، بندے کو جوابات، شیخؒ کے الہامات.......... — ۵۷
○ دستگیری مسیحائی بے نواؤں کے کام آئی.......... — خالد ہمایوں — ۶۲

عہد اور اثرات

○ وہ آئے، انہوں نے دیکھا اور سب کچھ بدل دیا.......... — پروفیسر محمد اسلم — ۷۱
○ فقیروں میں فقیر، شاہوں میں شہنشاہ.......... — مولانا ابوالجلال ندوی — ۸۶
○ ایوبی سے غوری تک، شیخؒ کی فتوحات.......... — محمود فاروقی — ۹۹
○ بفیضِ شاہِ جیلانی ذرے کو خورشید کی تابانی.......... — جسٹس محبوب مرشد — ۱۰۳
○ ستاروں میں چاند سب اس کے سامنے ماند.......... — امان اللہ خان ارمان سرحدی — ۱۱۱

ذاتِ بابرکات

○ مقبولِ بارگاہ، رسولؐ پر فدا، سردارِ اولیا..........
○ ایک دل آویز تذکرہ جس میں پوری زندگی کی کہانی سمٹ آئی ہے..... — اختر حسین شیخ — ۱۲۷

ارشادات

○ اقوال کے اندر روشنی کا سمندر.......... — راشد عزیز وارثی — ۱۸۷
○ کپڑوں سے میل اور دلوں سے گناہ دھو ڈالو (خطبات) — ۱۹۳
○ شعاعِ نور، دل کا سرور (محبوب سبحانیؒ کے عرفانی مکتوبات) — زاہد عامر منیر — ۲۰۳

روشن اقتباسات

○ شیخؒ کی تصنیفات قلم کے معجزات.......... — ۲۱۳

مقبولیت کے اسباب

○ شیخؒ کی ریاضت.......... — مولانا سعید الرحمٰن علوی — ۲۳۵
○ آپؒ کی ولایت.......... — پروفیسر ڈاکٹر طاہر القادری — ۲۴۹
○ تصوف کے گلِ سرسبد.......... — مولانا محمد اسحاق بھٹی — ۲۵۶
○ امتیازی فضیلت.......... — محمد موسیٰ امرتسری — ۲۶۰
○ فکرِ راسخ اور حقانیت.......... — پروفیسر سید کبیر احمد مظہر — ۲۶۶
○ ایک چشمۂ فیض.......... — سید انور حسین نفیس رقم — ۲۷۳
○ شیریں مقال واعظ.......... — صاحبزادہ خورشید گیلانی — ۲۷۶

مناقب

○ حضرت غوث الثقلینؒ.......... — خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ — ۲۸۰
○ ثمرۂ باغِ نبیؐ.......... — حضرت بہاؤالدین زکریا ملتانیؒ — ۲۸۳
○ تویٔ مختارِ سبحانی.......... — سلطان العارفین حق باہوؒ — ۲۸۴
○ یا شہِ گیلانیؒ.......... — حضرت شاہ ابوالمعالی قادریؒ — ۳۰۲
○ آفتابِ نصف النہار.......... — شیخ نورالدین ابوالحسن علی بن یوسف — ۷۰
○ میرِ بغداد.......... — سید نصیرالدین نصیر گیلانی — ۲۳۴
○ ہر پاسے ضیا بغدادی.......... — پیر فضل گجراتی — ۱۲۶
○ چوراں نوں توں قطب بنایا.......... — حضرت میاں محمد بخشؒ — ۱۸۶
○ ولایت غوث اعظمؒ کی.......... — حفیظ تائب — ۲۱۰
○ فتوح الغیب.......... — پروفیسر سید کبیر احمد مظہر — ۲۱۲
○ تیرے نقشِ پا کی مہک.......... — ریاض مجید — ۲۳۲
○ محرم کُل اَسرار دا.......... — دائم اقبال دائم — ۲۸۸
○ شیخِ دارینؒ.......... — حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی — ۳۰۶

متفرقات

✪سیدہ فاطمہ ام الخیرؒ... آپ کی والدہ ماجدہ کا ایمان پرور تذکرہ...	طالب ہاشمی	۲۸۵
✪غوثیت کبریٰ کیا ہے؟..........	روبینہ بشیر	۲۸۹
✪غوث پاک 'فریادرس..........	سید شریف احمد شرافت نوشاہی	۲۹۳
✪دور جدید میں قادری سلسلے کی اذان..........	مولانا عبدالرشید ارشد	۲۹۵
✪ہر مہینے کی گیارہ تاریخ..........	محمد ضیاء القادری / محمد حمید اختر قادری	۳۰۳
✪قصیدہ غوثیہ..........		۳۰۷
✪رسولِ ہاشمیؐ کی شان کو آخر بڑھاؤں گا..........	مائل کرنالی	۳۱۱
✪نسب نامہ..........		۲۸۲
✪ماخذات..........		۳۲۷
✪ہدیۂ سپاس..........		۳۲۸

ارشادِ ربّانی

سن رکھو کہ جو خدا کے دوست ہیں ان کو نہ کچھ خوف ہوگا اور نہ وہ غمناک ہوں گے

(یعنی) وہ جو ایمان لائے اور پرہیز گار رہے۔

ان کے لئے دنیا کی زندگی میں بھی بشارت ہے اور آخرت میں بھی۔ خدا کی باتیں بدلتی نہیں۔ یہی تو بڑی کامیابی ہے۔

اور (اے پیغمبر) ان لوگوں کی باتوں سے آزردہ نہ ہونا (کیونکہ) عزت سب خدا ہی کی ہے وہ (سب کچھ) سنتا (اور) جانتا ہے۔ سن رکھو کہ جو مخلوق آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے سب خدا ہی کے (بندے اور اسکے مملوک) ہیں اور یہ جو خدا کے سوا (اپنے بنائے ہوئے) شریکوں کو پکارتے ہیں وہ (کسی اور چیز کے) پیچھے نہیں چلتے۔ صرف ظن کے پیچھے چلتے ہیں اور محض اٹکلیں دوڑا رہے ہیں وہی تو ہے جس نے تمہارے لیے رات بنائی تاکہ اس میں آرام کرو۔ اور روز روشن بنایا (تاکہ اس میں کام کرو) جو لوگ مادۂ سماعت رکھتے ہیں ان کیلئے ان میں نشانیاں ہیں (بعض لوگ) کہتے ہیں کہ خدا نے بیٹا بنالیا ہے (اسکی ذات اولاد سے) پاک ہے (اور) وہ بے نیاز ہے۔ جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے سب اسی کا ہے (اے افترا پردازو)

تمہارے پاس اس (قول باطل) کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ تم خدا کی نسبت ایسی بات کیوں کہتے ہو جو جانتے نہیں کہہ دو کہ جو لوگ خدا پر جھوٹ باندھتے ہیں فلاح نہیں پائیں گے۔
(ان کیلئے) جو فائدے ہیں دنیا میں (ہیں) پھر ان کو ہماری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے اس وقت ہم انکو عذاب شدید (کے مزے) چکھائیں گے کیونکہ کفر (کی باتیں) کیا کرتے تھے اور انکو نوحؑ کا قصہ پڑھ کر سنا دو جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا کہ اے قوم! اگر تم کو میرا تم میں رہنا اور خدا کی آیتوں سے نصیحت کرنا ناگوار ہے تو میں تو خدا پر بھروسا رکھتا ہوں تم اپنے شریکوں کے ساتھ ملکر ایک کام (جو میرے بارے میں کرنا چاہو) مقرر کرلو اور وہ تمہاری تمام جماعت (کو معلوم ہو جائے اور کسی) سے پوشیدہ نہ رہے پھر وہ کام میرے حق میں کر گزرو اور مجھے مہلت نہ دو اور اگر تم نے منہ پھیر لیا تو (تم جانتے ہو کہ) میں نے تم سے کچھ معاوضہ نہیں مانگا میرا معاوضہ تو خدا کے ذمے ہے اور مجھے حکم ہوا ہے کہ میں فرمانبرداروں میں رہوں

(سورہ یونس - آیات ۶۲ تا ۷۲)

یہ شمارہ خاص

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ ــــ جنہیں پیران پیر بھی کہا جاتا ہے' اور غوث الاعظمؒ بھی ــــ کا نام نامی' اسم گرامی کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ وہ بغداد کی خاک میں آسودہ خواب ہیں لیکن پورے عالم اسلام میں ان کا پرچم لہرا رہا ہے۔ برصغیر پاک وہند میں تو خاص طور پر ان کے عقیدت مند لاکھوں نہیں کروڑوں میں ہیں ــــ ہر ماہ کی گیارہ تاریخ کو ان کو ایصال ثواب کے لیے گھر گھر شیرینی تقسیم ہوتی' اور آیات کریمہ کا ورد ہوتا ہے۔ ان کے لیے دعا کرنے والے' اور ان سے اپنے حق میں دعا کی امید رکھنے والے گروہ در گروہ اور انبوہ در انبوہ ہیں۔ تصوف کے کئی سلسلے ان سے اکتساب فیض کے دعویدار ہیں' اور ان کی برکات سے استفاذے کے طالب۔

حضرت شیخ کو یہ شہرت اور یہ مقبولیت کیوں ملی' یہ سوال ہر شخص کے دل میں پیدا ہوتا' اور وہ اس کا جواب تلاش کرنے کی کوشش کرتا' یا اس کی خواہش رکھتا ہے۔ اس کا سیدھا اور آسان جواب تو یہ ہے کہ حضرت شیخ کے علمی اور اصلاحی کارنامے اور ان کے روحانی کمالات نے ان کو شہرت کے آسمان تک پہنچایا ہے ــــ لیکن ان کے کارناموں اور کمالات کی تفصیل کیا ہے' یہ اس شمارے کا موضوع ہے۔

حضرت شیخ پر دنیا کی ہر زبان میں بہت کچھ (یا کچھ نہ کچھ) لکھا گیا ہے۔ ان کو شعر میں بھی خراج عقیدت پیش کیا جاتا رہا' اور نثری شہ پارے بھی ان کے عقیدت مندوں نے تخلیق کیے' لیکن ان کی حیات' خیالات' ارشادات اور کمالات کو کسی ایک کوزے میں شاید ہی اس طرح جمع کرنے کی کوشش کی گئی ہو' جیسی کہ اس شمارہ خاص میں کی گئی ہے۔ یہ کہنا کہ سب کچھ ان چند صفحات میں سمٹ آیا ہے' یا سمٹ سکتا ہے' خلاف واقعہ ہوگا ــــ لیکن شوق اور محبت کے ہاتھوں سے جو کچھ یک جا کیا جا سکتا تھا' وہ حسب توفیق جمع کر دیا گیا ہے۔ ہمیں امید ہے اس کاوش کو پسند کیا جائے گا' اور اہل دل اسے دل میں جگہ دیں گے ــــ کوتاہی سے آگاہ کریں گے' اور خوبی دیکھ کر ہمارے حق میں دعا کریں گے ــــ اے ہمارے رب! ہم سب کو اس رستے پر چلنے کی توفیق عطا فرما' جس پر چلنے والوں پر تیرا انعام نازل ہوا ــــ

حالات، کرامات

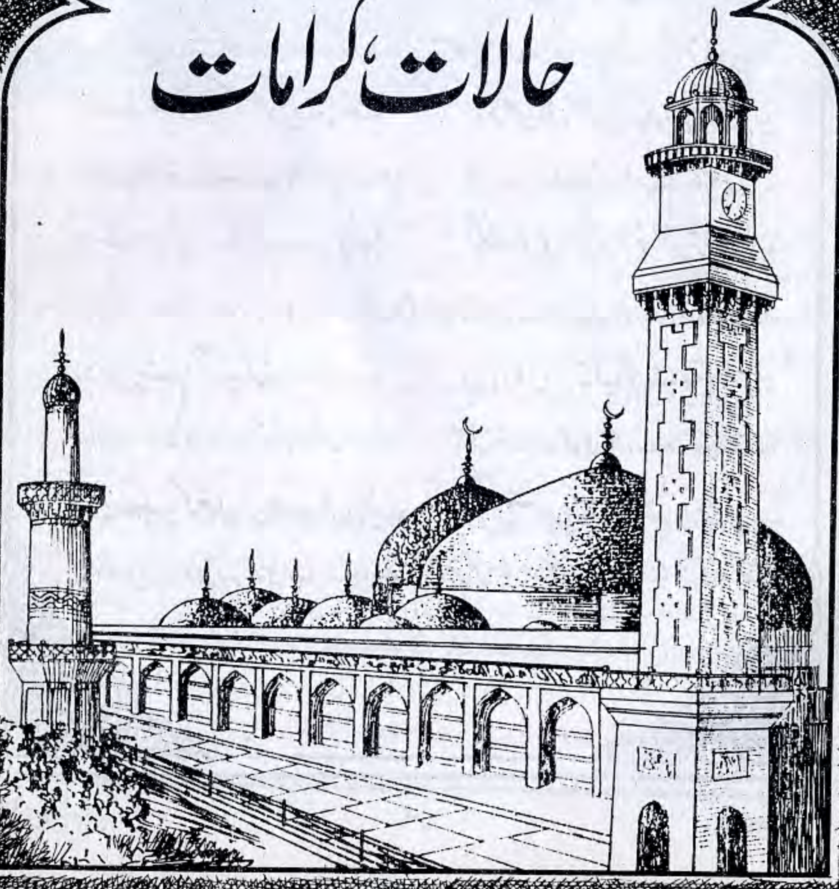

آپؒ کا فارسی حمدیہ کلام

تا ابد یارب ز تو من لطفہا دارم امید   از تو گر امید برم از کجا دارم امید

اے میرے رب کریم میں تجھ سے ہمیشہ لطف و کرم کی امید رکھتا ہوں اگر تجھ سے امید نہ رکھوں تو پھر کس سے امید رکھوں

ہم فقیرم ہم غریبم بیکس و بیمار زار   یک قدح زاں شربت دار الشفا دارم امید

میں فقیر ہوں میں غریب ہوں بیکس اور بیمار ناتواں ہوں میں تیرے شفا بخش شربت کے ایک جام کی امید رکھتا ہوں

نا امیدم از خود و ز جملۂ خلقِ جہاں   از ہمہ نومیدم اما از تو می دارم امید

میں ناامید ہوں اپنی ذات سے اور جملہ مخلوقات سے سب سے ناامید ہوں لیکن تجھ سے ہی امید رکھتا ہوں

ہم بدم بدگفتہ ام بد ماندہ ام بد کردہ ام   با وجود ایں خطاہا من عطا دارم امید

میں برا ہوں بری باتیں کرتا ہوں برے انداز میں رہتا ہوں برے کام کرتا ہوں باوجود ان خطاؤں کے تیری بخشش کی امید رکھتا ہوں

منتہائے کارِ تو دائم کہ آمرزیدن است   زانکہ من از رحمتِ بے منتہا دارم امید

اے مولا بالآخر تونے بخشنا ہے تو اس وجہ سے   میں بے انتہا رحمت کی امید رکھتا ہوں :

ہر کسے امید دارد از خدا و جز خدا   لیک عمری شد کہ از تو من ترا دارم امید

ہر کوئی خدا سے خدا کے سوا کی امید رکھتا ہے لیکن عمر گزری ہے کہ میں تجھ سے تیری ہی (ذات کی) امید رکھتا ہوں

روشنی چشم از گریہ کم شد اے حبیب   ایں زماں از خاکِ کویت توتیا دارم امید

اے حبیب رونے کی وجہ سے آنکھ کی روشنی کم ہو گئی   اس وقت تیری گلی کی خاک کے سرمے کی امید رکھتا ہوں

محیؔ میگوید کہ خونِ من حبیب من بریخت   بعد ازیں کشتن از و من لطفہا دارم امید

محی کہتا ہے کہ میرا خون میرے حبیب نے بہایا ہے   اس قتل کے بعد بھی اسی کے لطف و کرم کی امید رکھتا ہوں

محبوبِ سبحانی شہبازِ آسمانی

شیخ عبدالقادر جیلانیؒ

حضرت شیخ عبدالقادر الجیلانیؒ (الجیلی)، حنبلی عالم اور واعظ، سلسلہ قادریہ کے بانی، جن کا شمار اولیائے کبار اور صوفیائے عظام میں ہوتا ہے۔ دیباچہ فتوح الغیب میں ان کا اسم گرامی محی الدین ابو محمد بن ابی صالح (موسیٰ) جنگی دوست (بن عبداللہ) درج ہے، مگر الذہبی نے ان کا نام "عبدالقادر بن ابی صالح عبداللہ بن جنگی دوست" لکھا ہے۔ بعض لوگوں کے نزدیک ان کا سلسلہ نسب حضرت امام حسنؓ سے جا ملتا ہے، چنانچہ انہوں نے ان کا پورا نسب درج کیا ہے۔ دیباچہ فتوح میں انہیں نہ صرف حسنی بلکہ حسینی بھی لکھا گیا ہے۔ ان کی پیدائش ۴۷۰ھ / ۱۰۷۷ - ۱۰۷۸ء میں اور وفات ۱۰ ربیع الآخر ۵۶۱ھ / ۱۱ اپریل ۱۱۶۶ء کو ہوئی۔ ان کے حالات زندگی پر مخصوص رسائل لکھنے والے "عقیدت مند" مصنفین انہیں اسلام کا سب سے بڑا ولی خیال کرتے ہیں۔ ان کی زندگی اور سرگرمیوں کے بارے میں ان مصنفوں کے بیانات تاریخی سے زیادہ اخلاقی اور تبلیغی نوعیت کے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ یہ تحریریں ان کی زندگی کے تاریخی حالات کی فراہمی میں زیادہ مدد نہیں دیتیں۔ صرف ابن تغری بردی ایسا مصنف ہے جس نے اپنی کتاب "النجوم الزاہرۃ" میں ان کے مولد کا نام جیل لکھا ہے، جو واسط اور بغداد کے درمیان ایک گاؤں ہے۔ باقی سب ماخذ اس بات پر متفق ہیں کہ جناب شیخ عجمی الاصل اور بحیرہ خزر کے جنوبی صوبے جیلان کے ایک مقام نیف کے رہنے والے تھے۔ وہ بغداد میں تحصیل علم کی غرض سے اٹھارہ سال کی عمر میں آئے اور اس وقت سے لے کر اپنی وفات تک یہی شہر ان کی سرگرمیوں کی جولا نگاہ بنا رہا۔

دیگر متعدد اساتذہ کے علاوہ انہوں نے فنون و ادب کی تعلیم التبریزی سے حنبلی فقہ کی تعلیم ابو الوفا بن

المقیل (جنہوں نے اعتزال چھوڑ کر حنبلی مذہب اختیار کر لیا تھا) اور قاضی ابوالسعد المبارک المخرمی سے اور حدیث کی تعلیم مصارع العشاق کے مصنف ابو محمد جعفرالسراج سے حاصل کی۔ تصوف سے انہیں ابو الخیر حماد الدباس نے روشناس کرایا۔ معلوم ہوتا ہے کہ ابوالخیر' جن کی نسبت شربت (دبس) فروشی سے ماخوذ ہے اور جنہوں نے بظاہر کوئی کتاب نہیں لکھی' اپنے وقت کے نہایت محترم و مسلم صوفی بزرگ تھے' جن کے تقشف زہد و اتقا کا' نیز اس سخت ریاضت کا ذکر' جو وہ اپنے زیر تربیت مریدوں سے کرایا کرتے تھے' ابن الاثیر نے بھی کیا ہے۔ شیخ عبدالقادرؒ کو سلوک کی مدت ختم کر لینے کی علامت کے طور پر خرقہ طریقت المخرمی نے پہنایا۔ پچاس سال کی عمر میں انہوں نے سب سے پہلے ایک مجلس میں وعظ کیا' (۵۲۱ھ / ۱۱۲۷ء)۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان کے وعظ اور درس کا چرچا بہت جلد دور دور تک ہونے لگا۔ ان کے پہلے وعظ کے چھ سال بعد ان کے شیخ المخرمی کا مدرسہ ان کے حوالے کر دیا گیا۔ جس کی توسیع کے لیے ارباب ثروت نے مالی امداد دی اور غریبوں نے مفت جسمانی مشقت سے اعانت کی۔ یہاں ان کے اہم مشاغل افتا' درس تفسیر' حدیث و فقہ اور بالخصوص وعظ تھے' جس کے لیے ان کی شہرت دور دور تک تھی' جو دنیائے اسلام کے تمام حصوں سے بے شمار شاگردوں کو کھینچ لائی۔ کہا جاتا ہے کہ ان کے اثر آفریں اور دلنشیں مواعظ نے بہت سے یہودیوں اور عیسائیوں کو دین اسلام کا حلقہ بگوش بنایا۔ وہ دنیوی ضرورتوں سے بے نیاز تھے اور بے خوفی سے کلمہ حق بیان کرتے تھے' جس سے دربار خلافت بھی متاثر ہوتا تھا۔ وہ غریبوں کی امداد کیا کرتے تھے۔ ان کے مدرسے کو ان کے متعدد بیٹوں میں سے عبدالوہاب اور ان کی اولاد نے اوقاف کی امداد سے جاری رکھا۔

شیخ نے ایسے دور میں زندگی بسر کی جب کہ تصوف کا عروج تھا اور صوفیہ کے مسلک میں وسعت پیدا ہو رہی تھی' ان سے پہلے کی صدی میں ایک نزاع جو مدت سے جاری تھی' بہت شدید شکل اختیار کر چکی تھی' جس سے اسلامی معاشرے کا ہر فرد متاثر ہو رہا تھا۔ نزاع یہ تھی کہ آیا انسان کو ایسا مسلک لادینی اختیار کر لینا چاہیے کہ وہ دین کی طرف سے بے پروا ہو جائے اور محض رسمی اور رواجی طور پر مسلمان کہلائے' یا اسے ایسا دین عقل پرست اختیار کرنا چاہیے جو اہل دین کے مسلمات و عقائد سے متصادم ہو۔ ادبی کتابوں میں لاتعداد شکایتیں نہ صرف اس مضمون کی ملتی ہیں جن سے مزخرفات دنیا کی کشش کے مقابلے میں یاس کا اظہار کیا گیا ہے' بلکہ ساتھ ہی فقہی مذہب کے پول پر بھی حسرت و افسوس ظاہر کیا گیا ہے' اور اسے "مردہ علم جو مردہ لوگوں نے اوروں تک پہنچایا" کہا گیا ہے۔ (ابویزید البسطامی)۔ ان حالات میں شیخ عبدالقادرؒ سے پہلی پشت کے لوگوں میں تصوف نے اپنے روحانی و جذباتی اثر کی وجہ سے ایک ہمہ گیر تحریک کی حیثیت اختیار کر لی تھی۔ تاریخی حالات نے ایک سوال کو سامنے لا کر کھڑا کر رکھا تھا اور وہ یہ تھا کہ زہد و تصوف کے عناصر کو شریعت کے ساتھ ہم آہنگ کس طرح کیا جائے۔ شیخ کے استاد ابن عقیل نے جیسا کہ حنبلی مذہب کی طرف منتقل ہونے والے ایک جوشیلے شخص کو زیب دیتا ہے' تصوف کی ضرورت و افادیت سے صاف انکار کر دیا۔ اس کے بعد متشدد اور کٹر حنبلیوں نے کئی دفعہ تصوف کے متعلق یہی روش اختیار کی لیکن یہ نہ تھا کہ ان کے لیے صرف یہی راستہ کھلا تھا۔ الانصاری الہروی نے' جس نے سختی کے ساتھ امام احمد بن حنبلؒ کے مذہب پر قائم رہتے ہوئے فقہی مناظرے کیے (اور جو اسی مذہب کی تعریف ان الفاظ میں کرتا ہے کہ "مذہب احمد احمد مذہب")' تصوف پر کتابیں لکھی ہیں' جن کی اپیل جذباتی ہے (اور ابن جبیر کی شہادت کے مطابق ابن الجوزی نے گو صوفیہ کی مجالس رقص و سرود پر حملے کیے تھے

لیکن وہ خود ایسی مجالس منعقد کیا کرتے تھے جو صوفی عقیدے کے طور طریقے کے مطابق ہوتی تھیں۔)

یہ وہ دور تھا جس میں جناب شیخ نے عملی سرگرمیاں شروع کیں۔ ان کی تصنیف "الغنیتہ الطالبین طریق الحق" میں ان کی حیثیت ایک معلم دینیات کی ہے۔ اس کتاب کے شروع میں ایک سنی مسلمان کے اخلاق اور معاشرتی فرائض کی وضاحت کی گئی ہے۔ ازاں بعد اس میں حنبلی مسلک کے ایک رسالے کی صورت میں وہ معلومات درج کر دی گئی ہیں' جن کا حاصل کرنا ہر مومن کے لیے ضروری ہے۔ اس میں "اسلام کے تہتر" فرقوں کی ایک مجمل سی تشریح بھی شامل ہے اور آخر میں تصوف کے مخصوص طریقے کا ذکر کیا گیا ہے۔ غالی حنبلی ان مخصوص فرائض کو جنہیں صوفیہ نے اپنے آپ پر لازم گردان لیا ہے' محل نظر قرار دیتے ہیں۔ ابن تیمیہ کے نزدیک بعض ایام کی مخصوص اجتماعی دعائیں جو غنیتہ میں مکی کی "قوت القلوب" سے لے کر درج کی گئی ہیں' اس وقت محل اعتراض بن جاتی ہیں جب وہ شرعی فریضے کی حیثیت اختیار کر لیں لیکن احکام شرعیہ کے ساتھ تصادم جیسا کہ ابن الجوزی نے تلبیس ابلیس میں اپنے زمانے کے صوفیوں کے ہاں بیان کیا ہے' شیخ کی تحریروں میں نظر نہیں آتا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے پیغام کے سامنے' جیسا کہ وہ قرآن و سنت میں آیا ہے' چوں وچرا کیے بغیر سر تسلیم خم کر دینا ہی کسی صوفی کے اس دعوے کو خارج از بحث کر دیتا ہے کہ اسے مستقل وحی و الہام کے ذریعے سے پیغام ملتا ہے۔ اعمال نافلہ کی بجا آوری کا مطلب یہ ہے کہ احکام الیہہ کے مطالبات (فرائض) کو اس سے پہلے ادا کیا جا چکا ہے۔ اس کتاب میں اگرچہ مجاہدات اور ریاضات کی ممانعت نہیں کی گئی' تاہم ان کی اجازت بعض شرائط کے ساتھ ہی دی گئی ہے۔ استغراق پیدا کرنے والے مشاغل کی تحدید ان فرائض کی بجا آوری سے ہوتی ہے جو اہل و عیال اور معاشرے کی طرف سے انسان پر عائد ہوتے ہیں۔ کامل صوفی (از خود فانی اور) باقی بحق ہوتا ہے۔ اسے سرالٰہی (سر قدیم' قصیدہ غوثیہ) کا علم ہوتا ہے' لیکن کوئی ولی خواہ وہ "بدل" یا "غوث" کے رتبے تک بھی کیوں نہ پہنچ جائے' نبی کے درجے کو نہیں پا سکتا' چہ جائے کہ اس سے آگے بڑھ جائے۔ شیخ عبدالقادرؒ کی ذات میں بہ حیثیت صوفی اور بہ حیثیت حنبلی کوئی تصادم نہیں۔

یہی خیالات ان کے خطبوں میں بھی ظاہر کیے گئے ہیں' جن کے مجموعے الفتح الربانی اور فتوح الغیب کی صورت میں موجود ہیں۔ ان خطبوں میں جناب شیخ نے سامعین کو اکثر ولی کامل کی طرف توجہ دلائی ہے' لیکن ان خطبوں کا مضمون اور ان کا طرز بیان ظاہر کرتا ہے کہ ان کے مخاطب صرف صوفی نہ تھے۔ ان خطبوں کا انداز بیان سیدھا سادا ہے' جن میں صوفیوں کی اصطلاحیں استعمال کرنے سے احتراز کیا گیا ہے' اور صرف سادہ اخلاقی نصیحتیں کی گئی ہیں۔ ان باتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ خطبے سامعین کے بڑے بڑے اجتماعات میں دیئے گئے تھے۔ ان انسانوں کے سامنے جو تقدیر کی طاقت کو ایک مستقل خطرہ محسوس کرتے رہے ہیں' وہ انسان کی مثالی شکل پیش کرتے ہیں' یعنی ایسے ولی کی جو اپنے عارضی وجود پر غالب آ کر حقیقی ہستی کو پا لیتا ہے۔ ایسا شخص تقدیر اور موت کے خوف پر بھی قابو پا لیتا ہے' کیونکہ وہ اس ذات کے ساتھ واصل ہو جاتا ہے جس کے ہاتھ میں تقدیر اور موت کی کنجیاں ہیں۔ شیخ عبدالقادرؒ نے جس تصوف کی تعلیم دی ہے' وہ نفس و ہوٰی کے خلاف جہاد کرنے پر مشتمل ہے' جو جہاد بالسیف سے (جو کفار کے مقابلے میں کیا جاتا ہے) افضل اور اکبر ہے اور اسی طرح شرک خفی پر' یعنی اپنے نفس کے بت کی پرستش پر' نیز جملہ مخلوقات کے اصنام پر غلبہ حاصل کرنے اور ہر خیر و شر میں اللہ کی رضا کو کارفرما دیکھنے اور اس کی شریعت کے مطابق اس کی رضا کے سامنے سر تسلیم خم کر دینے کا نام ہے۔

شیخ عبدالقادرؒ پر الشطنوفی کی کتاب بہجتہ الاسرار، جسے دوسرے مصنفوں نے اپنا ماخذ بنایا ہے، ان کی وفات کے سو سال بعد لکھی گئی تھی۔ اس کا بیان جسے الذہبی ناقابل اعتماد قرار دے کر مسترد کر چکا ہے۔ انہیں افضل و اعظم ولی ظاہر کرتا ہے۔ اس کتاب میں جناب شیخ کو ولی کامل کے اس تصور کے مطابق جو کہ خود ان کے ذہن میں تھا، پیش نہیں کیا گیا، بلکہ اس کتاب کا پیش کردہ بزرگ ایسا نہیں جو کائناتی تسلیم و رضا کی علامت کا کام دے سکے، اور اس جہان اور اگلے جہان دونوں کو ترک کر دینے اور دونوں جہانوں میں اللہ کی تقدیر کو قبول کرنے میں اس کے نمونے کی پیروی کی جا سکے۔ (مقالہ نگار کی رائے میں) الشطنوفی نے ولی کی حیثیت سے شیخ عبدالقادرؒ کا جو نقشہ پیش کیا ہے وہ ایک ایسے زہد و اتقا کی پیداوار ہے، جس نے اپنے مثالی تصور کو عملی صورت دینے کی امید ترک کر دی ہو۔

روایت کے مطابق خود شیخ عبدالقادرؒ نے اپنے ایک جملے میں، جو ان کے نام سے ہمیشہ مربوط رہا ہے، ولایت کا بلند ترین درجہ حاصل کرنے کا دعویٰ کیا ہے، جس کی تصدیق ان کے زمانے کے اکثر اولیا اللہ نے کر دی۔ وہ جملہ یہ ہے (قدمی ھذہ علی رقبتہ کل ولی اللہ، میرا یہ قدم ہر ولی اللہ کی گردن پر ہے۔) "قصیدہ غوثیہ" کے نام سے ایک نظم بھی ہے، جو ان کی طرف منسوب کی جاتی ہے۔ اس نظم میں جس کا لب و لہجہ ان کی مصدقہ تحریرات سے جداگانہ ہے، ان کے "سر" کا ذکر ہے، جسے آگ کو بجھانے، مردوں کو زندہ کرنے، پہاڑوں کو ریزہ ریزہ کرنے اور سمندروں کو خشک کرنے کی طاقت حاصل ہے اور اس میں ان کے مرتبے کی بلندی کو ظاہر کیا گیا ہے۔ شیخ عبدالقادرؒ میں خدا کی ناقابل تصور اور ناقابل فہم شان جلوہ گر ہے۔ شیر خواری کے زمانے سے لے کر جب انہوں نے اپنی والدہ کا دودھ پینے سے انکار کر کے ماہ رمضان کے شروع ہونے کی خبر دی، ان کی زندگی مسلسل کرامات و خوارق عادات کا ایک سلسلہ ہے۔ اَن کی شکل و صورت، ان کا علم، ان کی طاقت، سب میں خرق عادت مضمر ہے۔ وہ دور کے گناہ گاروں کو سزا دیتے ہیں اور معجزانہ طریقے سے مظلوموں کی امداد کرتے ہیں، پانی پر چلتے اور ہوا میں اڑتے ہیں ان کے لیے کوئی بات غیر ممکن نہیں۔ ان کی مجالس میں فرشتے اور جن "ساکنان عالم خفی" حاضری دیتے ہیں، بلکہ خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم تشریف لا کر اپنے استحسان کا اظہار فرماتے ہیں۔ جب ابن الجوزی اپنے سامعین کو تلقین کرتے ہیں کہ وہ اپنے مطالعے کو صرف دینی ماخذ اور متعلقہ ادب ہی تک محدود نہ رکھیں بلکہ اخلاقی اور ادب آموز کتابیں بھی پڑھیں، تو اس کی وجہ یہ ہے کہ انہیں عقلیت کے خطرے کا پورا پورا احساس تھا۔ یہ کہتے وقت ان متین اور باوقار حنبلی بزرگ کے سامنے، جو جوش و ہیجان کا مقابلہ جوش و ہیجان سے کرتے تھے، ماضی کے متقی اور مثالی اشخاص کے حالات تھے۔ شیخ عبدالقادرؒ کے متعلق جو ادب شائع ہو چکا ہے، وہ ایسے شخص کی زندگی پیش نہیں کرتا جس کی مثال کی دوسرے لوگ پیروی کر سکیں۔ اس ادب کا موضوع سخن، الوہیت کو محسوس وجود کی شکل میں اس کی ناقابل تصور اور معجزانہ صفات کے ساتھ پیش کرنا ہے۔ ولی کو اس صورت حال میں، جس میں دین کے تقاضوں کو پورا نہیں کیا جا سکتا، بظاہر ایک ایسی ہستی کا تشخص بنا دیا گیا ہے جو انسانی کوشش سے ناقابل حصول ہے۔ ولی مطالبات نہیں کرتا یعنی کچھ مانگتا نہیں، بلکہ ان لوگوں کو برکت دیتا ہے جو خفی عبادت کرتے ہیں۔ اس اعتبار سے شیخ عبدالقادرؒ اسلام میں معروف ترین وسائل میں سے ایک وسیلہ ارتباط بن گئے۔ ان کا مزار جس پر سلطان سلیمان نے ۹۴۱ھ / ۱۵۳۵ء میں ایک خوبصورت قبہ تعمیر کرایا، بغداد میں آج تک مسلمانوں کی بہت بڑی زیارت گاہوں میں سے ہے۔ (W.BRAUNE)

تعلیقہ

تاریخ اسلام کے معروف ترین روحانی پیشوا اور عظیم صوفی، جو عرف عام میں غوث اعظم اور پیر پیراں کے نام سے مشہور ہیں، (بعض قدیم تذکرہ نگاروں نے انہیں "شیخ الاسلام، تاج العارفین، محی الدین" کے القاب سے یاد کیا ہے۔ اسی مورخ کا بیان ہے کہ وہ "الجیلانی" کے عرف سے بھی مشہور تھے۔ ان کی کنیت ابو محمد تھی۔ ان کے اکثر سوانح نگاروں نے ان کا پدری سلسلۂ نسب امام حسن بن علی رضی اللہ عنہ سے اور مادری سلسلۂ نسب امام حسین بن علیؓ سے ملایا ہے۔ بعض لوگوں نے اس مسئلے پر شبہات کا اظہار بھی کیا ہے مگر علامہ رشید رضا نے لکھا ہے کہ انساب اور تاریخ کے متاخرین علما میں سے تقریباً ستر مصنفین نے عبدالقادر الجیلانیؒ کو حسنی الاصل سادات میں شمار کیا ہے اور ان کے درج ذیل شجرۂ نسب کی تصدیق کی ہے: "ابو محمد عبدالقادر محی الدین بن ابی صالح موسیٰ جنگی (زنگی؟) دوست بن عبداللہ (المقنی) بابی عبداللہ بن موسیٰ الجون بن عبداللہ المحض بن الحسن المثنیٰ بن الحسنؓ السبط بن الامام علیؓ"۔ ابن تغری بردی نے بھی بعینہٖ یہی شجرہ درج کیا ہے والدہ کی طرف سے ان کے حسینی الاصل ہونے کی تصریح داراشکوہ نے کی ہے۔

اس بات پر اکثر تذکرہ نگار متفق ہیں کہ الشیخ عبدالقادرؒ جیلان میں پیدا ہوئے۔ جیلان اور دیلم کے علاقے بحیرۂ خزر (شمالی ایران) کے جنوبی ساحل پر واقع ہیں، جن کی مشرقی حدود ری اور طبرستان سے ملتی ہیں البتہ جیلان کی جس بستی میں ان کی پیدائش ہوئی، اس کا نام، الشطنوفی نے نیف بہجتہ الاسرار و معدن الانوار، اور یاقوت نے بیشتر بیان کیا ہے، عبدالمومن، السیوطی اور فیروز آبادی نے یاقوت کا اتباع کیا ہے۔ یہ امکان بھی ظاہر کیا گیا کہ ان میں سے ایک بستی میں، شیخ کی پیدائش اور دوسری میں پرورش وغیرہ ہوئی۔ شیخ کا سال ولادت اکثر سوانح نگاروں کے مطابق یکم رمضان ۴۷۰ھ / ۱۰۷۷۔۱۰۷۸ء ہے اور داراشکوہ نے "سفینتہ الاولیاء" میں دوسرا قول ۴۷۱ھ / ۱۰۷۸۔۱۰۷۹ء کا بھی نقل کیا ہے ابن تغری بردی نے دوسرے قول (یعنی ۴۷۱ھ) پر ہی اعتماد کیا ہے۔

شیخ کے والد کا نام ابو صالح موسیٰ جنگی (زنگی؟) دوست تھا۔ شیخ کی پرورش اور تعلیم و تربیت کے سلسلے میں ان کا تذکرہ نہیں ملتا۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان کا انتقال شیخ کی کم سنی میں ہو گیا تھا۔ والد نے اسی دینار ترکے میں چھوڑے تھے، ان میں سے چالیس دینار شیخ کو والدہ نے اس وقت دیے جب وہ طلب علم کے لیے بغداد روانہ ہوئے۔ بقیہ رقم شیخ کے دوسرے بھائی کے لیے رکھی گئی۔ شیخ کی والدہ کا نام ام الخیر امتہ الجبار فاطمہ تھا۔ وہ ابو عبداللہ الصومعی کی صاحبزادی تھیں۔ الصومعی اپنے وقت کے معروف صوفی بزرگ تھے، وہ متعدد مشائخ کی صحبت سے فیض یاب تھے اور وہ ایک مستجاب الدعوۃ ولی سمجھے جاتے تھے۔ جامی نے ان کا تذکرہ "از بزرگان مشائخ گیلان و رؤسائے زہاد ایشان کے الفاظ سے شروع کیا ہے۔ ممکن ہے کہ شیخ اوائل عمر میں اپنے نانا الصومعی کے قرب میں رہے ہوں، بہرنوع شیخ کو اپنے نانا کے نام پر سبط ابی عبداللہ الصومعی الزاھد (یعنی نبیرہ الصومعی) کے عرف سے پکارا جاتا تھا۔

اٹھارہ برس کی عمر میں شیخ، تحصیل علم کے لیے بغداد روانہ ہوئے۔ جامی نے اس موقع سے متعلق شیخ کا اپنا

بیان نقل کیا ہے "میں نے اپنی والدہ سے کہا' مجھے خدا کے کام میں لگا دیجیے اور اجازت مرحمت کیجیے کہ بغداد جا کر علم میں مشغول ہو جاؤں اور صالحین کی زیارت کروں۔ والدہ رونے لگیں...... تاہم مجھے سفر کی اجازت دے دی اور مجھ سے عہد لیا کہ تمام احوال میں صدق پر قائم رہوں۔ والدہ مجھے الوداع کہنے کے لیے بیرون خانہ تک آئیں اور فرمانے لگیں "تمہاری جدائی خدا کے راستے میں قبول کرتی ہوں۔ اب قیامت تک تمہیں نہ دیکھ سکوں گی....."

شیوخ واساتذہ

بغداد میں جن شیوخ اور اساتذہ سے شیخ عبدالقادر مستفید ہوئے' ان میں سے چند ممتاز شخصیات یہ ہیں: (۱) ابو زکریا یحییٰ بن علی بن الخطیب التبریزی (م ۵۰۲ھ)' جو نحو' لغت اور ادب کے امام تھے۔ نظامیہ (بغداد) میں شعبۂ ادب کی تدریس اور کتاب خانے کی نگرانی ان کے سپرد کی گئی تھی' دین اور ادب میں کئی تالیفات ان کی یادگار ہیں۔ التبریزی سے شیخ نے عربی زبان اور ادب کی تحصیل کی' جس کے نتیجے میں شیخ میں عربی زبان پر قدرت اور فصاحت و بلاغت کے نہایت اونچے معیار کے ساتھ شعر اور خطابت کا جوہر پیدا ہوا۔ (۲) ابوالوفاء علی بن عقیل البغدادی المظفری (م ۵۱۳ھ)' معروف حنبلی فقیہ' جو فقہ میں الارشاد اور الفصول کے علاوہ متعدد کتب کے مصنف بھی تھے شیخ نے ان سے فقہ کا درس لیا۔ ابو غالب محمد بن الحسن الباقلانی اور دیگر متعدد شیوخ حدیث سے علم حدیث پڑھا۔ (۵) الشیخ حماد الدباس (م ۵۲۵ھ)' شیخ عبدالقادرؒ کے مشائخ صحبت میں سے تھے۔ شیخ حماد عارف اور زاہد مرتاض بزرگ تھے اور علوم درسیہ کے اعتبار سے اُمّی تھے۔ جامی نے انہیں "قدوۂ مشائخ کبار" لکھا ہے اور بتایا ہے کہ شیخ عبدالقادرؒ ان کی صحبت میں غایت ادب ملحوظ رکھتے تھے۔ شیخ حماد نے شیخ عبدالقادرؒ کے بارے میں مقتدائے اولیا ہونے کی پیشگوئی فرمائی تھی۔ القاضی ابو سعید (مبارک بن علی) المخرمی الحنبلی (م ۵۶۱ھ)' حنبلی فقیہ اور معروف صوفی تھے' شیخ نے ان سے فقہ اور اصول فقہ کی تعلیم پائی۔ قاضی المخرمی' شیخ عبدالقادرؒ کے شیخ طریقت (شیخ خرقہ) بھی تھے۔ شیخ عبدالقادرؒ نے المخرمی کے ہاتھ سے خرقۂ طریقت پہنا۔ اس خرقۂ طریقت کی پوری سند حسب ذیل ہے: الشیخ عبدالقادر الجیلانی' القاضی ابو سعید المخرمی' ابوالحسن علی بن محمد القرشی' ابو الفرج الطرسوسی' ابوالفضل عبدالواحد التیمی' ابوبکر الشبلی' ابوالقاسم جنید' الشیخ السری السقطی' معروف الکرخی' داؤد الطائی' حبیب العجمی' حسن البصری' امیرالمومنین علیؓ ابن ابی طالب۔ جامی نے اس سند کو فقط ابوبکر الشبلی سے بیان کیا ہے علوم عربیہ اور علوم دینیہ میں شیخ نے یکساں طور پر تبحر حاصل کیا تھا' بالخصوص موخر الذکر علوم میں وہ طبقۂ عالیہ کے علما میں شمار ہوتے تھے۔ ۵۲۸ھ میں شیخ کے معلم اور مرشد قاضی ابو سعید المخرمی' کا قائم کردہ مدرسہ شیخ کے سپرد کیا گیا جس میں انہوں نے مختلف تیرہ علوم و فنون کی تدریس کا کام سنبھالا۔ اس سلسلے میں تفسیر' حدیث' فقہ حنبلی' فقہ مع اختلاف المذاہب' اصول فقہ اور نحو کے اسباق خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ نماز ظہر کے بعد شیخ کے ہاں قرآن مجید کی تجوید و قرات کا درس ہوتا اور صبح و شام تفسیر و حدیث اور دیگر علوم پڑھنے والی جماعتیں بیٹھتیں۔ دارالافتا کا کام بھی ان کے ذمے تھا اور اقطار اسلامی سے کثیر استفتا انہیں وصول ہوتے۔ وہ امام احمد بن حنبلؒ اور امام شافعیؒ کے مذاہب کے مطابق فتویٰ لکھتے۔

تلامذہ

جن اصحاب نے علوم دریسہ میں شیخ عبدالقادرؒ سے استفادہ کیا اور ان سے حدیث روایت کی' ان میں سے چھ کے اسما یہ ہیں: ابو سعد السمعانی' عمر بن علی القرشی' الحافظ عبدالغنی' الشیخ الموفق' یحییٰ بن سعداللہ التکریتی' عبدالرزاق بن عبدالقادر' موسیٰ بن عبدالقادر (موخر الذکر دو اصحاب شیخ کے صاحبزادگان سے ہیں)

تالیفات

(۱) الغنیۃ لطالبی طریق الحق۔ (غنیۃ الطالبین کے نام سے معروف ہے' مگر خود مولف نے دیباچے میں اس تالیف کا نام الغنیۃ لطالبی طریق الحق لکھا ہے)' شیخ کی معروف اور ان کے افکار پر مشتمل مرکزی تالیف یہی الغنیۃ..... ہے۔ کتاب کا آغاز شریعت اسلامی کے ارکان کی تفصیل اور متعلقہ مسائل فقہ کے بیان سے ہوتا ہے۔ اس کے بعد "کتاب الادب" میں انفرادی اور مجلسی زندگی کے بارے میں شرعی آداب بتائے گئے ہیں۔ "باب الامر بالمعروف" میں امر بالمعروف کی اہمیت اور اس کی شرائط بیان کی گئی ہیں۔ "باب معرفۃ الصانع" میں ایمان کی حقیقت اور فرق بدعت و ضلاعت کا بیان ہے۔ "باب لاتعاظ بمواعظ القرآن" میں نفس' روح اور قلب کی تشریح ہے' کبائر و صغائر سے تحذیر اور توبہ کے بیان کے بعد اس طویل باب میں سال کے مختلف ایام و شہور میں آنے والی شرعی عبادات و تقریبات کے لیے ہدایات درج کی گئی ہیں۔ کتاب کی آخری فصلوں میں طریقت کے مباحث لیے گئے ہیں جن میں مبتدی مریدین سے لے کر شیوخ طریقت تک کے لیے آداب بتائے ہیں۔ انہیں فصول میں صحبت' فقر' مجاہدہ' توکل' شکر' صبر' رضا اور صدق کے مباحث بھی ملتے ہیں۔ اس عظیم تالیف کے مندرجات میں شریعت و طریقت کا اصل لب لباب بیان کرتے ہوئے مسلمانوں میں ایمان و عمل کے احیا کی بھرپور کوشش کی گئی ہے۔ یہ کتاب دو اجزا میں' بولاق میں ۱۲۸۸ھ اور ۱۳۲۲ھ میں چھپی۔ مکۂ مکرمہ سے اس کا ایک ایڈیشن ۱۳۱۴ھ میں شائع ہوا۔ دہلی سے ۱۳۰۰ھ میں یہ کتاب' مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی کے بین السطور فارسی ترجمے اور عبداللہ لبیب سیالکوٹی (بن عبدالحکیم سیالکوٹی) کے مقدمے کے ساتھ شائع ہوئی تھی۔ بعض اہل علم نے الغنیۃ کو شیخ عبدالقادرؒ کی تالیف ماننے میں تردد کا اظہار کیا ہے (عبدالعزیز الملتانی النبراس' لاہور' ص ۷۶)۔ اس کتاب کے بعض مندرجات یقیناً" محل غور معلوم ہوتے ہیں مثلاً" "باب معرفۃ الصانع" میں اہل بدعت و ضلالت کی تفصیل کے سلسلے میں الرجئتہ کے بارہ گروہ بتائے ہیں اور الحنفیۃ کو بھی الرجئتہ کا ایک گروہ شمار کیا ہے' نیز الحنفیۃ کے تعارف میں یہ الفاظ ملتے ہیں: واما الحنفیۃ فھم بعض اصحاب ابی حنیفۃ النعمان بن ثابت زعموان الایمان ھو المعرفۃ والاقرار باللہ و رسولہ و بماجاء من عندہ جملقہ"..... الخ۔ اس عبارت پر' الغنیۃ کے مترجم (فاضل سیالکوٹی) نے حاشیے پر یہ نوٹ لکھا ہے: "بدانکہ ذکر حنفیہ در فرق مرجئیہ و گفتن کہ ایمان نزد ایشان معرفت است و اقرار' خلاف مذہب این طائفہ است کہ در کتب مقرر است و شاید این رابعضے مبتدعان بہ بعض این فرقہ داخل کردہ اند این را در کلام شیخ قدس سرہ" (الغنیۃ لطالبین طریق الحق' فارسی ترجمہ از مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی' دہلی ۱۳۰۰ھ' ص ۲۲۷ تا ۲۳۰)' (۲) الفتح الربانی والفیض الرحمانی: یہ کتاب' شیخ کے باسٹھ مواعظ پر مشتمل ہے' قاہرہ میں ۱۲۸۱ھ اور ۱۳۰۲ھ میں طبع ہوئی' (۳) الفیوضات الربانیۃ

فی الاوارد القادریتہ؛ قاہرہ سے ۱۳۰۳ھ میں چھپی' (۴) فتوح الغیب: یہ کتاب اٹھتر مقالات پر مشتمل ہے' استانبول میں ۱۲۸۱ھ میں طبع ہوئی۔ اس کتاب کے متعدد ایڈیشن پاک و ہند سے بھی شائع ہو چکے ہیں' جن میں بالعموم شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کی فارسی شرح اور ترجمہ بھی شائع ہوا ہے' (۵) بشائر الخیرات: اس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر درود و سلام پڑھنے کے لیے متعدد عبارات مرتب کی گئی ہیں' اسکندریہ میں ۱۳۰۴ھ میں طبع ہوئی۔ اس کے علاوہ' البغدادی نے شیخ کی درج ذیل تالیفات کے نام گنوائے ہیں: (۶) تحفتہ المتقین و سبیل العارفین' (۷) حزب الرجاء والانتہاء' (۸) الرسالہ الغوثیہ' (۹) الکبریت الاحمر فی الصلوۃ علی النبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم (غالباً" یہ وہی تالیف ہے جس کا تذکرہ سرکیس نے بشائر الخیرات کے نام سے کیا ہے (۱۰) مراتب الوجود' (۱۱) یواقیت الحکم' (۱۲) معراج لطیف المعانی۔

عمر رضا کحالہ نے شیخ کی تالیفات میں مزید یہ نام درج کیے ہیں: (۱۳) جلاء الخاطر فی الباطن والظاہر: (۱۴) سرالاسرار و مظہرالانوار فیما یحتاج الیہ البرار' (۱۵) آداب السلوک والتوصل الی منازل الملوک۔

رشید رضا نے اپنے مضمون میں بتایا ہے کہ مفتی طرابلس (شام) کے کتاب خانے میں قرآن مجید کی ایک عمدہ تفسیر کا قلمی نسخہ موجود ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ تفسیر بھی شیخ کی تالیف ہے۔ مضمون نگار نے یہ خیال بھی ظاہر کیا ہے کہ اوراد و وظائف کی قبیل سے کئی ایسی چیزیں بھی شیخ کی طرف منسوب کی جاتی ہیں جن کی نسبت شیخ کی طرف درست نہیں۔

تبلیغ و موعظت

تدریس' افتا' خانقاہی تربیت' اور تصنیف و تالیف کے ساتھ' عامتہ الناس کی اصلاح کے لیے شیخ نے تبلیغ و موعظت کے کام کی طرف بھی توجہ کی۔ شیخ کے خطبات سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ نہایت بلند پایہ خطیب تھے۔ عام وعظ کا آغاز انہوں نے ۵۲۱ھ میں کیا جب بغداد میں ابوالفتوح الاسفرایینی نے ایسے خطبے دیے جن میں بے بنیاد روایات کی کثرت ہوتی اور ناپسندیدہ مضامین کی بھرمار۔ اس سے عوام و خاص میں بے چینی پیدا ہوئی۔ دوسری طرف جب شیخ کے مواعظ کا سلسلہ شروع ہوا تو لوگوں نے ذوق و شوق سے شیخ کی مجالس کی طرف رجوع کیا اور ابوالفتوح کا مسئلہ خود بخود ختم ہو گیا۔

شیخ کی مجلس وعظ بھی' قاضی ابوسعید المخرمی کی درس گاہ ہی میں منعقد ہوتی۔ شائقین کے ہجوم کا یہ عالم تھا کہ مدرسے میں توسیع کرنی پڑی۔ ان کی مجلس میں صدہا اہل علم' قلم اور کاغذ لے کر بیٹھتے اور عامتہ الناس کے رجوع کا یہ عالم تھا کہ گویا سارا بغداد شیخ کے وعظ پر امنڈ آتا۔ یہ بھی بتایا گیا ہے کہ درس گاہ میں ناکافی جگہ ہونے کے باعث شیخ کی مجلس وعظ' شہر سے باہر عید گاہ بغداد کے کھلے احاطے میں منعقد کی جانے لگی' جہاں اہل بغداد کے علاوہ دیگر بستیوں کے لوگ بھی گھوڑوں وغیرہ پر سوار ہو کر آتے' سواروں کی صفیں' مجلس کے اردگرد' فصیل شہر کی صورت اختیار کر لیتیں۔

شیخ سلسلہ مواعظ کے پیچھے یہ احساس کارفرما نظر آتا ہے کہ ملت اسلامیہ زوال کی زد پر ہے جس سے بچاؤ کے لیے دوسری کوئی قوت عالم اسلام میں سرگرم عمل نہیں۔ خطیب کا یہ احساس اس جذبے میں تبدیل ہو جاتا ہے کہ عالم اسلام کے مرکز بغداد میں کھڑے ہو کر کم از کم ایک صدائے درد تو بلند کی جائے۔ شیخ کے ایک خطبے سے

ایک اقتباس اردو میں ملاحظہ ہو:

"جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے دین کی دیواریں پے در پے گر رہی ہیں' اور اس کی بنیاد بکھری جاتی ہے' اے باشندگان زمین آؤ اور جو گر گیا ہے اس کو مضبوط کر دیں اور جو ڈھے گیا ہے' اس کو درست کر دیں' یہ چیز ایک سے پوری نہیں ہوتی' سب ہی کو مل کر کام کرنا چاہیے' اے سورج' اے چاند اور اے دن تم سب آؤ"

حکام اور امرا کے لیے بھی' امر بالمعروف کے سلسلے میں' شیخ کے ہاں کسی اور رعایت کی گنجائش نہ تھی۔ ایک معاصر خلیفہ المقتفی لامراللہ نے ابوابوفا یحیٰی بن سعید کو عہدہ قضا تفویض کیا حالانکہ یہ شیخ "ابن المزحم الظالم" کے لقب سے معروف تھا' اس موقع پر شیخ نے خلیفہ وقت کے اس اقدام کی بر سر منبر مذمت کی اور دوران وعظ میں اسے مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: "تم نے مسلمانوں پر ایک ایسے شخص کو حاکم بنایا ہے جو "اظلم الظالمین" ہے کل کو قیامت کے دن اس رب العلمین کو کیا جواب دو گے جو ارحم الراحمین ہے"۔ خلیفہ تک یہ بات پہنچی تو کانپ اٹھا اور قاضی مذکور کو فی الفور معزول کر دیا۔

اس سلسلہ تبلیغ کے اثرات' عظیم اصلاحی تحریکوں سے بڑھ کر ہوئے' ہر مجلس میں مشرف باسلام ہونے والوں اور بے عملی سے تائب ہو جانے والوں کا تانتا بندھ جاتا۔ شیخ کا یہ سلسلہ مواعظ چالیس برس تک جاری رہا۔ اس طرح لاکھوں نفوس ان سے براہ راست مستفید ہوئے۔

طریقت و تصوف

شیخ عبدالقادرؒ نے فنی اور اصلاحی پیچیدگیوں سے ہٹ کر تصوف کو واضح اور سادہ اسلوب دیا' ان کی تالیفات اس اعتبار سے صوفیانہ ادب میں بڑا اہم مقام رکھتی ہیں۔ انہوں نے تصوف کی زبان کو بھی عام فہم بنایا اور تصوف کے ساتھ وابستگی کے دروازے بھی عام آدمی کے لیے کھول دیے۔ بحیثیت صوفی مبلغ کے شیخ نے چالیس برس تک لوگوں میں وعظ و تلقین کا کام کر کے عملاً" ثابت کر دیا کہ تصوف و طریقت پر محض اہل خلوت کی اجارہ داری درست نہیں۔ شیخ عبدالقادرؒ تصوف میں پراسرار رمزیت (جو باطنیہ یا غیر متشرع متصوفین کو تقویت پہنچاتی تھی) کے خلاف تھے۔ وہ طریقت کو شریعت کے ساتھ ہم آہنگ اور کھلی شاہراہ کی طرح' کشادہ دیکھنا چاہتے تھے۔ منصور الحلاج کے بارے میں انہوں نے کہا تھا: "منصور الحلاج کے دور میں کوئی شخص ایسا نہ تھا جو اس کا ہاتھ پکڑتا اور اسے اس کی لغزش سے باز رکھتا' اگر میں اس کے زمانے میں ہوتا تو منصور کے معاملے کو اس صورت حال سے بچاتا' جو اس نے اختیار کر لی تھی"۔ شیخ نے بیعت اور خانقاہی تربیت کے طریقوں کو بھی مرکز توجہ بنایا۔ بیعت کا طریق' اہل ارشاد میں پہلے سے مروج تھا لیکن شیخ نے اسے وسعت اور تازگی بھی دی اور نظم و ضبط بھی بخشا۔ شیخ کی زندگی میں ان کا جاری کردہ طریقہ قادریہ لاکھوں نفوس کو فیضیاب کر چکا تھا۔ ان کے وصال کے بعد ان کے خلفا اور قادری خانقاہوں کا سلسلہ نہ صرف عالم اسلام میں اصلاح و ارشاد کی ایک وسیع تحریک کی صورت اختیار کر گیا بلکہ غیر مسلموں میں اشاعت اسلام کا ایک موثر ذریعہ بھی ثابت ہوا۔

شیخ کے بعد کے اکثر ممتاز صوفیہ نے روحانیت اور سلوک میں شیخ کے علو مقام کا تذکرہ کیا ہے' ان صوفیہ میں قادریوں کے علاوہ' چشتی' سہروردی اور نقشبندی بزرگ بھی شامل ہیں۔ عبدالحق محدث دہلویؒ نے شیخ عبدالقادرؒ

کے مقام روحانی کو "مرتبہ قطبیت کبریٰ وولایت عظمیٰ" کے الفاظ سے بیان کیا ہے۔

تجدیدی کام

پانچویں صدی ہجری تک عالم اسلام میں سیاسی و فکری ضعف و اضمحلال اپنے عروج کو پہنچ چکا تھا۔ عہد اموی میں جاہلیت کی رجعت قہقری اور بعد کے ادوار میں خلق قرآن' اعتزال' فلسفہ ملحدانہ اور باطنیت کے فتنوں نے اہل اسلام کے خواص میں تشکیک و الحاد اور عوام میں عملی بے راہ روی کے بیج بو دیے تھے۔ سابقہ صدیوں میں بھی مصلحین امت نے عظیم تجدیدی کام کیا۔ تاہم چوتھی صدی ہجری کے آخر اور پانچویں کے نصف اول میں امام غزالیؒ اور عبدالقادرؒ' تاریخ اسلام کے دو نہایت بلند پایہ مصلحین ابھرے۔ غزالیؒ کی فکری تحریک سے تشکیک و الحاد کے فتنے کا سد باب ہوگیا۔ لیکن جمہور امت میں بے یقینی اور بے عملی کے روگ کا مداوا ابھی باقی تھا۔ یہ کام عظیم صوفی مبلغ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے انجام دیا' جنھوں نے اپنے علم' روحانیت اور خطابت سے اپنے اصلاحی کام کو پوری طرح موثر بنا دیا۔

کرامات

معجزہ یا کرامت خرق عادت کے معنی ہیں۔ مغربی مصنفین کے لیے عموماً" ایک ناقابل فہم موضوع رہا ہے۔ مگر علمائے اسلام کے ہاں معجزات و کرامات پر مشتمل واقعات کو عقل سلیم اور اصول روایت کی رو سے پرکھنے کے بعد قابل یقین حقائق قرار دیا جاتا ہے۔ شیخ عبدالقادرؒ کے تذکرہ نگاروں نے ان کی کرامات کثرت سے نقل کی ہیں۔ یہ ضروری نہیں کہ ایسے تمام واقعات' علمی صحت کے معیار پر پورے اتریں۔ تاہم ابن تیمیہ اور عزالدین بن عبدالسلام جیسے نقاد اور مورخ علمائے کبار نے خیال ظاہر کیا ہے کہ شیخ کی کرامات حد تواتر کو پہنچ گئی ہیں۔

★★★

شیخ ابوالحسن بغدادیؒ نے فرمایا کہ میں نے خواب میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا اور عرض کی یارسول اللہ آپ میرے لئے دعا فرمائیں کہ مجھے قرآن و سنت پر عمل کرتے ہوئے موت آئے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ ایسا ہی ہوگا اور کیوں نہ ہو جبکہ تمہارے پیر شیخ عبدالقادر جیلانیؒ ہیں۔ میں نے تین مرتبہ آپ سے یہی درخواست کی' تینوں مرتبہ آپ نے وہی جواب دیا۔ صبح اٹھ کر میں نے یہ خواب اپنے والد سے بیان کیا۔ پھر ہم دونوں حضور غوث اعظم کی خدمت اقدس میں پہنچے۔ آپ وعظ فرما رہے تھے ہمیں دیکھ کر فرمایا تم میرے پاس بغیر دلیل کے نہیں آئے۔ پھر فرمایا جس کے رہنما جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہوں اور جس کا پیر عبدالقادر ہو تو اس میں بزرگی کیسے نہ ہو۔ آپ نے کاغذ قلم منگوایا اور ہم دونوں کو خلافت کی سند لکھ دی۔

شیخ ابوالحسن علی بن ہیتی نے فرمایا کہ کسی شیخ کے مرید اس قدر نیک بخت نہیں جس قدر نیک بخت شیخ عبدالقادرؒ کے مرید ہیں۔

شیخ ابوسعد قیلویؒ نے فرمایا کہ جو شخص جناب غوث اعظم سے اپنی نسبت و تعلق کو قائم کرلے یقیناً نجات پا جائے۔

تعلیماتِ جیلانی

انقلاب کی نوید
انقلاب کی نشانی

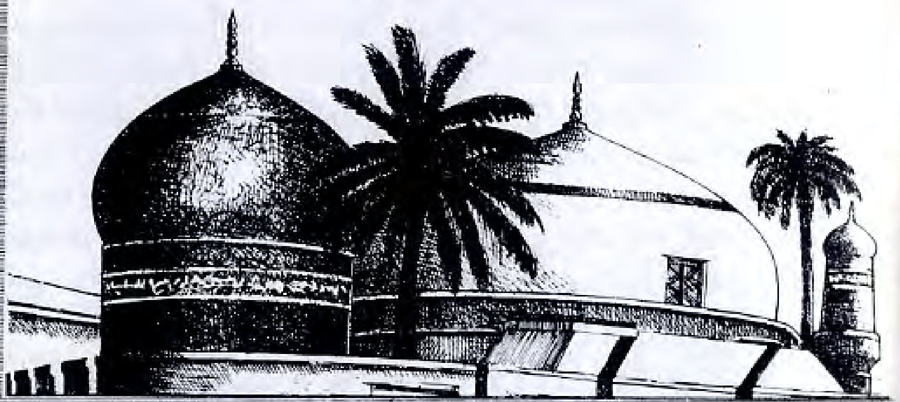

صوفیہ کا یہ سلسلہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی طرف منسوب ہے۔۔۔ آپ بغداد میں حنبلی فقہ کے ایک مشہور و معروف مدرسے کے صدر مدرس اور ایک رباط کے سربراہ تھے۔ وہ کبھی مدرسے میں اور کبھی رباط میں وعظ فرمایا کرتے تھے۔ (ان کے مواعظ کا مجموعہ الفتح الربانی کے نام سے مرتب ہوا ہے۔) ابن الاثیر کے زمانے میں یہ دونوں ادارے اسلامی دنیا میں کافی مشہور تھے۔ یاقوت نے لکھا ہے کہ ایک شخص نے' جو ۱۱۷۷ء میں فوت ہوا' وصیت کی تھی کہ اس کی وفات کے بعد اس کی کتابیں اس مدرسے کو دے دی جائیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں ادارے ۶۵۶ھ / ۱۲۵۸ء میں بغداد کی تاخت و تاراج کے وقت ختم ہوگئے۔ غالباً اس وقت تک ان دونوں اداروں کے صدر شیخ عبدالقادرؒ کے خاندان کے لوگ ہی رہے ہوں گے' جو اپنے دور کے سربر آوردہ افراد تھے۔ بہجتہ الاسرار میں' جہاں ان کی اولاد کا صحیح تذکرہ ملتا ہے' بیان کیا گیا ہے کہ شیخ کے بعد ان کے بیٹے عبدالوہاب (۵۵۲ھ / ۱۱۵۷ء تا ۵۹۳ھ / ۱۱۹۶ء) اور پھر ان کے بیٹے عبدالسلام (تقریباً ۶۱۱ھ / ۱۲۱۴ء) مدرسے میں ان کے جانشین ہوئے۔ ان کے ایک اور فرزند عبدالرزاق ایک مشہور زاہد مرتاض تھے۔ بغداد کی تباہی کے وقت اس خاندان کے متعدد افراد ہلاک ہوئے اور معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں ادارے بھی اسی وقت ختم ہوگئے۔

اس زمانے میں رباط اور زاویے میں فرق تھا: "رباط" ایک قسم کی خانقاہ یا تکیہ ہوتا تھا اور "زاویہ" اس جگہ کو کہتے تھے جہاں سالک گوشہ نشین ہوا کرتے تھے۔ ابن بطوطہ کے زمانے میں زاویہ بمعنی رباط بھی استعمال ہونے لگا تھا۔ ابن بطوطہ نے اپنے زمانے کے زاویوں میں جن جن اشغال کا ذکر کیا ہے وہ وہی ہیں جو شیخ کے

زمانے میں رباط میں مروج تھے۔ سلوک کے وہ ضوابط و قواعد جنہیں شیخ عبدالقادرؒ نے معین فرمایا تھا ایک علیحدہ سلسلے کی بنیاد بننے کے لیے کافی تھے۔ جب مرید اپنے شیخ سے خرقہ حاصل کر لیتا تو اس کے معنی یہ ہوتے تھے کہ وہ اپنے ارادے کو شیخ کے ارادے کے تابع کر چکا ہے۔ "بہجتہ الاسرار" میں ان لوگوں کی ایک طویل فہرست موجود ہے۔ جنہوں نے شیخ عبدالقادرؒ سے خرقہ حاصل کر کے سلوک کے مختلف مدارج طے کیے۔ ان میں سے دو نے سات برس کی عمر میں اور ایک نے ایک برس کی عمر میں خرقہ حاصل کر لیا تھا۔ یہ لوگ شیخ عبدالقادرؒ کے سلسلہ طریقت سے نسبت کے مدعی تھے۔ ان کا یہ بھی دعویٰ تھا کہ جب وہ کسی شخص کو خرقہ عنایت کرتے ہیں تو یہ ویسا ہی ہوتا ہے جیسا کہ خود شیخ علیہ الرحمتہ نے عطا کیا ہو۔ خرقہ دیتے وقت یہ معاہدہ ہوتا تھا کہ مرید شیخ عبدالقادرؒ کو اپنا شیخ اور رہنمائے کل مانے گا۔ ایک روایت کے مطابق جو غالباً موضوع معلوم ہوتی ہے، شیخ عبدالقادرؒ ارشاد فرماتے ہیں کہ ان کے سلسلے میں داخل ہونے کے لیے خرقہ حاصل کرنا ضروری شرط نہیں ہے۔ اگر مرید کے دل میں ان سے عقیدت ہے تو یہ کافی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کی زندگی ہی میں متعدد اشخاص نے ان کے سلسلے کی عوام میں اشاعت شروع کر دی تھی، چنانچہ علی بن حداد نے یمن میں اور محمد البطائحی نے، جو بعلبک کا باشندہ تھا، شام میں بیعت لی۔ تقی الدین محمد الیونینی، جو بعلبک ہی کا باشندہ تھا، اس سلسلے کا مشہور مبلغ تھا۔ بہجتہ الاسرار میں ایک شخص محمد بن عبدالصمد کا ذکر آتا ہے، جو مصر میں اپنے آپ کو شیخ عبدالقادرؒ کی طرف منسوب کرتا تھا اور دعویٰ کرتا تھا کہ راہ سلوک میں شیخ ہی اس کے رہنما ہیں۔ عوام میں مشہور تھا کہ جو شخص شیخ عبدالقادرؒ سے نسبت رکھتا ہے، وہ جنتی ہوگا، اس لیے قیاس غالب ہے کہ یہ سلسلہ بہت مقبول ہوتا چلا گیا۔

غالب گمان یہ بھی ہے کہ شیخ کی اولاد نے اس سلسلے کی نشر و اشاعت میں اہم کردار ادا کیا ہوگا۔ ابن تیمیہ (م ۷۲۸ھ / ۱۳۲۸ء) نے لکھا ہے کہ انہیں شیخ عبدالقادرؒ کی اولاد میں سے ایک شخص کے ساتھ رہنے کا موقع ملا۔ وہ ایک عام مسلمان کی طرح تھے اور قادریہ سلسلے میں بیعت بھی نہ تھے بلکہ ان لوگوں سے اتفاق رائے بھی نہ رکھتے تھے جو شیخ عبدالقادرؒ کی عقیدت میں غلو رکھتے تھے۔ le Chatelier نے اپنی کتاب due Hedjaz Confriries Musalmans میں ذکر کیا ہے کہ اس سلسلے کی اشاعت مراکش، مصر، عربستان، ترکستان اور ہندوستان میں ہو چکی تھی، لیکن بہجتہ الاسرار سے اس بات کی تصدیق نہیں ہو سکی۔ اسی طرح اس کی کتاب میں ان کے بیٹے عبدالرزاق کا ذکر تو موجود ہے، لیکن اس مسجد کا کوئی ذکر نہیں ملتا جو بقول مذکورہ بالا فرانسیسی مولف، انہوں نے تعمیر کرائی تھی اور جس کے ساتھ سنہرے گنبدوں کی تفصیل عرب مورخین نے بیان کی ہے۔ یہ مسجد حمد اللہ المستوفیؒ (۷۴۰ھ / ۱۳۳۹ - ۱۳۴۰ء) کے زمانے کے بعد کی معلوم ہوتی ہے۔ بہجتہ کے بعد یہ پہلا مصنف ہے جس نے شیخ کے مزار کا ذکر کیا ہے۔ اس سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ عبدالرزاق نے سب سے پہلے اشغال صوفیہ میں سماع کو رواج دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ شیخ کے زمانے سے پہلے ہی سماع کا رواج ہو چکا تھا۔ السہروردی نے اس پر جو بحث کی ہے۔ اس میں عبدالرزاق کا کوئی ذکر موجود نہیں۔ E.MERCEIR کا بیان ہے کہ قادریہ سلسلہ بارہویں صدی عیسوی میں بربرستان کے علاقے میں موجود تھا اور اس کا فاطمیوں (جن کی حکومت ۵۶۷ھ / ۱۱۷۱ء میں ختم ہوئی) سے گہرا تعلق تھا، لیکن ان بیانات کے لیے اس نے کوئی سند پیش نہیں کی۔

السہروردیؒ کا خیال ہے کہ شیخ کو ہر مرید کی انفرادی ضرورت کے مطابق اس کے لیے جدا جدا ریاضت کا

طریقہ متعین کرنا چاہیے۔ ایسی حالت میں یہ ممکن نہیں کہ شیخ نے ذکر، ورد اور حزب کا کوئی یکساں اور معین طریقہ جاری کیا ہو۔ یہ امر واقعہ ہے کہ مختلف ملکوں میں قادری سلسلوں کے اذکار و اشغال میں بڑا فرق نظر آتا ہے۔ ترکی میں ابتدائی داخلے کی رسوم، جن کا ذکر J.P. BROWNE نے اپنی کتاب "THE DERVISHES" میں کیا ہے۔ ان رسوم سے بالکل مختلف ہیں جو بقول RINN شمالی افریقہ میں رائج ہیں۔ RINN کے دیے ہوئے ایک بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ شمالی افریقہ میں قادریہ سلسلے میں حضرت علیؓ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے افضل قرار دیا جاتا ہے اور امام حسنؓ اور حسینؓ کی اہمیت کو زیادہ نمایاں کیا جاتا ہے۔ ایسے خیالات کو شیخ کے نام سے منسوب کرنا بالکل غلط ہے۔ وہ حنبلی مذہب کے پیرو تھے اور ان سے ایسے خیالات کا اظہار قرین قیاس نہیں۔ الفیوضات الربانیہ میں شیخ عبدالقادرؒ کے نام سے ایک ورد کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس کی سند عبداللہ بن محمد العجمی کے نام سے ہے، جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ ۱۹۵ سال (۵۳۶ھ تا ۷۳۱ھ) زندہ رہا۔ ظاہر ہے کہ یہ شخص محض فرضی ہے۔

۲۔ نشوونما

معلوم ہوتا ہے کہ قادری سلسلے کی نشوونما شروع زمانے ہی سے مختلف خطوط پر ہوتی رہی۔ اختلاف کی بنا اس پر ہے کہ بعض کے نزدیک شیخ عبدالقادرؒ سلوک کے ایک خاص طریقے کے بانی تھے، جس میں چند مخصوص رسوم و ریاضات مقرر ہیں۔ بعض کے نزدیک وہ صاحب کشف و کرامات تھے اور ان سے خرق عادت امور ظاہر ہوئے۔ اس کا مطلب یہ لیا جاتا تھا کہ وہ خدا کی طرف سے انتظام عالم کے لیے مامور ہیں۔ انتہا پسند لوگوں کا عقیدہ اس بارے میں یہاں تک پہنچا ہوا تھا کہ اللہ تعالیٰ کے بعد شیخ "مطلقاً" اور "کلیتہ" ہمیشہ کے لیے مالک کائنات ہیں، لیکن زیادہ اعتدال پسند کہتے تھے کہ وہ فقط اپنے زمانے کے لیے تھے۔ یہ خیال ابن العربی کا ہے، جو شیخ عبدالقادرؒ کو خلیفتہ اللہ مانتے تھے اور جو نہ صرف کائنات پر متصرف تھے بلکہ انہوں نے اپنے تصرف کا اظہار بھی کیا تھا۔

ابن العربی کے نزدیک خلیفتہ اللہ کا مقام وحی محمدی سے بالکل جداگانہ چیز ہے۔ (فصوص الحکم) (ابن العربی کا تصور یہ معلوم ہوتا ہے کہ کائنات میں دو سلسلے ایک دوسرے سے ممتاز اور مستقلاً" جاری ہیں: (۱) تکوین اور (۲) تشریع۔ وہ خلیفہ تکوینی کو خلیفہ تشریعی سے جدا مانتے ہیں)۔ ایک نظریہ یہ بھی تھا کہ شیخ عبدالقادرؒ کا تصرف قبر میں سے بھی زندوں کی طرح جاری ہے۔

ابن تیمیہ نے اس نظریے کی تردید کی ہے کہ وہ بعد از وفات بھی لوگوں کو انسانی شکل میں دکھائی دیتے ہیں۔ ابتدائی داخلے کی جن رسوم کا ذکر J.P.BROWNE نے (بحوالہ سابق) کیا ہے، ان میں بتایا گیا ہے کہ اس سلسلے میں داخلے کا امیدوار شیخ عبدالقادرؒ کو خواب میں دیکھتا ہے۔ ایک شخص نے تو انہیں اس کثرت سے اور اس قدر واضح دیکھا کہ شیخ عبدالقادرؒ کی تصویر دیکھے بغیر وہ انہیں ہزاروں میں سے شناخت کر سکتا تھا۔ شمالی افریقہ میں جو طریقہ قادریہ رائج ہے، اس میں شیخ کے بارے میں ایسی غلو عقیدت سے کام لیا جاتا ہے جو پرستش کے قریب قریب ہے۔ وہاں اس طریقے کو جیلانیہ کے بجائے جلالیہ کہا جاتا ہے۔ (اگرچہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس میں مولانائے روم کے طریقے سے کچھ التباس ہو گیا ہو۔) بہرحال اس طریقے کے لوگ جلالہ کہلاتے ہیں۔ اس

طریقے میں زمانہ جاہلیت کے اعتقادات کی آمیزش نظر آتی ہے اور ان اسرار کو ظاہری' مادی اور سفلی قوتوں کی شکلیں دے کر کچھ پرستش کی سی صورتیں اختیار کرلی گئی ہیں' چنانچہ پتھروں کے ایک ڈھیر کو خلوۃ کا نام دیا گیا' جہاں عورتیں ان سرکنڈوں پر جو پتھروں کے درمیان اگائے گئے ہوتے ہیں' چیتھڑے باندھتی ہیں اور لوبان اور گوند جلائی جاتی ہے۔ اس قسم کے خلوت کدے عربوں کے تمام گانووں میں پائے جاتے ہیں۔ اسی طرح صوبہ اور ان میں تمام سڑکوں پر اور بلند پہاڑوں کی چوٹیوں پر شیخ عبدالقادرؒ "جلالی" کے نام پر قبے پائے جاتے ہیں۔ گناوہ کے لوگ یائگی کے حبشی سمجھتے ہیں کہ ان کی زندگی کلیتہ مولائی عبدالقادر کی مرہون منت ہے' جنھوں نے بکثرت دیو اور پریاں مسخر کی ہوئی ہیں۔ M.MICHAUX-BELLAIRE کے خیال میں یہ وہی جناتی قوتیں ہیں جو قرآن (اور نیز ابتدائی مصنفین) کی رو سے حضرت سلیمانؑ کے تابع تھیں۔ خلوط اور طلق میں عورتیں شیخ کے نام پر ان تمام رسوم پر بڑے شد و مد سے کاربند ہیں۔ انہیں خلوت گاہوں میں عورتیں اپنی مرادیں اور منتیں لے کر آتی ہیں اور یہیں محبت و نفرت اور زندگی کے دیگر مسائل پیش کرتی ہیں۔ اس کے مقابل مرد فقط اس وقت وہاں جاتے ہیں جب وہ بیمار ہوتے ہیں۔

ظاہر ہے کہ یہ عقیدے ان لوگوں ہی کے ہوسکتے ہیں جن تک صحیح اسلامی تعلیم اور صحیح اسلامی تصوف کی روح نہیں پہنچی' ورنہ حقیقی قادریہ سلسلے کے اوراد و اشغال اور صحیح عقیدے ان سے مختلف ہیں۔ ان عقیدوں پر ابن تیمیہ اور ابراہیم الشاطبی وغیرہ نے سخت تنقید کی ہے۔ قادریہ سلسلہ بعض لحاظ سے دوسرے سلسلوں سے بلاشبہ مختلف ہے اور یہ اختلاف زیادہ تر اشغال اور اوراد کی بنا پر ہے۔ قادریہ سلسلے میں بہت زیادہ رواداری پائی جاتی ہے اور اس کے قواعد میں کسی قسم کی انتہاپسندانہ شدت موجود نہیں' یہ زیادہ تر ان حالات کا نتیجہ ہے جنکے زیر اثر اس سلسلے کا آغاز ہوا۔ اس کے برعکس اکثر سلسلے ایسے ہیں کہ ان کے پیروؤں کے خیال میں نجات اور فلاح کا دروازہ صرف اس شخص پر کھلا ہے جو اس سلسلے میں سبقت رکھتا ہے۔ (یہ سختی قادریہ سلسلے میں نہیں۔) اس کے علاوہ اگرچہ اس سلسلے کے بانی حنبلی تھے' لیکن اس کا دائرہ حنبلیوں تک محدود نہیں۔ یہ سلسلہ عملی لحاظ سے بڑا روادارانہ ہے۔

۳۔ جغرافیائی تقسیم

چونکہ جغرافیائی یا تاریخی کتابوں کے مولفین مذہبی عمارتوں کا ذکر کرتے ہوئے مختلف سلسلوں میں شاذ و نادر ہی امتیاز کرتے ہیں' اس لیے عراق کے سوا کسی اور ملک کے متعلق ہم یقینی طور پر یہ نہیں کہہ سکتے کہ سب سے پہلے قادریہ زاویے یا خانقاہ کی بنا کب ڈالی گئی۔ کہا جاتا ہے کہ فارس میں اس طریقے کو عبدالقادرؒ کے دو بیٹوں ابراہیم (م ۵۹۲ھ / ۱۱۹۶ء' واسط میں) اور عبدالعزیز (وفات سنجار کے گاؤں جبال میں پائی) کی اولاد نے رائج کیا۔ یہ دونوں ہجرت کرکے ہسپانیہ چلے گئے تھے۔ غرناطہ کے سقوط سے کچھ عرصہ پہلے ان کی اولاد مراکش چلی آئی۔ فاس کے شرفائے جیلالہ کا مکمل شجرہ نسب "Arch. Maroc" میں دیا ہے۔ اس کا ماخذ ابن الطیب القادری (۱۰۹۰ھ / ۱۶۷۹ء) کی کتاب الدار السنی ہے' جس کا یہ دعوٰی ہے کہ اس نے متعدد دستاویزات سے استفادہ کیا ہے۔ وہ فاس میں شیخ کی "خلوۃ" کا ذکر سب سے پہلے ۱۶۹۲۔ ۱۶۹۳ء میں لکھتا ہے۔ ایشیائے کوچک اور قسطنطنیہ میں اس سلسلے کو اسمٰعیل رومی نے رائج کیا۔ یہ وہی شخص ہے جس نے "قادری خانہ" نام کی خانقاہ

توپخانہ میں قائم کی تھی۔ اسے "پیر ثانی" کہتے ہیں اور اس نے ان علاقوں میں تقریباً چالیس تکیے قائم کیے۔ صالح بن مہدی نے لکھا ہے کہ تقریباً ۱۶۶۶۔ ۱۶۶۷ء میں مکہ مکرمہ میں ایک قادری رباط تھی' لیکن یہ دعوٰی بعید از امکان نہیں کہ ایک شاخ شیخ کی زندگی ہی میں وہاں قائم کردی گئی تھی' کیونکہ صوفیوں کے لیے مکہ معظمہ ایک قدرتی کشش رکھتا ہے۔ ابوالفضل نے آئین اکبری میں قادریہ سلسلے کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ سلسلہ قادریہ بہت محترم و معزز سلسلہ ہے' لیکن ہندوستان کے مسلمہ سلسلوں میں اس کو شامل نہیں کیا گیا۔ ماثر الکرام میں اگرچہ دیگر سلسلوں اور خاص طور پر شیخ عبدالقادرؒ کا نام بھی آتا ہے' لیکن ہندوستانی صوفیہ کی فہرست میں سلسلہ قادریہ کا ذکر نہیں ملتا (لیکن شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی کتاب انتباہ فی سلاسل اولیا اللہ میں' نیز داراشکوہ کی کتاب سکینتہ الاولیا میں اس سلسلے کے لوگوں کا تذکرہ موجود ہے۔)۔ DEPENTET COPPOLANI نے اپنی کتاب

"CONFRE-,RIES RELIGIEUSES MUSULMANES" نے قادریہ اور ان کے زاویوں کے کچھ اعداد و شمار دیے ہیں (جو شک و شبہہ سے بالا نہیں)۔ اس سلسلے کی ترقی بیشتر زمانہ حال کی ہے اور ہوسکتا ہے کہ اس کا سبب انکے ہم نام عبدالقادرؒ الجزائری ہوئے ہوں' جنھوں نے سالہاسال شمالی افریقہ میں فرانسیسی تسلط کی مزاحمت کرکے شہرت حاصل کی۔ بلاشبہہ یہ سلسلہ تمام اسلامی ممالک میں موجود ہے گو بعض ممالک میں کچھ دوسرے سلسلے' جو اس سے ماخوذ ہیں' زیادہ مقبول ہیں' چنانچہ گنی میں توبہ TOUBA کا قادریہ سلسلہ' جو کہ دیاکنکے DIAKANKE) قبیلے کی شناخت کی ایک نمایاں علامت بن گیا ہے' دراصل ٹمبکٹو کے "کونتا" KOUNTA قادریہ سلسلے سے سیدیہ (SIDIA) کے واسطے سے اخذ کیا گیا ہے۔ "کونتا" قادریہ ہی کی ایک شاخ ہیں بلکہ ان میں سے بعض تو اپنے آپ کو شاذلیہ کہلانا بھی پسند کرتے ہیں۔

تنظیم

قادریہ جماعت بغداد میں شیخ عبدالقادرؒ کے مزار کے سجادہ نشین کی برائے نام اطاعت تسلیم کرتی ہے اور مسند نشینی کی دستاویزیں' جنھیں Rinn نے شائع کیا اور جو Revue 'du Monde Musulman میں بھی شائع ہوئی ہیں' اسی ماخذ سے لی گئی ہیں' تاہم ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس مسند نشینی کی عظمت کا عملی اعتراف خاص طور پر عراق اور برصغیر پاکستان و ہند میں ہوتا ہے۔ برصغیر سے وقتاً فوقتاً جو نذر و نیاز بھیجی جاتی ہے' وہی اس خانقاہ کی آمدنی کا سب سے بڑا ذریعہ رہی ہیں' اسی لیے اس خاندان کے افراد اردو سیکھنا مفید مطلب سمجھتے ہیں۔ کل زاویے شیخ الطرق کے ماتحت ہوتے ہیں' جسے ان زاویوں کے مقدم مقرر کرنے کا حق حاصل ہے۔ اس کی مصری شاخ کا انتظام السید البکری کے پاس ہے' جو شیخ الطرق بھی ہیں۔ علی پاشا مبارک جو اس سلسلے کو ان چار سلسلوں میں شمار کرتا ہے جن کا آغاز ایک قطب سے ہوتا ہے' لیکن یہ تصریح کرتا ہے کہ اس کے نہ فروغ ہیں نہ بیوت) Rinn کے بیان کے مطابق افریقہ میں ہر مقدم اپنا جانشین خود نامزد کرتا ہے۔ اگر کوئی مقدم جانشین مقرر کیے بغیر مرجائے تو اس صورت میں "اخوان" ایک "حضرۃ" (مجلس) میں اس کا جانشین منتخب کرتے ہیں اور بعد میں بغداد کے رئیس کی منظوری لے لی جاتی ہے' جو عام طور پر مل ہی جاتی ہے۔ شمالی افریقہ میں اس سلسلے کی تنظیم کا کم و بیش تفصیلی بیان Rinn اور Dupont et Coppolani نے مذکورہ بالا تصنیفات میں دیا ہے۔

معلوم ہوتا ہے کہ اس نظام میں مقامی جماعتیں بالعموم خود مختار ہوتی ہیں' بالفاظ دیگر ہر جگہ کے زاویے آزاد ہوتے ہیں اور ان کا تعلق بغداد کے مرکزی ادارے سے بھی صرف سطحی سا ہوتا ہے۔ عام طور پر یہ مسلمہ قاعدہ ہے کہ ہر زاویے کا رئیس موروثی ہوتا ہے۔

علامات و رسوم

ترکیہ کے قادریہ سلسلے کی علامت ایک سبز رنگ کا گلاب بتایا جاتا ہے' جسے اسماعیل رومی نے اختیار کیا تھا۔ سلسلے میں داخل ہونے کا امیدوار ایک سال کے بعد ایک "عرقیہ" یعنی نمدے کی چھوٹی سی ٹوپ لاتا ہے۔ اگر وہ داخلہ حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائے تو شیخ اٹھارہ پنکھڑیوں والا ایک گلاب کا پھول اس کی ٹوپی پر ٹانک دیتا ہے' جس کے بیچ میں مہر سلیمان لگی ہوتی ہے۔ ان کے ہاں یہ ٹوپی تاج کہلاتی ہے۔ اس علامت کی مکمل تشریح جے پی براؤن نے اپنی کتاب "The Dervishes" میں کی ہے۔ Welberforce Clark نے ترجمہ عوارف المعارف' ص ۱۵۹' میں اسے نقل کیا ہے۔ کشف اسرار المشائخ کا اردو ترجمہ براؤن کی تشریح پر کوئی اضافہ نہیں کرتا۔ اس کا بیان ہے کہ اگرچہ دوسرے رنگوں کے استعمال کی اجازت ہے لیکن سبز رنگ کو ترجیح دی جاتی ہے۔ Lane کے زمانے میں مصر کے قادریہ سلسلے سے منسلک لوگوں کی پگڑیاں اور جھنڈے سفید ہوتے تھے۔ اس سلسلے کے بیشتر افراد ماہی گیر تھے اور وہ مذہبی جلوسوں میں بانسوں پر مختلف رنگوں کے جال لگا کر اٹھاتے تھے۔ برصغیر پاک و ہند میں شیخ عبدالقادرؒ کے اعزاز میں ۱۱ ربیع الاخر کو عرس منایا جاتا ہے اور الجزائر اور مراکش میں لوگ ان بزرگوں کے تکیوں اور مزاروں کی زیارت کو جاتے ہیں۔ نے سلا (Sale) میں جیلالہ کے سالانہ عرس کا طویل ذکر کیا ہے۔ یہ عرس عید میلاد النبیؐ کے ساتویں دن سے شروع ہو کر چار دن' یعنی ۱۷ سے ۲۰ ربیع الاول تک رہتا ہے۔ اس موقع پر لوگ نذرانے پیش کرتے ہیں۔ M. Michaux-Bellaire نے مراکش میں ان قادریوں کی رسوم کا ذکر کیا ہے جو "حزب" کی قرات کرتے ہیں' پھر جیلالہ کا ذکر کیا ہے جو مزامیر کے ساتھ "ذکر" کرتے ہیں' اس کے علاوہ اس نے جیلالہ کے دو مختلف گروہوں کا ذکر بھی کیا ہے۔ دیہات کے جیلالہ بندر (گھنٹیوں کے بغیر ایک قسم کی بڑی دف طھورہ) اور عوادہ جیسے آلات موسیقی استعمال کرتے ہیں اور شہری جیلالہ کے آلات طبیلہ' طبل اور غیطہ ہیں۔ اسی نے مذکورہ بالا پہلی عبارت میں حضرۃ الملوک کی رسم کا ذکر کیا ہے۔ یہ ایک گانا ہے جو طبیلہ' اور غیطہ کی قسم کے آلات موسیقی کے ساتھ گایا جاتا ہے اور وجد آور ہے۔ اس کے بعد اس نے بعض اور خاص رسوم کا بھی ذکر کیا ہے' جن کا تعلق مغرب میں اولاد خلیفہ سے ہے۔ مغرب کے تمام ہلالی جیلالہ ہیں اور جیلالہ کی تمام مجالس میں رسوم کی رہنمائی کے لیے کم از کم ایک خلیفہ موجود ہونا ضروری ہے اور اگر خلیفہ موجود نہ ہو تو کوئی اور شخص خلیفہ کے نام سے امامت کے فرائض ادا کرتا ہے۔ اولاد خلیفہ کی وجہ تسمیہ معلوم نہیں یہ امر قابل ذکر ہے کہ "بہجتہ" میں ایک شخص خلیفہ بن موسیٰ النہر ملکی کا ذکر آیا ہے' جس نے شیخ عبدالقادرؒ سے سلسلے کی اشاعت میں زبردست حصہ لیا تھا' دیہات کے جلالہ کی مجلس میں شیخ کے معین کردہ حزب اور ذکر استعمال نہیں ہوتے' بلکہ محض ایک سادہ سا ہوتا ہے' جس کے الفاظ بنادر (جمع بندر = گھنٹیاں) کے سروں کی تال پر فی البدیہہ گھڑ لیے جاتے ہیں۔ فی البدیہہ نغمے ہمیشہ ان الفاظ پر ختم ہوتے ہیں: "مولای عبدالقادر نے فرمایا" یا "ای مولای عبدالقادر"

مصر' ترکیہ اور ہندوستان میں اس سلسلے کے اوراد و اشغال کے مختلف مجموعے چھپے ہوئے موجود ہیں جن کی بابت خیال کیا جاتا ہے کہ یہ شیخ عبدالقادرؒ کے مقرر کردہ اشغال و اوراد ہیں۔ الفیوضات الربانیہ میں مذکور ہے کہ جو شخص خلوۃ (چلے) میں داخل ہونا چاہے' اسے چاہیے کہ دن کو روزہ رکھے اور رات کو شب بیداری کرے۔ خلوۃ کے لیے ایک چلہ مقرر ہے۔ اگر اسے کوئی صورت یہ کہتی ہوئی دکھائی دے کہ "میں خدا ہوں" تو اسے جواب میں کہنا چاہیے: "نہیں بلکہ تم خدا کے اندر ہو" اگر وہ صورت اس کی آزمائش کے لیے ہوگی تو غائب ہو جائے گی' لیکن اگر وہ قائم رہے تو وہ تجلی حقیقی ہوگی۔ ان چالیس دنوں میں خوراک بتدریج کم کرتے جانا چاہیے یہاں تک کہ آخری تین دنوں میں مکمل روزہ ہو جائے۔ چلے کے بعد وہ تدریجاً" اپنی پہلی خوراک پر آجاتا ہے۔

طنجہ کے جیلالہ کے بعض مخصوص اشغال کا G.Salmon نے ذکر کیا ہے۔ جو لوگ شیخ عبدالقادرؒ کی منت مانتے ہیں وہ زاویے میں سفید مرغ چڑھاتے ہیں' جنہیں محرر (نذر) کہتے ہیں۔ ان مرغوں کو وہ لوگ ذبح نہیں کرتے بلکہ انہیں زاویے میں آزادی سے پھرنے کے لیے چھوڑ دیا جاتا ہے اور تھوڑے ہی عرصے بعد زاویے کا رئیس یعنی "شریف" ' جو وہیں رہتا ہے' انہیں اپنے استعمال میں لے آتا ہے۔ ایک شریف کے مرنے کے بعد اس کی چار بیٹیاں زاویے کی آمدنی پر زندگی گزارتی رہیں اور ان "محرر" مرغوں کو لے جاتی رہیں۔ اس زاویے کا مقدم وہ "شریف" تھا' جس کی رہنمائی میں یہ رسوم ادا ہوتی ہیں۔ ان میں شیخ عبدالقادرؒ کی "حزب" پڑھنے کی جگہ قرآن مجید پڑھا جاتا ہے اور عیسویوں کی طرح کا رقص بھی کیا جاتا ہے۔ عید میلاد النبیؐ کے پہلے دن زاویے میں ختنے کیے جاتے ہیں۔ اسی رات کو ایک مجلس منعقد ہوتی ہے' جسے "لیلتہ" کہتے ہیں' اس میں شیخ عبدالقادرؒ کا "حزب" پڑھا جاتا ہے۔ القصر میں جہاں کچھ مقامی رسمیں بھی پائی جاتی ہیں' تمام کمہار جیلالہ ہیں' جن میں اس جماعت کے مالدار لوگ بھی پائے جاتے ہیں۔

بظاہر قادریہ نے سب سے پہلے سیاست میں اس وقت حصہ لیا جب الجزائر پر فرانسیسی فوج نے حملہ کیا۔ کفار کے خلاف جنگ کرنے کے لیے قادریہ کے سردار محی الدین کو قیادت پیش کی گئی انہوں نے اپنے بیٹے عبدالقادر کو یہ قیادت قبول کرنے کی اجازت دے دی۔ اس نے اپنے سلسلے کی تنظیم کی مدد سے اپنی سیادت قائم رکھنے کی کوشش کی' جو اسے فرانسیسیوں سے ملی تھی اور اگر اس کی سیادت کو خطرہ پیش ہوتا تو فوج بھرتی کرنے کی غرض سے وہ اپنے سابق مقدم کے عہدے سے فائدہ اٹھا سکتا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ عبدالقادر کے زوال اور جلاوطنی کے زمانے سے لے کر آج تک قادریہ سلسلے کے لوگوں نے افریقہ میں فرانسیسی حکومت کی ہمیشہ تائید کی ہے۔ ۱۸۷۹ء میں جب اوراس (Aures) میں مقامی بغاوت رونما ہوئی تو منامہ (Men'a) کے قادریہ فرقے کے شیخ سی محمد بن عباس نے مکمل وفاداری کا ثبوت دیا اور اسی سلسلے نے فرانسیسی حکومت کو صحرا میں ورقلہ (Wargla) اور الود (el-Wad) پر اپنا اقتدار وسیع کرنے میں مدد دی۔ ان کا نائب (سربراہ سلسلہ) سی محمد بن طیب' شاروں (Charouin) کی جنگ میں ۲ مارچ ۱۹۰۱ء میں فرانسیسیوں کی طرف سے لڑتا ہوا مارا گیا۔ کہا جاتا ہے کہ ترکیہ کے انقلاب ۱۹۰۸ء میں ان کی ہمدردی انقلاب پسندوں کے ساتھ تھی' لیکن اس خوف سے کہ کہیں ان کا حریف رفاعی سلسلہ ان سے مذہبی جوش میں سبقت نہ لے جائے' یہ لوگ بغداد میں یہودیوں کے خلاف شورش میں شامل ہو گئے۔ اس مقالے میں قادری سلسلے کے بنیادی اصول' ان کے اشغال و اوراد' اور اس طریقے کے اکابر کے حالات کم سے کم آئے ہیں' اسی طرح تصوف کی وہ روح بھی نہیں آئی' جس کا مقصد تزکیہ نفوس اور تربیت و تعمیر کردار ہے۔

سلسلہ قادریہ کے اوراد و وظائف

—— شاہ ولی اللہ دہلوی

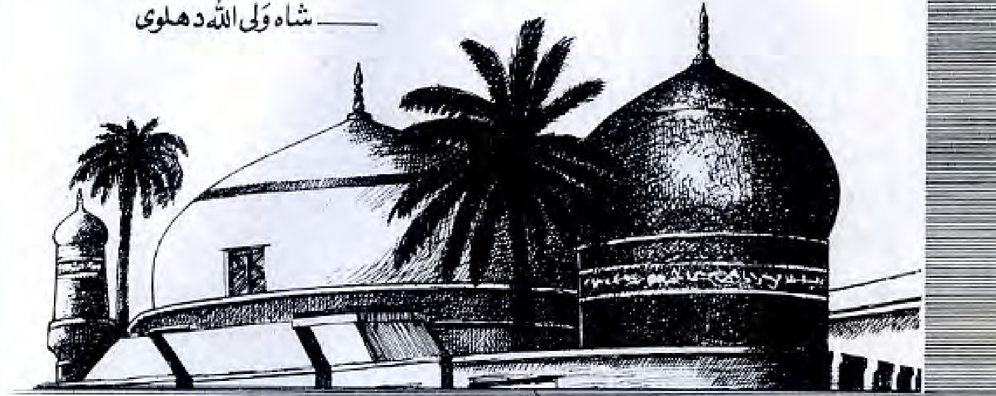

یہ طریقہ یا اس طریقہ کے لوگ امام طریقت شیخ ابو محمد محی الدین عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ کے مرید ہیں اور آپ ہی کی نسبت سے اس خاندان کو قادریہ کہا جاتا ہے۔ اصل طریقہ قادریہ "غنیتہ الطالبین" اور "فتوح الغیب" اور مجالس ستین میں تفصیل کے ساتھ درج ہے جو آپ کی تصنیفات میں سے ہیں۔

سب سے پہلا ذکر جو مشائخ قادریہ سالکین کو تلقین کرتے ہیں' وہ ذکر جہر ہے۔ یعنی بلند آواز سے اسم ذات اللہ اللہ کا ذکر کرنا اور اس جہر سے نہ تو افراط مراد ہے کہ بہت زور سے چیخ کر ذکر کیا جائے اور نہ تفریط بلکہ ایک اعتدالی و متوسط درجہ مقصود ہے۔ کیونکہ حضور نے جربالا فراط سے ممانعت فرمائی ہے اور اس طرح فرمایا ہے کہ اعتدال اختیار کرو اور اپنی جانوں پر نرمی کرو۔ کیونکہ تم بہرے اور غائب کو نہیں پکارتے ہو۔ بلکہ سمیع و بصیر کو پکارتے ہو۔ پس اس اعتدالی صورت میں حضور کے اس فرمان میں کوئی مخالفت اور جواز میں کوئی قباحت نہیں رہتی۔

ذکر جہر اسم ذات یک ضربی

اس ذکر کا یہ طریقہ ہے کہ سالک اسم اللہ کو قلب اور حلق دونوں کی قوت و مدد سے سختی اور بلندی کے ساتھ کہہ کر ٹھہر جائے اور اس ٹھہرنے میں اتنی دیر لگنی چاہیئے کہ سانس اپنی جگہ پر آجائے۔ اس کے بعد پھر اسی طرح کہے۔ بار بار اسی طرح اتنے وقوف کے بعد ذکر کیا جاتا ہے۔

ذکر جہر دو ضربی

اس کا یہ قاعدہ ہے کہ سالک اس طرح بیٹھے جس طرح نماز میں گھٹنے بچھا کر بیٹھتے ہیں اور اسم ذات اللہ کی ایک مرتبہ داہنے زانو پر اور دوسری مرتبہ قلب پر مسلسل بغیر کسی تاخیر اور فصل کے ضرب لگاتا رہے اور خاص کر قلب کی ضرب زیادہ سختی کے ساتھ ہونی چاہیئے تاکہ قلب پر اثر ہو اور اس کو پریشانی اور وسوسوں سے یکسوئی اور طمانیت حاصل ہو جائے۔

ذکر جہر سہ ضربی

یہ اس طرز پر کیا جاتا ہے کہ سالک چار زانو طریقہ پر بیٹھے پھر ایک بار داہنے زانو پر دوسری مرتبہ بائیں زانو پر اور تیسری دفعہ دل پر ضرب لگائے اور یہ تیسری ضرب زیادہ سخت اور بلند ہونی چاہیئے۔

ذکر نفی و اثبات

منجملہ جہری ذکر کے ذکر نفی و اثبات بھی ہے اور وہ کلمہ طیبہ یعنی لا الہ الا اللہ ہے۔ اس کی مشق اس طرح کی جاتی ہے کہ سالک نماز کی مانند قبلہ رخ بیٹھ کر اپنی آنکھیں بند کرے اور لا کو اس طریقہ پر کہے کہ ناف سے اٹھتا ہوا اپنے داہنے کندھے تک لے جائے پھر الہ کو اس طرح کہے کہ گویا دماغ سے نکلتا ہے اس کے بعد الا اللہ کی دل پر سخت اور قوی ضرب لگائے اور اس وقت محبوبیت یا مقصودیت یا اللہ تعالیٰ کے وجود کے سوا ہر شے کے وجود کی نفی تصور کرے اور ذکر میں اس کے وجود کے اثبات کا خیال رکھے۔

یہ تصور اور خیال سالکین کے مراتب کے لحاظ سے مختلف ہوتے ہیں یعنی اگر سالک مبتدی ہے تو اس کو نفی محبوبیت یعنی "اس ذات کے سوا میرا کوئی محبوب نہیں" تصور کرنا چاہیئے اور درجہ متوسط میں نفی مقصودیت اور منتہی کے لئے نفی موجود کا تصور قائم ہونا چاہیئے۔

اذکار میں نشست و ضرب کی مصلحت

ذکر میں مختلف طریقہ کی نشستیں اور ضربات کی یہ مصلحت اور حکمت ہے کہ انسان فطری طور پر اس بات پر مجبور ہے کہ وہ مختلف اطراف اور سمتوں کی طرف متوجہ ہو اور آوازوں پر کان لگانے اور سننے پر مائل ہو۔ علاوہ ازیں اس کے دل میں طرح طرح کی باتیں اور خطرات وارد ہوتے رہتے ہیں۔ اس وجہ سے علمائے طریقت و مشائخ نے یہ طریقہ نکالا کہ ضرب کے خیال اور مصروفیت کی وجہ سے کسی دوسری طرف خیال منتقل نہ ہو اور دل میں بیرونی خطرات وارد نہ ہوں۔ یہاں تک کہ رفتہ رفتہ اپنی ذات سے بھی توجہ ہٹ کر اللہ کی ہی ذات کا کامل تصور ہر وقت غالب رہے اور وسواس و مختلف خیالات دل میں راہ نہ پائیں۔ اور اسی مصلحت کے ماتحت مشائخ طریقت نے مختلف نشستیں قائم کی ہیں کہ بعض میں کسر نفسی کی شان پائی جاتی ہے بعض میں خشوع و خضوع پایا جاتا ہے۔ بعض سے طمانیت اور دفع وسواس مقصود ہے۔ اور بعض میں نشاط پایا جاتا ہے۔ اسی واسطے حضور نے کولھے پر ہاتھ رکھ کر کھڑا ہونے سے منع فرمایا ہے کیونکہ یہ اہل نار کی شکل ہے اور اس ہیت میں اکثر کاہلی اور فتور نشاط پیدا ہوتا ہے جو عبادت میں سرگرمی اور جوش و شوق کے منافی ہے لہٰذا اس قسم کے امور کو مخالف شرع یا بدعات میں سے نہ سمجھنا چاہیئے کیونکہ یہ چیزیں حضور مع اللہ کے حاصل کرنے کا ایک آلہ اور معاون کی حیثیت

سے ہیں جس طرح علم صرف و نحو کلام پاک اور احادیث کی عبارت پڑھنے کے لیے ایک آلہ اور ذریعہ ہیں۔

پس جب سالک پر اس ذکر جلی کا اثر مرتب ہو جائے اور قلب میں نورانیت محسوس ہونے لگے تو پھر ذکر خفی اس کو اختیار کرنا چاہیئے کیونکہ ذکر جلی سے یہی مقصد مد نظر ہوتا ہے کہ قلب میں شوق اور محبت الٰہی پیدا ہو جائے نفس سے وسواس اور خطرات دور ہوں اور اللہ تعالیٰ کو اس کے ماسوا پر مقدم خیال کرے اور جو شخص ان شرائط کے ساتھ جو پہلے بیان کی گئی ہیں روزانہ چار ہزار مرتبہ دو چار مہینے ذکر اسم ذات پر پابندی کرے گا تو ضرور اس کے اندر یہ اثرات عشق الٰہی اور طمانیت و جلائے قلب پیدا ہو جائے گی چاہے وہ کم فہم ہو یا تیز فہم اور سمجھدار۔ پس منجملہ ذکر خفی کے اول ذکر اسم ذات ہے۔

ذکر اسم ذات

اس ذکر کا یہ طریقہ ہے کہ سالک اپنی دونوں آنکھوں اور لبوں کو بند کر کے دل کی زبان سے اللہ سمیع اللہ بصیر اللہ علیم کہے اس طریقہ پر کہ اپنے تصور میں اللہ سمیع کو کہتا ہوا ناف سے سینہ تک لے جائے پھر اللہ بصیر کہہ کر سینہ سے دماغ تک پہنچے پھر وہاں سے اللہ علیم کہہ کر عرش تک پہنچنے کا تصور کرے پھر یہی خیال کرتا ہوا درجہ بدرجہ اترے یعنی اللہ علیم کہتا ہوا عرش سے اتر کر دماغ میں ٹھیرے پھر اللہ بصیر کہتا ہوا دماغ سے سینہ تک آئے پھر اللہ سمیع کہتا ہوا ناف پر آکر ٹھیر جائے۔ یہ ایک دور ہو گیا۔ اسی طرح ہر مرتبہ ذکر کرتا رہے بعض لوگ اللہ قدیر کو بھی اس میں شامل کر لیتے ہیں اگر اس کو بھی شامل کیا جائے تو پھر تیسری مرتبہ آسمان تک پہنچے اور چوتھی بار عرش تک۔ اور ذکر خفی میں سے دوسرا ذکر نفی و اثبات یا پاس انفاس ہے۔

پاس انفاس

اس کا طریقہ بھی وہی ہے جو ذکر جلی میں بیان کیا گیا ہے یعنی ذکر کرنے والا اپنے خارج ہونے والے اور داخل ہونے والے سانسوں کو مد نظر رکھے۔ جس وقت اس کا سانس خود بخود بغیر اپنے ارادہ کے باہر نکلے اس وقت دل کی زبان سے لا الٰہ کہے پھر جب خود بخود سانس اندر داخل ہو تو اس کے ساتھ ہی الا اللہ کہے بزرگان طریقت نے اس کا نام پاس انفاس رکھا ہے اور اس کا سب سے بڑا اثر یہ مرتب ہوتا ہے کہ سالک کے دل سے خطرات اور وسواس دفع ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے شوق اور محبت کا غلبہ ہو جاتا ہے اور اس کا عزم فکر و مراقبہ کی طرف راغب ہو جاتا ہے ہر شے پر اللہ تعالیٰ کی ہستی کو مقدم سمجھتا ہے اور اس کی طلب و جستجو پر ہمت مستحکم ہو جاتی ہے دنیاوی امور اور گفتگو سے تنفر ہو جاتا ہے اور خاموشی و کم گوئی میں ایک حلاوت و شیرینی محسوس کرنے لگتا ہے۔ پس جب اس ذکر کا اثر طالب میں سرایت کر جائے اور اس کی نورانیت محسوس کرنے لگے تو پھر اس کو مراقبہ کا حکم کیا جائے۔ اور ذکر خفی کے اثر سے مراد یہ ہے کہ طالب پر شوق اور محبت الٰہی کا غلبہ ہو جائے اس کا عزم و ارادہ میں غور و فکر کا ملکہ حاصل ہو ہر چیز پر اللہ تعالیٰ کی ذات کو مقدم سمجھے جذبہ طلب میں استحکام پایا جانے لگے سکوت و خاموشی میں ایک قسم کا لطف اور دنیاوی مشاغل و گفتگو سے تنفر پیدا ہو جائے۔

مراقبہ کا طریقہ

بزرگان طریقت نے مراقبہ کی بہت سی قسمیں مقرر کی ہیں مگر ان تمام اقسام کا جامع ایک امر ہے وہ یہ کہ کوئی

کلمہ یا قرآنی آیت زبان سے کہے یا اس کا دل میں تصور اور خیال کرے اور اس کے معنی کو ملحوظ رکھے اور خیال کرے کہ اس کا مدعا کس طرح اور تحقیق و ثبوت کی کیا صورت ہے پھر اسی پر دل کو اس طریقہ پر مطمئن کر لے کہ اس کے سوا پھر کوئی خیال دل میں نہ آنے پائے۔ یہاں تک کہ اسی میں محویت استغراقی شکل حاصل ہو جائے یعنی اس کلمہ یا آیت کے مفہوم میں اس قدر محویت پیدا ہو جائے کہ اس کے سوائے کسی دوسری چیز کا ذہن میں خیال نہ رہے۔ اسی کا نام مراقبہ ہے۔ اور مراقبہ کی اصل بنیاد وہ حدیث ہے جو حضورؐ کا ارشاد ہے کہ احسان کے یہ معنی ہیں کہ تو اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طریقہ پر کرے جیسے کہ تو اس کو دیکھ رہا ہے اور اگر تو اس کو نہ دیکھ سکے تو یہ تصور کر کہ وہ تجھ کو دیکھتا ہے۔

پھر تو اپنی زبان سے ادا کرے کہ اللہ میرے پاس حاضر ہے اللہ مجھ کو دیکھنے والا ہے اللہ میرے ساتھ ہے یا بغیر تلفظ کے دل میں اس کا تصور کرے اور باوجود اللہ تعالیٰ کے اطراف و مکانیت سے منزہ و پاک ہونے کے اس کی حضوری نظر اور معیت کو اس درجہ دل میں جاگزیں کرے کہ اسی میں غرق ہو جائے۔

اقسام مراقبہ قرآنیہ

اس آیت کا تصور کرے وھو معکم اینما کنتم (تم جہاں کہیں بھی ہو اللہ تمہارے ساتھ ہے) اللہ تعالیٰ کی معیت اور ساتھ ہونے کو کھڑے بیٹھے لیٹے تنہائی اور لوگوں کی ملاقات، مشغولی اور بیکاری ہر حالت اور ہر وقت ذہن نشین اور تصور کرے یا یہ آیت پڑھے اینما تولوا فثم وجہ اللہ تم جدھر متوجہ ہو وہاں اللہ کی ذات ہے۔ یا یہ آیت پڑھے۔ الم یعلم بان اللہ یری (انسان نہیں جانتا کہ اللہ اس کو دیکھتا ہے) یا اس آیت کا مراقبہ کرے۔ نحن اقرب الیہ من حبل الورید (ہم انسان کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں) یا اس آیت کا تصور کرے واللہ بکل شی محیط (اللہ ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے) یا اس آیت کا خیال کرے۔ ان معی ربی سیہدین (بیشک میرا پروردگار میرے ساتھ ہے وہ میری ہدایت و رہنمائی کرے گا) یا اس آیت کا مراقبہ کرے۔ ہو الاول ہو الاخر و الظاہر و الباطن (اللہ تعالیٰ کی ہی سب سے پہلی ذات ہے جس سے پہلے کوئی چیز نہیں اور وہی سب سے آخر ذات ہے کہ دنیا کے فنا ہونے کے بعد وہی باقی رہے گا۔ وہی اپنی صفات اور افعال کے اعتبار سے ظاہر ہے اور اپنی ذات کے اعتبار سے باطن و پوشیدہ ہے کہ اس کی حقیقت کو کوئی نہیں سمجھ سکتا) یہ تمام مراقبات دل کا اللہ تعالیٰ سے تعلق پیدا کرنے کے لئے مفید ہیں۔

مراقبہ فنا

یہ مراقبہ علایق و تعلقات کے منقطع کرنے، تجرد و بیہوشی اور فنایت کے حصول کے لیے مفید ہے۔ اس طریقہ میں اس آیت کا مراقبہ کیا جاتا ہے کل من علیہا فان ویبقی وجہ ربک ذوالجلال والاکرام (جو چیز بھی زمین پر ہے وہ فنا ہونے والی ہے اور تیرے پروردگار کی ذات ہی باقی رہنے والی ہے جو عظمت و بزرگی والا ہے۔)

اس مراقبہ کا یہ طریقہ ہے کہ سالک اپنے آپ یہ تصور کرے کہ میں مر کر خاک ہو گیا ہوں جس کو ہوائیں اڑاتی ہیں اور آسمان ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا اور سوائے اللہ تعالیٰ کی ذات قیوم کے ہر چیز نیست و نابود ہو گئی۔ اس مراقبہ پر عرصہ تک قائم رہنے سے فنائیت کا درجہ حاصل ہوتا ہے۔ اور ایسے تصورات کا ثبوت و سند صحیح مسلم کی

وہ حدیث ہے جو حضرت علی کرم اللہ وجہ سے مروی ہے کہ حضور نے مجھ سے فرمایا۔ اے علیؓ کہو کہ خداوند مجھ کو ہدایت عطا فرما کر اور سیدھا راستہ چلا۔ اور ہدایت سے اپنی راہ کے چلنے کو اور راستی سے تیر کی راستی اور سیدھا پن کا تصور کرو۔

حضورؐ نے حضرت علی کرم اللہ وجہ کو یہ طریقہ بتلایا جس سے بتدریج محسوسات سے حالات مطلوبہ تک انسان کی رسائی ہو جاتی ہے اسی وجہ سے مشائخ طریقت نے بھی اسی قسم کے تصورات و مراقبوں کا رواج جائز رکھا ہے۔

اور اسی طریقہ پر اس آیت کا مراقبہ بھی نیستی و فنائیت کا باعث ہوتا ہے۔

"بے شک جس موت سے تم بھاگتے ہو وہ تم کو پہنچنے والی ہے۔ جہاں کہیں بھی تم ہوگے موت تم کو پالے گی چاہے تم مضبوط اور اونچے قلعوں میں ہی کیوں نہ ہو۔

پس جب اس مراقبہ کا اثر طالب میں ظاہر ہو جاوے اور اس کا نور مشاہدہ ہونے لگے تو پھر توحید افعالی کا حکم کیا جائے۔ یعنی دنیا میں جو فعل بھی ظاہر ہو اس کو زید و عمرو کسی بندہ کی طرف سے نہ سمجھے بلکہ ہر چیز کو اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے خیال کرے تاکہ اللہ تعالیٰ کے سوا نہ کسی سے خوف باقی رہے اور نہ کوئی امید۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو چیزوں پر ترغیب دلائی ہے جن میں سے ایک ذکر ہے جو زبان سے ادا کیا جائے اور دوسری فکر جس سے مراقبہ مراد ہے۔

بعض مشائخ نے آئندہ واقعات کے صحیح صحیح ظاہر ہونے کا یہ طریقہ بتایا ہے کہ طالب معتکف ہو کر غسل کر کے عمدہ لباس پہنے خوشبو لگائے پھر مصلے پر بیٹھے اور ایک کھلا ہوا قرآن شریف اپنی داہنی طرف رکھے اور ایک بائیں طرف۔ ایک اپنے آگے اور ایک پیچھے پھر اللہ تعالیٰ سے نہایت کوشش و عاجزی سے دعا مانگے کہ فلانے واقعہ کو مجھ پر ظاہر فرمادے پھر بغیر آنکھ بند کئے ہوئے اسم ذات کے ذکر میں مصروف ہو جائے اور ایک بار داہنے قرآن شریف پر ضرب لگائے ایک بار بائیں پر ایک بار آگے اور ایک بار پیچھے یہاں تک کہ اپنے دل میں کشائش اور نور محسوس کرنے لگے۔ ہفتہ عشرہ اگر اس پر مداومت کرے تو ضرور اس پر حالات کا انکشاف ہوگا۔

مگر مصنف رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جن لوگوں نے یہ بیان کیا کہ قرآن مجید کو دائیں بائیں' آگے پیچھے رکھا جائے اس میں مجھے تردد ہے کیونکہ اس صورت میں قرآن پاک کی بے ادبی پائی جاتی ہے اور یہ مقصد تو استخارہ مسنونہ سے بھی حاصل ہو سکتا ہے پھر اس کی کیا ضرورت ہے۔

کشف حالات کے لئے جو طریقہ ہمارے والد مرشد رحمتہ اللہ علیہ نے پسند فرمایا ہے وہ یہ ہے کہ یا علیم یا مبین یا خبیر ان تین اسماء الٰہی کا شرائط مذکورہ سے یعنی اعتکاف غسل لباس خوشبو مصلے کے بغیر قرآن پاک رکھے اس طریقہ پر ذکر کرے جس طرح ذکر یک ضربی یا سہ ضربی میں بیان کیا گیا ہے۔

کشف ارواح

کشف ارواح کے واسطے مشائخ قادریہ کا جو طریقہ مجرب ہے وہ اس طرح ہے کہ مذکورہ بالا شرائط کے ساتھ داہنی طرف سبوح کی ضرب لگائے بائیں طرف قدوس کی آسمان پر رب الملئکة کی اور قلب پر والروح کی۔

برائے حصول امور مشکلہ

رفع مشکلات اور حصول امورات کے لئے انہی مذکورہ شرائط کے ساتھ یہ طریقہ ہے کہ اول تہجد کی نماز ادا کرے پھر داہنی طرف یا حی کی ضرب لگائے اور بائیں طرف یا وہاب کی اسی طرح ہزار مرتبہ پورا کرے۔

انشراح خاطر و رد بلیات

کے لئے یہ طریقہ ہے کہ اول اللہ کی دل پر ضرب لگائے اور لا الہ الا ہو کی اس طریقہ پر ضرب لگائے جس طرح نفی و اثبات میں ذکر کیا گیا ہے اور داہنی طرف الحی کی ضرب اور بائیں طرف القیوم کی ضرب لگائے۔

برائے شفائے مریض

جب درگاہ خداوندی میں شفائے مرض یا دفع گرسنگی و کشائش رزق یا مغلوبی دشمن وغیرہ کے لیے دعا مقصود ہو تو چاہیئے کہ اسمائے حسنیٰ میں سے کوئی اسم الٰہی اپنی حاجت و ضرورت کے موافق تلاش کر کے اس نام کو دو تین یا چار ضربوں کے ساتھ ذکر کرے یعنی اگر شفائے بیمار کی دعا مقصود ہو تو یا شافی دفع گرسنگی کے لیے یا صمد کشائش رزق میں یا رزاق دفع دشمن میں یا عدل وغیرہ اپنے مطلب کے موافق مذکورہ طریقہ پر کسی اسمائے الٰہی کا ورد کرے۔

★★★

حضرت بایزید بسطامیؒ کے پاس ایک شخص آیا حیرانگی میں دائیں بائیں دیکھتا تھا۔ آپؒ نے فرمایا کہ تجھے کیا ہوا۔ اس نے عرض کی کہ نماز پڑھنے کے لیے پاک جگہ کی تلاش کرتا ہوں۔ آپؒ نے فرمایا اپنا دل پاک کر اور جہاں چاہو نماز پڑھو۔

اولیا اللہ نے اپنے لیے ایک ہی فکر بنا رکھا ہے۔ اپنے دلوں سے سب چیزیں نکال کر ان میں ایک ہی چیز ٹھہرا لی ہے۔ انہوں نے اپنی عبادتوں کو ریا' نفاق اور شرک سے خالص کر لیا ہے۔ اپنی بندگی صرف اللہ کے لیے ثابت کر دی ہے۔ تم مخلوق کے بندے ریا اور نفاق کے بندے ہو۔ خواہشات' لذات اور تعریف کے بندے ہو۔ تم میں سے کسی نے بھی شان عبودیت کو ثابت نہیں کیا۔ کبھی نیک اور مخلص لوگوں کا ذکر تک نہیں کیا۔ تم دنیا کے بندے اور رسمی ہیشگی چاہتے ہو اور اس کے زوال سے ڈرتے ہو لیکن اولیا اللہ اور عارف صرف اللہ ہی کی عبادت کرتے ہیں' غیر کی نہیں اور ربوبیت اور عبودیت کا حق پورا پورا ادا کرتے ہیں وہ امر الٰہی بجالانے اور اسی کی محبت کی خاطر عبادت کرتے ہیں۔ اسی کو اپنی مراد سمجھتے ہیں' غیر کو نہیں۔ تم ظاہر پرست ہو لیکن وہ باطن والے۔ تم جسم ہو اور وہ روح' تم شور و غل ہو اور وہ راز۔

☆☆☆

فقر اور فقیر

عربی لغت میں فقر افلاس اور تنگدستی کو کہتے ہیں لیکن حاشا و کلا باطنی دنیا میں ہرگز یہ مفہوم نہیں۔ فقر دونوں جہان کی بادشاہی کا نام ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: الفقر فخری والفقر منی یعنی فقر میرا فخر ہے اور فقر مجھ سے ہے۔

شیخ کی تلقین

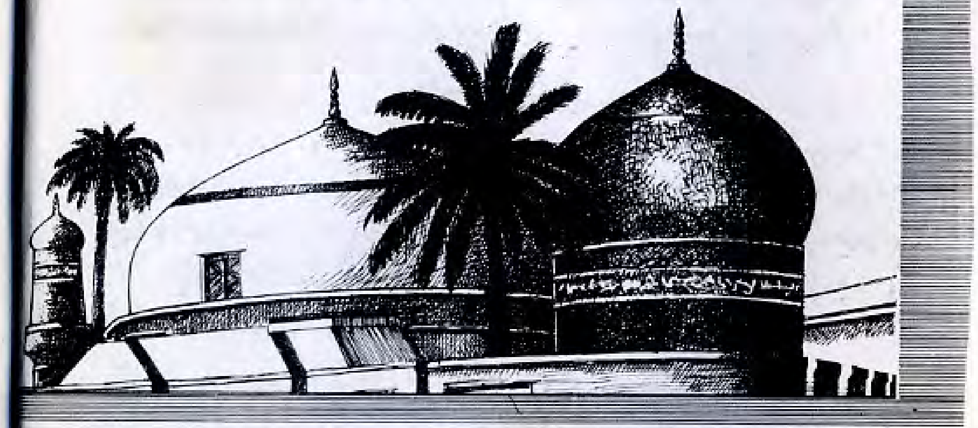

حضرت شیخ وجیہہ الدین یوسف بغدادیؒ نے اپنی کتاب "مناقب طیب" میں لکھا ہے کہ میں نے سیدنا عبدالقادر جیلانیؒ سے اوراد و وظائف اور ان کی تاثیر کے بارے میں گفتگو کی تو آپ نے فرمایا کہ اوراد و وظائف کی تاثیرات برحق ہیں لیکن ضرورت اس امر کی ہے کہ پڑھنے والے کی قوت ایمانی اعلیٰ درجہ کی ہو۔ شرک سے مکمل طور پر اجتناب کیا جائے۔ تقدیر پر پختہ ایمان ہو۔ لطافت طبع اور رقت قلب کے ساتھ ساتھ پنجگانہ نماز کی پابندی ہو' تہجد کی نماز کا بھی اہتمام کی جائے۔ اکثر باوضو رہا جائے۔ عمل شروع کرنے سے پہلے صدقہ و خیرات کرنا بھی لازمی ہے۔ پڑھنے والے کے دل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بے پناہ ادب اور محبت ہو' ان کی اطاعت کا جذبہ موجزن ہو۔ اگر پڑھنے والے میں مسکین نوازی' ایثار' صبر و ثبات' صداقت اور دیانت موجود ہو تو وہ رحمت حق سے اور زیادہ قریب ہو گا۔

جعفر بن سعید بغدادی برکات الاولیاء میں تحریر فرماتے ہیں کہ میں ماہ ربیع الاول (۵۴۱ھ) میں سریر آرائے مسند ارشاد تاجدار بغداد' محبوب سبحانی' قطب ربانی' سلطان الاولیا' غوث الثقلین سیدنا حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ یہ وہ وقت تھا کہ حضرت شیخ محترم اپنی ہمت اپنے استقلال اور اپنے دل کی نورانیت کے ساتھ خدمت خلق میں مشغول تھے۔ حضرت کی ذات والا کو آسمان عظمت کے ستاروں میں مہر درخشاں کی حیثیت حاصل تھی۔ قطبیت کبریٰ کا مرتبہ آپ کو حاصل ہو چکا تھا۔ آپ بھٹکے ہوئے لوگوں کو راہ ہدایت پر لا رہے تھے۔ میں نے عرض کیا:

"حضرت آپ مجھے ایسا عمل تلقین کیجئے جو میرے دینی اور دنیاوی مقاصد کے لیے مفید ہو۔" حضرت نے فرمایا: "صاحبزادے! تحمل اور شدائد کا عادی ہو جا۔ توحید سے محبت کر' ہمیشہ پاک و طاہر رہ' نماز تہجد سے غافل نہ ہو' عبادت میں خشوع خضوع پیدا کر' صدقہ و خیرات میں تاخیر نہ کر' عمل بالقرآن اور اتباع سنت کا خیال رکھ' مال حرام سے اجتناب کر ذکر الٰہی سے محبت کر' ادب رسول اللہ اور محبت رسول کا سرمایہ حاصل کر' صداقت و ریاضت کو سامنے رکھ' اس کے بعد عمل کی تاثیر تیرے لیے ہوگی۔" اس کے بعد فرمایا:

حضورؐ کے توسل سے التجا کرو : جب تیرے دل میں کوئی درد پیدا ہو بعد نماز مغرب دو رکعت نماز نفل پڑھ سلام کے بعد حق تبارک و تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کر۔ تینتیس بار سبحان اللہ تینتیس بار الحمداللہ پڑھ اس کے بعد رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر گیارہ بار درود شریف پڑھ پھر یہ سلام عرض کر:۔

السلام علیک یا رسول اللہ' السلام علیک یا خیر خلق اللہ' السلام علیک یا شفیع المذنبین:۔

پھر یہ دعا پڑھے:

"اللھم انی اسئلک العفو والعافیۃ فی الدنیا والاخرۃ یا واجد یا ماجد لا تزل عنی نعمتہ النعمتھا علی:۔

اس کے بعد حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے توسل سے باری تعالیٰ کی جناب میں اپنی التجا پیش کرے۔

وسعت رزق کے لئے

شیخ نجیب الدین بغدادی نے "تذکرہ الکرام" میں لکھا ہے کہ شیخ عفیف الدین سے مجھے ایک خاص عمل پہنچا ہے۔ یہ عمل وسعت رزق' وسعت علم' دفع سحر' حفاظت حمل اور تزکیہ قلب کے لئے فائدہ بخش ہے۔

اس عمل کی ترکیب یہ ہے کہ نماز تہجد کے بعد دو رکعت نفل پڑھے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر گیارہ مرتبہ درود پڑھ کر یہ کلمات کہے جائیں۔

اللھم انی اسئلک علما" نافعا" ورزقا" واسعا" وعملاً متقبلا" وشفاء من کل داء:۔

ہر مقصد کے لئے مفید عمل

یہ پڑھنے کے بعد سربسجدہ ہو کر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اپنی حاجت پیش کی جائے۔ شیخ عفیف الدین اپنی کتاب "کشف الاسرار" میں تحریر فرماتے ہیں کہ "۱۱ ربیع الاول ۵۴۱ھ کو میں نے سیدنا حضرت ابو محمد محی الدین عبدالقادر جیلانی قدس سرہ سے درخواست کی کہ حضور آپ مجھے کوئی ایسا عمل بتائیں جو ہر آرزو اور ہر مقصد کے لئے مفید ہو۔

آپ نے فرمایا: نماز مغرب کے بعد سنتیں پڑھ کر دو رکعت نماز نفل ادا کرو' ہر رکعت میں الحمد کے بعد گیارہ مرتبہ قل ہو اللہ پڑھو پھر سلام کے بعد ایک سو بار یہ کلمات کہو:

سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم۔

اس کے بعد حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم پر گیارہ بار درود شریف پڑھو پھر گیارہ بار یہ سلام پڑھا جائے۔

السلام علیک ایھا النبی و رحمتہ اللہ برکاتہ
السلام علیک یا رسول اللہ
السلام علیک یا خیر خلق اللہ
السلام علیک یا شفیع المذنبین
السلام علیک وعلی آلک واصحابک اجمعین

سحر کا اثر توڑنے کے لئے

حضرت یعقوب بن اسحاق بغدادی رحمتہ اللہ علیہ نے "انوار السالکین" میں لکھا ہے کہ محبوب سبحانی سیدنا حضرت شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی کے اوراد و وظائف میں یہ عمل فقیر کے علم و یقین میں نہایت مجرب ہے' ادائیگی فرض' وسعت رزق اور پرہیزگاری کے لئے' سحر کا اثر دور کرنے کے لئے' برق کے طوفان سے محفوظ رہنے کے لئے ترقی علم اور دشمنوں کے شر سے محفوظ رہنے کے لئے نہایت مفید ہے۔

ترکیب یہ ہے کہ بعد نماز مغرب سنتیں پڑھ کر دو رکعت نفل پڑھے' بہتر یہ ہے کہ ہر رکعت میں الحمد کے بعد گیارہ گیارہ مرتبہ "قل ھو اللہ" پڑھیں۔ پھر سلام کے بعد گیارہ مرتبہ درود شریف پڑھیں پھر سربسجدہ ہو کر نہایت خشوع و خضوع کے ساتھ یہ کلمات ادا کئے جائیں۔

اللھم انت ربی وانا عبدک یا ربی رحمتک والتمس رضوانک
اللھم نجنی من عذابک وافتح لی ابواب رحمتک یا ارحم الرحمین

اس کے بعد حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے توسل سے باری تعالیٰ کی جناب میں التجا پیش کی جائے۔

حضرت یحییٰ بن معاذ بغدادی' شیخ وجیہہ الدین یوسف اور شیخ نجیب الدین عبدالقاہرؒ نے اس عمل کی بہت تعریف بیان کی ہے۔ "بحر المعانی" میں اس عمل کا نام "عمل غوثیہ" لکھا ہے۔ فقیر کے نزدیک یہ عمل ہر آرزو اور ہر مقصد کے لئے مفید ہے۔ فقیر نے اس عمل کو جتنی بار پڑھا تیر بہدف پایا۔"

پریشانیوں کے عالم میں

کسی شخص کے دریافت کرنے پر غوث اعظم نے فرمایا اگر پریشانیوں کا ہجوم ہو تو یہ طریق عمل اختیار کرو۔ پہلے سورہ فاتحہ سات مرتبہ' پھر سورہ "الم نشرح" سات مرتبہ' پھر "سورہ اخلاص" سات مرتبہ' پھر "درود شریف" گیارہ مرتبہ پڑھو پھر سربسجدہ ہو کر یہ الفاظ کہو:

یا قاضی الحاجات ویا کافی المھمات ویا دافع البلیات ویا حل المشکلات ویا رافع الدرجات ویا شافی الامراض ویا مجیب الدعوات ویا ارحم الراحمین

پھر یہ الفاظ کہو۔

یا عالم مافی الصدر اخرجنی من الظلمات الی النور

اس کے بعد حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے توسل سے درگاہ الٰہی میں اپنی حاجت خشوع و خضوع کے ساتھ پیش کی جائے۔

زیارت رسولؐ کے لیے

کسی شخص نے آپ سے دریافت کیا کہ کیا خواب میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہو سکتی ہے۔ چونکہ پوچھنے والا صالح اور دیندار شخص تھا۔ اکثر باوضو رہتا تھا۔ نماز کا پابند تھا اور تہجد کا عادی۔ اس کی عبادت میں خشوع و خضوع کی جھلک موجود تھی اور دل میں محبت رسول کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا تھا۔ غوث پاک کو اس کے ان اوصاف کا علم تھا اس لیے آپ نے اسے مشورہ دیا کہ دوشنبہ کی رات کو نماز عشاء کے بعد کامل طہارت اختیار کرو' نیا لباس پہنو' خوشبو استعمال کرو' مدینہ منورہ کی طرف توجہ کرو اور اللہ تعالیٰ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی التجا کرو۔ خشوع و خضوع کے ساتھ یہ درود شریف پڑھو۔

الصلوۃ والسلام علیک یا رسول اللہ' الصلوۃ والسلام علیک یا حبیب اللہ اللھم صلی علی محمد تحب و ترضاہ..................

اس کے بعد سو جاؤ' انشاء اللہ تعالیٰ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوگی۔

آسودہ حالی کے لیے

ایک سائل کے دریافت کرنے پر آپ نے فرمایا اگر آسودہ زندگی بسر کرنا چاہتے ہو تو فجر کے وقت سنت اور فرض کے درمیان یہ کلمات روزانہ ایک سو مرتبہ پڑھو۔

سبحان اللہ وبحمدہ' سبحان اللہ العلی العظیم وبحمدہ استغفر اللہ

خطرہ سے نجات

عزت و حیات کے لیے کوئی خطرہ محسوس ہو تو اس صورت میں آپ نے ذیل کے کلمات سو بار پڑھنے کی ہدایت فرمائی ہے:

بسم اللہ الذی لایضر مع اسمہ شیءٌ فی الارض ولا فی السماء وھو السمیع العلیم

رزق کی زیادتی کے لئے آپ نے یہ دعا فرمائی ہے۔

اللھم اعطنی رزقاً کثیراً یا مجیب الدعوات ویا ارحم الراحمین

استخارہ غوثیہ

"مفتاح الکرامات" میں "استخارہ غوثیہ" کے نام سے ایک استخارہ درج ہے۔ شیخ نجیب الدین لکھتے ہیں۔ اگر کسی کام کے سلسلہ میں آپ صحیح طور پر نتیجہ معلوم کرنا چاہیں تو استخارہ غوثیہ پڑھیں۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ دو رکعت نماز باجماعت ادا کریں ہر رکعت میں الحمد کے بعد گیارہ گیارہ مرتبہ "قل ھو اللہ" پڑھیں۔ پھر سلام کے بعد یہ دعا پڑھی جائے۔

اللھم انی استخرک بعلمک واسئلک من فضلک العظیم فانک تقدر والا اقدر وانتم ولا اعلم وانت علام الغیوب اللھم ان کنت تعلم ان ھذا الامر خیرلی ناقدرہ لی ویسرلی وان کنت تعلم ان ھذا لامر شرلی ناصرنہ عنی یا ارحم الراحمین

یہ دعا پڑھنے کے بعد سو جائیں کام کا انجام معلوم ہو جائیگا۔

استخارہ کا ایک اور طریقہ یہ ہے کہ بعد نماز عشاء دو رکعت نفل استخارہ کی نیت سے پڑھیں ہر رکعت میں الحمد کے بعد گیارہ گیارہ مرتبہ "قل ہو اللہ" پڑھیں پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر گیارہ بار درود شریف پڑھیں۔ مندرجہ ذیل درود شریف کا پڑھنا زیادہ بہتر ہے۔

السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ السلام علیک یا رسول اللہ' السلام علیک یا خیر خلق اللہ السلام علیک یا شفیع المذنبین' السلام علیک وعلی آلک واصحابک اجمعین' اللھم صلی علی محمد کما تحب وترضاہ

اس کے بعد ذیل کے کلمات ایک ایک سو بار پڑھے جائیں۔

یا علیم علمنی' یا بشیر بشرنی' یا خبیر اخبرنی' یا مبین بین لی۔

اس کے بعد سو جائیں اور کسی سے بات چیت نہ کریں انشاء اللہ کام کے نتیجہ سے خبر مل جائے گی۔

دنیا سے بے رغبتی ملے گی

ایک شخص کے دریافت کرنے پر غوث اعظم نے فرمایا منازل طریقت طے کرنے کے لئے شرک سے اجتناب نہایت ضروری ہے۔ اس کے لئے بہترین راہ عمل یہ ہے کہ نماز تہجد کے بعد دو رکعت نفل پڑھے ہر رکعت میں الحمد کے بعد گیارہ گیارہ مرتبہ "قل ہو اللہ" پڑھے۔ پھر سلام کے بعد سو بار یہ کلمات پڑھے۔

لا معبود الا اللہ' لا مقصود الا اللہ' لا موجود الا اللہ

ان کلمات کے پڑھنے کا اثر یہ ہوگا کہ ماسوا سے بے تعلقی پیدا ہو جائے گی اور ذکر الٰہی سے دل کو لذت حاصل ہوگی۔

بعض اہل معرفت نے اس عمل کو مراقبہ توحید بھی لکھا ہے۔ اس عمل کے پڑھنے والوں کو عزم راسخ اور استقامت محکم کی نعمت حاصل ہوتی ہے۔ دل پر کسی کا رعب نہیں بیٹھتا۔

یعقوب بن اسحاق بغدادی اس عمل کی تعریف میں لکھتے ہیں:

اس سلسلہ میں فقیر کا مشاہدہ یہ ہے کہ اس عمل کی برکت سے کبھی کبھی شرح صدر بھی ہو جاتا ہے۔ معرفت کے لیے اس درویش کا سینہ کھل جاتا ہے۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ جس کا سینہ اللہ تعالیٰ معرفت کے لئے کھول دے اس کے خوش نصیب ہونے میں کیا شبہ ہے "فھو علی نور من ربہ (وہ اپنے رب کی طرف سے نور پر ہے)

اگر اس عمل کا سلسلہ جاری رہتا ہے تو ہدایت الٰہی' توفیق راہ اور رفیق سالک ہو جاتی ہے۔ اور سینہ میں معرفت کا شور جوش زن ہوتا ہے۔ دل میں صداقت و حقانیت کا غلبہ ہو جاتا ہے۔ اعلان حق کے لیے ہمت عالی مل جاتی ہے۔ ریاضت و مجاہدہ کے لئے عزم راسخ مل جاتا ہے۔ تنہائی' بے کسی اور بے سروسامانی کا خیال دل سے نکل جاتا ہے۔

دل کو راحت ملے گی

ایک سائل کے جواب میں غوث اعظم نے فرمایا کہ انشراح قلب ایک نعمت ہے اس کے لیے طریقہ یہ ہے کہ بعد نماز تہجد دو رکعت نماز نفل پڑھے۔ یہ دو رکعت بہ نیت انقطاع از ماسوا اللہ و رجوع الی اللہ پڑھے جائیں پھر

حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھیں' پھر گیارہ بار الم نشرح پڑھیں:

اس کے بعد غوث اعظم نے فرمایا:

انشراح قلب کے لیے ایک راہ عمل یہ بھی ہے۔ رمضان کے آخری عشرہ میں اکیسویں رات' تئیسویں رات' پچیسویں رات' ستائیسویں رات اور انیسویں رات کو ذکر الٰہی کریں تاکہ شب کو خدا کی برکتیں حاصل ہوں۔ تہجد کی نماز بھی روزانہ پڑھیں' ہر وقت باوضو رہنے کی کوشش کریں' کھانا کم کھائیں کہ اس سے رقت قلب حاصل ہوتی ہے۔ جہاں تک ممکن ہو گفتگو کم کریں' اس سے دل کو راحت محسوس ہوتی ہے۔

یعقوب بن اسحاق بغدادی نے "انوار السالکین" میں لکھا ہے کہ ایک سائل کے جواب میں حضرت غوث پاک نے فرمایا زندگی کے تفکرات سے نجات پانے کے لئے یہ عمل مفید ہے۔

بعد نماز مغرب سنتیں پڑھنے کے بعد دو رکعت نفل پڑھیں اس کے بعد گیارہ بار یہ پڑھیں۔

لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک ولہ الحمد یحیی ویمیت وہو علی کل شی قدیر

پھر تین بار یہ پڑھے:۔ یسبح لہ ما فی السموات والارض وہو العزیز الحکیم

پھر گیارہ مرتبہ یہ پڑھیں۔

اللھم افتح لی ابواب رحمتک یا ارحم الراحمین' اللھم استجب ھذا دعالی بجاہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

شیخ وجیہہ الدین بغدادیؒ لکھتے ہیں۔ فقیر کے تجربہ میں رنج اور اضطراب سے نجات حاصل کرنے کے لئے یہ عمل بہت مجرب ہے۔

طالب معرفت کا عمل

شیخ نجیب الدین بغدادیؒ عبدالقاہر سہروردی "مناقب الحبیب" میں لکھتے ہیں۔

سیدنا ابو محمد محی الدین عبدالقادر جیلانی قدس سرہ نے ایک طالب معرفت سے فرمایا سالک کے لیے ضروری ہے کہ سوائے فرائض و واجبات و سنن کے کچھ اوراد و وظائف جو تزکیہ نفس کے لیے بے حد مفید ہیں ضرور پڑھے۔ خاص طور پر نماز تہجد اور نماز اشراق لازم ہے۔ اور بوقت فجر سنت و فرض کے درمیان اکتالیس بار سورہ فاتحہ پڑھے اور سو بار سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم' وبحمدہ استغفر اللہ۔ ضرور پڑھے اس عمل سے بے نظیر روحانی قوت نصیب ہوتی ہے۔

شیخ عفیت الدین "کشف الاسرار" میں لکھتے ہیں کہ حضرت عبدالقادر جیلانی قدس سرہ نے بہت سے اعمال و وظائف اس فقیر کو مرحمت فرمائے۔ یہ عمل فقیر کے تجربہ میں نہایت زود اثر ہے۔ اگر آپ کا دل بے حد پریشان ہے اور آپ سکون دل کے آرزومند ہیں تو سب سے پہلے تین بار لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم پڑھیں پھر دو رکعت نماز نفل پڑھیں۔ پھر سلام کے بعد اللھم طھر قلبی عن غیرک ونور قلبی بنور معرفتک ابدا" یا اللہ' یا اللہ' گیارہ بار پڑھیں' اس کے بعد یہ کلمات پڑھیں۔

لا فاعل الا اللہ ولا موجود الا اللہ یا اللہ یا فعال یا فتاح یا باسط

("غوث اعظم" ' امان اللہ خان ارمان سرحدی)

آپ کی دعائیں

آپ کی دو دعائیں بہت مشہور ہیں جو آپ بعض مجالس میں پڑھا کرتے تھے۔ ذیل میں وہ دعائیں اور ان کا ترجمہ درج کیا جاتا ہے۔

اے اللہ! ہم تیرے وصال کے بعد روک دیے جانے، تیرے مقرب بن کر نکال دیے جانے، اور تیرے مقبول بننے کے بعد مردود بننے سے پناہ مانگتے ہیں۔ اے اللہ تو ہمیں اپنی اطاعت و عبادت کرنے والوں میں سے کر دے اور ہمیں توفیق دے کہ تیرا شکر اور تیری حمد کرتے رہیں۔

اے اللہ! ہم تجھ سے ایسے ایمان کے طلب گار ہیں جو تیری جناب میں پیش کرنے کے قابل ہو اور ایسا یقین چاہتے ہیں جس کے ذریعہ سے ہم قیامت کے دن تیرے جناب میں بے خوف کھڑا ہو سکیں۔ ایسی عصمت کے خواہش مند ہیں جس کے ذریعہ سے تو ہمیں گرداب معاصی سے نکال دے۔ ایسی رحمت چاہتے ہیں جس کے ذریعہ سے تو ہمیں عیبوں کی زندگی سے پاک و صاف کر دے۔ ایسا علم چاہتے ہیں جس کے ذریعہ سے تیرے اوامر و نواہی کو سمجھ سکیں۔

اے آقا! ہمیں ایسا فہم عطا کر جس سے ہم تیری جناب میں دعا کرنا سیکھیں۔ اے اللہ! تو ہمیں دنیا و آخرت میں اہل اللہ میں سے بنا، ہمارے دلوں کو نور معرفت سے پر کر دے ہماری آنکھوں کو اپنی ہدایت کے سرمہ سے سرگیں کر دے۔ ہمارے افکار کے قدم شبہات کے موقعہ پر پھسلنے سے اور ہماری نفسانیت کے پردوں کو خواہشات کے آشیانے میں جانے سے روک لے۔ ہماری شہوات سے ہمیں نکال کر نمازیں پڑھنے، روزے رکھنے میں ہماری مدد فرما۔ ہمارے گناہوں کے نقوش کو ہمارے اعمال نامہ سے نیکیوں کے ساتھ مٹا دے۔ اے اللہ! جب کہ ہمارے افعال مرہونہ ظلم کی قبروں میں مدفون ہونے کے قریب ہوں اور تمام اہل سخاء ہم سے منہ موڑنے لگیں، اور ہماری امیدیں ان سے منقطع ہو جائیں تو اس وقت قیامت میں تو ہمارا والی اور مددگار بن، اپنے ناچیز بندہ کو جو کچھ وہ کر رہا ہے اس کا اجر دے اور لغزشوں سے اسے بچا۔ کل حاضرین کو نیک بات اور نیک کام کی توفیق عطا کر اور اس کی زبان سے وہ بات نکلوا جس سے سننے والوں کو فائدہ پہنچے۔ جس کے سننے سے آنسو بہنے لگ جائیں اور سخت سے سخت دل بھی موم ہو جائیں۔

اے اللہ! اسے اور تمام حاضرین اور کل مسلمانوں کو بخش دے۔

★★

حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ ایماندار کو ستانا اللہ کے نزدیک کعبہ اور بیت اللہ کے شہید کر دینے سے کئی گنا زیادہ گناہ ہے۔

نادان! جب کسی سخی مرد سے معاملہ کرے تو باادب رہ۔ اجرت اور غنا طلب نہ کر۔ بے ادبی کے بغیر اور بے مانگے دونوں چیزیں مل جائیں گی۔ جب اللہ تعالیٰ کو معلوم ہو جائے گا کہ تم نے حرص، طلب اور بے ادبی کو ترک کر دیا ہے تو دوسرے لوگ جو تم سے معاملہ رکھنے والے ہیں ان کو بھی الگ کر دے گا اور تمہیں خوشحال کر کے ان سے بلند جگہ پر بٹھا دے گا۔ اللہ تعالیٰ اعتراض کرنے والے اور نزاع کرنے والے کی مصاحبت نہیں کرتا۔ جو شخص تقدیر الٰہی کی موافقت کرتا ہے اس کو ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ مصاحبت رہتی ہے۔ عارف الٰہی اللہ ہی کے ساتھ رہتا ہے غیر کے ساتھ نہیں اسی کا موافق ہوتا ہے غیر کا نہیں۔

بندے کے سوالات
بندے کو جوابات
شیخ کے الہامات

(۱)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا، یا غوث اعظمؒ تم غیر اللہ سے متوحش رہو اور اللہ سے مانوس ہو۔

(۲)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے غوث اعظمؒ۔ میں نے عرض کیا اے رب میں حاضر ہوں۔ فرمایا جو طور طریق ناسوت و ملکوت کے درمیان میں ہے وہ شریعت ہے۔ جو طور ملکوت اور جبروت کے درمیان ہے وہ طریقت ہے اور جو طور طریق جبروت اور لاہوت کے درمیان ہے، وہ حقیقت ہے۔

(۳)

پھر مجھ سے فرمایا اے غوث اعظمؒ میں کسی شے میں ایسا ظاہر نہیں ہوا جیسا کہ انسان میں

(۴)

پھر میں نے سوال کیا اے رب تیرا کوئی مکان ہے؟ فرمایا اے غوث اعظمؒ میں مکانوں کا پیدا کرنے والا ہوں اور انسان کے سوا کہیں میرا مکان نہیں۔

(۵)

پھر میں نے دریافت کیا اے میرے رب کیا تیرے لئے کھانا پینا ہے؟ مجھ سے فرمایا اے غوث اعظمؒ فقیر کا کھانا اور اس کا پینا میرا کھانا اور پینا ہے۔

(۶)

پھر میں نے دریافت کیا اے رب تو نے فرشتوں کو کس چیز سے پیدا کیا۔ فرمایا اے غوث اعظمؒ میں نے فرشتوں کی تخلیق انسان کے نور سے کی اور انسانوں کو اپنے نور سے پیدا کیا۔

(۷)

پھر مجھ سے فرمایا اے غوث الاعظم میں نے انسان کو اپنی سواری اور سارے اکوان کو انسان کی سواری بنایا۔

(۸)

پھر مجھ سے فرمایا اے غوث اعظمؒ کیا ہی اچھا طالب ہوں میں اور کیا ہی اچھا مطلوب ہے انسان۔ کیا ہی اچھا سوار ہوں میں اور کیا ہی اچھی سواری ہے انسان اور کیا ہی اچھا سوار ہے انسان کیا ہی اچھی سواری ہے جس کی سارا اکوان۔

(۹)

پھر مجھ سے فرمایا اے غوث اعظمؒ انسان میرا بھید ہے اور میں اس کا بھید ہوں۔ اگر انسان جان لے جو اس کی منزلت میرے نزدیک ہے تو ہر ہر سانس میں کہے کہ آج کس کی ہے سوائے میرے۔

(۱۰)

پھر مجھ سے فرمایا اے غوث اعظمؒ رحمتہ اللہ علیہ انسان کوئی چیز نہیں کھاتا نہ پیتا نہ کھڑا ہوتا نہ بیٹھتا نہ بولتا نہ سنتا نہ کوئی کام کرتا نہ کسی چیز کی طرف متوجہ ہوتا نہ اس سے بے رخ ہوتا ہے مگر یہ کہ اس میں میں ہوتا ہوں میں ہی اس کو ساکن رکھتا ہوں اور متحرک رکھتا ہوں۔

(۱۱)

پھر مجھ سے فرمایا اے غوث اعظمؒ انسان کا جسم اس کا نفس اس کا قلب اس کی روح اس کے کان اور آنکھ اس کے ہاتھ اور پاؤں اور زبان ہر ایک کو میں نے ظاہر کیا۔ اپنی ذات سے اپنے لیے۔ وہ نہیں ہے مگر میں ہی ہوں میں اس کا غیر نہیں ہوں۔

(۱۲)

پھر مجھ سے فرمایا اے غوث اعظمؒ جب تم کسی فقیر کو دیکھو کہ وہ فقر کی آگ میں جل گیا ہے اور فاقے کے اثر سے شکستہ ہو گیا ہے تو اس کا تقرب ڈھونڈو کیونکہ میرے اور اس کے درمیان کوئی حجاب نہیں۔

(۱۳)

پھر مجھ سے فرمایا اے غوث اعظمؒ تم نہ کھانا کھاؤ نہ کچھ پیو اور نہ سوؤ مگر میرے ہی پاس حضور قلب و چشم بینا کے ساتھ۔

(۱۴)

پھر مجھ سے فرمایا اے غوث اعظمؒ جو باطن میں میری طرف سفر سے محروم رہا ہے اس کو ظاہری سفر میں مبتلا کرتا ہوں اور اس کو میری طرف سے اور کچھ نہیں بجز اس کے کہ سفر ظاہری کے ذریعہ مزید دوری ہو۔

(۱۵)

پھر مجھ سے فرمایا اے غوث اعظمؒ (محبوب سے) یگانگت کی کیفیت ایسی ہے کہ زبانی باتوں سے بیان نہیں ہو سکتی۔ تو

جس شخص نے حال کے وارد ہونے سے قبل اس کی تصدیق کر دی تو اس نے کفر کیا اور جس نے وصل کے بعد عبادت کا ارادہ کیا اس نے شرک کیا اللہ عظمت والے کے ساتھ۔

(۱۶)

پھر مجھ سے فرمایا اے غوث اعظمؒ جو کوئی ازلی سعادت سے سعید بن گیا تو اس کیلئے طوبیٰ یعنی خوشی کا مقام ہے اس کے بعد وہ مردود نہیں ہو سکتا۔ اور جو کوئی ازلی شقاوت سے شقی بن گیا تو اس کے لیے ویل یعنی ہلاکت ہے اور اس کے بعد وہ کبھی مقبول نہیں ہو سکتا۔

(۱۷)

پھر مجھ سے فرمایا اے غوث اعظمؒ میں نے فقر و فاقہ کی سواری بنائی ہے انسان کے لیے جو اس پر سوار ہوا منزل مقصود پر پہنچ گیا۔ قبل اس کے کہ وہ منازل اور جنگلوں کو قطع کرے۔

(۱۸)

پھر مجھ سے فرمایا اے غوث اعظمؒ اگر انسان جان لے کہ جو کچھ موت کے بعد ہوتا ہے تو ہرگز دنیوی زندگی کی تمنا نہ کرے اور ہر لحظہ اور ہر لحہ یہ کہے کہ اے رب مجھ کو موت دے دے۔

(۱۹)

پھر مجھ سے فرمایا اے غوث اعظمؒ خلائق کی حجت میرے نزدیک بروز قیامت بہرا گونگا اور اندھا ہونا ہے پھر حسرت اور گریہ اور قبر میں بھی ایسا ہی ہے۔

(۲۰)

پھر مجھ سے فرمایا اے غوث اعظمؒ محب اور محبوب کے درمیان محبت ایک پردہ ہے پس جب محب محبت سے فنا ہو جاتا ہے تو محبوب سے واصل ہو جاتا ہے۔

(۲۱)

پھر مجھ سے فرمایا اے غوث اعظمؒ میں نے تمام ارواح کو دیکھا کہ وہ اپنے قالبوں میں ناچتی ہیں میرے قول الست بربکم کے بعد سے روز قیامت تک۔

(۲۲)

پھر حضرت غوث نے کہا میں نے رب تعالیٰ کو دیکھا اس نے مجھ سے کہا اے غوث اعظمؒ جو کوئی علم کے بعد میری رویت کے متعلق پوچھے تو وہ علم رویت سے محجوب ہے اور جس نے بغیر علم کے رویت کے متعلق صرف گمان و قیاس کیا تو وہ حق تعالیٰ کی رویت کے بارے میں دھوکے میں ہے۔

(۲۳)

پھر مجھ سے فرمایا اے غوث اعظمؒ جس نے مجھے دیکھا وہ سوال سے بے نیاز ہو گیا ہر حال میں اور جو مجھے نہیں دیکھتا سوال سے اس کو کوئی فائدہ نہیں وہ تو سوال کی وجہ سے محجوب ہے۔

(۲۴)

پھر مجھ سے فرمایا اے غوث اعظمؒ میرے نزدیک فقیر وہ نہیں ہے جس کے پاس کوئی چیز نہ ہو بلکہ فقیر وہ ہے جس کے لیے امر ہے ہر شے میں کہ جب اس شے کو کہے ہو جا تو وہ ہو جائے۔

(۲۵)

پھر مجھ سے فرمایا اے غوث اعظمؒ جنت میں میرے ظہور کے بعد الفت اور نعمت نہیں رہے گی۔ اسی طرح دوزخ میں اہل دوزخ سے میرے خطاب کے بعد وحشت اور جلن نہیں رہے گی۔

(۲۶)

پھر مجھ سے فرمایا اے غوث اعظمؒ میں کریم ہوں ہر کریم سے بڑھ کر اور رحیم ہوں ہر رحیم سے بڑھ کر۔

(۲۷)

پھر مجھ سے فرمایا اے غوث اعظمؒ تو میرے پاس سوجا۔ عوام کی نیند کی طرح نہیں۔ پھر تو مجھے دیکھے گا۔ تو میں نے عرض کی اے پروردگار میں تیرے پاس کیسے سوؤں' فرمایا جسم کو لذتوں سے بجھانے کے ساتھ اور نفس کو شہوتوں سے بجھانے کے ساتھ اور دل کو خطرات سے بجھانے کے ساتھ اور روح کو انتظار سے ٹھنڈا کرنے کے ساتھ۔ ذات میں تیری ذات کے فنا ہونے میں۔

(۲۸)

پھر مجھ سے فرمایا اے غوث اعظمؒ اپنے دوست احباب سے کہدو کہ تم میں سے جو ارادہ کرے میری حضوری کا تو وہ فقر اختیار کرے۔ فقر جب تمام ہو جاتا ہے تو وہ نہیں رہتے سوائے میرے۔

(۲۹)

پھر مجھ سے فرمایا اے غوث اعظمؒ تیرے لیے طوبیٰ یعنی خوشخبری ہے اگر تو میری مخلوق پر مہربانی کرے اور طوبیٰ یعنی خوشخبری ہے اگر تو میری مخلوق کو معاف کرے۔

(۳۰)

پھر مجھ سے فرمایا اے غوث اعظمؒ اپنے احباب و اصحاب کو کہدو فقراء کی دعا کو غنیمت سمجھو کیونکہ وہ میرے نزدیک ہیں اور میں ان کے نزدیک ہوں۔

(۳۱)

پھر مجھ سے فرمایا اے غوث اعظمؒ میں ہر چیز کا اصل ہوں اور اس کا مسکن اور اس کا منظر اور ہر چیز میری طرف لوٹنے والی ہے۔

(۳۲)

پھر مجھ سے فرمایا اے غوث اعظمؒ جنت اور جو کچھ اس میں ہے اس کی طرف نہ دیکھو تو مجھے دیکھ لوگے بلاواسطہ۔ اور دوزخ اور جو کچھ اس میں ہے اس کی طرف نہ دیکھو تو مجھے بلاواسطہ دیکھ لوگے۔

(۳۳)

پھر مجھ سے فرمایا اے غوث اعظمؒ اہل جنت جنت سے مشغول ہیں اور اہل دوزخ مجھ سے مشغول ہیں۔

(۳۴)

پھر مجھ سے فرمایا اے غوث اعظمؒ بعض اہل جنت جنت سے پناہ مانگیں گے جس طرح اہل دوزخ دوزخ سے پناہ مانگتے ہیں۔

(۳۵)

پھر مجھ سے فرمایا اے غوث اعظمؒ جو میرے سوا کسی شے کے ساتھ مشغول ہوا قیامت کے روز وہ شے اس کے لیے

زنار ثابت ہوگی۔

(۳۶)

پھر مجھ سے فرمایا اے غوث اعظمؒ اہل قرب فریاد کرتے ہیں قربت سے جس طرح اہل بعد فریاد کرتے دوری سے۔

(۳۷)

پھر مجھ سے فرمایا اے غوث اعظمؒ میرے بعض بندے سوائے انبیاء و مرسلین کے ایسے ہیں کہ ان کے احوال سے کوئی بھی واقف نہیں اہل دنیا سے اور نہ کوئی اہل جنت سے اور نہ کوئی اہل دوزخ سے اور نہ مالک اور نہ رضوان اور میں نے نہ ان کو جنت کے لیے پیدا کیا' اور نہ دوزخ کے لیے اور نہ ثواب کے لیے اور نہ عقاب کے لیے اور نہ حور کے لیے اور نہ قصور کے لیے اور نہ غلمان کے لیے۔ پس خوشی ہے ان کے لیے جو ان پر ایمان لائیں' اگرچہ وہ پہچانیں نہیں۔ پھر فرمایا اے غوث اعظمؒ تم انہیں میں سے ہو اور ان کی علامات دنیا میں یہ ہیں کہ ان کے جسم کم کھانے پینے کی وجہ سے جلتے ہیں اور ان کے نفوس خواہشات کے پرہیز سے جلتے ہیں۔ اور ان کے قلوب خطرات سے احتراز سے جلتے ہیں۔ اور ان کی ارواح لحظات سے جلتی ہیں وہ اصحاب بقا ہیں جو نور بقا سے جلتے ہیں۔

(۳۸)

پھر فرمایا اے غوث اعظمؒ جب تمہارے پاس پیاسے آئیں ایسے دن کہ سخت گرمی ہو اور تمہارے پاس ٹھنڈا پانی ہو اور تم کو پانی کی ضرورت نہ ہو پس اگر تم نے پانی دینے سے انکار کیا تو تم بخیلوں کے بخیل ہو گے پس میں ان کو کس طرح محروم رکھ سکتا ہوں اپنی رحمت سے حالانکہ میں نے اپنی شہادت دی اپنے نفس پر کہ میں ارحم الراحمین ہوں۔

(۳۹)

پھر مجھ سے فرمایا اے غوث اعظمؒ گناہگاروں میں سے کوئی مجھ سے دور نہیں ہوتا' اور فرمانبرداروں میں سے کوئی مجھ سے قریب نہیں ہوتا۔

(۴۰)

پھر مجھ سے فرمایا اے غوث اعظمؒ اگر مجھ سے کوئی قریب ہوگا تو وہ گناہگاروں میں سے ہوگا۔ کیونکہ گناہگار عاجزی اور پشیمانی والے ہیں۔

(۴۱)

پھر مجھ سے فرمایا اے غوث اعظمؒ عاجزی انوار کا منبع ہے اور خود پسندی ظلمت (تاریکی) کا منبع ہے۔

(۴۲)

پھر مجھ سے فرمایا اے غوث اعظمؒ اہل معاصی اپنے گناہوں کی وجہ سے محجوب ہیں اور اہل طاعت اپنی طاعت کی وجہ سے محجوب ہیں اور میرا ایک گروہ ہے ان کے علاوہ جن کو نہ معاصی کا غم ہے اور نہ طاعت کی فکر۔

(۴۳)

پھر مجھ سے فرمایا اے غوث اعظمؒ گناہگاروں کو فضل و کرم کی خوشخبری سناؤ اور خود پسندوں کو انصاف اور عقاب کی خوشخبری سناؤ۔

(۴۴)

پھر مجھ سے فرمایا اے غوث اعظمؒ طاعت والے یاد کرتے ہیں نعمتوں کو اور گنہگار یاد کرتے ہیں رحم فرمانے والے کو۔

(۴۵)

پھر مجھ سے فرمایا اے غوث اعظمؒ میں قریب ہوں عاصی کے جب وہ گناہوں سے فارغ ہو جائے اور میں دور ہوں طاعت گزار سے جب وہ طاعت سے فارغ ہو جائے۔

(۴۶)

پھر مجھ سے فرمایا اے غوث اعظمؒ میں نے عوام کو پیدا فرمایا تو وہ میرے حسن کی چمک برداشت نہ کر سکے تو میں نے اپنے اور ان کے درمیان ظلمت کا پردہ ڈال دیا اور میں نے خواص کو پیدا فرمایا تو وہ میرا قرب برداشت نہ کر سکے تو میں نے اپنے اور ان کے درمیان انوار کا پردہ ڈال دیا۔

(۴۷)

پھر مجھ سے فرمایا اے غوث اعظمؒ اپنے دوستوں سے کہہ دو جو ان میں سے میری طرف پہنچنے کا ارادہ کرتا ہے کہ وہ میرے سوا ہر چیز کو چھوڑ دے۔

(۴۸)

پھر مجھ سے فرمایا اے غوث اعظمؒ دنیا کی جزا چھوڑ دو آخرت کو پاؤ گے اور آخرت کی جزا چھوڑ دو مجھ تک پہنچ جاؤ گے۔

(۴۹)

پھر مجھ سے فرمایا اے غوث اعظمؒ نکل جاؤ اجسام سے اور نفوس سے پھر نکل جاؤ قلوب سے اور ارواح سے پھر نکل جاؤ حکم سے اور امر سے تاکہ مجھ سے ملو پس میں نے کہا اے رب کونسی نماز تجھ سے بہت قریب ہے؟ فرمایا کہ وہ نماز جس میں میرے سوا کوئی نہ ہو اور نمازی خود اس سے غائب ہو۔ پھر میں نے دریافت کیا کہ کونسا روزہ تیرے نزدیک افضل ہے؟ فرمایا وہ روزہ جس میں سوائے میرے کوئی نہ ہو اور روزہ دار خود بھی اس سے غائب ہو پھر میں نے عرض کیا کونسا عمل تیرے نزدیک افضل ہے فرمایا وہ عمل جس میں میرے سوا کوئی نہ ہو نہ جنت نہ دوزخ بلکہ صاحب عمل بھی اس سے غائب ہو۔ پھر میں نے عرض کیا تیرے نزدیک کونسا گریہ افضل ہے فرمایا کہ ہنسنے والوں کا رونا۔ پھر میں نے عرض کیا: کونسی ہنسی تیرے نزدیک افضل ہے؟ فرمایا رونے والوں کی ہنسی۔ پھر میں نے عرض کیا کہ کونسی توبہ تیرے نزدیک افضل ہے؟ فرمایا بے گناہ بندوں کی توبہ۔ پھر میں نے عرض کیا کونسی بے گناہی تیرے نزدیک افضل ہے؟ فرمایا کہ توبہ کرنے والوں کی بے گناہی۔

(۵۰)

پھر مجھ سے فرمایا اے غوث اعظمؒ صاحب علم کے لیے اس کے علم کے ذریعہ میری طرف کوئی راستہ نہیں مگر علم کے انکار کے بعد۔ کیونکہ وہ جب علم کو اس کے پاس چھوڑ دیتا ہے تو وہ شیطان ہو جاتا ہے۔

(۵۱)

حضرت غوث نے فرمایا کہ میں نے رب العزت کو دیکھا پس میں نے دریافت کیا اے رب عشق کے کیا معنی ہیں، فرمایا عشق حجاب ہے عاشق و معشوق کے درمیان۔

(۵۲)

پھر مجھ سے فرمایا اے غوث اعظمؒ جب تم نے ارادہ کر لیا توبہ کا تو تم پر لازم ہو گیا وساوس نفسانی اور خطرات قلبی سے باہر نکل جاؤ اور مجھ سے مل جاؤ ورنہ تم دل لگی کرنے والوں میں سے ہو جاؤ گے۔

(۵۳)

پھر مجھ سے فرمایا اے غوث اعظمؒ جب تم نے ارادہ کر لیا میرے حرم میں داخل ہونے کا تو التفات نہ کرو ملک کی طرف اور نہ ملکوت کی طرف اور نہ جبروت کی طرف کیونکہ ملک شیطان ہے عالم کے لیے، اور ملکوت شیطان ہے عارف کے لیے اور جبروت شیطان ہے واقف کے لیے۔ پس جو راغب ہوا ان میں سے کسی کی طرف وہ میرے نزدیک مردودوں میں سے ہے۔

(۵۴)

پھر مجھ سے فرمایا اے غوث اعظمؒ مجاہدہ مشاہدہ کے سمندروں کا ایک سمندر ہے اور واقفیت رکھنے والے اس کی مچھلیاں ہیں۔ پس جس نے ارادہ کیا بحر مشاہدہ میں داخل ہونے کا اسے لازم ہے کہ مجاہدہ اختیار کرے کیونکہ مجاہدہ بیج ہے مشاہدے کا۔

(۵۵)

پھر مجھ سے فرمایا اے غوث اعظمؒ طالبوں کے لیے مجاہدہ اسی طرح ضروری ہے جیسے ان کے لیے میری ذات ضروری ہے۔

(۵۶)

پھر مجھ سے فرمایا اے غوث اعظمؒ میرے نزدیک سب سے زیادہ محبت والا بندہ وہ ہے جس کا والد ہو اور اولاد ہو اور اس کا قلب ان دونوں سے فارغ ہو اس حیثیت میں اگر اس کا والد مرجائے تو اس کو والد کی موت کا غم نہ ہو اور اگر اس کی اولاد مرجائے تو اولاد کی موت کا اس کو غم نہ ہو۔ جب اس درجہ پر بندہ پہنچے تو میرے پاس بغیر والد اور بغیر اولاد کے ہو گا جس کا کوئی قرابت دار نہیں۔

(۵۷)

پھر مجھ سے فرمایا اے غوث اعظمؒ جو شخص مزہ نہ چکھے والد کی فنا کا میری محبت میں اور اولاد کی فنا کا میری مودت یعنی دوستی میں تو اس کے لئے وحدانیت اور فردانیت کی کوئی لذت نہیں۔

(۵۸)

پھر مجھ سے فرمایا اے غوث اعظمؒ جب تم ارادہ کرو مجھے دیکھنے کا کسی مقام میں تو قلب کو منتخب کر لو جو میرے غیر سے پاک ہو۔ پس میں نے عرض کیا اے رب علم کا علم کیا ہے۔ فرمایا علم کا علم اس علم سے جاہل ہو جانا ہے۔

(۵۹)

پھر مجھ سے فرمایا اے غوث اعظمؒ خوشی ہے اس بندے کے لیے جس کا قلب مجاہدے کی طرف مائل ہو اور اس بندے کے لیے ویل ہے جس کا قلب شہوات کی طرف مائل ہو گیا۔

(۶۰)

حضرت غوثؒ نے فرمایا کہ میں نے رب تعالیٰ سے معراج کے متعلق پوچھا تو فرمایا کہ وہ عروج ہے ہر شے سے سوائے میرے اور معراج کا کمال یہ ہے کہ نہ آنکھ جھپکے اور نہ بے راہ ہو۔

دستگیری، مسیحائی
بے نواؤں کے کام آئی

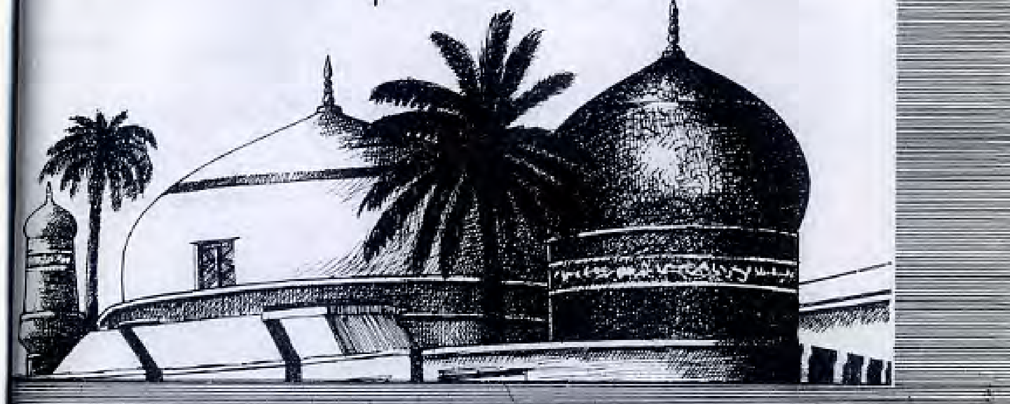

کرامۃ دراصل کرم (کریم یا "نیک" ہونا وسیع ترین معنی میں) کا مصدر، لیکن استعمال میں یہ ایک اسم ہے، جس کے معنی وہی ہیں جو اکرام اور تکریم کے ہیں۔ یعنی کسی کے سامنے اپنے آپ کو نیک خو ثابت کرنا۔ اگرچہ کریم کا لفظ بکثرت اللہ اور اس کے کاموں کے لیے قرآن مجید میں استعمال ہوا ہے لیکن کرامہ کا لفظ کہیں نہیں آیا، لہٰذا اسلام کی دینی زبان میں اس کے معنی ہوئے: اللہ کا اپنے احسان و انعام حفظ و نصر کا کسی بندے پر مبذول فرمانا، جو اولیاء اللہ کی بابت معتبر ترین بیان ہے اور کرامات اس بذل کی جزئی صورتوں کو کہتے ہیں، چنانچہ کرامات کے مخصوص معنے ہوئے ایک خارق عادت انعام و اکرام جس کو اللہ اپنے اولیا کے حفظ و حمایت کا ذریعہ قرار دیتا ہے۔ قرآن مجید میں کرامات کا پتا ان آیات میں لگایا گیا ہے جن میں حضرت مریم کے پاس مقفل محراب میں خرق عادت کے طور پر آپ ہی آپ خوراک پہنچ جانے کا ذکر ہے (آل عمران) اور وہ آیات جن میں تخت بلقیس کو ایک مصاحب سلیمان کے، جس کا نام نہیں لیا گیا، آن کی آن میں یمن سے شام پہنچا دینے کا ذکر ہے (النمل) چونکہ نہ تو حضرت مریم پیغمبر تھیں اور نہ بے نام ساتھی پیغمبر تھا اسی لیے اس خرق عادت کو دونوں صورتوں میں معجزہ نہیں کہہ سکتے لیکن حقیقت میں ان کی اصل سیرالاولیاء میں بے شمار خارق عادت کارنامے درج ہیں جو ان کی باطنی زندگی کے ناقابل شک احوال و مواجید کے مبالغہ آمیز اور محرف خیالی بیانات ہیں۔ ان واقعات یا کارناموں کی تہہ میں جو حقیقت واقعیہ کار فرما ہے اس کو تمام راسخ العقیدہ مسلمان تسلیم کرتے ہیں، یہاں تک کہ ابن خلدون جیسا فلسفی و مؤرخ اور ابن سینا جیسا مشائی فلسفی تک بھی مانتے ہیں۔ ظاہر یہی ہے کہ یہ لوگ واقعات کے دباؤ کے وجہ سے اس مفروضے کی پناہ لینے پر مجبور ہو گئے کہ کائنات میں ابھی تک ایسے بہت سے راز پوشیدہ ہیں جو

حل نہیں ہوئے صرف معتزلہ نے جنھیں اس بات کا یقین تھا کہ کائنات میں ایسے راز نہیں ہیں جو ان سے پوشیدہ رکھ چھوڑے ہیں، لہٰذا اس بات کی ضرورت ہے کہ ہم اپنے دینی مسائل کی تحقیق کے لیے فقط عقل کو رہنما بنائیں، اس کے خلاف احتجاج کیا اور خود قرآن مجید میں اپنے احتجاج کی اصل بھی ڈھونڈلی۔ لفظ کرامات اور قدیم مسیحی مذہب (I cor.xii) کے لفظ Xxpiouata (قرنیتان اولباب ۱۳) تلفظ، اشتقاق اور معنی میں باہمی توافق عجیب ترین امر ہے اور اس کا اتفاقی ہونا مشکل سے باور کیا جا سکتا ہے۔ دونوں کے مذہبی مظاہر ایک جیسے ہیں، لیکن لفظی تعلق واضح نہیں، شام کے عیسائی Xxpiouata کو محض "تحفے" ha Mauhebhat کہا کرتے تھے جس کی عربی مواہب ہے اور یہ لفظ بچ کرامات کے لیے استعمال بھی ہوتا ہے۔ ممکن ہے کہ یونانی لفظ جب سریانی میں منتقل ہوا تو اس نے عربی زبان بولنے والوں کو ان کا اپنا لفظ کرامات سمجھا دیا ہو۔ اصطلاح کے طور پر کرامت بہ مفہوم بالا خارق العادۃ "عادت یا معمول کو توڑنے والوں" میں داخل ہے کیونکہ راسخ الاعتقاد اسلام میں Nature کوئی شے نہیں، اگر ہے تو فقط یا زیادہ سے زیادہ اللہ کی ایک مقرر کی ہوئی عادت یا رسم ہے جس کے مطابق امور عالم عموماً ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ کرامت اور معجزہ (دلیل نبوت) میں فرق یہ ہے کہ کرامت کسی نبی سے اپنی نبوت کے ثبوت میں اللہ کی طرف سے صادر نہیں ہوتی اور اس کے ساتھ نبوت کا دعویٰ نہیں ہوتا نہ مخالفوں کو مقابلے کی دعوت دی جاتی ہے۔

معونت (مدد) اور کرامت میں یہ فرق ہے کہ معونت حاصل کرنے والا گو مسلم ہوتا ہے، لیکن اس پر کوئی دینی (باطنی) حال طاری نہیں ہوتا اور نہ اسے مذہبی تجربہ ہوتا ہے۔ یہ ارہاص سے بھی علیحدہ ہے جو اس غیر معمولی واقعہ کو کہتے ہیں جو کسی نبی کی بعثت سے پہلے اس کے لیے میدان تیار کرنے کے لیے ظہور پذیر ہوتا ہے۔ کرامت استدراج اور اہانہ سے بھی مختلف ہے۔ کیونکہ استدراج اور اہانہ کفار کی خاطر ظہور پذیر ہوتے ہیں تاکہ انھیں گمراہ اور شرمندہ کیا جائے۔ ولی کو اپنی کرامتیں چھپانی چاہیں حالانکہ نبی کے لیے ان کا اظہار ضروری ہے۔ ولی کو اپنی کرامات سے باخبر ہونا ضروری نہیں، لیکن نبی کو لامحالہ ان کا علم ہوتا ہے۔ پھر یہ بھی ہے کہ ولی کی کرامت کو اس نبی کا معجزہ سمجھا جائے گا جس کا وہ پیرو ہے اور آخری بات یہ ہے کہ ولی کی جہاں تک ہو سکے اپنی کرامات کو نظر انداز کرنا چاہیے اور اسے بجائے عنایات ربانی سمجھنے کے ذرائع ابتلا سمجھنا چاہیے۔ (دائرۃ معارف اسلامیہ پنجاب یونیورسٹی لاہور)

○✡○

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کو قدرت نے بے پناہ علمی وسعت اور بے انداز تدبر و تفکر سے نوازا تھا۔ آپ کی ذات بابرکات روحانی کمالات و تصرفات کے اعتبار سے بھی اولیاء و مشائخ میں منفرد و ممتاز ہے۔ آپ کی کرامات پر ایک زمانہ تب بھی دنگ تھا اور آج بھی ورطۂ حیرت میں ہے کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک عاشق صادق ایسی رفعتوں اور عظمتوں کا حامل ہو سکتا ہے۔ ان کی کرامات محض حیرت افزا نہیں بلکہ اپنے اندر بصیرت و تدبر کی روشنی رکھتی ہیں۔ آپ کی سب سے بڑی کرامت یہ ہے کہ آپ کی مساعی جمیلہ سے گلشن اسلام میں دوبارہ بہار آگئی۔ شرک اور بدعات کے اندھیرے چھٹ گئے۔ اسلام کے اصل عقائد اور تعلیمات اجاگر ہو گئیں۔ چند کرامات ملاحظہ ہوں۔

جناب شیخ عام لوگوں سے چاہے وہ ان پڑھ ہوتے' غریب اور قلاش ہوتے' ان سے بے پناہ محبت کرتے۔ آپ کی شہرت اور مقبولیت کا ایک بڑا سبب یہ بھی ہے کہ آپ انسان دوست تھے۔ جس کسی کو مصیبت میں مبتلا دیکھتے فوراً اس کی مدد کرنے پر تیار ہو جاتے۔ کئی ایسے مریض جنہیں حکیموں اور ڈاکٹروں نے لاعلاج قرار دیا ہوتا' آپ کی خدمت میں لائے جاتے تو آپ شفقت بھرا ہاتھ ان کے جسم پر پھیرتے یا پھونک مارتے تو وہ مریض دوبارہ توانا ہو جاتا۔ یوں لگتا جیسے وہ کبھی بیمار ہوا ہی نہیں۔ ظاہر بات ہے کہ جو شخص اپنے بھائی بندوں کا بے حد خیر خواہ ہو' اسے دنیا اپنے سے دور کبھی تصور کر ہی نہیں سکتی۔ ایک شخص نے بتایا کہ میری بیوی کو مرگی کی شکایت ہے۔ بڑے سے بڑا علاج اور جھاڑ پھونک کرائی' ذرا فرق نہیں پڑا۔ حضرت نے فرمایا' اگر اب دورہ پڑے تو اپنی بیوی کے کان میں کہہ دینا' اے جانس! شیخ عبدالقادر بغداد میں مقیم ہیں اور فرماتے ہیں کہ اگر تو باز نہیں آئے گا تو تجھ کو ہلاک کر دیں گے۔ راوی کہتا ہے کہ میں نے ایسا ہی کیا جیسا مجھ سے کہا گیا' پھر میری بیوی کو کبھی دورہ نہیں ہوا۔ امام عبداللہ کہتے ہیں کہ اس واقعہ کے بعد بغداد میں پھر کوئی اس بیماری میں مبتلا نہیں ہوا۔ البتہ آپ کے وصال کے بعد لوگ ضرور اس بیماری میں مبتلا ہوئے۔

شیخ ابوالحسن ہیبتی فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں آپکے مدرسہ میں حاضر تھا۔ ایک مالدار تاجر ابوغالب باریاب ہوا اور بصد ادب عرض کیا کہ حضور کے جد کریم علیہ الصلوۃ والسلام کا فرمان ہے کہ جب کوئی شخص دعوت پیش کرے تو قبول کر لینی چاہیے۔ خادم آپ کی خدمت میں عرض گزار ہے کہ میری دعوت قبول فرمائیے۔ آپ نے فرمایا' اگر مجھ کو اجازت مل گئی تو ضرور شریک ہوں گا۔ اس کے بعد آپ نے مراقبہ میں سر جھکا لیا۔ پھر سر مبارک اٹھا کر فرمایا' مجھے اجازت مل گئی اب میں ضرور جاؤں گا۔ وقت معینہ پر اپنی سواری پر سوار ہو کر تاجر کے مکان پر پہنچ گئے۔ وہاں علماء اور مشائخ کی ایک بہت بڑی جماعت پہلے سے موجود تھی۔ دسترخوان بچھایا گیا اور طرح طرح کے کھانے چنے گئے۔ پھر ایک بڑا سا ٹوکرا جس کے اوپر چادر پڑی تھی' دو شخص اٹھائے ہوئے لائے اور دسترخوان کے ایک کنارے پر رکھ دیا۔ اس کے بعد صاحب خانہ نے کہا بسم اللہ کیجئے لیکن سرکار غوث اعظمؒ ہنوز مراقبہ میں سر جھکائے بیٹھے رہے۔ آپ نے کھانا کی طرف ہاتھ نہیں بڑھایا چنانچہ کسی کو بھی جرات نہ ہو سکی۔

چند لمحے بعد آپ نے اپنے رفقا کو حکم دیا کہ اس ٹوکرے کو کھولو۔ حکم عالی کے مطابق انہوں نے ٹوکرا کھولا اور آپ کے سامنے لا کر رکھ دیا۔ اس میں سے ایک مادر زاد اندھا' مفلوج و مجزوم بچہ نکلا۔ یہ بچہ اسی سوداگر ابوغالب کا تھا۔ سرکارؒ نے یہ دیکھتے ہی فرمایا۔ "اللہ حی قیوم" کے حکم سے تندرست ہو کر کھڑے ہو جاؤ۔ یہ فرماتے ہی وہ بچہ بالکل صحیح و سلامت ہو کر کھڑا ہو گیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا گویا یہ بچہ کبھی بیمار ہوا ہی نہیں تھا۔

حضرت ابو حفص عمر بن صالح حدادی اپنی کمزور لاغر اونٹنی لیے حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ حج بیت اللہ شریف کا ارادہ رکھتا ہوں مگر میری یہ اونٹنی بہت کمزور ہے' جس سے سفر کرنا مشکل ہے اس کے علاوہ نہ تو میری اونٹنی ہے اور نہ اتنے پیسے ہیں کہ خرید سکوں۔ آپ کوئی تدبیر فرمائیں۔ آپ نے اونٹنی کی پیشانی پر اپنا دست مبارک رکھ دیا۔ بس پھر کیا تھا وہ اونٹنی تندرست و تیز رفتار ہو گئی۔

○☆○------☆------○☆○

شیخ علی یعقوبی لکھتے ہیں کہ میں اپنے مرشد علی بن ہیتی کی معیت میں حضرت محبوب سبحانیؒ کی خدمت میں

حاضر ہوا۔ مرشد نے شیخ جیلانی سے میرا تعارف کراتے ہوئے فرمایا' حضرت یہ میرا غلام ہے۔ حضرت شیخ جیلانی نے اپنا پیراہن مبارک مجھے پہنا کر فرمایا: "اے علی! تو نے عافیت کا لباس پہن لیا ہے۔" میں پینسٹھ سال تک اس لباس کو پہنتا رہا اور اس دوران کبھی مجھ پر کوئی مصیبت نہ آئی۔ اس سے قبل بھی میں ایک مرتبہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا۔ تب آپ نے مجھ پر ایک نظر ڈال کر گردن جھکائی تو ایک نور آپ کے جسم سے نکل کر مجھ تک آیا۔ جس کی وجہ سے نہ صرف ماضی کے حالات مجھ پر منکشف ہوئے بلکہ میں نے ملائکہ کے مقامات کا بھی مشاہدہ کر لیا۔ مختلف زبانوں میں ملائکہ کی تسبیح کی آوازیں بھی سنیں اور ہر انسان کے نوشتہ تقدیر کو بھی پڑھا۔ آپ نے مجھ سے فرمایا تھا' اے علی! بلا خوف و خطر ان چیزوں کو حاصل کر لو۔ لیکن میں نے اپنی کیفیت کو محسوس کر کے یہ عرض کیا اے سردار! ان مشاہدات کے بعد مجھے اپنے ہوش و حواس کے زائل ہونے کا خطرہ پیدا ہو گیا ہے۔ یہ سن کر آپ نے میرے سینہ پر ہاتھ رکھا۔ اسی وقت مجھے روحانی سکون حاصل ہو گیا اور ان مشاہدات کی وجہ سے جو خوف مجھ پر مسلط ہوا تھا وہ زائل ہو گیا اور اس نور کی روشنی میں آج تک عالم بالا کی سیر کرتا رہتا ہوں۔

○☆○------☆------○☆○

جب آپ مسند ارشاد پر متمکن ہوتے تو بعض اوقات عجیب و غریب امور ظہور پذیر ہوتے۔ ۵۲۹ھ میں ایک شخص اندلس سے چل کر آیا۔ مجلس وعظ میں پہنچا۔ آپ کا وعظ سنا۔ تبحر علمی کی شان دیکھ کر اس کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ کاش جناب شیخ فلاں مسائل پر اظہار و خیال فرمائیں تاکہ آپ کی تحقیقات سے میرے شبہات دور ہو جائیں۔ جوں ہی اس کے دل میں خیال پیدا ہوا۔ جناب شیخ نے قلبی تصرف سے معلوم کر لیا اور فی الفور انہی مسائل پر ایسی جامع تقریر کر دی جس سے اس شخص کی تشفی ہو گئی۔

○☆○------☆------○☆○

ایک دن جب آپ ایک بہت بڑے اجتماع میں وعظ فرما رہے تھے۔ ایک دم بادل چھا گئے اور بوندا باندی شروع ہو گئی۔ مجلس میں کچھ لوگ ادھر ادھر ہونے لگے۔ آپ نے سوئے فلک نگاہ اٹھائی اور فرمایا: "اے بادل! میں مخلوق خدا کو ذکر خدا کے لیے جمع کرتا ہوں اور تو منتشر کرنا چاہتا ہے۔" یہ کہنا تھا کہ بارش بند ہو گئی۔

○☆○------☆------○☆○

تقریر کی حالت میں آپ کے دلی اطمینان اور استقلال کا عالم ملاحظہ ہو کہ ایک دفعہ دوران تقریر چھت سے ایک سانپ گرا اور آپ کی گردن میں لپٹ گیا۔ شیخ احمد بن صالح جیلی راوی ہیں کہ حاضرین پر ہراس طاری ہو گیا کہ مبادا کوئی گزند پہنچے مگر آپ نے سلسلہ کلام جاری رکھا اور اپنی جگہ سے حرکت نہ فرمائی۔ اتفاق دیکھئے کہ اس تقریر میں آپ تقدیر کے مسائل پر گفتگو کر رہے تھے۔

○☆○------☆------○☆○

شیخ شہاب الدین سہروردیؒ ارشاد فرماتے ہیں کہ مجھے حصول تعلیم کے دور میں فلسفہ اور علم کلام سے گہرا شغف تھا۔ میرے چچا نجیب الدین مجھے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کی خدمت میں لے گئے اور کہا' یہ لڑکا فلسفیات کو نہیں چھوڑتا۔ اس پر جناب شیخ نے مجھے آگے بلایا اور پوچھا' بیٹا! کون سی کتابیں پڑھ لی ہیں؟ میں نے کتابوں کے

نام لے۔ آپ نے اپنا ہاتھ میرے سینے پر پھیرا چنانچہ جوں ہی ہاتھ اٹھایا' مجھے اس ذخیرۂ کتب سے ایک لفظ بھی یاد نہ تھا لیکن خدا تے میرے سینے میں علوم لدنیہ بھردیے۔

○☆○------☆------○☆○

ایک مرتبہ شیخ علی ہیتیؒ بیمار ہوئے۔ حضرت شیخؒ ان کی عیادت کو تشریف لائے۔ اس جگہ کھجور کے دو درخت سوکھ گئے تھے۔ چار سال سے بے ثمر تھے۔ حضرت نے ان درختوں کے نیچے بیٹھ کر وضو فرمایا اور دو رکعت نماز ادا فرمائی۔ ایک ہی ہفتہ میں دونوں درخت سرسبز و شاداب ہو گئے اور پھل آگیا۔

○☆○------☆------○☆○

ایک دفعہ ایک چور آپؒ کے گھر میں آگیا۔ فوراً اندھا ہوگیا اور کچھ نہ لے جاسکا۔ اسی اثنا میں حضرت حضرت خضر علیہ السلام حاضر ہوئے اور کہا' اے ولی اللہ! ایک ابدال فوت ہوگیا ہے۔ جس کے لیے حکم صادر ہوا اس کو اس کی جگہ ابدال مقرر کیا جائے۔ فرمایا ہمارے گھر میں ایک شخص عاجز و درماندہ پڑا ہے۔ جاؤ اس کو لاؤ اور اس کی جگہ ابدال بنا دو۔ حضرت خضر علیہ السلام اس کو گھر سے باہر لائے اور حضرت غوث اعظم کے پاس لے کر حاضر ہوئے۔ آپ کی ایک ہی نظر سے وہ بینا ہوگیا اور درجہ ابدالیت پر فائز ہوگیا۔

○☆○------☆------○☆○

حضرت شیخؒ ایک بلند پایہ صوفی بزرگ تھے لیکن تادم آخر شریعت کو فراموش نہیں کیا۔ شریعت کے معاملے میں نہایت غیرت مند تھے۔ جہاں خلاف شرع حرکت دیکھتے ٹوک دیتے بلکہ جو لوگ شرعی اصولوں کی خلاف ورزی میں کچھ زیادہ ہی دلیری دکھاتے' آپ ان کے حال کو سلب فرما لیتے۔ فرمایا کرتے 'اے لوگو! اگر شریعت کا پاس اور ادب نہیں رکھو گے تو میں تمہیں آگاہ کرتا ہوں کہ جو کچھ تم کھاتے ہو اور جو کچھ تم جمع کرتے ہو' میرے سامنے آئینہ کی طرح ہے۔ تمہارے ظاہر و باطن کو میں اس آئینہ میں دیکھ لیتا ہوں۔

○☆○

- ★ افلاس (بعض) گناہوں سے بچاتا ہے۔
- ★ جس کا انجام موت ہے اس کے لیے اس دنیا میں کیا خوشی۔
- ★ تکبر سے تم بڑے نہیں بن سکتے۔ تواضع ہی تمہیں بڑا بنائے گی۔
- ★ موت کو یاد رکھنا' نفس کی بیماریوں کا علاج ہے۔
- ★ اپنے قلب کو صرف خدا تعالیٰ کے لیے محفوظ رکھو اور اعضا کو بال بچوں کے لیے کسب معاش میں لگاؤ۔
- ★ جہاں تک ہو سکے لقمہ کی اصلاح کر کہ بنیاد عمل صالح کی یہی ہے۔
- ★ تجھ ایسے ہزاروں کو دنیا نے موٹا تازہ کیا اور پھر نگل گئی۔
- ★ ٹوٹی ہوئی قبروں کو بہ نظر عبرت دیکھو' کیسے کیسے خوب رویوں کی مٹی خراب ہو رہی ہے۔
- ★ گمنامی میں' ناموری سے کہیں زیادہ امن و عافیت ہے۔
- ★ اہل دنیا' دنیا کے پیچھے دوڑ رہے ہیں۔ دنیا اہل دین کے پیچھے دوڑ رہی ہے۔
- ★ کفران نعمت اور خود ستائی دونوں قرب حق کی ضد ہیں۔

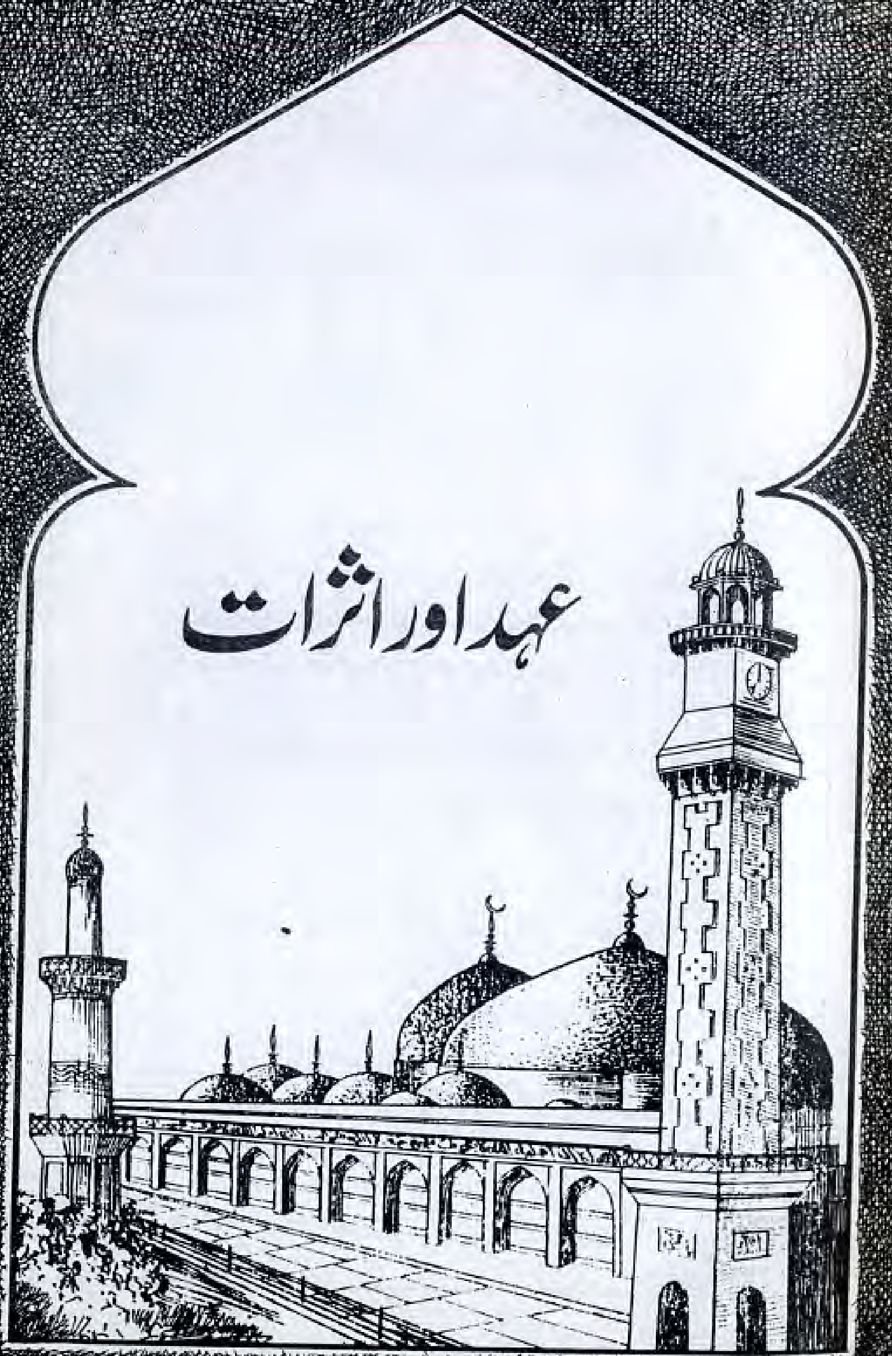

آفتابِ نصفُ النّہار

عَبْدٌ لَهٗ فَوْقَ الْمَعَالِیْ رُتْبَۃٌ وَلَہُ الْمَمَاجِدُ وَالْفَخَارُ الْاَفْخَرُ

ترجمہ۔حضرت غوثِ پاکؓ ایسے عبد ہیں کہ آپ کا مرتبہ بالائے رفعت ہائے خلائق ہے۔عظمتیں اور بیش بہا افتخارات آپ کے لئے مُسَلَّم ہیں۔

وَلَہُ الْحَقَائِقُ وَالطَّرَائِقُ فِی الْھُدٰی وَلَہُ الْمَعَارِفُ کَالْکَوَاکِبِ تَزْھَرُ

ترجمہ۔اللہ تعالیٰ نے آپ کو رُشد و ہدایت میں حقائق و رُمُوز عطا کئے ہیں اور آپ کے معارف ستاروں کی طرح تابندہ ہیں۔

وَلَہُ التَّقَدُّمُ وَالتَّعَالِیْ فِی الْعُلٰی وَلَہُ الْمَرَاتِبُ فِی النِّھَایَۃِ تَکْثُرُ

ترجمہ۔بلندی میں آپ کو سبقت اور بڑائی حاصل ہے اور مقامِ انتہا میں آپ کے مراتب و مقامات بکثرت ہیں۔

وَلَہُ الْفَضَائِلُ وَالْمَکَارِمُ وَالنَّدٰی وَلَہُ الْمَنَاقِبُ فِی الْمَحَافِلِ تُنْشَرُ

ترجمہ۔آپ کے فضائل، مکارم اور سخاوتیں معروف ہیں؛ آپ کے مناقب محافلِ ذکر میں بیان کئے جاتے ہیں۔

غَوْثُ الْوَرٰی غَیْثُ النَّدٰی نُوْرُ الْھُدٰی بَدْرُ الدُّجٰی، شَمْسُ الضُّحٰی، بَلْ اَنْوَرُ

ترجمہ۔آپ فریاد رسِ خلق، بارانِ جُود اور نُورِ ہدایت ہیں، ظلمتوں کے لئے بدرِ مُنیر اور آفتابِ نصفُ النّہار، بلکہ اُس سے بھی تابندہ تر ہیں۔

قَطَعَ الْعُلُوْمَ مَعَ الْعُقُوْلِ فَاَصْبَحَتْ اَطْوَارُھَا مِنْ دُوْنِہٖ تَتَحَیَّرُ

ترجمہ۔آپ نے عقل و فکر سے عُلُوم و معارف کی منازل طے فرمائیں۔چنانچہ دیگر اکابرِ اُمّت آپ کے اسالیبِ تدبّر سے حیرت زدہ ہیں۔

مَا فِیْ عُلَاہُ مَقَالَۃٌ لِمُخَالِفٍ
نَمَسَائِلُ الْاِجْمَاعِ فِیْہِ تُسْطَرُ

ترجمہ۔آپ کی رفعتِ مقام میں کسی مخالف کو جسارتِ گفتار نہیں۔سب نے آپ کے عُلُوِّ مرتبہ کو باتفاقِ رائے تسلیم کیا ہے۔

حضرت شیخ نور الدین ابوالحسن علی بن یوسف

وُہ آئے
اُنہوں نے دیکھا
اور سب کچھ بدل دیا

پروفیسر محمد اسلم

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ واسعاً" کثیرا" (۱۱۶۶ء - ۱۰۷۷ء) کی ولادت باسعادت سے اڑھائی صدیاں قبل مسلمانوں کا سیاسی زوال شروع ہوچکا تھا اور اس وقت عالم اسلام میں طوائف الملوکی کا دور دورہ تھا۔ یمن جیسا چھوٹا سا ملک کئی شہری ریاستوں میں منقسم ہوچکا تھا۔ بزرگ سلاجقہ کے جانشینوں نے اپنے بزرگوں کی وسیع و عریض سلطنت کے کھنڈرات پر کرمان' کردستان' شام' عراق' ایران اور اناطولیہ میں چھوٹی چھوٹی ریاستیں قائم کرلی تھیں۔ بحیرۂ خزر کے مشرقی اور مغربی ساحل پر کئی شہری مملکتیں وجود میں آچکی تھیں۔

اس سیاسی انتشار کا آغاز عباسی خلیفہ المامون (۸۳۳ء - ۸۱۳ء) کے زمانے میں مرکز گریز رجحانات کے عام ہونے سے ہوا۔ سب سے پہلے المامون کے سپہ سالار طاہر ذوالیمین (م ۸۲۲ء) نے ۸۲۰ء میں مرکزی حکومت سے بغاوت کرکے خراسان میں ایک آزاد ریاست کی بنیاد رکھ دی اور اپنے جیسے طالع آزماؤں کو قسمت آزمانے کا موقع فراہم کردیا۔ طاہر کے بعد چار حکمران یکے بعد دیگر تخت نشین ہوئے۔ بالآخر ۸۷۲ء میں یعقوب بن لیث صفاری نے طاہر ذوالیمین کی قائم کردہ ریاست کو اپنی مملکت میں شامل کرلیا۔

آل طاہر : طاہر ذوالیمین کے بعد یعقوب بن لیث (م ۸۷۸ء) نے ۸۶۸ء میں سیستان میں آزاد مملکت قائم کرلی۔ اس نے جلد ہی طبرستان' طخارستان' فارس اور خراسان پر قبضہ کرکے ایک وسیع و عریض سلطنت قائم کرلی۔ یعقوب بن لیث کے بعد دو اور حکمران تخت پر بیٹھے۔ آخر کار ۹۰۳ء میں بخارا کا سامانی حکمرانوں کے

ہاتھوں اس ریاست کا خاتمہ ہوا۔

علویان طبرستان : ایران میں بحیرۂ خزر کا جنوب مشرقی علاقہ طبرستان کہلاتا ہے۔ وہاں علویوں نے ۸۶۴ء میں ایک آزاد و خودمختار ریاست کی بنیاد رکھی۔ ان میں سے کئی حکمران "امامت" کے دعویدار تھے۔ ان کی عزیز داری یمن کے حکمران زیدی خانوادے سے بھی تھی۔ ۶۴ سال کے عرصے میں اس خاندان کے پانچ حکمران داد حکمرانی دیتے رہے۔ ۹۲۸ء میں سامانیوں کے ہاتھوں اس ریاست کا خاتمہ ہوا۔

بنوساج : آذربائیجان میں ۸۷۹ء میں ابوالساج دیوداد نے ایک آزاد ریاست کی نیو رکھی۔ اس نے آرمینیہ کو بھی اپنی قلمرو میں شامل کرلیا۔ اس خانوادے کے چار حکمران ۹۳۰ء تک اس علاقے میں اپنا سکہ چلاتے رہے۔ اسی سال عباسیوں کے ہاتھوں اس ریاست کا خاتمہ ہوگیا۔

آل سامان : عباسی خلفاء کی کمزوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے شروع شروع میں جن طالع آزماؤں نے آزاد ریاستیں قائم کیں ان میں بلخ کا ایک شریف زادہ نصر بن احمد بھی تھا جس نے ۸۷۴ء میں ماوراء النہر میں سامانی ریاست کی بنیاد رکھی۔ اس خاندان کے دس حکمران ہوئے ہیں۔ جن کی علم دوستی نے بخارا اور سمرقند کو علم و ادب کے عظیم مرکز بنا دیا تھا۔ انہوں نے اسلامی فن تعمیر کی سرپرستی کی۔ اس خانوادے کے حکمران اسمٰعیل بن احمد (م ۹۰۷ء) کا مقبرہ فن تعمیر کا ایک نادر شاہکار ہے۔ کراچی میں قائداعظم کا مزار اسی طرز پر تعمیر ہوا ہے۔

سامانیوں کے عہد میں رودکی جیسا طوطیٔ شکر مقال اپنا مشہور نغمہ۔

بوئے جوئے مولیاں آید ہمی

سنا کر خاموش ہوچکا تھا اور شیخ الرئیس بوعلی سینا جیسا مسیحا "القانون" کے ذریعے لاکھوں افراد کو حیات نو دے کر خود موت کی آغوش میں جا سویا تھا۔ محمود غزنوی کے دربار کا ملک الشعراء عنصری سامانیوں کی عملداری میں بلخ میں عدم سے وجود میں آیا تھا۔ آل سامان کا خاتمہ ۹۹۹ء میں غزنویوں کے ہاتھوں ہوا۔

غزنوی خاندان : سامانیوں کا ایک ترکی النسل غلام الپتگین' جو سپہ سالار کے منصب جلیلہ پر فائز تھا' اپنے آقا سے ناراض ہوکر غزنی چلا آیا جہاں اس نے ایک آزاد ریاست کی بنیاد رکھی۔ الپتگین کی وفات کے بعد ۹۶۳ء میں اس کا بیٹا اسحٰق تخت نشین ہوا۔ اپنے والد کے مقابلے میں وہ نکما ثابت ہوا تو ۹۶۶ء میں الپتگین کے ایک غلام بلکاتگین نے اسے تخت سے اتار کر عنان حکومت سنبھال لی۔ بلکاتگین چھ سال تک داد حکمرانی دے کر راہیٔ ملک بقا ہوا تو اس کی جگہ اس کا ایک خواجہ تاش پیری مسند نشین ہوا۔ پیری کے چوتھے سال جلوس میں ایک طالع آزما ابوبکر لاوق نے غزنی پر حملہ کیا۔ پیری میں اس کا مقابلہ کرنے کی ہمت نہ تھی۔ اس نازک موقع پر الپتگین کے ایک اور غلام سبکتگین نے جسے الپتگین کا داماد ہونے کا شرف بھی حاصل تھا' ابوبکر لاوق کو شکست دے کر اس کے عزم کو ناکام بنادیا۔ اس خدمت کے صلے میں امرائے سلطنت نے پیری کو تخت و تاج سے معزول کرکے سبکتگین کو تخت پر بٹھادیا۔

سبکتگین صحیح معنوں میں سلطنت غزنہ کا بانی تھا۔ اس نے اپنی ریاست کی حدود وسیع کیں اور لمغان کے ہندو ناہی حکمران جے پال کو دوبار عبرتناک شکست دی اور اپنی ریاست کی حدود دریائے سندھ تک بڑھالیں۔

سبکتگین نے بیس سال حکمرانی کرنے کے بعد ۹۹۷ء میں وفات پائی اور اس کا بیٹا اسمٰعیل تخت نشین ہوا۔ اسمٰعیل کا بھائی محمود اس وقت خراسان میں تھا۔ اس نے غزنہ کی جانب پیش قدمی کی اور اسمٰعیل کو شکست دے کر تخت و تاج پر قابض ہوگیا۔

سلطان محمود نے ۳۲ سال تک بڑے طمطراق اور دبدبے کے ساتھ حکومت کی۔ اس عرصے میں اس نے برعظیم پاک و ہند اور بنگلہ دیش پر سترہ حملے کئے اور دوسری جانب خراسان اور ماوراء النہر میں بھی اپنی بہادری اور شجاعت کی دھاک بٹھادی۔ محمود کا شمار بلاشبہ عظیم ترین مسلم حکمرانوں میں ہوتا ہے۔

۱۰۳۰ء میں سلطان محمود کی وفات پر اس کا بیٹا مسعود مسند نشین ہوا۔ شروع شروع میں اس نے اپنے عظیم والد کے کام کو جاری رکھا اور مشرقی پنجاب میں ہانسی اور سونی پت کے قلعے فتح کرلیے۔ آٹھ سال کے بعد اس کا زوال شروع ہوا اور اسے سلجوقیوں کے مقابلے میں شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ اس نے سلجوقیوں کے مقابلے میں خود کو کمزور دیکھتے ہوئے پنجاب کا رخ کیا۔ ٹیکسلا کے قریب مارگلہ کی پہاڑیوں میں اس کے اپنے ہی سپاہیوں نے بغاوت کرکے اس کا تمام مال و اسباب لوٹ لیا اور اسے گرفتار کرکے اس کے بھائی محمد کے سامنے پیش کیا۔ مسعود نے محمد کو بینائی سے محروم کردیا تھا۔ اس کے باوجود اس نے صلہ رحمی کا خیال کرتے ہوئے اسے نظربند کردیا۔ نظربندی کی حالت میں محمد کے فرزند احمد نے اسے قتل کروادیا۔ وہ بھی اپنے والد کی طرح علماء و فضلاء کا قدردان تھا۔ ابوریحان البیرونی نے اپنی شہرہ آفاق تصنیف "قانون مسعودی" اسی کے نام معنون کی تھی۔

مسعود کے قتل کے وقت اس کا بیٹا مودود بلخ میں مقیم تھا۔ وہ یلغار کرتا ہوا غزنی پہنچا اور محمد اور احمد کو ٹھکانے لگا کر تخت و تاج کا مالک بن گیا۔ اس نے پنجاب کے حالات کو سدھارنے کی کوشش کی اور ہندوؤں کی کئی سازشوں کو ناکام بنادیا۔ مودود پنجاب کا نظم و نسق درست کرکے غزنی جارہا تھا کہ اثنائے سفر ایک سازش کا شکار ہوکر گرفتار ہوا۔ مودود نے ۲۴ دسمبر ۱۰۴۹ء کو وفات پائی۔

مودود کے بعد اس کی سلجوقی النسل ملکہ نے اپنے تین سالہ فرزند مسعود ثانی کو تخت پر بٹھادیا لیکن ارباب حل و عقد نے اسے حکمران تسلیم کرنے سے انکار کردیا اور اس کی جگہ مسعود اول کے فرزند ابوالحسن علی کو تخت پر بٹھادیا۔ اس نے اپنی پوزیشن مضبوط بنانے کی غرض سے مودود کی بیوہ سے عقد کرلیا۔ اس کے باوجود وہ حکومت کا کاروبار نہ چلا سکا۔ دو سال کے بعد اس کے چچا عبدالرشید نے ۱۰۵۱ء میں اسے معزول کرکے اقتدار اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔

عبدالرشید نے پنجاب کی طرف خصوصی توجہ مبذول کی اور اپنے حاجب نشتگین کو امیرالامرائے ہند کا خطاب دے کر پنجاب کا گورنر مقرر کیا۔ باشتگین نے کانگڑہ کے ہندو حکمران کو اطاعت کا سبق سکھایا اور پنجاب کے نظم و نسق کو درست کیا۔

مسعود اول کے زمانے میں ہی امرائے سلطنت سازشوں میں مصروف ہونے لگے تھے۔ مسعود کے جانشین ان کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی بنے رہے۔ عبدالرشید نے طغرل کو سیستان کا گورنر مقرر کیا تھا۔ اس نے وہاں جاکر اتنی قوت فراہم کرلی کہ غزنہ پر حملہ کرکے عبدالرشید اور شاہی خانوادے کے نو شہزادوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا اور خود تخت پر بیٹھ گیا۔ چالیس روز کے بعد شاہی خاندان کے بہی خواہوں نے طغرل کو قتل کرکے مسعود اول کے فرزند فرخ زاد کو تخت پر بٹھادیا۔ وہ بڑا رحمدل' عادل اور حلیم الطبع حکمران تھا۔ چھ سال تک حکومت کرنے کے

بعد ۱۰۵۹ء میں فرخ زاد نے عالم فانی سے منہ موڑ کر عالم جاودانی کی طرف رخ کیا تو اس کی جگہ اس کا بھائی ظہیرالدولہ ابراہیم مسند آرا ہوا۔ ابراہیم صاحب فہم و فراست اور منجھا ہوا سیاستدان تھا۔ اس نے اپنے حسن انتظام سے سلطنت غزنہ کے تن مردہ میں نئی روح پھونک دی۔ دیپالپور اور اجودھن کے حکمرانوں کو اطاعت کا سبق سکھایا اور غزنی کی علمی رونق بحال کردی۔ سلطان ابراہیم علم و ادب کا دلدادہ اور اصحاب فضل و کمال کا قدردان تھا۔ وہ صاحب حدیقہ حکیم مجدالدین سنائی کا دل و جان کے ساتھ احترام کیا کرتا تھا۔

مؤرخ شہیر پروفیسر شیخ عبدالرشید (م ۱۹۹۴ء) علامہ شمس الدین ذہبی کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ حضرت سید علی ہجویری رحمتہ اللہ علیہ کے مرشد حضرت ابوالفضل محمد بن حسن ختلی نور اللہ مرقدہ ۴۶۰ھ / ۱۰۶۸ء میں سلطان ظہیرالدولہ ابراہیم غزنوی کے دور حکومت میں موضع بیت الجن (شام) میں فوت ہوئے تھے۔ سلطان ابراہیم ہی کے زمانے میں حضرت سید علی ہجویری لاہور تشریف لائے اور اسی سلطان کے عہد معدلت میں حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ پیدا ہوئے۔

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کی حیات طیبہ میں غزنوی خاندان کے چھ حکمرانوں نے داد حکمرانی دی۔ ظہیرالدولہ ابراہیم کی وفات کے بعد ۱۰۹۹ء میں اس کا بیٹا مسعود ثالث تخت نشین ہوا۔ پندرہ سال کی حکومت کرنے کے بعد وہ راہئ ملک بقا ہوا تو عنان اقتدار اس کے فرزند شیرزاد نے سنبھالی۔ ایک سال کے بعد اس کی جگہ اس کا بھائی سلطان ارسلان مسند آراء ہوا۔ تین سال حکومت کرنے کے بعد وہ اللہ کو پیارا ہوا تو اس کی جگہ اس کے بھائی یمین الدولہ بہرام شاہ نے لی۔

آل شنسب : بہرام شاہ نے اپنی حماقت سے غور کے حکمران خانوادے آل شنسب کے ساتھ تعلقات خراب کرلیے۔ غور کا ایک شہزادہ قطب الدین محمد' جو بہرام شاہ کا داماد بھی تھا۔ فیروز کوہ سے غزنی آیا' تو بہرام شاہ نے کسی بات پر خفا ہو کر اسے قتل کروا دیا۔ قطب الدین محمد کے قتل کی خبر جب فیروز کوہ پہنچی تو اس کے بھائی سیف الدین سوری نے انتقال لینے کی غرض سے غزنی پر حملہ کیا۔ بہرام شاہ نے اسے شکست دے کر قتل کروا دیا۔ جب سیف الدین سوری کی شکست اور قتل کی اطلاع اس کے بھائی علاءالدین کو ملی تو وہ ۱۱۵۰ء میں فیروز کوہ سے ایک لشکر جرار لے کر غزنی کی جانب بڑھا۔ اس نے بہرام شاہ کو شکست دے کر پنجاب کی جانب بھگا دیا اور اپنے دو بھائیوں کے قتل کا بدلہ لینے کی غرض سے غزنی کو نذر آتش کردیا۔ وہ شہر جس کی عظمت کو چار چاند لگانے کے لیے سلطان محمود نے اپنی زندگی صرف کردی تھی' آن واحد میں راکھ کے ڈھیر میں تبدیل ہوگیا۔ اسی بنا پر علاء الدین کا لقب "جہانسوز" پڑگیا۔ یہ عظیم سانحہ حضرت شیخ عبدالقادر نور اللہ مرقدہ کی زندگی میں پیش آیا۔ اس وقت حضرت والا کی عمر اے برس تھی۔

علاء الدین جہانسوز غزنی میں اپنے پیچھے دھوئیں کے بادل اور مظلوموں کی سسکیاں چھوڑ کر فیروز کوہ چلا گیا۔ مشہور محاورہ ہے کہ خدا کے ہاں دیر ہے' اندھیر نہیں۔ چند سال بعد سلطان معزالدین ابوالحارث سنجر (۱۱۵۷ء - ۱۱۱۷ء) نے علاء الدین جہانسوز کو گرفتار کرکے نظربند کردیا۔ نظربندی کے دوران ہی اس کا انتقال ہوگیا۔ یہ واقعہ بھی حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی نور اللہ مرقدہ کے آخری ایام میں پیش آیا۔

علاء الدین جہانسوز کی نظربندی کے دوران خراسان اور افغانستان میں بدامنی پھیل گئی۔ اسی زمانے میں

ترکوں کے ایک وحشی قبیلے غز نے خراسان اور افغانستان میں تباہی مچادی۔ انہی ایام میں مشہور شاعر انوری نے "اشک ہائے خراسان" کے عنوان سے ایک شہر آشوب لکھا جس میں سلطان سنجر سے یہ التماس کی کہ وہ خراسانیوں اور افغانیوں کو غزوں سے نجات دلائے۔ عالم فانی سے عالم جاودانی کی طرف جاتے جاتے حضرت والا قدر نے غزوں کے ہاتھوں خراسان میں علمی اور روحانی مراکز کی تباہی بھی ملاحظہ فرمائی۔

غز ایک وحشی اور غیر مہذب قبیلہ تھا' جو کسی ملک کا نظم و نسق چلانے سے عاری تھا۔ وہ صرف لوٹ مار ہی جانتے تھے۔ اس لیے بہت جلد ان کی گرفت کمزور پڑ گئی۔ اسی دوران میں علاء الدین کے دو بھتیجوں غیاث الدین محمد غوری اور شہاب الدین محمد غوری نے بالترتیب ہرات اور غزنی پر اپنا تسلط جمالیا لیکن یہ واقعہ حضرت شیخ کی رحلت کے بعد کا ہے۔

یہاں اس بات کا ذکر بیجانہ ہوگا کہ غوری سلاطین' جو آل شنسب کے نام سے مشہور تھے' کرامیہ فرقے سے تعلق رکھتے تھے۔ اس فرقے کا بانی محمد بن کرام (م ۸۶۹ء) تھا جس نے "عذاب القبر" کے عنوان سے ایک تصنیف اپنی علمی یادگار چھوڑی ہے۔ اس تصنیف میں اس نے اپنے عقائد بھی بیان کئے ہیں۔ امام ابن تیمیہ علیہ الرحمہ نے اپنی تصنیف دلپذیر "کتاب الایمان" میں کرامیہ کے بارے میں بڑی نادر معلومات فراہم کی ہیں۔ اس فرقے کے بانی کے نزدیک "مصلحتاً" جھوٹ بولنا جائز ہے۔ بنا بریں شافعی المذہب فقہاء فرماتے ہیں کہ وہ کرامیوں کی گواہی قبول نہیں کرتے' ان کے علاوہ دوسرے فرقوں کے پیروؤں کی گواہی قبول کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ امام ابن تیمیہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کرامیہ خدا کی تجسیم کے قائل ہیں۔ ان کا یہ عقیدہ ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے تخت پر آلتی پالتی مارے بیٹھا ہے۔ پروفیسر خلیق احمد نظامی کا یہ خیال ہے کہ جن علاقوں میں الکرامیہ کا مذہب پھیلا وہاں مہایانہ فرقہ کے بدھوں کی اکثریت تھی اور وہ مہاتما بدھ کی ایسی مورتیوں کی پوجا کیا کرتے تھے جن میں مہاتما بدھ آلتی پالتی مارے بیٹھا دکھایا گیا ہے۔ جب یہی لوگ الکرامیہ فرقہ کے مبلغین کی سعی سے مسلمان ہوئے تو ان کے ذہنوں میں معبود کا وہی تصور قائم رہا۔ افغانستان اور وسط ایشیاء میں الکرمیہ کی موجودگی کا پتہ "طبقات ناصری" سے بھی ملتا ہے۔ قاضی منہاج سراج جوزجانی رقمطراز ہیں کہ پہلے سلطان غیاث الدین محمد غوری اور سلطان شہاب الدین محمد غوری بھی اسی فرقے سے تعلق رکھتے تھے۔ جب اول الذکر ہرات کا حکمران بنا تو اس نے دیکھا کہ وہاں کے باشندے شافعی المذہب ہیں تو اس نے بھی یہی مسلک اختیار کرلیا۔ شہاب الدین محمد غوری غزنی کا حکمران بنا تو اس زمانے میں وہاں کے باشندے امام اعظم ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کے مقلد تھے' تو اس نے بھی یہی مسلک اپنالیا۔

"تاریخ مشائخ چشت" مصنفہ پروفیسر خلیق احمد نظامی اصلاً" تو چشتی بزرگوں کا تذکرہ ہے لیکن تصوف کے ارتقاء کے ضمن میں اس میں دوسرے سلاسل تصوف کے بزرگوں کا بھی ذکر آگیا ہے۔ پروفیسر موصوف فرماتے ہیں کہ افغانستان اور ملحقہ علاقوں میں الکرامیہ کی بیخ کنی کرکے وہاں اہل سنت کے عقائد کی نشر و اشاعت کا کریڈٹ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی نور اللہ مرقدہ کو جاتا ہے۔

مصر : شمالی افریقہ کے بربر قبائل میں ادریسیوں کے زمانے میں ایسے مبلغ موجود تھے جو مسلسل شیعی عقائد کے پرچار میں لگے ہوئے تھے۔ اس لیے جب فاطمی خلافت کے بانی ابو محمد عبیداللہ نے مہدی ہونے کا دعویٰ کرنے کے

بعد امیرالمومنین اور خلیفہ کے القاب اپنائے تو اسے کوئی خاص دشواری پیش نہ آئی۔ اس نے ۹۰۹ء میں بنو اغلب کے آخری آثار مٹا کر مراکش پر قبضہ کرکے عباسی خلافت کے متوازی فاطمی خلافت کی بنیاد رکھ دی۔ وہ حضرت فاطمتہ الزہرا رضی اللہ عنہا کے ساتھ اپنا نسبی تعلق جوڑتا تھا لیکن عربوں کے ماہر انساب علامہ ابن خلدون نے اسے مراکش کے ایک بڑھئی کا بیٹا بتایا ہے جو مردوں کے لیے تابوت تیار کیا کرتا تھا۔ عبیداللہ مہدی کے جانشینوں نے مصر پر قبضہ کرکے قاہرہ کی بنیاد رکھی اور اپنے مذہبی عقائد کی نشرو اشاعت کی غرض سے جامعہ ازہر قائم کی۔ فاطمی خلافت کے قیام سے شمالی افریقہ میں اہل سنت والجماعت کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا۔ فاطمیوں نے شام پر بھی قبضہ کرلیا اور ایک دور وہ بھی آیا جب ان کا سپہ سالار البسسری بغداد پر تسلط قائم کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ اسے بغداد سے نکالنے اور عباسی خلافت کو بچانے کے لیے سلاجقہ کی خدمات ناقابل فراموش ہیں۔

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ نویں فاطمی خلیفہ مستنصر ابوالنجم (۱۰۳۵ء - ۱۰۹۴ء) کے عہد میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے چھ فاطمی خلفاء کا زمانہ پایا۔ حضرت والا قدر کی وفات کے ایک سال بعد مجاہد کبیر شیر کوہ مصر میں داخل ہونے میں کامیاب ہوگیا۔ فاطمی خلیفہ ابو محمد عبداللہ عاضد نے مجبوراً اس کا خیر مقدم کیا اور اسے قلمدان وزارت دے کر مسلح افواج کا کمانڈر انچیف بنایا۔ بد قسمتی سے دو ماہ بعد شیر کوہ فوت ہوگیا۔ شیر کوہ کے عہدوں پر اس کے بھتیجے صلاح الدین ایوبی کا تقرر ہوا۔ فاطمی خلیفہ عاضد نے اسے الملک الناصر کا خطاب عطا کیا۔ عاضد کے آخری ایام حیات میں صلاح الدین ایوبی نے مصر میں عباسی خلیفہ کے نام کا خطبہ اور سکہ رائج کردیا۔ عاضد کے ساتھ ہی فاطمی خلافت کا خاتمہ ہوگیا۔ عوام سلطان صلاح الدین ایوبی کو صرف بیت المقدس کے فاتح کی حیثیت سے جانتے ہیں جس نے فلسطین کی مقدس سرزمین کو صلیبیوں کے وجود نامسعود سے پاک کرکے قبلہ اول کو آزاد کرایا۔ وہ یہ بھول جاتے ہیں کہ فاطمی خلافت کا خاتمہ بھی سلطان صلاح الدین ایوبی کا بہت بڑا کارنامہ ہے۔ اس نے مصر اور ملحقہ ممالک سے فاطمیوں کو ختم کرکے سنی مذہب کو از سرنو فروغ دیا۔

الجزائر : حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی نور اللہ مرقدہ کے زمانے میں الجزائر میں بنو حماد کی حکومت تھی۔ اس خاندان کے نو حکمران ہوئے ہیں۔ حضرت والا قدر اس خانوادے کے پانچویں حکمران الناصر بن علناس بن محمد کے عہد میں تولد ہوئے۔ اس کے بعد چار اور حکمران ہوئے۔ شیخ موصوف کی حیات ہی میں ۱۱۵۲ء میں موحدین کے قائد عبدالمومن کے ہاتھوں اس شاہی خانوادے کا خاتمہ ہوا۔

تونس : حضرت محترم کے زمانے میں تونس میں بنو زیری داد حکمرانی دے رہے تھے۔ اس خانوادے کے آٹھ حکمران ہوئے ہیں۔ جناب والا قدر سلطان تمیم بن المعز (۱۰۶۱ء - ۱۱۰۷ء) کے عہد میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے اس خانوادے کے چار حکمرانوں کا عہد دیکھا۔ شیخ محترم کی حیات ہی میں ۱۱۴۸ء میں اس خاندان کے آخری حکمران الحسن بن علی کو سسلی کے عیسائی حکمران رجار نے شکست دے کر بنو زیری کا خاتمہ کردیا۔

اقصائے مغرب : اقصائے مغرب میں شیخ عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ کے زمانے میں مرابطین کی حکومت تھی۔ ایک روایت کے مطابق بربری قبائل ایک طویل مدت سے کسی مذہبی رہنما کی راہ دیکھ رہے تھے۔ اسی زمانے میں قبیلہ لمتونہ میں عبداللہ بن تاشفین پیدا ہوا۔ اس نے تجدید دین اور جہاد پر لوگوں سے بیعت لی۔ اس کے پیرو "مرابطین" کہلانے لگے جس کے لغوی معنی "دشمن کی سرحدوں پر گھوڑے تیار رکھنے والے"

ہیں۔ عبداللہ نے عباسی خلیفہ کی اطاعت کا اعلان کیا۔ یہ ایک طرح سے اقصائے مغرب میں فاطمی اقتدار کے خاتمے کا اعلان تھا۔ عبداللہ نے شمالی افریقہ کے بہت بڑے قبیلے مسمودہ کے ساتھ سیاسی اتحاد کرلیا۔ اس نے مراکش شہر کی بنیاد رکھی اور رفتہ رفتہ پورے مراکو پر قبضہ کرلیا۔

۱۰۸۶ء میں جب شیخ محترم ۹ سال کے تھے تو ہسپانیہ کے بنو عباد کی دعوت پر یوسف بن تاشفین نے ہسپانیہ جا کر وہاں کے کمزور مسلم حکمرانوں کی عیسائیوں کے خلاف مدد کی اور یہ مہم انجام دے کر واپس چلا آیا۔ چار سال بعد ۱۰۹۰ء میں شاہ اشبیلیہ نے یوسف کو ہسپانیہ آنے کی دعوت دی۔ اس نے ہسپانیہ پہنچ کر طلیطلہ کے علاوہ پورا ہسپانیہ عیسائیوں کے قبضے سے آزاد کروالیا۔

مرابطین افریقہ کے صحرا میں رہنے کی وجہ سے بڑے سخت جان اور جفاکش تھے۔ ہسپانیہ میں اندلس کے سرسبز و شاداب علاقے میں جا بسنے کے بعد وہ آرام طلب اور تن آسان ہوگئے اور ان میں دشمن کے مقابلے کی ہمت نہ رہی۔ ان حالات میں ان کا خاتمہ قریب تر ہوگیا۔

الموحدین : مرابطین کے دور زوال میں افریقہ سے ایک اور طاقتور گروہ اٹھا جو خالص توحید کی دعوت دینے کی وجہ سے الموحدین کے نام سے مشہور ہوا۔ اقصائے مغرب میں فاطمی اثرات کے تحت اللہ تعالیٰ کی تجسیم اور تشبیہ کا عقیدہ عام ہوچکا تھا۔ الموحدین نے اس عقیدے کے خلاف جہاد کیا۔ اس گروہ کا سربراہ ابو عبداللہ بن تومرت تھا جو بنو مسمودہ کا فرد تھا۔ اس نے خالص توحید کی دعوت دی۔ وہ شیخ عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ کا ہم عصر تھا۔ اس نے ۱۱۲۸ء میں وفات پائی تو اس کا بھائی عبدالمومن اس کا جانشین ہوا۔ اس نے الموحدین کی قیادت سنبھالنے کے دو سال بعد فتوحات کی جانب توجہ دی۔ ۱۱۴۴ء میں اس نے مرابطین کو شکست دے کر فاس، بستہ اور تلمسان فتح کرلیے۔ ۱۱۴۶ء میں عبدالمومن نے مراکش شہر پر قبضہ کرکے مرابطین کا مکمل طور پر خاتمہ کردیا۔ اس کے بعد اس نے ہسپانیہ کی جانب پیش قدمی کی اور پانچ سال میں پورے ملک کو زیر نگیں کرلیا۔ اندلس میں اس کے نام کا سکہ اور خطبہ جاری ہوا۔

ہسپانیہ کی فتح کے بعد عبدالمومن نے مشرق کی جانب توجہ مبذول کی اور ۱۱۵۲ء میں الجزائر پر حملہ کرکے بنی حماد کا خاتمہ کردیا۔ تونس میں نارمنز نے بنو زیری کو زیر کیا ہوا تھا۔ عبدالمومن نے ۱۱۵۸ء میں نارمنز کو تونس سے نکالا۔ اس کے بعد اس نے لیبیا پر حملہ کرکے اسے اپنی مملکت میں شامل کرلیا۔ اس طرح اس کی مملکت کی حدود مصر کی سرحد سے لے کر بحر اوقیانوس تک پھیل گئی۔ ۱۱۶۳ء میں عبدالمومن فوت ہوا تو اس کا بیٹا ابو یعقوب یوسف مسند آراء ہوا۔ اسی کے عہد میں ۱۱۶۶ء میں حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی واصل بحق ہوئے۔

ہسپانیہ : ۱۰۳۱ء میں حضرت شیخ کی ولادت باسعادت سے ۴۶ سال قبل ہسپانیہ میں اموی خلافت کا شاندار دور ختم ہوا۔ اس خانوادے کے بیس حکمرانوں نے ہسپانیہ میں داد حکمرانی دی۔ ان اموی فرمانرواؤں میں سے عبدالرحمٰن اول، ہشام اول، عبدالرحمٰن ثانی، عبدالرحمٰن ثالث اور حکم ثانی دنیا کے عظیم حکمرانوں کی صف اول میں جگہ پانے کے لائق ہیں۔ اسی زمانے میں ابوالقاسم الزہراوی جیسا عظیم سرجن پیدا ہوا جس نے "التصریف لمن عجز عن التالیف" اور علم القابلہ جیسی بلند پایا کتابیں لکھ کر یورپ کو سرجری اور گائناکالوجی کے فن سکھائے۔ حکم ثانی کے ذاتی کتب خانے کی کتابیں اب بھی اسکوریل لائبریری کا بیش بہا سرمایہ سمجھی جاتی ہیں۔

امویوں کے دور زوال میں مرکزی حکومت کی کمزوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے نو طالع آزماؤں نے ہسپانیہ کے مختلف علاقوں میں خود مختار ریاستیں قائم کرلیں۔ مسلمانوں کی مرکزیت ختم ہونے سے عیسائیوں کو فائدہ پہنچا اور وہ مسلمانوں کو ہسپانیہ سے بے دخل کرنے کے لیے منظم ہونے لگے۔

بنو زیری : سب سے پہلے زاوی بن زیری نے ۱۰۱۲ء میں غرناطہ میں سرکشی اختیار کرکے آزاد ریاست قائم کرلی۔ اس خاندان کے پانچ حکمران گزرے ہیں۔ اسی خاندان کے حکمران عبداللہ بن سیف الدولہ بلکین (۱۰۹۰ء - ۱۰۷۳ء) کے عہد میں حضرت شیخ علیہ الرحمہ پیدا ہوئے۔ بنو زیری ۱۰۹۰ء تک غرناطہ پر حکومت کرتے رہے۔ اس خانوادے کا خاتمہ مرابطین کے ہاتھوں ہوا۔

بنو حمود : زاوی بن زیری کی دیکھا دیکھی ابوالحسن علی بن حمود علوی نے ۱۰۱۶ء میں مالقہ میں خود مختاری کا اعلان کیا۔ اس خانوادے کے نو حکمران یکے بعد دیگرے ۱۰۵۷ء تک حکومت کرتے رہے۔ وہ اپنے نام کے ساتھ "امیرالمومنین" اور خلیفہ کے القاب استعمال کرتے رہے حالانکہ ۱۰۳۱ء تک اموی خلافت قائم تھی۔ یہ خانوادہ حضرت شیخ کی ولادت سے بیس سال پہلے ختم ہو چکا تھا۔

امرائے دانیہ : دانیہ ہسپانیہ کے مشہور شہر بلنسیہ سے چالیس میل جانب جنوب ایک ساحلی مقام ہے۔ وہاں ۱۰۱۷ء میں مجاہد بن یوسف نے ایک آزاد ریاست قائم کرلی۔ مجاہد کے انتقال کے بعد ۱۰۴۴ء میں اس کا بیٹا علی بن مجاہد اقبال الدولہ کے لقب سے تخت نشین ہوا۔ وہ ۱۰۷۵ء تک بڑے طمطراق کے ساتھ حکومت کرتا رہا۔ اسی سال بنی ہودی کے ہاتھوں اس حکومت کا خاتمہ ہوا۔ اس واقعہ کے دو سال بعد حضرت شیخ تولد ہوئے۔

بنو تجیبی و ہودی : ۱۰۱۹ء میں منذر بن یحییٰ تجیبی نے المنصور کا لقب اختیار کرکے سرقسطہ میں آزادی کا پرچم لہرایا۔ اس خانوادے کے نو حکمران ۱۱۴۱ء تک برسراقتدار رہے۔ اس ریاست کا خاتمہ عیسائیوں کے ہاتھوں ہوا۔ حضرت شیخ اس خانوادے کے پانچویں حکمران احمد بن سلیمان (۱۰۸۱ء - ۱۰۴۶ء) کے عہد میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے یوسف بن احمد المئوتمن (۱۰۸۵ء - ۱۰۸۱ء) احمد بن یوسف المستعین (۱۱۰۹ء - ۱۰۸۵ء) عبدالملک بن احمد عماد الدولہ (۱۱۱۹ء - ۱۱۰۹ء) اور احمد بن عبدالملک سیف الدولہ (۱۱۴۱ء - ۱۱۱۹ء) کا زمانہ دیکھا۔ حضرت والا قدر کی حیات ہی میں یہ ریاست عیسائیوں کے ہاتھوں ختم ہو گئی۔

بنو عامر : عبدالعزیز بن ابی الحسن عبدالرحمٰن المنصور نامی ایک طالع آزما نے ۱۰۲۱ء میں بلنسیہ میں خود مختاری کا اعلان کیا۔ اس خانوادے کے پانچویں حکمران ابوبکر بن عبدالملک (۱۰۸۵ء - ۱۰۷۵ء) کے عہد میں حضرت شیخ پیدا ہوئے۔ حضرت کی ولادت سے ۸ سال بعد اس خاندان کے آخری حکمران القادر کو مرابطین نے چلتا کیا۔

امرائے عبادی : ۱۰۲۳ء میں دوسروں کی دیکھا دیکھی ابوالقاسم محمد اول بن اسمٰعیل نے اشبیلیہ میں آزاد ریاست کی بنیاد رکھی۔ اس خانوادے کے تین حکمران ۱۰۹۱ء تک اپنا سکہ چلاتے رہے۔ آخری حکمران ابوالقاسم محمد ثانی بن معتضد (۱۰۹۱ء - ۱۰۶۸ء) کے عہد میں حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمہ پیدا ہوئے۔ حضرت کی ولادت باسعادت کے ۱۴ سال بعد مرابطین نے اشبیلیہ پر قبضہ کرکے آخری حکمران ابوالقاسم محمد ثانی کو چلتا کیا۔

بنو جہور : ۱۰۳۱ء میں ابوالحزم جہور بن محمد نامی ایک قسمت آزما نے قرطبہ میں سرکشی اختیار کرکے آزاد ریاست کی بنیاد رکھ دی۔ وہ، اس کا بیٹا ابوالولید محمد اور پوتا عبدالملک بن ابوالولید محمد ۱۰۶۸ء تک قرطبہ پر حکمرانی کرتے رہے۔ حضرت شیخ کی ولادت سے نو سال قبل مرابطین کے ہاتھوں بنو جہور کا خاتمہ ہوا۔

بنی ذی النون : ۱۰۳۵ء میں اسماعیل بن عبدالرحمٰن بن ذی النون الظافر نے طلیطلہ میں ایک آزاد ریاست کی بنیاد رکھی۔ اس خاندان کے تین حکمران نصف صدی تک طلیطلہ اور اس کے گرد و نواح پر حکومت کرتے رہے۔ اس خاندان کے تیسرے اور آخری فرمانروا یحییٰ بن اسمٰعیل القادر کے دور حکومت (۱۰۸۵ء - ۱۰۴۷ء) میں حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ پیدا ہوئے۔ موصوف ابھی آٹھ سال کے تھے کہ لیون کے عیسائی فرمانروا الفانسو ششم نے اس ریاست کا وجود مٹا دیا۔

امرائے حمودی : محمد المہدی نامی ایک طالع آزما نے ۱۰۳۹ء میں جزیرۃ الخضراء میں ایک آزاد ریاست کی بنیاد رکھی۔ اس خاندان کے صرف دو ہی فرمانروا ہوئے ہیں۔ ۱۰۵۸ء میں حضرت شیخ کی ولادت باسعادت سے ۱۹ سال قبل اشبیلیہ کے بنو عباد کے ہاتھوں اس ریاست کا خاتمہ ہوا۔

یمن : حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی نوراللہ مرقدہ کی حیات طیبہ میں ہسپانیہ کی طرح یمن میں بھی طوائف الملوکی کا دور دورہ تھا۔ یمن کے مقابلے میں ہسپانیہ ایک بڑا ملک تھا۔ اس لیے وہاں کے ملوک الطوائف کی ریاستیں قدرے بڑی تھیں۔ یمن میں اس زمانے میں شہری ریاستیں قائم تھیں۔

صنعاء : حضرت شیخ کی ولادت کے موقع پر صنعاء میں بنو صلیح کی حکومت قائم تھی اور ان دنوں وہاں ابو کامل علی بن محمد (۱۰۸۰ء - ۱۰۳۷ء) حکمران تھا۔ اس کے بعد ۱۰۸۰ء میں اس کے مرنے کے بعد احمد المکرم تخت نشین ہوا جو ۱۰۹۱ء تک صنعاء میں اپنا سکہ چلاتا رہا۔ اس کے بعد ابو حمیر سبا المنصور تخت نشین ہوا جو ۱۰۹۸ء تک برسراقتدار رہا۔ اسی سال بنی حمدان کے ہاتھوں اس شاہی خانوادے کا خاتمہ ہوا۔ حضرت والا قدر نے ان تینوں حکمرانوں کا زمانہ پایا۔

بنو حمدان : بنی صلیح کو صنعاء سے نکال کر بنو حمدان اس پر قابض ہو گئے۔ یہ لوگ حاشد اور بقیل نامی قبائل سے تعلق رکھتے تھے۔ اس لیے یمن میں احترام کی نگاہوں سے دیکھے جاتے تھے۔ بنو حمدان نے صنعاء اور سعدہ پر ۷۵ برس تک حکومت کی۔ حضرت شیخ نے اس خانوادے کے آٹھ فرمانرواؤں کا زمانہ پایا۔ جب ۱۱۷۳ء میں اس خاندان کا خاتمہ ایوبیوں کے ہاتھوں ہوا، اس وقت حضرت شیخ بقید حیات تھے۔

عدن : اس زمانے میں عدن پر بنی زریع قابض تھے۔ جب حضرت شیخ چھ برس کے تھے تو ان کی حکومت کا آغاز ہوا۔ حضرت والا قدر نے اس خانوادے کے آٹھ حکمرانوں کا زمانہ پایا۔ آخری حکمران محمد بن عمران کے عہد میں حضرت شیخ کا وصال ہوا اور اس کے سات سال بعد ۱۱۷۳ء میں ایوبیوں کے ہاتھوں بنی زریع کا خاتمہ ہوا۔

زبید : زبید یمن کا مشہور شہر ہے۔ اس زمانے میں وہاں بنو مہدی حکمران تھے۔ اس خانوادے کا بانی علی بن مہدی ایک صوفی منش انسان تھا جو تہامہ کا رہنے والا تھا۔ کچھ عرصہ بعد اس نے تصوف کا لبادہ اتار کر نبوت کا

دعویٰ کیا۔ اس نے اپنے پیروؤں کو مہاجر اور انصار میں تقسیم کیا۔ ۱۰۵۰ء میں اس نے تہامہ میں کئی قلعوں پر قبضہ کرلیا اور ۱۱۵۹ء میں زبید فتح کرنے میں کامیاب ہوگیا۔

علی بن مہدی اس خانوادے کا پہلا حکمران تھا جو صرف ایک سال تک حکمران رہا۔ اس کی وفات کے بعد ۱۱۵۹ء میں اس کا بیٹا مہدی بن علی تخت نشین ہوا۔ جو ۱۱۶۳ء تک حکومت کرتا رہا۔ اس کی وفات کے بعد اس کے فرزند عبدالنبی نے عنان اقتدار سنبھالی اور وہ ۱۱۷۳ء تک برسر اقتدار رہا۔ بالآخر ایوبیوں کے ہاتھوں اس خانوادے کا خاتمہ ہوا۔ حضرت شیخ نے ان تینوں حکمرانوں کا زمانہ پایا اور عبدالنبی کے عہد میں واصل بحق ہوئے۔

صعدہ : یمن کے علاقے صعدہ پر امامان رسی کی حکومت تھی۔ رسی نے عباسی خلیفہ المامون (۸۳۳ء - ۸۱۳ء) کے عہد میں نبوت کا دعویٰ کیا تھا۔ اس کے پوتے یحییٰ الہادی نے صعدہ میں فرقہ زیدیہ کی بنیاد رکھی۔ صعدہ کے حکمران اسی فرقے کے امام تسلیم کئے جاتے تھے۔ حضرت شیخ کے زمانے میں احمد المتوکل صعدہ کا فرمانروا تھا۔ وہ شیخ کی حیات طیبہ میں ۱۱۳۷ء میں مرا تو اس کی مسند پر اس کا بیٹا عبداللہ المنصور بیٹھا۔ اسی کے زمانے میں حضرت شیخ کا وصال ہوا۔

صلیبی جنگیں : حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ کے عہد کا سب سے اہم تاریخی واقعہ صلیبی جنگیں ہیں جن کا آغاز عباسی خلیفہ مستظہر کے عہد خلافت میں ۱۰۹۵ء میں ہوا۔ اس وقت حضرت شیخ کی عمر ۱۸ برس تھی۔ مارچ ۱۰۹۵ء میں پوپ اربن ثانی نے روم میں عیسائیوں کے نمائندوں کی ایک کانفرنس طلب کی جس میں ارض مقدس (فلسطین) سے مسلمانوں کو بے دخل کرنے کے امکانات پر غور کیا گیا۔ پوپ نے دوسری کانفرنس اسی سال نومبر میں منعقد کی اور اس موقع پر اس نے یہ فتویٰ دیا کہ جو عیسائی ارض مقدس کو آزاد کرانے والے لشکر میں شامل ہوگا وہ اس کے اگلے پچھلے تمام گناہ معاف کردے گا اور جو اپنی جان کا نذرانہ پیش کرے گا اسے بہشت میں جگہ دے گا۔

بدقسمتی سے انہی ایام میں سلجوقیوں میں خانہ جنگی ہو رہی تھی جس سے صلیبیوں نے فائدہ اٹھایا۔ ادھر پوپ کے فتوے کے بعد پورا یورپ ارض مقدس کو مسلمانوں کے قبضے سے آزاد کرانے کے لیے تیار ہوگیا۔ صلیبیوں نے بیت المقدس میں خون کی ہولی کھیلی اور مسلمان شہداء کا مثلہ کیا۔ بیت المقدس کی فتح کے دن مسلمانوں کے لیے اس مقدس شہر میں کوئی جائے پناہ نہ تھی۔ ایک روایت کے مطابق صلیبیوں کے گھوڑوں کے سم خون میں ڈوب گئے تھے۔

بیت المقدس پر قبضے کے بعد گاڈفری بوئی لونی کو فلسطین کا فرمانروا بنایا گیا۔ اس کے بعد بالڈون تخت نشین ہوا۔ اس نے قیصریہ کا محاصرہ کرلیا اور جب محصورین نے اس کے امان دینے کے وعدے پر شہر کے دروازے کھول دیے تو بالڈون نے اپنا وعدہ پس پشت ڈال کر قیصریہ کے مسلمانوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اس نے ۱۱۰۹ء میں شام کے ساحلی شہر طرابلس کی اینٹ سے اینٹ بجادی اور اپنی قدیم روایت کے مطابق وہاں کے کتب خانے نذر آتش کردیے۔

اللہ تعالیٰ نے صلیبیوں کا مقابلہ کرنے کے لیے عمادالدین زنگی کا انتخاب کیا۔ وہ ملک شاہ سلجوقی کے ایک امیر آق سنقر کا فرزند ارجمند تھا۔ امیر آق سنقر نے ملک شاہ سلجوقی کی وفات کے بعد بڑا پرآشوب دور دیکھا

تھا۔ ترکان خاتون برکیارق اور تتش ایک دوسرے سے برسرپیکار تھے اور سلجوقی حکومت تیزی کے ساتھ زوال پذیر ہو رہی تھی۔ جب آق سنقر فوت ہوا' اس وقت عمادالدین زنگی ۱۴ برس کا تھا۔ اس نے اس نوعمری کے باوجود اپنے والد کی جاگیر کا انتظام بڑی خوش اسلوبی کے ساتھ چلایا۔ اس کی قابلیت اور حسن انتظام سے خوش ہو کر عراق و کردستان کے سلجوقی حکمران مغیث الدین محمود (۱۱۳۱ء - ۱۱۱۷ء) نے واسط' موصل اور بالائی عراق کا ناظم مقرر کیا۔ عباسی خلیفہ نے اسے "اتابک" کا خطاب دیا۔ عمادالدین زنگی نے موصل کے حکمران خانوادے اتابک کی بنیاد رکھی۔

عمادالدین زنگی نے صلیبیوں کے ساتھ کئی جنگیں لڑیں اور ان سے اپنی تلوار کا لوہا منوایا۔ ۱۱۲۸ء میں اس نے حلب صلیبیوں کے قبضے سے آزاد کرایا اور دو اور شہروں سے انہیں مار بھگایا۔ بدقسمتی سے اس مرد مجاہد کو جس کے ساتھ مسلمانوں کی بہت سی امیدیں وابستہ تھیں' ایک غلام نے ۱۱۴۶ء میں سوتے میں قتل کردیا۔ عین ممکن ہے کہ اس نے یہ فعل صلیبیوں سے بھاری انعام کے لالچ میں کیا ہوگا۔ یہ عظیم سانحہ حضرت شیخ کی عین حیات میں ہی پیش آیا۔ خدا بہتر جانتا ہے کہ انہیں اس مرد مجاہد کی وفات پر کتنا رنج ہوا ہوگا۔

دوسری صلیبی جنگ : عمادالدین زنگی کی وفات کے بعد صلیبیوں کے حوصلے بڑھ گئے اور ۱۱۴۷ء میں یورپ سے نو لاکھ صلیبی' شہنشاہ جرمنی اور فرانس کے حکمران لوئی ہفتم کی قیادت میں ارض مقدس کی طرف چل پڑے۔ صلیبیوں نے دمشق کا محاصرہ کرلیا۔ دوسری جانب سے عمادالدین زنگی مرحوم کا فرزند سیف الدین غازی اور نورالدین محمود محصورین کی مدد کو دمشق پہنچے۔ ان کے وہاں پہنچتے ہی صلیبی شہر کا محاصرہ اٹھا کر چل دیے۔

نورالدین محمود نے صلیبیوں کے خلاف جہاد کا اعلان کیا اور انہیں کئی مقامات پر شکست دی۔ ایک معرکے میں صلیبیوں کا شیطان صفت کمانڈر جوسکلین گرفتار ہوگیا۔ نورالدین محمود انطاکیہ اور عسقلان کو صلیبیوں کے قبضے سے آزاد کرانے کے بعد دمشق پہنچا تو اہل دمشق نے اسے اپنا حکمران تسلیم کرلیا۔

حضرت شیخ کی وفات حسرت آیات سے دو سال قبل ۱۱۶۴ء میں نورالدین محمود کا صلیبیوں کے ساتھ زبردست مقابلہ ہوا۔ اس جنگ میں صلیبیوں کے کئی نامور سردار پکڑے گئے۔

نورالدین محمود کے زمانے میں ایک کرد مجاہد شیرکوہ نے صلیبیوں کے مقابلے میں بڑا نام پیدا کیا۔ وہ حضرت شیخ کے وصال کے تین سال بعد ۱۱۶۹ء میں فاتحانہ انداز سے فاطمیوں کے دارالخلافہ قاہرہ میں داخل ہوا۔ فاطمی خلیفہ عاضد نے اسے منصب وزارت سونپا اور اپنی افواج کا کمانڈر مقرر کیا۔ بدقسمتی سے دو ماہ بعد شیرکوہ کا انتقال ہوگیا اور اس کی جگہ اس کے بھتیجے صلاح الدین ایوبی نے سنبھالی۔ اس بطل جلیل نے فاطمی خلافت کا ہمیشہ کے لیے صفایا کردیا اور صلیبیوں کو ارض مقدس سے مار بھگایا۔

حسن بن صباح : حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی نور اللہ مرقدہ کے ہم عصروں میں حسن بن صباح ایک شیطان صفت انسان بھی تھا۔ ملک شاہ سلجوقی کی وفات کے بعد جب ترکان خاتون' برکیارق اور تتش کے درمیان خانہ جنگی شروع ہوئی تو حسن بن صباح نے اس صورتحال سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ایران کے صوبے ماژندران کے دشوار گزار پہاڑوں میں الموت کے مقام پر اپنا مرکز قائم کرلیا۔ اس نے فدائیوں کی جماعت تیار کی جو اس کے عزائم کی

تکمیل کے لیے ہروقت تیار رہتی تھی- وہ اپنے فدائیوں کو حشیش پلاتا اور نشے کے عالم میں اسے اپنی ساختہ "جنت" میں پہنچا دیتا- وہاں "حوریں" اس کی خاطر تواضع کرتیں- فدائی کو چند روز اس جنت میں رکھنے کے بعد دوبارہ "دنیا" میں لے آتے- وہ دوبارہ اس جنت میں جانے کی خواہش کرتا تو اسے کہا جاتا کہ اگر وہ فلاں کارنامہ انجام دے یا فلاں شخص کو ٹھکانے لگا دے' تو اسے ہمیشہ کے لیے اس "جنت" میں بھیج دیا جائے گا- اس طرح حسن بن صباح نے بہت سے افراد قتل کروا دیے- ان میں نظام الملک طوسی بھی تھا جو تیس برس تک سلجوقیوں کا وزیر رہا- یہ وہی نظام الملک ہے جس نے بغداد' نیشا پور اور طوس میں مدارس نظامیہ قائم کر کے سنی المذہب علماء کی کھیپ تیار کی تھی جس نے دینی حلقوں میں معتزلہ کا مقابلہ کیا اور انہیں شکست دی- نظام الملک اہل سنت کا محسن تھا اور یہی بات حسن بن صباح کے دل میں کھٹکتی تھی- حسن بن صباح باطنی فرقے کا سربراہ تھا اور اس فرقے نے اسلام کا حلیہ بگاڑ دیا تھا-

یورپ میں حشیشی' قاتل کا مترادف بن گیا تھا- انگریزی زبان میں قاتل کو Assassin کہتے ہیں' جو حشیشی کی بگڑی ہوئی صورت ہے- Assassin سے ہی انگریزی کا لفظ Assassination نکلا ہے- ایک روایت یہ بھی ہے کہ صلیبی جنگوں میں شریک ہونے والے یورپی حکمران اور سرداران لشکر حسن بن صباح اور اس کے جانشینوں کو اپنی جان بچانے کے لیے رقوم بھیجا کرتے تھے- وہ یہ جانتے تھے کہ فدائی کسی بھی بھیس میں آکر ان کا خاتمہ کر سکتے ہیں-

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی نوراللہ مرقدہ نے یہ فتنہ بھی اپنی آنکھوں سے دیکھا اور فدائیوں کے "کارنامے" بھی لوگوں سے یقیناً سنے ہوں گے- انہوں نے "باطنیت" کے قلع قمع کے لیے بھی ضرور کام کیا ہو گا-

عباسی خلفاء : عباسی خلفاء میں المتوکل (م۸۶۱ھ) آخری بڑا خلیفہ تھا- اس کے بعد عباسی خاندان میں ۲۷ اور خلیفے ہوئے- شمس العلماء محمد حسین آزاد سے زبان مستعار لے کر عرض کرتا ہوں کہ المتوکل کے بعد عباسی خلافت کی حیثیت ایک درگاہ کی سی ہو کر رہ گئی تھی جس کے ۲۷ گدی نشین ہوئے- المتوکل کے بعد چھٹا خلیفہ المعتضد باللہ (۹۰۲ء - ۸۹۲ء) قدرے بہتر حکمران ثابت ہوا لیکن اس کا دور خلافت بڑا مختصر تھا- اس کے بعد دس اور نااہل خلفاء مسند خلافت پر براجمان ہوئے- گیارہویں خلیفہ مقتدی باللہ کے عہد خلافت میں حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ تولد ہوئے- انہوں نے سات نکمے اور نااہل خلفاء کا زمانہ دیکھا- ان میں سے آخری چھ خلفاء مستظہر' مسترشد' راشد' مقتفی' مستنجد اور مستضئی کے زمانے میں صلیبی جنگیں ہوتی رہیں لیکن وہ دنیا و مافیہا سے آزاد ہو کر اپنے محلوں میں داد عیش دیتے رہے- مستضئی کے دور خلافت میں حضرت کا وصال ہوا-

سلاجقہ : حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی نور اللہ مرقدہ کے بچپن اور نوعمری میں سلطان ملک شاہ سلجوقی عالم اسلام میں سب سے زیادہ طاقتور حکمران تھا- نظام الملک طوسی' امام الحرمین ابوالمعالی عبدالملک جوینی اور امام ابو حامد محمد غزالی اس کے ہم عصر تھے- حضرت شیخ پندرہ برس کے تھے جب ملک شاہ سلجوقی کا انتقال ہوا- اس کی ملکہ ترکان خاتون سیاست میں دخیل ہو چکی تھی- اس نے ملک شاہ کی وفات کے بعد اس کے بڑے بیٹے برکیارق کے حق کو پس پشت ڈال کر اپنے چھوٹے بیٹے محمود کو تخت پر بٹھا دیا اور خود اس کی اتالیق بن گئی- ترکان خاتون نے

عباسی خلیفہ مقتدی سے محمود کے لیے ناصر الدنیا والدین کا خطاب بھی حاصل کر لیا- اس کے باوجود وہ دو سال سے زیادہ محمود کو تخت پر نہ بٹھا سکی-

برکیارق نے حصول تخت کی خاطر امرائے سلطنت کو اپنے ساتھ ملایا اور ترکان خاتون سے جھگڑے کے بعد تخت پر بیٹھ گیا- دو سال کی اس سیاسی چپقلش سے جیسا کہ اوپر ذکر ہوا' صلیبیوں کو فائدہ پہنچا- جب برکیارق نے عنان اقتدار اپنے ہاتھوں میں لی تو اس کا حقیقی چچا تتش اس کے مقابلے کو نکلا- طرفین کے درمیان بڑی خونریز جھڑپ ہوئی جس میں تتش کو ناکامی کا سامنا کرنا پڑا- ان خانہ جنگیوں نے سلجوقی حکومت کے انجام کو قریب تر کر دیا-

تتش نے شام میں اپنی الگ ریاست قائم کر لی تھی لیکن اسے سال بھر سے زیادہ حکمرانی کرنے کا موقع نہ ملا- اس نے ۱۰۹۵ء میں وفات پائی تو اس کی جگہ اس کا بیٹا رضوان تخت پر بیٹھا- ۱۸ سال فرمانروائی کے بعد رضوان راہی ملک بقا ہوا تو اس کی جگہ اس کا بیٹا الپ ارسلان مسند آراء ہوا لیکن اسے ڈیڑھ پونے دو سال سے زیادہ حکومت کرنے کا موقع نہ ملا- اس کی جگہ اس کا بھائی سلطان شاہ تخت نشین ہوا لیکن تین سال بعد ۱۱۱۷ء میں اتابکان بوری اور امرائے ارتق نے سلاجقہ شام کا خاتمہ کر دیا- یہ سانحہ بھی حضرت شیخ کی زندگی میں پیش آیا-

اسی طرح سلاجقہ نے ایشیائے کوچک میں بھی ایک ریاست قائم کر لی تھی- حضرت شیخ اس ریاست کے بانی سلیمان بن قتلمش (۱۰۸۶ء - ۱۰۷۷ء) کے عہد میں پیدا ہوئے- سلیمان نے ۱۰۸۶ء میں وفات پائی تو ملک میں بدامنی کا دور دورہ شروع ہو گیا- چھ سال بعد قلیج ارسلان نے بمشکل حالات پر قابو پایا- وہ ۱۰۹۲ء سے ۱۱۰۶ء تک حکمران رہا- اس کے بعد دس سال تک ملک شاہ اول فرمانروا رہا- اس کے بعد مسعود اول مسند آراء ہوا- اسی کے عہد حکومت میں حضرت شیخ نے انتقال فرمایا-

آمدم بر سر مطلب- برکیارق نے زین الدین ابوالمظفر کا لقب اختیار کیا- وہ ۱۰۹۲ء سے ۱۱۰۴ء تک فرمانروا رہا- اس کی وفات کے بعد اس کا بیٹا ملک شاہ ثانی تخت پر بیٹھا لیکن ایک سال کے اندر ہی اس کے چچا سلطان محمود نے اسے تخت و تاج سے محروم کر دیا- وہ ۱۱۵۷ء تک حکومت کرتا رہا- محمود کی وفات کے بعد اس کا بھائی سلطان سنجر مسند آراء ہوا- اسی کے زمانے میں غزوں نے خراسان اور افغانستان میں تباہی مچائی اور سنجر ہی کے عہد حکومت میں حضرت شیخ نے عالم فانی سے عالم جاودانی کی طرف کوچ فرمایا-

خوارزم شاہی : خوارزم شاہیوں کے ذکر کے بغیر حضرت شیخ کے عہد کی سیاست کا جائزہ نامکمل رہے گا- وسط ایشیاء میں بحیرہ ارال کا جنوبی علاقہ جسے دریائے سیحوں (موجودہ نام آمو دریا) دو حصوں میں تقسیم کرتا ہے' قرون وسطیٰ میں خوارزم کے نام سے موسوم تھا- اسی بنا پر اس عہد کے سیاح اور جغرافیہ دان بحیرہ ارال کو بحیرہ خوارزم لکھا کرتے تھے-

حضرت شیخ کے زمانے میں خوارزم ایک آزاد اور خود مختار ریاست تھی- اس ریاست کا بانی انوشتگین' غزنی کا حکمران بلکاتگین (۹۷۲ء - ۹۶۶ء) کا غلام تھا- ایک زمانے میں وہ سلطان ملک شاہ سلجوقی کا طشت بردار رہ چکا تھا- ملک شاہ نے اسے خوازم کا گورنر مقرر کیا تو وہ خوازم شاہ کہلایا- سلطان انوشتگین (۱۰۹۷ء - ۱۰۷۷ء) اور اس کا بیٹا اور جانشین قطب الدین محمد (۱۱۲۷ء - ۱۰۹۷ء) سلاجقہ کی اطاعت کا دم بھرتے رہے- قطب الدین

محمد کے جانشین سلطان اسنز (۱۱۵۶ء - ۱۱۲۷ء) نے خود مختاری کا اعلان کر دیا- اسنز کے بعد ایل ارسلان (۱۱۷۲ء - ۱۱۵۶ء) مسند آرا ہوا-

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی نوراللہ مرقدہ انوشتگین کے عہد حکومت میں تولد ہوئے اور ایل ارسلان کے دور حکومت میں جنت کو سدھارے- ایل ارسلان کے بعد اس خانوادے میں چار حکمران اور ہوئے- بالآخر ۱۲۳۱ء میں منگولوں کے ہاتھوں اس مملکت کا خاتمہ ہوا- مورخین لکھتے ہیں کہ دور عروج میں خوارزم شاہی مملکت وسعت میں سلجوقی ریاست کی ہم پلہ ہوگئی تھی لیکن اس کے عروج کا زمانہ بہت مختصر تھا-

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کا کارنامہ

جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے' حضرت کے زمانے میں پورا عالم اسلام انتشار کا شکار تھا- عباسی خلفاء کی حیثیت شاہ شطرنج سے زیادہ نہ تھی- جسے پہلے آل بویہ اور بعد ازاں سلاجقہ مہروں کی طرح استعمال کرتے رہے- شمالی افریقہ اور سپین میں اکھاڑ پچھاڑ جاری تھی- دوسری جانب صلیبی بلائے ناگہانی بن کر ارض مقدس پر ٹوٹ پڑے تھے اور انہوں نے قبلہ اول سے مسلمانوں کے بے دخل کر دیا تھا-

عباسی خلفاء میں سے ابو جعفر منصور' مہدی' ہارون اور مامون کو علم و ادب سے بڑی دلچسپی رہی- ہارون و مامون کی کوشش سے "بیت الحکمت" قائم ہوئی جہاں یونانی فلاسفروں کی تصانیف کو عربی کے قالب میں ڈھالا گیا- یونانی فلسفے سے مسلمان بڑے متاثر ہوئے- عقائد کی عمارت میں شگاف پڑنے لگے- ذہنوں میں تشکک پیدا ہونے لگا- معتزلہ اور باطنیہ جیسے فرقے پیدا ہوگئے- خلق قرآن' رویت باری تعالیٰ اور امتناع نظیر جیسے موضوع زیر بحث آگئے- حال و قال کی جگہ قیل و قال نے لی' وجدان و عرفان کی جگہ عقل اور سمجھ نے لی- حضرت شیخ کی جوانی کے عالم میں امام غزالیؒ (م ۱۱۱۱ء) نے المنقذ من الضلال لکھ کر یونانی فلسفے کی دھجیاں فضا میں اڑا دیں اور احیاء علوم الدین لکھ کر اسے تمام گمراہیوں کا تریاک بتایا-

دوسری جانب نظام الملک طوسی نے بغداد' نیشا پور اور طوس میں مدارس نظامیہ قائم کئے- بغداد کے مدرسہ نظامیہ میں امام غزالی جیسے اساتذہ درس دیا کرتے تھے- نظام الملک طوسی کے مدارس سے چند ہی سالوں میں ہزاروں کی تعداد میں سنی عقیدے کے حامل علماء تیار ہو کر نکلے جنہوں نے دینی حلقوں میں معتزلہ' باطنیہ' جبریہ' قدریہ اور جہمیہ جیسے گمراہ فرقوں کا مقابلہ کیا-

ایسے سیاسی ادبار کے پرفتن زمانے میں ایک ایسی عظیم ہستی کی ضرورت تھی جو اپنے نور باطن سے باطنی فتنے کو ختم کرتی اور کشف و کرامت کا مظاہرہ کر کے عقلیات پر ضرب کلیمی لگاتی- ایک جانب وہ عظیم ہستی مروجہ تصوف کو عجمی عناصر سے پاک کر کے قرن اول کا حساس بنا دیتی اور دوسری جانب دین کی نبض شناس بن کر عوام کو قرآن و سنت کا متبع بنا دیتی- خود حضرت شیخ کا فقہ کے ایسے مکتب (فقہ حنبلی) سے تعلق تھا جو "قیاس" کے خلاف تھا اور کتاب' سنت اور اجماع صحابہ کے علاوہ اور کسی چیز کو دین میں حجت نہیں سمجھتا تھا-

جس زمانے میں اسلام اور مسلمانوں پر چاروں جانب سے یلغار ہو رہی تھی' حضرت شیخ نے مسلمانوں کو ثابت قدم رکھا- نورالدین زنگی اور شیرکوہ جیسے مجاہدین کی فتح و نصرت کے لیے دعا کی اور شیخ کی حین حیات میں صلیبیوں کو ارض مقدس میں شکستیں ہونے لگیں-

حضرت شیخ کی تبلیغ و سعی سے ہزاروں کی تعداد میں یہودی اور عیسائی مشرف باسلام ہوئے اور لاکھوں کی تعداد میں نام نہاد مسلمانوں نے راہ ہدایت پائی- شیخ موصوف کی کوششوں سے افغانستان اور ملحقہ علاقوں سے کرامیہ کے اثرات ہمیشہ کے لیے ختم ہوئے اور انہی کرامیوں کے احفاد نے تائب ہونے کے بعد برعظیم پاک و ہند اور بنگلہ دیش میں سلطنت دہلی کی بنیاد رکھی-

حضرت شیخ نے تصوف کی اصلاح کر کے کچھ اصول و ضوابط تیار کئے اور سلسلۂ عالیہ قادریہ کی بنیاد رکھی جو دیکھتے ہی دیکھتے آکاس بیل کی طرح پھیل گیا-

یہ بھی ایک عجیب اتفاق ہے کہ سقوط بغداد سے پہلے اصلاح احوال ایک حنبلی عالم اور صوفی حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ کے ذریعے ہوئی اور سقوط بغداد کے بعد مسلمانوں کو سنبھالا دینے والے اور حالات کو سازگار بنانے والے بھی ایک حنبلی عالم دین امام تقی الدین احمد ابن تیمیہؒ (م ۱۳۲۸ء) تھے-

جب تم اللہ سے محبت رکھتے ہو اور اسی کے لیے نیک عمل کرتے ہو' غیر کے لیے نہیں اور اسی سے خوف کھاتے ہو' غیر سے نہیں تو یاد رکھو تمہیں تصرفات الٰہی میں کسی قسم کی بھی چون و چرا نہیں کرنی چاہیے یہ مقام اصلاح قلب سے حاصل ہوتا ہے- زبانی گفتگو سے نہیں- یہ مقام وحدت میں ہے کثرت میں نہیں (اگر دل کو یکسوئی نہیں تو وحدت کثرت ہے اور اگر دل ماسویٰ اللہ خالی ہے تو کثرت وحدت ہے) افسوس توحید گھر کے دروازے پر اور شرک گھر کے اندر- بس یہی تو نفاق ہے-

افسوس تم زبان سے تو پرہیزگاری جتاتے ہو لیکن قلب گناہ سے لبریز ہے- زبان تو شکریہ ادا کرتے ہو' مگر دل ناشکر گزار ہے- بندۂ خدا ہونے کا دعویٰ اور تابعداری غیر کی- اگر تم سچے بندے ہو تو اللہ ہی کے لیے دوستی اور دشمنی رکھو-

اللہ والو! تقدیر کے موافق ہو جاؤ- یہ ارشاد عبدالقادرؒ کا ہے جو تقدیر کی موافقت میں کوشش کرنے والا ہے- قبول کرو' تقدیر کی موافقت ہی نے مجھے قادر تک پہنچا دیا ہے- آؤ کہ تم اور ہم تقدیر اور امر الٰہی کے سامنے جھک پڑیں- ظاہر اور باطن ہر دو حال میں سر تسلیم خم کر کے شہسوار قدر کی رقاب کے ساتھ ساتھ چل پڑیں کیونکہ وہ شاہی قاصد ہے-

---

بیٹا! تقدیر کے پرنالے کے نیچے صبر کا تکیہ لگا کر راضی برضا کا ہار پہن اور کشائش کے انتظار میں عبادت گزار بن کر میٹھی نیند سو جاؤ- جب تم ایسا کرو گے تقدیر کا مالک اپنے فضل اور احسان سے تم پر ایسی نعمتیں نازل کرے گا جن کی تم اچھی طرح طلب اور تمنا بھی نہ کر سکتے تھے-

---

اے قوم! تابعداری اختیار کرو' نئی نئی باتیں نہ تراشو' موافقت کرو' مخالفت نہ کرو' اطاعت کرو' نافرمان نہ بنو' اخلاص اختیار کرو' شرک نہ کرو' اللہ تعالیٰ کی توحید قائم کرو' اس کا دروازہ نہ چھوڑو- اسی سے سوال کرو' غیر سے نہ مانگو- غیر کی مدد سے بچو' اللہ پر توکل کرو' غیر کا سہارا نہ ڈھونڈو-

فقیروں میں فقیر شاہوں میں شہنشاہ

مولانا ابوالجلال ندوی

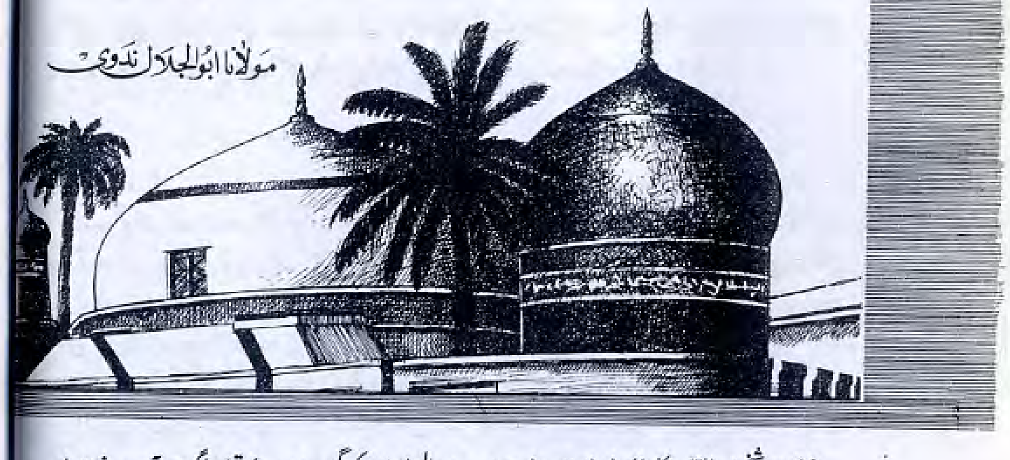

حضرت شیخ عبدالقادر کا دائرہ اصلاح وہدایت پورے عالم اسلام کو گھیرے ہوئے تھا۔ اگرچہ آپ نے بغداد ہی میں قیام رکھا لیکن آپ یہیں سے سارے عالم اسلام کی ہدایت فرماتے تھے۔ آپ کے حالات زندگی پیش کرنے سے پہلے تمام عالم اسلام کی صورت حال کو پیش کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔

عالم اسلام ان دنوں تین خلافتوں میں منقسم تھا (۱) اموی (۲) فاطمی (۳) عباسی ۱۳۹ھ میں عبدالرحمٰن الداخل نے اسپین کو فتح کیا اور یہاں اموی خلافت برقرار رکھی۔ جو ۵۲۸ھ تک قائم رہی۔ آخری فرماں روا ہشام بن حکم تھا۔ حکم کی وفات کے وقت یہ کم سن تھا۔ حکم نے مرتے وقت اس کو خلیفہ بنا کر اپنے حاجب مثالی کو اور اپنے وزیر محمد بن ابی عامر کو اس کا مربی مقرر کیا۔ چند ہی دن گزرے تھے کہ محمد بن العامر نے حاجب کو برطرف کر دیا' بہت سے والیوں اور امیروں کو قتل کر دیا' اور خود صاحب المنصور بن گیا۔ خلیفہ کو محل میں نظر بند کر دیا۔ خطبہ میں خلیفہ کے ساتھ اپنے نام کا اضافہ کر لیا۔ فوج کو عرب عنصر سے بالکل پاک کر دیا۔ اس کے زمانہ میں بارہا بغاوتیں ہوئیں مگر ہر بار مظفر و منصور رہا۔ اس نے نہ صرف عربوں کو اپنا دشمن بنا لیا بلکہ عیسائیوں پر بھی انتہائی سختیاں کیں جس کا نتیجہ بالآخر اسپین سے اسلام کی بے دخلی کی صورت میں نکلا۔ ۳۸۸ھ میں اس نے وفات پائی۔ اس کے بعد اس کا بیٹا عبدالملک اس کی جگہ قائم مقام ہو گیا جس نے اپنا لقب المظفر تجویز کیا۔ بہرحال یہ زمانہ محض فتنہ و فساد کا تھا۔ عیسائیوں کا ۵۲۸ھ سے زور بڑھنے لگا۔ ۵۳۲ھ تک یوسف بن تاشفین اور اس کے جانشینوں نے اندلس کو عیسائیوں سے بچانے کی کوشش کی۔ یہ لوگ المرابطین کہلاتے تھے۔ عین

اس زمانہ میں جب کہ اندلس میں اسلامی حکومت آخری سانس لے رہی تھی' محمد بن تومرت نے مراکو میں الموحدین کہلانے والی ایک جماعت مرتب کی۔ محمد بن تومرت کو مہدی مدعو ہونے کا دعوٰی تھا ۵۱۴ھ سے جب یہ تحریک زور پکڑنے لگی تو اس وقت شیخ عبدالقادر کی عمر شریف ۴۴ برس کی تھی۔ عین اس زمانہ میں جب کہ مرابطین اسپین میں عیسائیوں سے برسرپیکار تھے' اور نصرانیت مسلمانوں کو اسپین سے بے دخل کر رہی تھی' موحدین نے مرابطین کے خلاف جنگ چھیڑ دی۔ مسلمانوں کی اس جنگ باہم کا جو انجام ہوا اس کے ذکر کی ضرورت نہیں' حضرت شیخ عبدالقادر کے کارناموں کا زمانہ یہی ہے۔

امام جعفر صادق کے بعد شیعوں کا گروہ دو حصوں میں بٹ گیا بڑی جماعت نے امام موسیٰ کاظم کو امام مانا۔ ایک مختصر جماعت نے حضرت اسماعیل بن محمد کو امام مانا جن کو الامام المکتوم (چھپایا ہوا امام) کہتے ہیں حالانکہ ان کو دراصل قتل کر کے مگر اس قتل کو عام لوگوں سے مخفی رکھ کر اس جماعت نے پورے عالم اسلام میں سازشوں کا جال بچھا دیا۔ یہ فرقہ دراصل قدیم ایرانی فرقہ تھا جو کہ مانی کو مانتا تھا' اس نے اپنے آپ کو شیعوں اور صوفیوں کے گروہ میں روپوش رکھ کر خفیہ طور پر اپنے باطل عقائد کی تبلیغ اور فاطمی خلافت قائم کرنے کی کوشش کی اور ۲۹۶ھ میں مصر کے اندر فاطمی خلافت قائم کرنے میں کامیاب ہوا۔ جو کہ ۵۰۵ھ تک قائم رہی اس فرقہ کو قرامطہ اور باطنیہ بھی کہا جاتا تھا۔ حضرت شیخ عبدالقادر کے زمانہ میں مصر کا فاطمی خلیفہ المستنصر تھا۔ خلفائے بغداد القائم بامراللہ اور المقتدی بامراللہ کا معاصر تھا۔ ۴۴۰ھ میں ایک ترک سردار نے جس کا نام ارسلان تھا قائم بامراللہ کے امیر الامرا ملک رحیم بن بویہ کو برطرف کیا اور خود امیر الامرا بن کر اس نے قائم بامراللہ کو معزول کیا اور المستنصر باللہ کے نام کا خطبہ تمام مساجد عراق میں پڑھوایا۔ لیکن الپ ارسلان نے خلیفہ بغداد کی امداد کی اور ارسلان کو شکست دے کر خلیفہ قاسم کو پھر سے تخت نشین کر دیا۔ ادھر ۴۸۷ھ میں مستنصر اور اس کی جگہ المستعلی باللہ ۴۸۸ھ میں مصر میں خلیفہ ہوا۔

اس زمانہ کے خلفائے بغداد صرف تخت خلافت کی زینت تھے' ان کی عزت کی جاتی تھی' لیکن سارے اختیارات عملاً متغلب سلاطین کے ہاتھوں میں تھے۔ حضرت شیخ عبدالقادر کے ہم زمانہ خلفائے بغداد کے احوال حسب ذیل قابل ذکر ہیں۔

شعبان ۴۶۷ھ میں قائم بامراللہ نے وفات پائی اس زمانہ کا سلطان ملک شاہ سلجوقی تھا جس کا وزیر خواجہ حسن نظام الملک طوسی تھا' عمر خیام اسی زمانہ کا آدمی تھا' علمی حیثیت سے یہ زمانہ مسلمانوں کے عروج کا زمانہ تھا۔ لیکن دین داری مغلوب اور بے دینی غالب تھی۔ اسی ۴۶۷ھ میں قائم بامراللہ خلیفہ ہوا۔

رمضان ۴۷۰ یا ۴۷۱ھ میں شیخ عبدالقادر جیلانی پیدا ہوئے۔ ۴۷۷ھ میں شیخ الصوفیہ ابو علی الفارمدی رسالہ قشیریہ کے مولف نے وفات پائی۔ اس سال ایک عجیب واقعہ یہ ہوا کہ ایک کوکب جو کہ دیکھنے میں چاند کے برابر تھا اور چاندی کی طرح روشن تھا مشرق سے ٹوٹ کر مغرب کی طرف بھاگا' ایک گھنٹہ کے بعد مغرب میں غائب ہو گیا۔ ان ہی ایام میں حسن بن صباح نے قاتلوں کی ایک جماعت منظم کی یہ جماعت 'داعیوں' مریدوں اور فدائیوں پر مشتمل تھی۔ حسن بن صباح فاطمی خلیفہ المستنصر باللہ کے فرزند نزار کا داعی تھی۔ مقصد اس کا عباسی حکومت اور سنیوں کو فنا کرنا تھا۔ اس کے فدائی شیعوں اور صوفیوں کے بھیس میں پورے عالم اسلام پر پھیلے ہوئے تھے۔ فدائیوں کو اس نے اس طرح مسحور کر لیا تھا کہ اس کے حکم پر وہ جان پر کھیل جاتے تھے۔ اور امراء'

سلاطین وزراء' علماء' فقہا' واعظین کو ان کے ذریعہ قتل کرادیا کرتا تھا۔ ۴۸۳ھ میں اس نے قلعہ الموت پر قبضہ کرلیا' ۴۸۴ھ میں اس کے ایک فدائی نے نظام الملک کو شہید کردیا۔

اس زمانہ میں بغداد کا ہر شخص اپنی جان کے لئے لرزاں رہا کرتا تھا۔ فدائی ہر جگہ موجود تھے۔ ایک امام مسجد نے ایک روز وعظ کیا جس میں باطنیہ کے عقائد کی تردید کی دوسرے دن وعظ کیا اور ان کے عقائد کو سراہتے ہوئے ایک تیغ بکف انسان کی طرف اشارہ کیا اور کہا "برہانے دارند قاطع" برہان سے مراد اس شخص کی تلوار تھی۔ اس زمانہ میں کسی عالم کا حق گو ہونا موت کو دعوت دینا تھا۔ ۴۸۷ھ میں مستظہر باللہ خلیفہ ہوا۔ اس زمانے کا سلطان سنجر بن ملک شاہ تھا۔ ۴۸۸ھ میں امام غزالی نے درس و تدریس چھوڑ کر تصوف اختیار کرلیا' اور ملک شام کی طرف چلے گئے۔ ان کے سفر کی علت جو بھی ہو' لیکن ممکن ہے کہ یہ حسن بن صباح کی برہان قاطع کا بھی اثر ہو' یہی وہ سال ہے جب شیخ عبدالقادر جیلانی نے جیلان سے بغداد کا سفر کیا۔ آپ کے اس سفر کی اہمیت بڑھ جاتی ہے جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ بڑے بڑے 'اکابر' قرامطہ کی برہان قاطع کے ڈر سے بغداد چھوڑ رہے ہیں اور ۱۸ برس کا ایک نوجوان دودمان رسالت کا ایک جوہر تاباں ایک دوسری برہان قاطع لے کر بغداد کا سفر کر رہا ہے۔

شیخ عبدالقادر کا ایک لقب "محی الدین" ہے۔ یہ لقب ان کا ان کے والدین نے تجویز نہیں کیا اور نہ خود آپ نے اپنا یہ لقب رکھا تھا۔ روایت یہ ہے کہ آپ نے عالم رویا میں ایک نحیف و ضعیف بیمار کو دیکھا کہ اٹھنے سے معذور ہے۔ آپ نے اسے سہارا دیکر اٹھایا تو وہ تندرست ہوگیا۔ اس تومند ہو جانے والے نحیف سے اس کا نام پوچھا تو اس نے کہا میں تمہارے دادا کا دین "اسلام" ہوں' دوسری صبح سے لوگ آپ کو محی الدین کہنے لگے۔

یہ واقعہ ہے کہ آپ نے یہ خواب دیکھا تھا اور یہ بھی واقعہ ہے کہ آپ کو محی الدین کہا جانے لگا۔ لیکن راویوں نے عجوبگی پیدا کرنے کے لئے بیچ کے واقعات حذف کردیئے ہیں۔ یہ رؤیا ایک اشارہ ربانی تھا۔ عالم رویا میں شفقت ایزدی نے آپ کے سپرد احیائے دین کا فریضہ کیا تھا' غالباً" یہ رویا بھی سفر بغداد کی محرک ہوئی۔

اس سفر میں آپ سے ایک زبردست کرامت کا ظہور ہوا۔ آپ کی ماں نے آپ کی عبائے دلق میں چالیس اشرفیاں سی دی تھیں' اور رخصت ہوتے وقت وصیت فرمائی تھی کہ "ہمیشہ سچ بولنا اور ہر معاملہ کی بنیاد راست بازی پر رکھنا۔" آپ کا قافلہ ہمدان تک تو خیریت سے پہنچ گیا' لیکن جب یہ قافلہ ہمدان سے آگے ترتنگ کے سنسان کوہستانی علاقہ میں پہنچا تو قزاقوں کے ایک جتھے نے اس قافلہ پر حملہ کر دیا۔ قافلہ کے لوگوں میں ان خونخوار قزاقوں کے مقابلے کی سکت نہیں تھی۔ قزاقوں نے خوب لوٹ مار کی۔ اس ہنگامہ میں شیخ عبدالقادر اطمینان سے ایک جانب کھڑے رہے۔ لڑکا سمجھ کر کسی نے آپ سے تعرض بھی نہیں کیا۔ اتفاق سے ایک قزاق کی نظر آپ پر پڑی تو اس نے آپ کے قریب پہنچ کر پوچھا۔ "لڑکے تیرے پاس کیا ہے؟" آپ نے بغیر کسی خوف و ہراس کے جواب دیا۔ میرے پاس چالیس دینار ہیں' قزاق بولا۔ کہاں ہیں؟ آپ نے جواب دیا میری عبا میں بغل کے نیچے سلے ہوئے ہیں۔ وہ آپ کی بات کو مذاق سمجھ کر آگے بڑھ گیا۔ پھر آپ کے پاس ایک اور قزاق آیا اس سے بھی اسی قسم کی گفتگو ہوئی تو یہ دونوں آپ کو اپنے سردار احمد بدوی کے پاس لے گئے۔ سردار نے پوچھا۔ لڑکے سچ بتلا' تیرے پاس کیا ہے؟ آپ نے پوری صداقت کے ساتھ پھر وہی جواب دیا۔ سردار نے آپ کی عبا کو

پھاڑا تو اس میں سے واقعی چالیس دینار نکل آئے۔

سردار نے انتہائی حیرت کے عالم میں آپ کو مخاطب کر کے کہا۔۔ لڑکے تم کو معلوم ہے کہ ہم قزاق ہیں' رہزن ہیں اور قتل و غارتگری ہمارا پیشہ ہے' پھر بھی تم کو ہم سے خوف نہیں آیا؟ آپ نے فرمایا میری والدہ ماجدہ نے گھر سے چلتے وقت مجھے نصیحت فرمائی تھی کہ' ہمیشہ سچ بولنا۔ میں اپنی والدہ ماجدہ کی نصیحت کو کیسے فراموش کردیتا' صرف چالیس دینار کی خاطر اپنا عہد کیسے توڑ دیتا۔۔۔ یہ الفاظ نہیں تھے حق و صداقت کے ترکش سے نکلے ہوئے تیر تھے جو احمد بدوی کے سینہ میں پیوست ہوگئے۔ اس پر رقت طاری ہوگئی۔ اشکہائے ندامت نے دل کی شقاوت اور سیاہی دھو ڈالی' اور وہ بولا۔ آفرین ہے تم پر کہ تم نے اپنی ماں کی نصیحت یاد رکھی اور اپنے عہد کا اتنا پاس کیا۔ مگر حیف ہے مجھ پر کہ اپنے پروردگار سے کئے ہوئے عہد کا پاس نہیں کرتا اور اپنے خالق کی نصیحت کو فراموش کردیا۔

اس نے آپ کے ہاتھ پر توبہ کی اور تمام لوٹا ہوا مال قافلہ کو واپس کردیا۔ اس کے ساتھیوں نے یہ دیکھا تو ان کے دل بھی پگھل گئے اور سب نے یک زبان ہو کر کہا: "سردار تو رہزنی میں بھی ہمارا قائد تھا اور اب توبہ میں بھی ہمارا پیشرو اور سردار ہے" کہتے ہیں یہ تمام لٹیرے اور قزاق دفعتہ" اولیاء و ابدال میں شامل ہوگئے۔

وہ ڈاکو قرامطی تھے

ابدال سے کیا مراد ہے؟ اسے بعد میں سمجھئے گا آپ کو حیرت ہوگی کہ آن واحد میں کیسے نیک لوگ ہوگئے۔۔۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ محض غارت گر نہ تھے' حسن بن صباح وغیرہ کے مسحورین میں تھے' جن کو یہ یقین تھا کہ ہماری غارتگری غارت گری نہیں بلکہ دین کی خدمت ہے۔ وہ جنت حاصل کرنے کے لئے ایسا کرتے تھے۔ کام ان کے برے تھے۔ نیتیں ان کی اچھی تھیں۔ اللہ نے ان کو ان کی نیتوں کا یہ انعام دیا کہ ان کا سابقہ دودمان رسولؐ کے جوہر تاباں سے پڑ گیا۔ آل رسولؐ ہی کے نام پر تو وہ اپنی عاقبت بگاڑ رہے تھے۔ ان کے سامنے اب ایک سچ مچ کا فاطمی تھا' فاطمہ بنت رسولؐ' فاطمہ بنت حسینؓ اور فاطمہ بنت عبداللہ الصومعیؒ کا فرزند' امام حسن کا فرزند' جھوٹ موٹ کے فاطمیوں کی طرف دعوت دینے والے مسلم کش شیخ الجبال حسن بن صباح کی ولایت کبریٰ اور فردوس بخشی کا جادو اتر گیا پھر آل رسولؐ کی محبت نے جو ان کے دلوں میں موجود تھی آن واحد میں ان کی کایا پلٹ دی۔ یہ قطاع الطریق اب بھولے بھٹکوں کے نگران اور راہبر و محافظ بن گئے۔ یہ تھی حضرت شیخ کی اصلی کرامت کہ انہوں نے گمراہوں کو اچھا راہبر مسافر دوست اور خدام خلق بنا دیا اور یہ تھا آپ کے محی الدین ہونے کا پہلا ثبوت کہ دین کی روح تازہ کی۔

۱۰۹۶ء/۴۸۹ھ میں برج حوت کے اندر شمس' قمر' مشتری' زہرہ' مریخ' عطارد کا اجتماع ہوا۔ منجمین نے طوفان نوح جیسی آفت کی پیش گوئی کی لیکن ابن عیسون نے اس دلیل سے اس پیش گوئی کو غلط بتایا۔ طوفان نوح کے زمانہ میں زحل سمیت ساتوں سیارے برج حوت میں جمع ہوگئے تھے۔ منجموں کی پیش گوئی غلط ثابت ہوئی لیکن عالم اسلام پر اسی زمانہ میں ایک زبردست طوفان آہی گیا جس نے سلجوقیوں اور فاطمیوں سب کو مٹا کے رکھ دیا۔ ہوا یہ کہ ۱۰۹۸ء میں تمام یورپ کے امرا کو پوپ نے حکم دیا کہ یروشلم کو مسلمانوں سے چھین لینے کے لئے سب جنگ کے لئے تیار ہو جائیں اور نائب مسیح کی حیثیت سے اس جنگ میں شرکت کرنے والے ہر شخص کے گناہ کو معاف کرنے اور جنت میں جگہ دینے کا وعدہ کیا۔ نصرانیوں کے تصور میں پوپ کا وعدہ خدا کا وعدہ تھا۔

اس لئے سارا یورپ جنگ صلیبی کی تیاریاں کرنے لگا۔ ۱۰۹۷ء میں ساری فوجیں قسطنطنیہ میں جمع ہوئیں۔ ۱۰۹۹ء میں فرنگیوں نے سیمساط، الرہا اور بیت المقدس کو فتح کرلیا اور مسلمانوں پر زندگی دوبھر کردی۔ شام و فلسطین سے مہاجرین کا تانتا بندھ گیا اور بغداد میں ہر طرف کے مصیبت زدہ لوگ آنے لگے۔ عراق کے بیابان اور خرابات ان سے پر ہونے لگے۔

۵۱۴ھ (۱۱۱۸ء) میں مسترشد باللہ خلیفہ ہوا۔ اس زمانہ کا سلطان محمد بن ملک شاہ تھا۔ اسی سال اس نے عماد الدین زنگی کو بصرہ کا حاکم مقرر کیا۔ عماد الدین زنگی اور نور الدین زنگی نے صلیبیوں کے ساتھ کامیاب جنگیں لڑیں جن کے مفصل تذکرہ کی ضرورت نہیں ہے۔ حروب صلیبیہ میں زنگی خاندان پھر ایوبی خاندان نے جو کارہائے نمایاں انجام دیئے ان کا عالم اسلام پر بڑا احسان ہے۔ ہمارا مقصد صرف حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کے زمانہ کا حال دکھانا ہے۔ افسوس ہے کہ شیخ عبدالقادر جیلانی کے ان مساعی کو جو اپنے باپ "جنگی دوست" (محب المجاہد) کے فرزند کی حیثیت سے آپ نے انجام دیئے ان کو معتقدین نے کرامات کے سمندر میں غرق کردیا اور اس کی روح کو نمایاں کرنے سے غفلت برتی۔ آپ کے مریدوں اور حاشیہ نشینوں کے مجاہدانہ کارنامے آپ کی مساعی پر روشنی ڈال سکتے ہیں۔ جن لوگوں نے آپ کی صحبت سے استفادہ کیا ان کے حالات پڑھئے تو معلوم ہوگا کہ وہی لوگ جو پہلے قطاع الطریق تھے بعد میں اسلام پر اپنی جانیں نثار کرنے لگے۔

۵۱۲ھ میں آپ کے مرشد ابو سعید مبارک نے "المبسوط" کے مصنف شمس الائمہ سرخسی نے وفات پائی۔ ۵۱۴ھ میں حضرت ابراہیم، حضرت اسحاق اور حضرت یعقوب کی قبریں کھل گئی تھیں۔ ہزاروں آدمیوں نے ان کے جسدوں کی زیارت کی، کوئی تغیر نہیں پایا گیا۔ قبروں میں سونے اور چاندی کی قندیلیں بھی ملیں۔ اس طرح ان قبروں کے کھل جانے کا حضرت شیخ کے کارناموں سے کوئی واسطہ نہیں لیکن پھر بھی اس کا تذکرہ کرنا مناسب معلوم ہوا۔ ۵۲۹ھ/۱۱۳۵ء میں جبکہ زنگی خاندان شام و فلسطین میں شاہان فرنگ کی فوجوں سے برسرپیکار تھا۔ حسن بن صباح کے ایک فدائی نے خلیفہ مسترشد کو قتل کردیا، اور اس کی جگہ ۵۲۹ھ میں راشد باللہ خلیفہ ہوا، اس زمانہ کا سلطان، مسعود بن محمود تھا۔ جس نے جلد ہی راشد باللہ کو معزول کرکے مقتفی لامراللہ کو ۵۳۰ھ/۱۱۳۵ء میں خلیفہ بنا دیا گیا۔ اس نے ۲۵ برس تخت خلافت کو زینت دی پھر ۵۵۵ھ/۱۱۶۰ء سے ۵۶۶ھ/۱۱۷۰ء تک مستنجد باللہ نے خلافت کی۔ یہ آخرالذکر خلیفہ حضرت شیخ کے معتقدین میں سے تھا۔ حضرت شیخ کی زندگی کا آخری زمانہ اور اس کی زندگی کا آخری زمانہ ایک تھا۔

۵۱۲ھ میں سلطان محمود نے عماد الدین زنگی کو بصرہ کا حاکم مقرر کیا تھا۔ عماد الدین زنگی، اتابک زنگی اور نور الدین زنگی نے اس دور میں اسلام کی جو خدمت کی اور فرنگی حملہ آوروں کی کمریں جس طرح توڑیں اس کی تفصیل ضروری نہیں۔ ۵۵۷ھ کا ایک اہم واقعہ یہ ہے کہ نصرانیوں نے مغرب کے حاجیوں کے روپ میں دو نقب زن مدینہ منورہ بھیجے۔ وہ دونوں حجرۂ مبارک کے پاس ہی رباط مراغہ نامی ایک عمارت میں مقیم ہوئے۔ بظاہر بڑی مقدس زندگی تھی، بڑے فیاض تھے۔ پورے مدینہ والوں کو اپنا معتقد بنالیا تھا مگر چپکے چپکے رباط سے روضہ اقدس تک سرنگ کھود رہے تھے تاکہ جسد اطہر کو چرا لے جائیں۔ غالباً مقصد یہ ہوگا کہ پھر اس جسد اطہر کو مسلمانوں سے خسط غلامی لکھوانے کے لئے بطور رشوت استعمال کریں۔ ایک شب نور الدین زنگی نے خواب دیکھا کہ حضور صلی علیہ وسلم دو شخصوں کی طرف اشارہ فرما کر کہتے ہیں۔ "مجھے ان دونوں سے بچاؤ میری کمک کرو۔" یہ خواب

ایک ہی رات میں نور الدین نے تین بار دیکھا۔ رات ہی کو اپنے ایک معتمد وزیر جمال الدین موصلی کو بلا کر خواب کا ذکر کیا۔ جمال الدین نے رائے دی کہ فوراً مدینہ پہنچنا چاہئے، لیکن اس سفر کو شہرت نہ دینی چاہئے۔ چند معتمد سرداروں کے سپرد فوج کو کیا اور نور الدین زنگی اور جمال الدین موصلی اور ۲۰ ساتھیوں کا قافلہ مدینہ کو روانہ ہوا۔ ۱۶ دن سفر میں لگے۔ مدینہ پہنچ کر نور الدین نے حکم دیا کہ مدینہ کا ہر شخص فرداً" فرداً" حاضر ہوکر نذریں قبول کرے۔ سب آئے یہ دونوں نہیں آئے۔ لوگوں سے پوچھا کہ کوئی باقی تو نہیں رہ گیا؟ جواب ملا کہ صرف دو مقدس درویش جو رباط مراغہ میں مقیم ہیں نہیں آئے۔ جمال الدین اور نور الدین دونوں رباط میں پہنچے تو دو شخص ملے جو ہو بہو وہی تھے جن کو عالم رویا میں دکھا کر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا تھا کہ مجھے ان سے بچاؤ۔ نور الدین نے دونوں کو گرفتار کرلیا اور خود رباط کے ایک ایک گوشہ کا جائزہ لیا اور خفیہ سرنگ کا سراغ لگالیا۔ آخر دونوں نے اپنے جرم کا اقرار کرلیا۔ نور الدین نے ان دونوں کو اپنے ہاتھوں سے قتل کیا پھر روضہ اقدس کے چوگرد خندقیں کھود کر ان کو سیسہ سے بھر دیا تاکہ پھر کوئی ایسا نہ کرسکے۔

شیخ عبدالقادر جیلانی کے زمانہ کا حال آپ نے دیکھ لیا۔ اندلس میں اسلام دم توڑ رہا تھا۔ افریقہ میں مرابطین اور موحدین لڑ رہے تھے۔ مصر پر قرامطہ کا قبضہ تھا۔ حسن بن صباح نے عراق و ایران میں قاتلوں کی ایک جماعت منظم کرلی تھی، جو جنت حاصل کرنے کے لئے ڈاکے ڈالتے تھے اور مسلمانوں کو چپکے چپکے قتل کیا کرتے تھے۔ صوفیوں اور شیعوں کے بھیس میں وہ گمراہیاں پھیلاتے تھے۔ یورپ والوں نے یروشلم کو چھین لینے کے لئے صلیبی جنگیں چھیڑ رکھی تھیں۔ حضرت رسول خداؐ کے جسد اطہر کو چرا لے جانے کی تقریباً کامیاب کارروائی کرچکے تھے۔ ان حالات کے باوجود اہل علم کا حال یہ تھا کہ حنابلہ و معتزلہ میں جنگ برپا تھی۔ احناف و شوافع باہم الجھ رہے تھے، شیعوں اور سینوں میں کشاکش تھی۔ اخوان الصفا والے اسلام کی بجائے یونانی فلسفہ پھیلا رہے تھے اور صوفیوں کے گروہ میں باطنی قرامطہ اس طرح گھس گئے تھے کہ اصلی صوفی کو مصنوعی صوفی سے ممتاز کرنا دشوار تھا۔

ایسے ایام میں خانوادۂ رسولؐ کے ایک جوہر تاباں نے عالم رؤیا میں غیبی اشارہ پایا کہ تمہارا مقصد حیات نحیف و ناتواں اور ضعیف و بے دم اسلام کو پھر سے توانا بنانا اور دین برحق کو حیات تازہ بخشنا ہے۔ اس عزم کے ساتھ باغ حسین کا یہ نونہال عین اس زمانہ میں وارد بغداد ہوا جبکہ بڑے بڑے اکابر قرامطہ کی برہان قاطع کے خوف سے گنگ اور اور بے زبان ہوئے جارہے تھے۔ بہت سے لوگ بغداد سے بھاگ رہے تھے اور بہت سے صلیبیوں کی تلواروں سے جانیں بچانے کے لئے بغداد آرہے تھے اور حسن بن صباح کی برہان قاطع کے تلے گردنیں رکھ دیتے تھے۔

۴۸۸ھ میں آپ وارد بغداد ہوئے۔ ۱۱ برس یعنی ۴۹۰ھ تک آپ نے علمائے بغداد سے تمام علوم عقلیہ و نقلیہ و روحانیہ حاصل کئے۔ ان دنوں آپ کا قیام بغداد کے ایک برج میں رہا جسے آپ کے قیام کی وجہ سے بعد میں برج عجمی کہا جانے لگا۔ آپ تھے تو نسلاً "نہ صرف عرب بلکہ دودمان پیغمبر کے ایک فرد تھے لیکن عجم میں پیدا ہوئے۔ مادری زبان عجمی تھی، اس لئے عجمی کہلاتے تھے۔ ایام طالب علمی میں اور ان کے بعد ۱۴ برس تک آپ کا دستور یہ تھا کہ جب موقع ملتا عراق کے بیابانوں اور خرابات کا گشت لگایا کرتے تھے۔

۵۱۲ھ تک آپ کا حال یہ رہا کہ طلب علم سے جو وقت بچتا اسے آپ صحرا نوردی اور خرابات گردی میں

صرف کرتے تھے۔ صحرا نوردی کے ایام میں بدوؤں سے ملتے تھے۔ خرابات گردی کے ایام میں فقرا و مساکین اور شام و فلسطین سے بھاگے ہوئے لوگوں سے ملاقات کرتے تھے۔

بعض لوگ آپ کی صحرانوردی اور ان مجاہدات کو رہبانیت خیال کرکے یا تو آپ پر معترض ہوتے ہیں یا اس روایت ہی کو نہیں مانتے لیکن آپ کی صحرانوردی رہبانیت نہیں تھی بلکہ وہ بامقصد سیاحت تھی جو نیک مسلمانوں سے مطلوب ہے۔ سورۂ توبہ میں خدا نے مومنوں کے حسب ذیل اوصاف گنائے ہیں:-

توبہ کرنے والے۔ بندگی بجالانیوالے۔ اللہ کی ستائش کرنیوالے---

سیاحت کرنیوالے۔ رکوع کرنیوالے۔ سجدہ کرنیوالے---

بھلائی کا حکم دینے والے اور برائی سے روکنے والے----

اور اللہ کے قوانین کی حفاظت کرنے والے----

اور بشارت دیدو تم (ان) مومنین کو۔ (توبہ - ۱۱۲)

سورۂ تحریم میں مسلمات، مومنات، قانتات، تائبات، عابدات، سائحات کے الفاظ میں نیک بیبیوں کا تذکرہ ہے۔ توبہ، حمد، قنوت، عبادت، رکوع، و سجود، حدود اللہ کی حفاظت نیکی کی تبلیغ، اور بدی کے خلاف وعظ و پند کی طرح "سیاحت" بھی ایک نیک عمل ہے۔ علم سیکھنے کے لئے، علم دین کی اشاعت کے لئے، خلق کی تربیت و ہدایت کے لئے، جہاد کے لئے، مجاہدوں کو جہاد پر آمادہ کرنے کے لئے کسی نیک کام کی غرض سے سیاحت کرنا خدا کے نزدیک محبوب اعمال سے ہے۔ ۵۱۲ھ تک مجرد رہ کر آپ علم دین حاصل کرتے رہے اور جو حاصل کرتے تھے اس کی اشاعت کے لئے بیابانوں میں بدوؤں سے ملتے تھے اور خرابات میں فقرا سے ملتے تھے اور اس طرح ملتے تھے کہ کوئی آپ کی عظمتوں کا اندازہ نہ کرسکتا۔ گم نام رہ کر خدمت دین فرماتے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ نے اسی سیاحت کے ذریعہ اپنے لئے کارکن اور رفقا حاصل کئے۔ اور سیاحت کے زمانہ میں آپ کی روٹیوں کا انتظام کس طرح ہوتا تھا؟ اس کی صراحت بہت کم ملتی ہے۔ گھر سے کچھ اشرفیاں لے کر آئے تھے۔ والدہ محترمہ کبھی کبھی کچھ رقمیں بھیجا کرتی تھیں۔ بعض روایات میں محنت و مزدوری کا بھی ذکر ملتا ہے۔ اس کے باوجود اکثر و بیشتر فقر و فاقہ کی نوبت آجاتی تھی۔ آپ کے معاصر طلباء اور فقراء اہل خیر سے سوال کرلیتے تھے مگر آپ نجیب الطرفین سید تھے۔ خیرات نہیں لے سکتے تھے اس لئے آپ نے ایک روز اپنے جی میں ٹھان لی کہ جب تک خود خدا مجھے کھلائے گا نہیں، پلائے گا نہیں، پہنائے گا نہیں اس وقت نہ کھاؤں گا، نہ پیوں گا، نہ پہنوں گا۔ یہ عہد کرکے آپ برج میں معتکف ہوگئے۔ ۳۹ دنوں تک صبر کرتے رہے اور غیبی امداد کا انتظار کرتے رہے۔ ۴۰ ویں دن کوئی شخص آپ کے پاس کھانے کی چیزیں رکھ گیا۔ آپ فرماتے ہیں کہ پھر میں نے اپنے اندر سے "الجوع الجوع" کی پکار سنی۔ پھر بھی آپ نے کھانے کو ہاتھ نہیں لگایا کیونکہ فاطمی سید تھے۔ جب تک یہ نہ معلوم ہوتا کہ یہ صدقہ نہیں ہے بلکہ کسی طیب کمانے والے کا ہدیہ ہے تب تک آپ "شرعاً" نہیں کھاسکتے تھے۔ عین اس وقت جبکہ آپ کے اندر سے بھوک کی طلب ابھر رہی تھی اور تقاضا بڑھ رہا تھا۔ شیخ ابوسعید بن مبارک مخزومی کا گزر ہوا، پوچھا کہ حال تمہارا کیا ہے فرمایا نفس میں اضطراب ہے مگر روح مشاہدۂ حق میں مصروف ہے۔ شیخ ابوسعید نے آپ کو دعوت دی اور فرمایا کہ ہمارے گھر آجانا۔ شرعاً" مرد صالح کی دعوت رد نہیں کی جاسکتی تھی۔ اس لئے آپ کو ان کے گھر جانا ہی پڑا۔ روایت ہے کہ ابوالعباس خضر علیہ السلام نے آپ کو باصرار شیخ ابوسعید کے گھر

پہنچایا۔ اکثر صوفیوں کے ذکر میں ابوالعباس خضر کا ذکر ملتا ہے۔ سورہ کہف کے قصہ موسیٰ میں ایک شیخ مجمع البحرین کا ذکر ملتا ہے۔ احادیث میں ان کا نام خضر ہے۔ کیا یہ وہی خضر ہیں یا کوئی اور، اس کا صحیح جواب تو ان صاحب کی ملاقات سے مشرف انسان ہی دے سکتا ہے۔ بہرحال خضر کہلانے والے ایک بزرگ نے بالاصرار آپ کو شیخ ابوسعید تک پہنچایا۔ شیخ ابوسعید نے آپ کو اپنے دست مبارک سے لقمہ لقمہ کچھ کھلایا پھر آپ کو اپنا خرقہ پہنایا۔ شیخ ابوسعید مخزومی نے باب الازج نام ایک مقام میں جہاں آج حضرت شیخ عبدالقادر کی قبر ہے ایک مدرسہ قائم کر رکھا تھا۔ اس کی مدرسی آپ کے سپرد کردی اور اب آپ نے صحراؤں اور خرابات کی سیاحت ترک کردی اور مستقل طور پر بغداد میں مقیم رہ کر طلبہ کو درس دیتے اور عوام کو وعظ و پند کرتے رہے۔ یہ نہیں معلوم کہ شیخ ابوسعید کے مدرسہ میں آپ کس سال سے درس دینے لگے۔ عوام میں وعظ و پند کی مدت ۴۰ برس بتائی جاتی ہے۔ ۵۲۱ھ سے ۵۶۱ھ تک آپ عوام میں وعظ فرماتے رہے۔ مدرسہ باب الازج کی مدرسی کا زمانہ ۵۱۲ھ سے آٹھ دس برس پہلے ہی شروع ہوا ہوگا۔

شیخ ابوسعید آپ کے پیر طریقت تھے۔ ۵۱۲ھ کے بعد آپ نے شیخ ابوسعید کے ایک مرید باصفا حضرت حماد بن مسلم الدباس کو اپنا پیر صحبت بنالیا۔ حماد بن مسلم کو دبس فروش ہونے کی وجہ سے دباس کہا جاتا تھا۔ دبس کا ترجمہ صاحب صراح نے دوشاب لکھا ہے، عربی میں دبس میٹھے شیرے کو کہتے تھے جسے پکا کر گاڑھا کرلیا جائے۔ ہم اپنے ملکی راب کو بھی دبس کہہ سکتے ہیں بہرحال ان کا پیشہ میٹھے شیرے کو پکا کر گاڑھی راب بنانا اور بیچنا تھا۔ حماد بن مسلم ان پڑھ بزرگ تھے لیکن بزرگان دین کی صحبت نے ان کو ایک اعلیٰ پایہ کا تربیت یافتہ مومن صالح بنا دیا تھا۔ علم و فضل میں تمام اقران پر فائق ہونے، اور ایک معروف معلم، فقیہ، محدث اور مقبول عام واعظ ہونے کے باوجود ایک ان پڑھ اسی شیرہ فروش کو آپ نے اپنا پیر صحبت تسلیم کیا اور فخر کے ساتھ کہا کرتے تھے کہ میں تربیت تو براہ راست اپنے جد اعلیٰ حضرت رسول خدا سے حاصل کرتا ہوں لیکن میرے پیر طریقت ابوسعید مبارک مخزومی اور پیر صحبت حماد بن مسلم دباس ہیں۔

حضرت شیخ عبدالقادر اگرچہ ۱۸ برس کی عمر سے برابر لوگوں کے درمیان دین حق کی اشاعت کرتے تھے لیکن جب تک حماد باس زندہ تھے آپ اپنا وقت صرف درس و تدریس اور صحبت شیخ میں گزارتے تھے۔ وفات کے بعد آپ نے عام لوگوں کی اصلاح میں وقت صرف کرنا شروع کیا۔ اس زمانہ کے آداب کے مطابق پیر طریقت اور پیر صحبت کے ایام حیات تک کوئی شیخ مسند ارشاد کو استعمال نہیں کرتا تھا البتہ اجازت شیخ سے وعظ و پند کرسکتا تھا۔

صورت اور سیرت

لوگوں نے بیان کیا ہے کہ آپ کا بدن نحیف تھا، قد میانہ تھا، سینہ چوڑا تھا، بھویں ملی ہوئی تھیں، رنگ گندمی تھا۔ داڑھی طویل اور عریض تھی، آواز بلند تھی، یہ تو تھا ظاہری حلیہ۔ آپ کی خارق عادت کرامتیں بہت کثیر ہیں لیکن اصلی کرامت آپ کی سیرت میں مضمر تھی۔ آپ کے ہمعصروں نے آپ کی اخلاقی تصویر یوں بیان کی ہے:-

"علم نے آپ کی تہذیب نفس کی تھی۔ قرب ربانی نے آپ کو ادب سکھایا تھا، خطاب غیبی آپ کا مشیر تھا۔ آپ کی نگاہ آپ کے دل کی ترجمان تھی۔ انس آپ کا ندیم تھا، کشادہ دلی آپ کی نسیم تھی، صداقت آپ کا جھنڈا تھا۔ فتح آپ کی پونجی تھی۔ بردباری آپ کا ہنر تھا، یادالٰہی آپ کی وزیر تھی، فکر آپ کا ہم سخن تھی، مکاشفہ آپ

کی غذا تھا اور مشاہدہ آپ کا مداوائے قلب۔"

"نہایت روشن چہرہ، ہمیشہ خوش و خرم بڑے حیادار، کشادہ دربار (یعنی نہایت سخی تھے) آسانی سے مان لینے والے تھے، اخلاق کے کریم، پاکیزہ خو تھے، بڑے مہربان، بڑے سخی، بڑے شفیق، فضولیات سے کوسوں دور، حق سے بہت قریب، اللہ کے قوانین کی ہتک ہوتی تو سخت برہم ہو جاتے مگر اپنے لئے کبھی غصہ نہ کرتے۔ اپنے اللہ کے سوا کسی کے لئے بھی ان کا رنگ نہیں بدلتا تھا۔ کسی سائل کو رد نہ کرتے تھے چاہے وہ اوپر تلے کے دونوں لباس ہی مانگ لے۔"

شیخ عبدالقادر کی یہ مکمل اخلاقی تصویر نہیں ہے۔ آپ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری سیرت کو اپنانے کی کوشش کرتے تھے۔ آپ کی طرف یہ قول منسوب ہے کہ ہر ولی کی روش ایک نہ ایک نبی کی روش کا پرتو ہوتی ہے، میں اپنے مورث اعلیٰ محمد رسول اللہ کے قدم بقدم چلتا ہوں۔

حضرت شیخ عبدالقادر کے جو بھی کمالات تھے، وہ خارق عادت ہوں یا مطابق عادت سب نتیجہ تھے اس طریقہ کا کہ آپ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم بقدم چلنے کی کوشش میں کامیاب ہو گئے تھے۔

یہ زمانہ نہایت ہی پر آشوب تھا۔ دین مبین کو اگرچہ حالات نے روبہ زوال کر رکھا تھا لیکن دین کے مخلص خدام ابھی تک ہارے نہ تھے۔ بغداد اہل علم اور اہل دل اکابر کا ان دنوں گہوارہ تھا۔ ان دنوں حنابلہ و معتزلہ میں زبردست علمی بحثیں ہوا کرتی تھیں اور نوبت خون خرابے تک پہنچتی تھی۔ آپ کے ورود کی برکت کہئے یا آپ کی فہمائش کا نتیجہ جلد ہی یہ مذہبی فتنہ دب گیا۔ کچھ ہی عرصہ کے بعد آپ "مرجع علمائے عراق و محط طالبان حق از جمع اقطار عالم" ہو گئے۔ اب عقیدہ کے لحاظ سے آپ کا مسلک عقلی تاویلوں سے اجتناب اور کتاب اللہ اور احادیث نبوی کے مطالب کو بے تاویل قبول کرنا اور نقل کو عقل پر مقدم رکھنا تھا۔ امام احمد بن حنبل کے پیروکار تھے۔ فقہ حنابلہ کے مطابق فتوے دیتے تھے۔ بعض مسائل میں امام شافعی کے مطابق فتویٰ دیتے تھے ان دونوں کے متکلمین میں سے ایک شخص ابو حنیفہ تھا جو فرقہ مرجیہ سے تعلق رکھتا تھا۔ اب بے نام و نشان ہو چکا ہے۔ آپ اس کے سخت مخالف تھے بعض لوگوں کو یہ غلط فہمی ہے کہ آپ امام ابو حنیفہ کی مخالفت فرماتے تھے۔ یہ تو ٹھیک ہے کہ آپ امام احمد اور امام شافعی کے مسلک کے مطابق فتویٰ دیتے تھے، امام ابو حنیفہ کے مسلک کے مطابق نہیں لیکن آپ کی صحبت سے مشرف اصحاب میں سے ایک شخص بزار تھے۔ ان کا بیان ہے کہ آپ فرماتے تھے:۔

"بشارت باد کسانے را کہ پیر ایشان عبدالقادر و امام ایشان ابو حنیفہ و پیغمبر ایشان محمدؐ رسول اللہ است۔"

آپ شیخ کیوں کہلاتے ہیں؟

پیر کا لفظ عربی لفظ شیخ کا ترجمہ ہے۔ ان دنوں ہر فن کا استاد اس فن کا شیخ کہلاتا تھا۔ استاد تو اوستاد کا مخفف ہے جس کا لغوی ترجمہ پارسیوں کی مقدس کتاب "اوستا کا عالم" ہے۔ معلم کو استاد بعد میں کہنے لگے۔ ابتدائی معلمین مقری کہلاتے تھے۔ اوسط درجہ کی تعلیم دینے والے معلم تھے اور منتہی طلبہ کو سکھانے والے شیخ کہلاتے تھے۔ آپ تھے تو آل رسول سے جن کو ہمارے ملک میں سید کہا جاتا ہے لیکن آپ شیخ کہلاتے تھے۔ اس لئے کہ آپ کو علمائے عصر نے شیخ الکل (سب کا استاد) مان لیا تھا۔ آپ نے علوم شرعیہ متعدد شیوخ سے حاصل کئے۔

آپ کے پیر صحبت حماد بن مسلم دباس تھے اور پیر طریقت شیخ ابو سعید مبارک بن علی بن حسین المخزومی جو فقہی حیثیت سے حنبلی تھے۔ انہوں نے شیخ ابوالحسن علی بن محمد البنکاری سے، انہوں نے ابوالفتح طرسوسی سے انہوں نے شیخ عبدالواحد التمیمی سے، انہوں نے شیخ الطائفہ ابوبکر شبلی سے رموز طریقت سیکھے۔ شیخ الطائفہ ابوبکر شبلی جن باتوں پر زور دیتے تھے ان میں سے ایک یہ ہے کہ آدمی کو چاہئے کہ جو نیک کام کرتا ہے اس کو کل پر کبھی نہ ٹالنا چاہئے کیونکہ زندگی کتنی ہے کسے معلوم۔ اس تعلیم کو آسی مرحوم نے یوں ادا کیا ہے۔

آسی اے اگمذار بفرد امروز کار

میں دل فردا اندیشہ چاہئے ہی آج

ابوبکر شبلی فقہی حیثیت سے امام مالک کے متبع تھے۔ رموز طریقت انہوں نے حضرت جنید بغدادی (المتوفی ۲۷۰ھ) سے سیکھے تھے۔ ان پیغامات میں سے ایک خاص پیغام یہ ہے۔ "اپنا بار خلق پر نہ ڈالو بلکہ جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ بھی اوروں کو دے دو۔" آج کل کے پیران طریقت کا رویہ تو یہ ہے کہ اوروں کو دیتے نہیں اوروں سے لے لیتے ہیں۔

شیخ شبلی نے حضرت سری السقطی المتوفی ۲۵۰ھ سے طریقت کے اسرار حاصل کئے۔ ان کا خصوصی پیغام یہ تھا کہ صاحب طریقت کو چاہئے "میان بازار مشغول بحق باشند و خرید و فروخت نماید۔" بعض لوگ جو رہبانیت پسند ہیں۔ اس کا یہ مطلب سمجھتے ہیں کہ تجارت اور کاروبار دنیا سے مجتنب رہ کر یاد الٰہی کرنا بہتر ہے۔ شیخ سری سقطی نے تعلیم دی کہ نہیں بلکہ کاروبار میں مصروف رہتے ہوئے خدا کی یاد کو ہر دم دل میں رکھنا چاہئے اسی تعلیم کو اکثر صوفیائے کرام (دل "بایار و دست برکار) کے الفاظ میں ادا کرتے ہیں۔

سری سقطی کے شیخ حضرت معروف کرخی تھے۔ یہ اور ان کے والدین پہلے نصرانی تھے۔ امام علی رضا بن امام موسیٰ رضا کے ہاتھ پر یہ اور ان کے والدین مسلمان ہوئے۔ مسلمان ہو کر فقہی حیثیت سے امام ابو حنیفہ کا مسلک اختیار کیا۔ رموز طریقت حضرت حبیب رائی سے حاصل کئے جو حضرت سلمان فارسی کے تربیت کردہ تھے۔ حضرت شیخ عبدالقادر نے اور بزرگان دین سے بھی استفادے کئے لیکن ان کے پیران طریقت میں یہی سلسلہ زیادہ مشہور ہے۔ اس طرح آپ کے سلسلہ کے شیوخ میں امام ابو حنیفہ، امام ثوری، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد سب کے مسلکوں کے پابند گزرے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کی زبان میں بلا کی تاثیر رکھی تھی۔ ۵۰۰ سے زیادہ یہود و نصاریٰ آپ کی ہدایت سے مسلمان ہوئے اور ایک لاکھ سے زیادہ "طائفہ عصاۃ از قطاع الطریق و ارباب بدعت و فساد در اعتقاد و مذہب" نے آپ کے ہاتھوں پر بیعت توبہ کی اور اپنی سیرتیں سنوار کر صالحین امت میں داخل ہو گئے۔" آخری دنوں میں آپ کی مجلس میں تقریباً ۷۰ ہزار انسان شریک ہونے لگے ۴۰۰ افراد قلم دوات اور کاغذ لے کر آپ کی نصیحتیں قلم بند کرتے تھے۔ تمام بلاد اسلام سے چیدہ چیدہ اکابر آپ کی مجلس میں حاضری دیا کرتے تھے۔

آپ کی مجلس سے جن لوگوں نے استفادہ کا شرف حاصل کیا ان میں سے ایک سلطان الہند حضرت خواجہ معین الدین چشتی ہیں۔ وہ ۵۳۷ھ میں پیدا ہوئے جب کہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کی عمر شریف ۶۷ برس کی تھی۔ خواجہ صاحب ۲۰ برس کی عمر تک اپنے شیخ خواجہ عثمانی ہارونی کی خدمت میں رہے۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کی وفات کے وقت ۲۴ برس کے تھے۔ خواجہ صاحب کو آپ کی زندگی کے آخری دنوں میں شرف سماع

حاصل ہوا ہو گا۔

تربیت مریدین

آپ کے وعظ و پند سے متاثر ہو کر جو لوگ مرید ہو جاتے تھے ان کو آپ ایک نہ ایک صالح مرشد کی صحبت میں کچھ دن گزارنے کی ہدایت کرتے تھے کیونکہ آپ بذات خود ہر ایک کی تربیت نہیں کر سکتے تھے۔ آپ کے طریق میں ارشاد طریقت سے زیادہ صحبت صالح ضرور تھی۔ انسان کانوں کے ذریعہ جو علم حاصل کرتا ہے اس سے زیادہ مستحکم علم آنکھوں کا ہوتا ہے۔ ارشاد سے زیادہ بہتر زندگی کا نمونہ انسان کی روش کو سدھارتا ہے۔ آپ نے علوم تو علماء سے حاصل کئے اور اپنی زندگی سدھارنے کے لئے اپنا پیر صحبت حضرت حماد بن مسلم بن دباس کو بنایا جو ایک امی تھے اور شیرہ فروش تھے۔ آپ کے مسلک میں پاکیزگی زندگی کو دلیل وجحت اور علم وافر پر تفوق حاصل تھا۔ مریدین میں سے جن کو آپ کام کے آدمی دیکھتے ان کو اقطاب یا اوتاد یا ابدال کے عہدے دے کر دیار و امصار میں پھیل جاتے اور ہدایت خلق پر مامور فرماتے تھے۔

آپ کا فریضہ صرف اہل بغداد اور اپنی مجلس میں حاضری دینے والوں ہی کی اصلاح نہیں تھا۔ پورے عالم اسلام میں دین مبین کو زندہ اور توانا بنانا آپ کا مشن تھا۔ اس کے لئے ایک عالم گیر نظام کی ضرورت تھی۔ باطنیوں کے دعاۃ تمام عالم اسلام میں پھیلے ہوئے تھے۔ ہر شہر اور ہر علاقہ میں ایک نہ ایک باطنی مقیم تھا۔ ہر ایک داعی باطنیوں کا بظاہر نہایت مقدس زندگی گزارتا تھا۔ لوگوں کی نظر میں خود کو بہت خدا رسیدہ ولی اللہ کی صورت میں پیش کرتا تھا۔ ان لوگوں نے درجہ ولایت کو درجہ نبوت سے بھی زیادہ بلند قرار دے رکھا تھا۔ ان جھوٹ موٹ کے اولیا کا جادو توڑنا ضروری تھا۔ آپ نے ان مدعیان ولایت کا زور توڑنے کے لئے ایک نظام اولیاء الدین ترتیب دیا۔ اقطاب' اوتاد' اولیائے امر اور ابدال کا ایک ادارہ مرتب کیا۔ قطب کے معنی ہیں کھونٹا' بولتے ہیں کہ قطب از جانمی جنبد' آپ نے خود قطب الاقطاب کا عہدہ لیا جو بعد میں چل کر قطب عالم اور قطب اعظم کہا جانے لگا۔ عالم اسلام کے مختلف ممالک و امصار میں آپ نے اقطاب مقرر کئے جو اپنے اپنے مقرر مقام پر مستقل قیام کرتے تھے۔

ان اقطاب کے ماتحت کچھ اور بزرگان دین اوتاد کے رتبہ پر نامزد کئے جاتے تھے جو قطب ولایت کے ماتحت شہروں میں مقیم رہتے تھے۔ وتد کے معنی اور قطب کے لغوی معنی میں زیادہ فرق نہیں۔ اقطاب اقطار کے ماتحت اقطاب بلاد کو اوتاد کہا جاتا تھا۔ ان اوتاد کے ماتحت علاقہ کے مختلف مرکزوں میں مرشدین کے دوائر تھے جو عام لوگوں میں دین برحق کو اپنے اپنے انداز پر پھیلاتے تھے۔

قطب عالم' اقطاب اقطار' اوتاد ولایت' اور دائرہ ہائے مرشدین کے درمیان رابطہ قائم رکھنے کے لئے سیاحوں کی ایک جماعت مرتب کی جس کے افراد ملک ملک پھرتے' قطب عالم کا پیغام اقطاب اقطار تک اور ان کی ہدایتیں' اوتاد اور اولیائے مرشدین تک پہنچاتے تھے۔ ان کو ابدال اس لئے کہا جاتا ہے کہ ایک بدل سے پیغام لے کر دوسرا بدل اسے تیسرے بدل تک پہنچاتا تھا۔ قطب عالم کا کام ماتحت مرشدوں کی دشواریاں سلجھانا' لوگوں کے شکوے شکایتیں اور فریادیں معلوم کر کے ان کو رفع کرنے کی تجویزیں کرنا بھی تھا۔ اس لئے قطب عالم کو غوث اعظم بھی کہا جاتا تھا۔ غوث کے معنی ہیں فریاد' جس طرح ہماری حکومتیں فریاد رسی کے محکمے قائم کرتی ہیں۔ اسی

طرح نظام دین الاولیا بھی باہمی اختلافات طے کرنے اور ایک کے خلاف دوسرے کی شکایتیں رفع کرنے کے لئے ایک نظام استغاثہ تھا۔ اس نظام کا سربراہ اعلیٰ قطب الاقطاب ہوتا تھا۔ اس لئے اسے غوث عالم بھی کہا جاتا تھا۔

اقطاب' اوتاد' ابدال کے الفاظ اب تو صرف مقدس الفاظ بن کر رہ گئے ہیں' یہ نظام اب زندہ اور کارفرما نہیں ہے اس لئے اس نظام کو پوری طرح سمجھنا سمجھانا مشکل ہے لیکن جب تک یہ نظام واقعی زندہ اور کارگزار رہا ایک قطب اعظم ایک مقام پر مقیم رہ کر پورے اسلام کی خبر گیری کرتا تھا۔ یہ نظام غیر شرعی اور مستبدین کی شخصی حکومتوں کے اندر ایک دینی نظام اصلاح و تربیت تھا اور اس طرح چلایا جاتا تھا کہ نظام بادشاہی سے اس نظام کی ٹکر نہ ہو' بادشاہوں اور امرا کی حکومتیں دینی نظام میں خلل انداز نہ ہوں اور نہ دینی نظام کو امرا و حکام ضرر پہنچا سکیں۔ اس نظام کے شرکا خدا پر توکل رکھتے ہوئے فرائض مفوضہ بغیر مزد انجام دیتے تھے۔ ان میں مزدور' تاجر' کسان گھسیارے' لکڑ ہارے وغیرہ معاشرہ کے ہر طبقہ کے لوگ شریک ہوتے تھے رتبہ عالی صالح تر مومن کو ملتا تھا خواہ وہ گھسیارا ہی کیوں نہ ہو۔ پیشہ مسلمانوں میں برتری و کمتری کا سبب کبھی نہیں رہا۔

تاریخ میں ہم کو ایسی نظریں ملیں گی کہ بادشاہوں نے اس نظام کو اپنے لئے خطرہ سمجھا لیکن بالآخر ان کو معلوم ہو گیا کہ (نظام الاولیا) صرف دین و ایمان سلامت رکھنے' مسلمانوں کا اخلاق و کردار درست کرنے' اور دین مبین کو تقویت پہنچانے والے مخلص احباب و رفقاء کی ایک تنظیم ہے حکومتیں اس سے ٹکر لیں تو لیں یہ نظام حکومتوں سے ٹکر نہیں لیتا۔ اکثر ایسا بھی ہوا ہے کہ سلاطین و امرا نے اس نظام کو اپنے فائدے کے لئے استعمال کرنا چاہا لیکن اس میں ان کو ہمیشہ ناکامی ہوئی۔ بادشاہوں میں ایسے لوگ بھی بیدار ہوئے جو اس نظام کے ماتحت مقدس زندگی گزارنے اور دوسروں کی زندگیاں سدھارنے والوں کے ساتھ حسن عقیدت رکھتے تھے۔ بارہا انہوں نے مرشدین کی خدمت میں نذریں پیش کیں مگر ہمیشہ نہیں تو اکثر و بیشتر ان کی نذریں بھی مسترد کر دی گئیں اور اس عذر کے ساتھ کہ نذر کے طور پر پیش کی جانے والی اس دولت کے حصول میں ظلم داخل ہے۔ امرا و سلاطین کی مدد لینے سے تاامکان گریز کیا جاتا تھا۔ مستنجد باللہ بغداد کا وہ خلیفہ تھا جو آپ کے بڑھاپے کا معاصر تھا' آپ کا معتقد تھا۔ آپ تو کبھی کسی خلیفہ' امیر' وزیر' یا سالار لشکر کے پاس نہیں گئے لیکن آپ کی مجلس وعظ میں ہر پایہ کے لوگ آتے تھے' کسی کو اس کے سیاسی عہدہ کی وجہ سے کوئی خاص مقام نہیں دیا جاتا تھا۔ مستنجد باللہ اکثر و بیشتر آپ کی خانقاہ میں حاضری دیتا تھا۔ خلیفہ جب آنے کو ہوتا تو آپ حجرے میں چلے جاتے تھے۔ وہ آکر بیٹھ جاتا تو حجرہ سے باہر آتے اور خلیفہ خود برائے تعظیم اٹھ جاتا تھا۔ ایک مرتبہ اس خوش خلق' نیک سیرت اور مومن خلیفہ نے آپ کی خدمت میں دو توڑے زر کے پیش کئے باصرار نذر قبول کرنے کو کہا۔ آپ نے دونوں کیسوں کو اٹھایا اور فرمایا کہ دیکھو ان کیسوں سے تو خون مظلوم ٹپک رہا ہے اور آپ نے ہدیہ کو مسترد کر دیا۔ ماضی میں صوفیائے کرام نے آپ کی اس روش کو ہمیشہ اپنایا۔ آجکل کے صوفیوں میں اس کی نظیریں مشکل سے ملیں گی۔

سلاطین اور امرا جب آپ کی خدمت میں کچھ نذر پیش کرتے تھے تو آپ مسترد کر دیتے تھے۔ البتہ حلال ذریعہ سے کما کر پیش کرنے والے جب کچھ پیش کرتے تھے تو آپ اپنے لئے تو نہیں اپنے محتاج رفقاء اور دیگر فقراء و مساکین کے لئے قبول کر لیتے تھے' لیکن تاامکان ان سے بھی قبول نہ کرتے تھے۔ ایک شخص نے آپ کے سامنے کچھ رقم حاضر کی اور اس نے کہا کہ اس کو فقرا میں تقسیم کر دیجئے۔ فرمایا یہ کام تم خود انجام دو تو بہتر ہے زیادہ ثواب پاؤ گے۔ اس شخص نے کہا کہ میں فقرائے مستحقین اور غیر مستحقین کی تمیز نہیں کر سکتا۔ فرمایا کہ گمان

غالب اور نیت خالص سے اپنا صدقہ غربا میں تقسیم کر دو' تم کو اخلاص نیت کا ثواب ملے گا۔

آپ سید تھے صدقہ نہیں لے سکتے تھے۔ نذر و نیاز بھی بمشکل قبول کر سکتے تھے کیوں کہ نذر دینے والے کو اس بات کا ثبوت دینا ہوتا تھا کہ کسب حلال کی رقم ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آپ کا ذریعہ معاش کیا تھی؟ آخری عمر میں آپ خوش پوش اور خوش خوراک تھے اور دولت مند معلوم ہوتے تھے۔ واقعہ یہ ہے کہ آپ بعض صالح تاجروں کے بیوپار میں بطور مضاربت شریک تھے۔ روپیہ آپ کا تھا شریک تجارت محنت کرتا تھا' اصلی اور واقعی منافع میں سے کچھ حصہ آپ کا ہوتا تھا۔ کچھ شریک تجارت کا۔ آپ کے شریک تجارت کون کون لوگ تھے اس کے جاننے کے لئے کافی تحقیق درکار ہے۔ آپ کے مریدوں میں کئی بزاز' خباز' سمان' عطار اور دوسرے کاروباری لوگ داخل تھے انہیں کے احوال میں آپ کی معاشی زندگی کی تفصیلات ملیں گی۔

☆☆☆

چوتھی صدی میں بغداد میں جس قدر جزیہ وصول ہوتا تھا اس کی مقدار سے معلوم ہوتا ہے کہ بغداد کی عیسائی آبادی چوتھی صدی میں چالیس پچاس ہزار کے قریب اور یہودی آبادی ڈھائی تین ہزار کے لگ بھگ تھی۔ ظاہر ہے کہ جناب شیخ کے زمانے میں یعنی پانچویں چھٹی صدی میں ان کی تعداد اس سے کافی زیادہ ہو گئی ہوگی۔ ان کے علاوہ زرتشتی بھی تھے۔ پس اگر پانچ سو سے زیادہ غیر مسلموں نے جناب شیخ کے دست حق پرست پر اسلام قبول کیا تو یہ بغداد کی کل غیر مسلم آبادی کا ایک فیصدی سے زیادہ حصہ تھا لیکن قبول اسلام کے لئے آپ کی خدمت میں عیسائی اور علاقوں سے بھی آ جاتے تھے' چنانچہ جناب شیخ کے سیرت نگار شطنوفی نے (بہجتہ ص ۹۶) ایک راوی کا بیان لکھا ہے کہ: شیخ محی الدین عبدالقادرؒ کی مجالس' اسلام لانے والے یہود و نصاریٰ سے' اور رہزنی اور قتل نفس وغیرہ سے توبہ کرنے والوں سے' اور غلط عقیدوں سے باز آنے والوں سے کبھی خالی نہ ہوتی تھیں' ایک دفعہ یمن سے ایک راہب آیا اور آپ کے ہاتھ پر مسلمان ہوا۔ اس کو خواب میں حضرت عیسیٰؑ نے شیخ عبدالقادر الجیلی کے ہاتھ پر ایمان لانے کی ہدایت کی تھی۔ اسی طرح دیار مغرب سے ۱۳ عیسائی آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام آئے جن کو ہاتف نے کہا تھا کہ شیخ عبدالقادر کے پاس جاؤ وہ اپنی برکت سے تمہارے دل میں ایمان اس طرح سے راسخ کر دیں گے کہ اور کوئی نہ کر سکے گا۔

آپ نے اصول اور فروع اور تصوف پر کئی کتابیں لکھیں۔ آپ کی ۵۲ تصنیفات کا حال براکلمن نے دیا ہے۔ ان میں سے کتاب الغنیہ مطالب طریق الحق' فتوح الغیب اور فتح الربانی خاص طور پر مشہور ہیں۔ ان کتابوں میں زیادہ تر آپ کے وعظوں اور خطبوں کو جمع کیا گیا ہے۔ غنیہ میں چند مجالس میں آداب شرعیہ یعنی فرائض و سنن اور ہیات (علماء و مشائخ) اور معرفت پروردگار اور قرآن و حدیث سے پند گیری اور اخلاق صالحین کا ذکر ہے۔ کتاب میں ایک فصل ہے جس میں تہتر اسلامی فرقوں کا حال بھی دیا ہے اور صوفیوں اور صوفیوں کے آداب کا بھی ذکر کیا ہے۔ فتوح الغیب میں مختلف مضامین کے ۷۸ مقالے ہیں جن کو جناب شیخ کے لڑکے ابو عبدالرحمٰن عیسیٰ نے جمع کیا۔ اس کے آخر میں ایک تکملہ ہے جس میں آپ کی وفات کا حال اور وصایا درج ہیں' الفتح ربانی میں باسٹھ وعظ جمع کئے گئے ہیں' جو آپ نے ۵۴۵ھ (۱۱۵۱ء) اور ۵۴۶ھ (۱۱۵۲ء) میں اپنے مدرسے یا رباط صوفیہ میں دیئے۔ اس کتاب سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ سیدھے سادھے الفاظ میں وعظ فرماتے تھے اور صاف اور عام فہم زبان میں دین کی تعلیم دیتے تھے۔ بیان فصیح ہے مگر تکلف اور آورد سے خالی اور جدیت' جوش اور حقانیت سے معمور اور خلوص اور بنی نوع کی خیر خواہی کے جذبات سے لبریز' یہ تینوں کتابیں چھپ چکی ہیں۔ (مولوی محمد شفیع)

ایوبی سے غوری تک
شیخ کی فتوحات

محمود فاروقی

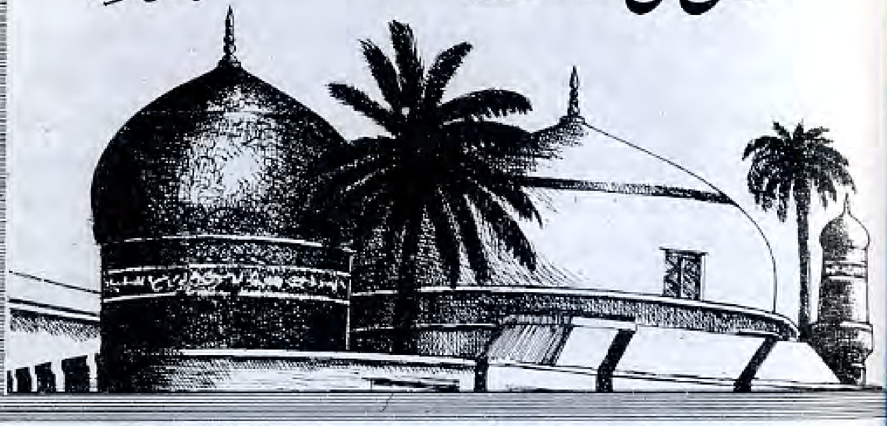

مسلمانوں کی تاریخ میں چھٹی صدی ہجری بڑی کٹھن اور نہایت پر آشوب صدی گزری ہے۔ اس وقت عالم اسلام نہ صرف سیاسی انتشار کی زد میں تھا۔ بلکہ بہت بڑے فکری و عملی بحران سے گزر رہا تھا۔ بغداد کی سیاسی مرکزیت روز بروز کمزور ہوتی جارہی تھی سیاسی انتشار اور طوائف الملوکی نے عالم اسلام کے حصے بخرے کر دیئے تھے۔ جگہ جگہ چھوٹی چھوٹی ریاستیں خود مختار بن بیٹھی تھیں۔ ترکستان سے ایران تک کوئی چھ سات بادشاہتیں قائم ہو گئی تھیں۔ بغداد' دیلمی' سامانی' سلجوقی اور غزنی کی بادشاہتوں کے درمیان گھرا ہوا تھا اور یہ سب حکومتیں آپس میں دست و گریباں رہتی تھیں۔ ایک طرف خوارزم شاہی تھی اس کے نیچے سامانی اور صفاوی ریاستیں تھیں۔ یمن میں خود مختار قبائل نے تسلط جما لیا تھا' شام تک مصر کے فاطمی حکمرانوں کی عملداری رہتی تھی۔ سرزمین حجاز کبھی فاطمیوں کے اور کبھی عباسیوں کے آخری خلفاء کے دست نگر رہتی تھی۔ ہندوستان میں خلجی ترکوں اور خاندان غلاماں کا دور دورہ تھا۔ پھر سب سے بڑی مصیبت وسط ایشیا کے حملہ آور تاتاری تھے۔ اسلامی سلطنت متعدد سرحدوں میں منقطع ہو گئی تھی۔ اس سیاسی بحران سے فائدہ اٹھا کر شمالی مغرب کی سرحدوں پر رومی اور عیسائی حکمران صلیبی جنگ کے لئے فوجیں جمع کرنے لگ گئے تھے۔

سیاسی مرکزیت کے اس طرح پارہ پارہ ہو جانے سے عالم اسلام' جہاں ہر طرف افراتفری مچی ہوئی تھی ایک متحد اور مرعوب کن طاقت نہیں رہا تھا۔ اس صورت حال کا لوگوں کی اخلاقی حالت پر بھی بہت برا اثر پڑ رہا تھا۔ خود غرضی' مکر و فریب' حرص و طمع' بزدلی اور خوشامد اور اس جیسے ہزاروں عیب وبا کی صورت میں پھیلتے جارہے تھے۔ اقتدار پرستی نت نئی سازشوں کو جنم دے رہی تھی۔ لوگوں کی وفاداریاں مشکوک ہو گئی تھیں۔ کوئی مرکزی

خیال اور مشترک نصب العین نہیں رہا تھا۔ مقاصد کی جگہ مفادات نے لے لی تھی۔ ذرا ذرا سے فائدے کے لئے لوگ دین و ایمان تک کو بازی پر لگا دینے سے عار نہیں کرتے تھے۔ جان و مال عزت و آبرو کے تحفظ کا اعتماد و یقین باقی نہیں رہا تھا' جرائم پیشہ اور قانون شکن گروہ ہر طرف یلغار کرتے پھرتے تھے۔ قانون کے ہاتھ اتنے قوی نہیں رہے تھے کہ ان کی باگیں تھام لیتا۔ قدرتی طور پر راستے پرامن نہیں رہے تھے۔

اس عام بدامنی کا بہت برا اثر علوم و فنون پر پڑا۔ راستوں کی بدامنی کے سبب جب طالبان علم کی آمد و رفت مسدود ہو گئی تو علوم و فنون کی ترقی بھی رک گئی۔ مشاہدہ اور تجربہ سے محرومی کے بعد علم صرف "پڑھنے" تک محدود ہو گیا "سیکھنے" اور برتنے' سے اس کا کوئی تعلق نہیں رہا تھا۔ درس گاہوں میں علم متحرک نہیں رہا تھا' منجمد ہو کر رہ گیا تھا۔ موضوعات و مضامین زندگی کے مسائل سے دور جا پڑے تھے۔ کتاب و سنت کے محکمات کی جگہ دور از کار فلسفوں' علمی موشگافیوں اور مناظرانہ کج بحثیوں نے لے لی تھی اور اس کا خطرناک ترین نتیجہ یہ نکلا تھا کہ عالم اسلام میں وحدت فکر باقی نہیں رہی تھی۔ معتزلہ و اشاعرہ کے مکاتب فکر اور اشراقی و باطنی رموز و تصورات نے اسلام کی بنیادی تعلیمات کو نظروں سے اوجھل کر دیا تھا اور ملت اسلامیہ یقین و عمل کی قوت سے محروم شکوک و شبہات میں الجھ کر رہ گئی تھی۔ غرض اہل علم دور از کار علمی بحثوں اور مناظروں میں الجھے ہوئے تھے۔ امراء و سلاطین ملک گیری کی ہوس اور فسق و فجور میں مبتلا تھے۔ عوام الناس دنیا داری اور حرص و ہوس میں آلودہ ظلم و ستم کا شکار بنے ہوئے تھے۔

اس علمی و اخلاقی اور سیاسی و سماجی انتشار میں ان بزرگان دین نے بڑا کام کیا جو ان تمام آلودگیوں سے اپنا دامن بچائے ہوئے لوگوں کے جذبہ ایمانی کو نکھارنے' ان میں اللہ کے خوف و محبت کو دل نشیں کرنے کے لئے اٹھے تھے۔ ان بزرگوں نے مرض کا اصلی سبب بجا طور پر ضعف ایمانی کو قرار دیا تھا۔ اس لئے ہر طرف سے یکسو ہو کر انہوں نے اپنی ساری توجہات عوام و حکمران افراد کے جذبہ ایمانی کو ابھارنے اور ان کے اندر نیکیوں اور بھلائیوں کی لگن پیدا کرنے پر لگا دی تھیں۔ ان کا موضوع "تعلق باللہ" تھا اور وہ بندوں کو اپنے رب سے جوڑنے کے لئے تعلیم و تربیت کے نفسیاتی طریقوں سے کام لیتے تھے۔ ان کا سب سے بڑا ایثار یہی تھا کہ انہوں نے دنیا کی ساری لذتوں اور حوصلہ آزمائی کے تمام میدانوں کو چھوڑ کر اپنے آپ کو ایک بے لوث خدمت کے لئے وقف کر دیا تھا۔ وہ اس بات کو بخوبی سمجھ گئے تھے کہ انسانی قلب اگر صحت مند ہو جائے تو ہزار در ہزار معاشرتی خرابیوں' سیاسی الجھنوں اور انفرادی و اجتماعی برائیوں کے باوجود اسلام کی روح گمراہی و ضلالت' فسق و فجور اور کفر و شرک کی دستبرد سے محفوظ رہ جاتی ہے اور پھر بتدریج خیر و اصلاح کی راہیں از خود نکلتی چلی جاتی ہیں۔ ان کی جدوجہد کا ماحصل یہی تھا کہ جو کچھ رہ گیا ہے اسے محفوظ کر لیا جائے' اور اسے منظم' متحد و موثر کر کے بڑھتے ہوئے سیلابوں اور اٹھتے ہوئے طوفانوں کا مقابلہ کیا جائے۔ ان کی تمثیل ایک ایسے کردار کی ہے جو طوفانی سمندر میں ایک جزیرہ پر قدم جمائے کھڑا ہے اور ڈوبنے والوں کو ہاتھ پکڑ پکڑ کر کھینچ رہا ہے۔

یہ وہ اصل غرض و غایت تھی جس کے لئے انہوں نے اسلامی ملکوں میں تزکیہ نفس اور اصلاح باطن کی ایک زبردست تحریک پیدا کر دی اور اپنے متبعین کے سلسلے دور دراز تک قائم کر دیئے۔ ان کے طریقہ کار کا بنیادی اصول خواص سے پہلو تہی اور عوام سے ربط و ضبط تھا۔ اس وقت جو لوگ طبقہ خواص میں شمار ہوتے تھے وہ حکمران ہوں کہ امراء بہ استثنائے چند عام طور پر دنیا پرستی میں اس طرح غرق تھے کہ ان کو ان کے "شغل" سے

چھڑا کر راہ راست پر لے آنا طول عمل' دوسرے یہ سارے خواص باوجود اپنے اقتدار کے اس ہمہ گیر سیاسی انتشار میں اس طرح بے بنیاد اور مردود ہو چکے تھے' جیسے سیلاب میں حقیر تنکے۔ ان کے تمول و اقتدار کو ثبات و قرار نہ تھا نہ ان کی سیادت و فرماں روائی میں استحکام تھا۔ اس لئے یہ ضروری معلوم ہو رہا تھا کہ عوام کے طبقوں میں کام کر کے دین و ایمان سے ان کی وابستگی کو کمزور ہونے نہ دیا جائے اور اسلام سے ان کے جذباتی تعلق کو مستحکم و پائیدار کر دیا جائے۔ یہ وہ اہم ترین خدمت تھی جو اس عالم آشوب میں ان خدا رسیدہ بزرگان نے انجام دی اور ان ہی کاوشوں کے نتیجہ میں چراغ مصطفوی صدیوں تک اٹھنے والے سیاسی طوفان اور جھگڑوں میں برابر جلتا رہا۔ اگرچہ بعد میں آنے والے ان کے جانشینوں نے ان کے اس ذمہ دارانہ عمل کو بے جان رسم و رواج میں تبدیل کر دیا۔ تاہم ان کے فیوض و برکات عرصہ دراز تک وابستگان اسلام کے لئے تقویت ایمان کا سبب بنے رہے۔

جب ہم تحفظ ایمان اور اصلاح نفس کی اس تحریک کے سرچشمہ کی تلاش میں نکلتے ہیں تو ہم لازماً" ایک ہی شخص کے آستانے پر جا کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ وہ مرد درویش جو ظلمت کدہ میں اسوۂ رسولؐ کا چراغ جلائے بیٹھا تھا شیخ عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ تھے۔ ہم نے اوپر جن پریشان کن احوال کا نقشہ کھینچا ہے ان کا محیط پانچویں صدی کے نصف آخر سے ساتویں صدی تک پھیلا ہوا ہے اور شیخ عبدالقادرؒ جیلانی ہم کو اس دور فتن کے سرے پر کھڑے ہوئے نظر آتے ہیں۔ جن کی نظر تغیر و انقلاب کی تاریخ پر ہے وہ اس سنت الٰہی سے خوب واقف ہیں کہ اللہ تعالیٰ بندگان خدا کی رشد و ہدایت کے لئے ہر دور کے سرے پر کسی ہادی و رہنما کو ضرور متعین فرماتا ہے جو آنے والے طوفان سے لوگوں کو خبردار کرتا اور ان کو راہ راست کی تلقین کرتا ہے۔ چنانچہ جتنے انبیاء و رسل آئے ہیں وہ ایک نئے دور کے سرے پر کھڑے ہوئے نظر آتے ہیں۔ خاتم رسل محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہدایت و اصلاح کی یہ ذمہ داری اصحاب و اولیاء پر عائد ہوئی کہ وہ ملت کی رہنمائی و نگہبانی کا فرض انجام دیں چنانچہ شیخ محترم بھی ایک پر آشوب دور فتن کے آغاز پر بغداد میں صدائے حق بلند کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔

آپ کا عہد پانچویں اور چھٹی صدی ہجری کا درمیانی عرصہ ہے۔ حصول علم کے بعد شیخؒ کسی دربار سے وابستہ نہیں ہوئے جیسا کہ اس وقت کے اہل علم کا وطیرہ تھا' بلکہ وہ رشد و ہدایت کا بوریا بچھا کر بیٹھ گئے۔ آپ کی تعلیمات کا مطالعہ کرنے پر یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ آپ نے اپنے استدلال کی بنیاد مروجہ فلسفیانہ اور فقیہانہ طرز سے ہٹ کر حدیث اور قرآن پر رکھی اور اپنا پورا زور اس پر صرف کر دیا کہ لوگوں میں اسلام کے لئے عمل کرنے اور قربانی دینے کا جذبہ بیدار ہو جائے۔ امراء و سلاطین کو آپ نے ملک گیری کی ہوس سے بچنے کی تلقین کی۔ عوام کو دنیاداری اور حرص و طمع سے دامن بچانے کی ہدایت کی۔ علماء و زہاد کو کبر و ریا سے دور رہنے کی نصیحت فرمائی مگر آپ کے مواعظ اور افادات میں ترک دنیا نہیں بلکہ اصلاح دنیا کا تقاضا صاف نظر آتا ہے۔ اگرچہ یہ اصلاح دنیا کے لئے نہیں بلکہ آخرت کے لئے مطلوب ہے۔ آپ کی تعلیم کو مختصراً" ایک فقرہ میں یوں کہا جا سکتا ہے۔

"ایک اچھی دنیا ایک اچھی آخرت کے لیے"

آپ کی تعلیم نے از سر نو لوگوں کو قرآن اور حدیث کی طرف مائل کر دیا اور ساتھ ہی ساتھ ان میں جدوجہد و عمل کا جذبہ بیدار ہوتا چلا گیا اور جہاد کی اسپرٹ پیدا ہو گئی۔

اس فقرہ میں عمل و جہاد کا یہ ذکر رسمی طور پر نہیں آیا ہے بلکہ یہ اپنی پوری تاریخی اہمیت کے ساتھ درج کیا گیا ہے۔ یہ محض ایک اتفاق نہیں ہے کہ شیخ عبدالقادرؒ جیلانی کی وفات کے چند ہی سال بعد پورا عالم اسلام صلیبی یلغار کے مقابلہ میں سینہ سپر ہو کر کھڑا ہو گیا۔

شیخ جیلانیؒ کی وفات ۵۶۱ھ میں ہوتی ہے اور عالم اسلام پر عیسائی بادشاہوں کی یلغار کا آغاز ۵۷۷ھ میں ہو چکا تھا اور شیخ رحمتہ اللہ علیہ کے وصال کے تین چار سال بعد ہی سلطان صلاح الدین ایوبی نے ۵۶۴ھ میں صلیبی محاذ کو شکست دیدی تھی۔ اس کے ۲۵، ۳۰ سال بعد شاب الدین غوری ہم کو بت کدۂ ہند میں فاتحانہ پیشقدمی کرتا ہوا نظر آتا ہے۔

شاب الدین کا یہ جہاد خواجہ معین الدین چشتیؒ کے ایما پر ہوا تھا اور خواجہ اجمیریؒ شیخ عبدالقادر جیلانی کے آخری عہد میں بغداد پہنچے تھے اور وہیں سے لوٹ کر آپ نے ہندوستان کا سفر کیا تھا۔

اس طرح یہ کہنا بے جا نہ ہو گا کہ عالم اسلام کو صلیبیوں، نصرانیوں کے غلبہ سے محفوظ رکھنے اور ہندوستان میں اسلام کا چراغ روشن کرنے میں شیخ عبدالقادرؒ جیلانی کی تحریک اصلاح و جہاد ہی کام کر رہی تھی۔

داعیان حق کے لئے ہدایت

جب آپ کسی خادم یا مرید کو داعی حق مقرر فرما کر کسی خاص علاقہ کی جانب روانہ کرتے تو اس کو یہ ہدایت کرتے۔

۱۔ حکام اور امراء کی ملازمت نہ کرنا۔
۲۔ کسی امیر سے وظیفہ قبول نہ کرنا۔
۳۔ ہر کام میں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کو پیش نظر رکھنا۔
۴۔ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کا دامن مضبوطی سے پکڑنا۔
۵۔ شریعت کی حدود سے کبھی تجاوز نہ کرنا۔
۶۔ سادہ زندگی کو اپنا شعار بنانا۔
۷۔ غرور و تکبر کے نزدیک نہ پھٹکنا۔
۸۔ تبلیغ حق میں کسی مصیبت یا رکاوٹ سے دل برداشتہ نہ ہونا۔
۹۔ وقت کی پابندی کرنا۔
۱۰۔ غیر مسلموں سے رواداری کا برتاؤ کرنا۔
۱۱۔ دنیاوی عزت اور نمود و نمائش سے پرہیز کرنا۔

علم چھلکا ہے اور عمل گودا، چھلکے کی حفاظت اس لئے کرتے ہیں کہ مغز محفوظ رہے، مغز کی حفاظت اس لئے کرتے ہیں تاکہ اس میں سے تیل نکل سکے۔ اگر چھلکے میں مغز نہ ہو تو کس کام؟ اور اگر مغز میں تیل نہ ہو تو اس کو کیا کریں، علم کیا اگر اس پر عمل نہ ہوا؟ اس کو حفظ کرنا اور اس کا مطالعہ بغیر عمل کے کیا فائدہ دے گا۔ اگر دنیا اور آخرت کی بھلائی چاہتے ہو تو اپنے اور لوگوں کے علم پر عمل کرو۔

بفیضِ شاہِ جیلانی
ذرّے کو خورشید کی تابانی

جسٹس محبوب مُرشد

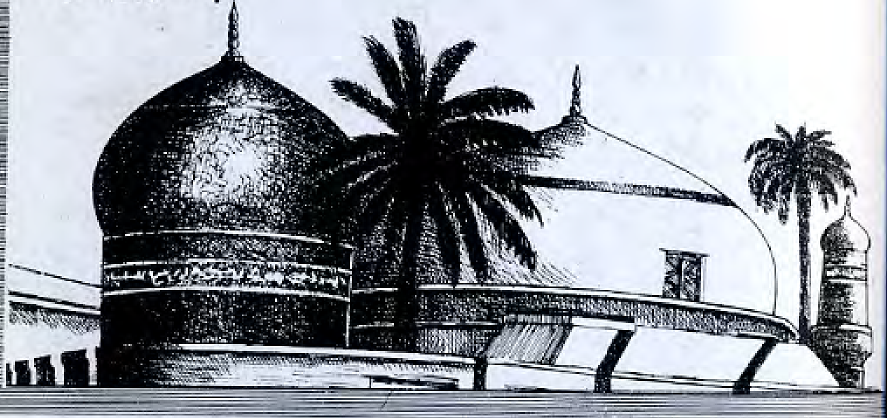

حقیقت تو یہ ہے کہ حضور غوث اعظم و شیخ عالم (علیہ وعلیٰ جدہ الصلوٰۃ والسلام) کے سوانح حیات و سیرت و کردار، شخصیت عظمیٰ، علم و عرفان، فیوض و برکات، مرتبہ و درجات، خصائل حمیدہ، شمائل پسندیدہ، تصرفات و عنایات جلیلہ تو ساری دنیا اور خصوصاً عالم اسلام پر روشن ہیں۔ مگر ان کے لاہوتی حالات جو کہ اصلی اور حقیقی حالات ہیں کون بیان کر سکتا ہے۔

چونکہ اس کمترین بندہ کو ایک ایسے خانوادہ سے نسبت ہے جس کا ہر فرد غلام ازلی بارگاہ جیلانی و غوث صمدانی ہے اس لئے فقط حضرت کاشف سر عرفانی غوث یزدانی کے ظاہری حالات کو مختصراً بیان کرنے کو غنیمت سمجھا۔ داور حقیقی سے یہ التجا ہے کہ۔

یک دہن خواہم بہ پہنائے فلک
تاگویم وصف آن رشک ملک

احقر کے پیر و مرشد کے شیخ معظم مشفق مکرم والد محترم جو چراغ نور فشان خاندان قادری اور بہ نفس نفیس خود غوث زمان و قطب جہاں کے القاب سے معروف رہے ہیں اپنے دیوان روشن بیان میں کیا خوب فرمایا ہے۔

نبوت ہے حقیقت میں ولایت ہو تو ایسی ہو
بعینہ معجزہ ہے یہ کرامت ہو تو ایسی ہو
قضا محو رضا ان کے قدر ہے تابع فرمان
مقدر ایک چاکر ہے حکومت ہو تو ایسی ہو

پھر فرماتے ہیں اور اللہ اللہ کیا معجز بیانی ہے۔

فیوض غوث سے جو مشرق و مغرب کا والی ہے
کوئی قطب جنوبی ہے کوئی قطب شمالی ہے
ازل سے وہ جمال پاک حسن لا یزالی ہے
جلال حسن محبوب خدا شان جلالی ہے
سبوئے دل مئے الفت سے پر ہے لاابالی ہے
تہید ستون کی صورت گو عمل سے ہاتھ خالی ہے
جبیں ساہو کے شہ کے پاؤں پر، سر عرش تک پہنچا
مری تدبیر بھی اللہ کیا تقدیر والی ہے
اگر شمع مزار انوار حضرت ہے کا نوری
تو فانوس مصفیٰ آپ کے روضہ کی جالی ہے
صفات و ذات حق کی جامع انکی ذات عالی ہے
وہی نور جمالی ہے وہی نار جلالی ہے
مثال اسم اعظم نام حق وہ اسم عالی ہے
وہی اسم جمالی ہے وہی ختم جمالی ہے
عظیم المنزلت وہ اولیاء و اتقیاء میں ہیں
مقام ان کا مقامی فوقکم مازال عالی ہے
ولایت غوث قادرؒ کی وہی ہے جو علیؓ کی تھی
نبوت کی شبیہ اللہ نے سانچے میں ڈالی ہے
امام آخری وہ ازل سے صورت مہدیؑ
کہ فرزند امام اولین ذی المعالی ہے
قدمی فی اولیاء اللہ مثل کے وہ شایاں، ہیں
کہ وہ ابن علی ہیں اور ان کو زیبا بے مثالی ہے
حبیب حق کے ہیں محبوبؒ ہیں محبوب پاک ان میں
حسینیؓ حسن و خوبی ہے حسنؓ کی خوش جمالی ہے
بنا ہوں زندہ جاوید مرکر اس مسیحا پر
لحد میں بھی ہے لاشہ تازہ چہرے پر بحالی ہے
رہیں گے قادر یہ حشر تک قادر دو عالم پر
کہ فضل قادر مطلق سے قدر لایزالی ہے
مریدی لاتخف اللہ ربی سنکر اے عاصی
رجائے مغفرت پر دل نذر ہے لاابالی ہے

جس قدر اہتمام علمائے اسلام نے حضور غوث اعظم سرکار دو عالم کی سیرت شریفہ کے لکھنے میں کیا ہے وہ عدیم المثال اور بے نظیر ہے اور مورخین اسلام نے کثرت سے آپ کا تذکرہ اس صدق دل سے کیا ہے کہ بیان نہیں

ہو سکتا۔

علامہ ابن جوزی جو پہلے منکر تھے تائب ہونے کے بعد حضور کو "پیشوا" "شیخ الاسلام" "اولیا میں سب سے سربلند" "اصفیا کے سرتاج" کے القاب سے یاد کیا ہے۔

حافظ زین الدین المشہور بہ ابن رجب اپنے طبقات میں لکھتے ہیں:۔

"شیخ زماں" "پیشوائے خدا شناسان" "سلطان پیران" "سردار اہل طریقت' وغیرہ وغیرہ۔"

"تاریخ اسلام" یوں سلسلہ جنبان حقیقت ہے:۔

"آپ امام زماں و پیر پیران ہیں۔ علم و عمل میں آپ سب کے سردار تھے۔ کرامات بروایت متواتر ثابت ہیں۔ اس میں کسی کو اختلاف نہیں ہے۔"

امام حافظ ابو عبداللہ محمد بن یوسف اپنی کتاب مشیخۃ البغدادیہ میں فرماتے ہیں:۔

آپ دین اسلام کے ایک رکن ہیں۔ خواص و عوام کو آپ کی ذات سے نفع حاصل ہوا۔ آپ مستجاب الدعوات ہیں یاد الٰہی میں ہمیشہ مستغرق رہا کرتے ہیں۔ آپ کا قدم استوار ہے------"

حافظ عماد الدین ابن کثیر اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں:۔

حضرت محی السنۃ والدین عبدالقادر ابن ابی صالح جیلی (علیہ السلام) حدیث و فقہ و علوم حقائق میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ خلفاء و سلاطین اور سارے خاص و عام کو علانیہ بر سر منبر ممنوعات سے باز رہنے کا حکم فرماتے تھے۔ آپ کا زہد بہت بڑھا ہوا تھا۔ خوارق عادات و کرامات و مکاشفات کثرت سے ظہور میں آئے۔ بہ ہمہ وجوہ آپ مشائخ کبار کے سردار تھے------"

امام ابو عبداللہ لکھتے ہیں:۔

"آپ شیخ الاسلام اور تمام اولیا کے سلطان ہیں۔ آپ اپنے کل اقران سے فوقیت لے گئے۔ درس و تدریس کے صدر نشین ہوئے۔ طریقہ صلحاء کی بڑی جماعت نے اپنی نسبت آپ کی طرف کی ہے۔ آپ کی تصانیف بے شمار ہیں۔ جن میں "غنیۃ الطالبین اور "فتوح الغیب" بے عیب ہے وغیرہ وغیرہ۔"

اسی طرح "تاریخ العبر" اور "تاریخ سمعانی" وغیرہ اور کل معتبر تواریخ میں آپ کا تذکرہ اوصاف جلیلہ نہایت توقیر و تعظیم کے ساتھ مذکور ہے۔ مندرجہ بالا کی عبارت عربی میں ہے۔ احقر نے اردو میں درج کیا ہے۔

مقرران صافی گفتار و راویان صدق شعار نے بیان فرمایا ہے کہ سلسلہ پدری حضور غوثیت مآب کا حضرت حسنؓ مجتبیٰ علیہ السلام سے منسوب ہے اور واسطہ مادری اس آفتاب سپہر ولایت کا پہنچتا ہے، حضرت حسینؓ شہید کربلا علیہ السلام تک۔ اس لئے حضور کو نجیب الطرفین سید حسنیؓ و حسینیؓ کہتے ہیں۔

از سوئے پدر تا بہ حسنؓ سلسلہ اوست
از جانب مادر، در دریائے حسینؓ است

آپ کے والد ماجد کا اسم گرامی سید نور الدین ابو صالح موسیٰ تھا اور جنگی دوست کے لقب سے مشہور تھے۔ قطب زمان تھے۔ والدہ ماجدہ حضرت ام الخیر فاطمہؒ ثانی کے مقدس القاب و نام نامی سے مشرف ہوئیں۔ اور جب تک وہ ماہتاب برج خوبی آفتاب چرخ محبوبی رونق افروز بطن مادر اطہر رہے کرامات و فرق عادات ایام موعود تک ظاہر ہوتے رہے۔ یہاں تک کہ شب ولادت باسعادت آئی۔ شب غرہ رمضان المبارک ۴۷۵ ہجری قدسی کو ماہتاب غوثیت نے شبستان جہان کو منور کیا اور خارستان زمین و زمان کو رشک گلستان بنایا۔ یعنی وہ وارث رسولؐ اللہ فرزند اسد اللہ المرتضیٰ، نور دیدہ فاطمہ الزہرا، حضرت محبوب سبحانی قطب ربانی معشوق یزدانی گیارھویں

پشت حضرت امامین مکرمین رضی اللہ عنہما سے باصد ہزار خیر و برکت کے بصیرت افروز جہاں ہوئے۔ جیلان میں ولادت ہوئی اور بغداد معلی مسکن و مدفن ہوا۔

ریاض الحیات میں منقول ہے کہ حضرت کے والدین مکرمین کو الہام ہوا کہ اسم مبارک اس موعود مسعود کا عبدالقادر (رضی اللہ عنہ) رکھا جائے۔ اصطلاح فقرا میں یہ ایک مرتبہ عالی مقام کا نام ہے جسے قدرت احیا و اماتت سے نسبت ہے اور یہ مقام کمال مرتبہ اہل ولایت و سالکان طریقت کا ہے۔ یہ دلبند رحمۃ اللعلمین فرزند سید المرسلینؐ وقت ولادت شریف سے رتبہ عالی سے فائز ہوئے اور خدا جانے کس کس مقام پر تشریف لے گئے اور کیا کیا مرتبہ حاصل کیا۔

عالم میں جو وہ مہر تجلا نظر آیا
ہر ذرہ مثال ید بیضا نظر آیا
دیکھا تھا پیمبرؐ نے جسے عرش بریں پر
جیلان میں اس ماہ کا جلوہ نظر آیا
موسیٰ ہوئے تھے دیکھ کے پردے میں جسے غش
ظاہر میں وہی آج تماشا نظر آیا

شیخ ابو محمد انصاری سے منقول ہے کہ عوام کے چشم ظاہر بین میں حلیہ شریفہ حضرت غوث الثقلین یہ تھا۔ نازک جسم، میانہ قد، سینہ وسیع، پیشانی کشادہ، ریش مبارک گھنی، گندمی رنگ، بھویں ملی ہوئی، گویا تصویر سرکار جناب رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔

اے رونق بزم اصطفائی
اے یوسف مصر دلربائی
اے شمع حریم مصطفائی
در حسن تو از ہمہ جدائی

مناقب غوثیہ میں حضرت شیخ شہاب الدین، رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

وقت ولادت شریف قدرت غیب سے عجیب و غریب کرامات اس پاک ذات سے ہویدا ہوئے۔ اس قدر کرامات آپ سے وقوع میں آئیں کہ زبان قاصر ہے مقصود صرف یہی تھا کہ تربیت خلق اللہ ہو اور دستگیری بندگان مد نظر تھی۔ ورنہ اولیاء کرام کے نزدیک خوارق عادات کی کچھ اہمیت نہیں ہے۔ حضرت ابو سعید بن ابی بکرالحریمی کا بیان ہے کہ آپ کی کرامات گویا ایک گراں قدر ہار ہے جس میں جواہرات بیکراں یکے بعد دیگرے پروئے ہوئے ہیں۔

میرے مرشد برحق پیر و دستگیر، جگر گوشہ و فرزند دلبند جناب غوثیت ماب حضرت سیدنا و مولانا و امامنا سید شاہ ارشاد علی القادری الجیلانی البغدادی علیہ السلام نے منقبت میں کیا خوب فرمایا ہے۔

تکیہ مکن بزہد و صلوٰۃ صیام خود
امید وار رحمت مالک تمام باش
صیقل پئے قلوب سیہ شغل برزخ است
در شغل یاد مرشد عالی مقام باش

اس بندہ ناچیز کے پیرو مرشد جن کا ذکر اوپر آچکا ہے تصویر مصطفیؐ تنویر مرتضیٰ شبیہ محبوب خدا غوث معلیٰ تھے اور کیوں نہ ہوتے جگر بند رسولؐ دلبند بتول و فرزند غوث مقبول علیہ الصلوۃ الربانیہ تھے۔ امید قوی ہے کہ انشاء اللہ آئندہ کسی اور موقعہ پر ان کا تذکرہ قلمبند کیا جائے گا۔ حضور غوث اعظم کی شان میں فرماتے ہیں۔

ہے نام پیر دل میں مرے نقش کا لحجر
ممکن نہیں کہ بھولوں میں اس پاک نام کو
دل میں مئے محبت مرشد کا ہے سرور
دل جانتا ہے لذت شرب مدام کو
بگڑیں نہ اہل شرع جو تعظیم کو جھکوں
سمجھیں نہ کفر و شرک وہ اس احترام کو
تقبیل آستانہ سے تسکین ہوتی ہے
عشاق دل سے کرتے ہیں اس احترام کو
ڈوبے ہیں گو گناہوں میں ہم سر سے پاؤں تک
لیکن شفیع رکھتے ہیں پیرانام کو

پھر فرماتے ہیں۔

نور چشمے سید کل اولیا ہیں میرے پیر
دلبر شاہ سریر لافتی ہیں میرے پیر
جن کے انوار تجلی سے منور ہے جہاں
ہاں اسی مہر رسالت کی ضیاء ہیں میرے پیر

ارشاد ہوتا ہے۔

حد سے افزوں ہے تمنائے جناب مرشد
دیدہ شوق ہے جو یائے جناب مرشد
اک نظر ساقی مینائے وصال مرشد
ہو عطا ساغر صہبائے جناب مرشد

اللہ اللہ اب میرے مرشد والا تبار کے وصال شریف کو ۱۳ سال کا عرصہ گزر چکا ہے اور مزار پر انوار چشمہ گہر بار ہے۔ حضور غوث اعظم کا خاص فیض ہے۔ حرم شریف اور خاندان منیف کا ہر فرد پیر طریقت اور سالک رشد و ہدایت ہوتا ہے۔ پیرو مرشد کے وصال شریف کی بعد بذریعہ وصیت نامہ آپ کے فرزند دلبند میرے آقا و آقا زادہ، مولیٰ و مولیٰ زادہ حضرت سیدنا و مولانا السید شاہ رشید علی القادری البغدادی مسند طریقت اور جادہ معرفت پر رونق افروز ہوئے۔ سبحان اللہ سرچشمہ فیض متواتر جاری ہے اور میرا عقیدہ ہے کہ تا ابد جاری رہے گا۔ خود حضور غوث اعظم نے بہ ایمائے خداوندی فرمایا۔

افلت شموس الاولین و شمسنا
ابدا" اعلی افق العلی لا تغرب

مرشد زادہ برگزیدہ نے صغر سنی ہی میں بے مثال اور لاجواب غزلیں منقبت غوثیہ میں کہی ہیں جن میں سے چند

اشعار پیش نظر کرتا ہوں- کیا کلام ہے- سبحان اللہ' سبحان اللہ' اس آشنائے بحر معانی اور رمز شناس سر عرفانی کی سخن سنجی اور شیریں مقالی میں کیا جادو ہے- اعجاز ہے' سحر ہے یا گہر ہے-
فرماتے ہیں۔

گیسوئے مقدر کو چوکھٹ تری شانہ ہے
اس در پہ جبیں سائی تقدیر بناتا ہے
ظلمت میں پڑے ہیں جو' نور انکو دکھاتا ہے
یا غوث کے نعروں سے دنیا کو جگاتا ہے
سجدہ میں تجلی کا پہ تو نظر آتا ہے
خاک در جاناں بھی کیا' آئینہ خانا ہے
کر ناصیہ فرسائی اتنی کہ لہو ٹپکے
بگڑی ہوئی قسمت کو گھس گھس کے بناتا ہے
اے بندہ زرتم تو دولت کے نشے میں ہو
احوال غلامان جیلاں نہیں جاتا ہے
طوفان حوادث سے لرزاں ہو شرر آسا
اکرام کے دریا کو اب موج میں آتا ہے
گرداب معیبت میں بے طرح پھنسی کشتی
یا غوث ترانا ہے ساحل سے لگاتا ہے
اے مہر کرم آکر ہو نور فشاں مجھ پر
ہر ذرہ ہستی کو خورشید بناتا ہے
اس عشق و محبت کی تاثیر خدا رکھے
جینے کا وسیلہ ہے مرنے کا بہانا ہے

یہ بندہ ناچیز غلام ازلی بارگاہ لایزالی ہے- گاہے گاہے بطور خراج عقیدت خامہ فرسائی کرتا ہے- عین جوانی میں جو اشعار کہے تھے ان میں سے چند سطریں اوراق پریشاں سے ازراہ عجز و نیاز درج کرتا ہوں۔

ازیاد توائے دلربا بایم پیام آشنا
اے روئے تو بدرالدجی صل علیٰ مولائے ما
غوث ھدیٰ پیر ھدیٰ اے والیٔ مشکل کشا
اے دستگیر باعطا صل علیٰ مولائے ما
ورد زباں اسم شما روح درواں اسم شما
اے نام تو قرآں' ماصلی علیٰ مولائے ما
اقدام تو قبلہ نما اکرام تو معجز نما
ہادی دین رہ نما صل علیٰ مولائے ما
کعبہ بود جائے شما قبلہ بود پائے شما
ہست این نماز ماشما صل علیٰ مولائے ما

وا نائے سر کبریا حامی دین مجتبیٰؐ
اے ہادی راہ ھدیٰ صل علیٰ مولائے ما
اے لالہ رخ اے مہ لقا اے دلبر رنگین ادا
محبوب عالم دلربا صل علیٰ مولائے ما
محبوب مسکین و گدا افتادہ در شہر شما

اے ہادی مشکل کشا صل علیٰ مولائے ما

مذکورہ بالا کا مقصد یہ ہے کہ میں عرض کرنا چاہتا ہوں کہ دربار غوثیہ میں کیا چشمہ رحمت ہے اور کیا دریائے معرفت ہے- کیا نظر کیمیا اثر ہے کہ ذرے بھی خورشید بنتے ہیں- آخر میں "زبدۃ الاسرار" میں سے ایک مقالہ کے ترجمہ پر اختتام کرتا ہوں-

"اے سارے جہان کے فریادرس اور تمام موجودات میں ہر طرح تصرف کرنے والے کس نے آپ سے توسل کیا اور آپ نے اس کی حاجت براری نہیں کی اور اس کو اپنی مراد نہیں ملی- آپ وہ ہیں جن کو سارا جہان سونپ دیا گیا ہے اور تمام موجودات میں تصرف کرنے کی باگ آپ کے ہاتھ میں دی گئی ہے- اے تمام موجودات کے بادشاہ اور اے خدائے مہربان کے محبوب اور اے پیغمبر ستودہ محمد مصطفیٰ کے نائب ہر شخص اپنی حاجت آپ سے مانگتا ہے- ہاں ہم بھی آپ سے مانگتے ہیں کہ ہمیں ظلمات بشریت اور ورطۂ طبیعت سے رہائی مرحمت ہو اور وہ انوار شہود ہم پر ظاہر فرمایا جائے جس سے ہمارے دل روشن ہو جائیں اور ایسی قسمیں انس کی ہم پر بٹنے لگیں جن سے ہماری روحوں کو راحت و فرحت حاصل ہو- اور تمام تر مراد ہماری یہ ہے- اے ہمارے آقا ہم کو اپنی جناب سے نکال نہ دیا جائے- اور اے ہمارے مولیٰ ہمیں اپنے مریدین کے زمرے میں داخل کر لیا جائے اور اس کی بشارت بذریعہ کسی علامت کے ہمیں دی جائے-"

اس بندہ عاجز کو تین بار بغداد معلی میں روضہ اقدس کی زیارت نصیب ہوئی جس میں میری اہلیہ و رفیقہ حیات شریک رہیں- اللہ اللہ کیا دربار ہے- کیا شان ہے کیا تجلی ہے- کیا کشش ہے- کیا دلربائی ہے- کیا دلفریبی ہے- کیا دلنوازی ہے- وہی کیفیت ہوتی ہے جو مدینہ منورہ میں دربار حبیبؐ کی حاضری میں ہوتی ہے۔

روضہ مرے مرشد کا کعبہ نظر آتا ہے
یا عرش معلی کا نقشہ نظر آتا ہے
یہ نور کا منظر ہے یہ وادی ایمن ہے
ہر ذرے میں اللہ کا جلوا نظر آتا ہے
یہ خضرؑ رہ حق ہے یہ جادہ عرفان ہے
اللہ سے ملنے کا رستہ نظر آتا ہے
اللہ رے مسیحائی کیا شان ہے اس در کی
اعمیٰ بھی یہاں آکر بینا نظر آتا ہے

آخر میں ایک بات کہنا ضروری ہے- ہم قادریوں کو شریعت سے ظاہرا" بھی تجاوز کرنے کی رخصت نہیں ہے- قادریوں کے لئے راہ طریقت و معرفت میں بھی شریعت کے حدود میں رہنا لازمی اور ضروری ہے- اس بات کی شدید تاکید ہے- مگر عشاق کی مجذوبانہ اور رندانہ حرکت اور طرز و انداز سے اگر وہ عشق حقیقی سے منسوب ہو

قادریوں کو انکار نہیں ہے۔ رسم و راہ قلندری اور عشق و محبت میں سالکان طریقت و رہروان راہ معرفت بظاہر شریعت سے تجاوز کرتے ہیں۔ گرچہ دراصل یہ حضرات بھی طریق شریعت سے باہر نہیں۔ مذہب عشق کی رندانہ کیفیت کچھ اور ہی بات ہے اور اسے فقط رمز آشنا سمجھتے ہیں ع

ذوق ایں مئے نہ شناسی بخدا تانہ چشی

ہم صرف یہ کہنا چاہتے ہیں کہ من انکار نمی کنم گرچہ این کارنمی کنم

میری دعا ہے کہ ہم سب پر برکات سرکار غوثیہ نازل ہو۔ آمین یا رب العالمین۔

فیا رب صلی وسلم و بارک

علیٰ محمد المصطفیٰ غوثؒ اعظم

تجھ پر افسوس! اللہ کی محبت کا دعویٰ اور غیر سے پیار وہی صفا اور غیر کدورت ہے۔ اگر تم غیر کی محبت سے صفائی میں کدورت کرو گے تو تمہارا وہی حال ہو گا جو حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام اور حضرت یعقوب علیہ السلام کا ہوا تھا۔ جب دونوں اپنے دلوں کی سوزش سے اپنے بیٹوں کی طرف مائل ہوئے اور ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنے نواسوں حضرت امام حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کی طرف مائل ہوئے تو آپؐ کے پاس جبرائیل علیہ السلام تشریف لائے عرض کی کہ کیا آپؐ ان سے پیار کرتے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ ہاں! جبرائیل علیہ السلام نے عرض کی کہ ایک کو زہر دیا جائے گا اور دوسرا شہید کیا جائے گا تو اس وقت دونوں کی محبت آپ کے دل سے خارج ہوئی اور دل کو اپنے خالق و مولا سے لگا لیا جو دونوں کے ساتھ خوشی اور محبت تھی غم سے بدل گئی۔ اللہ تعالیٰ اپنے نبیوں اور دوستوں اور نیک بندوں کے دلوں پر نہایت غیرت مند ہے۔

جب تمہاری عبادت میں اخلاص پیدا ہو گا تو وہ تم سے پیار کرے گا۔ اس کی محبت تمہارے قلب میں شدت سے پیدا ہو گی۔ تمہارا انس اس سے بڑھے گا اور اس کی محبت اور پیار بغیر کسی محنت کے تمہیں نصیب ہوں گے۔ اس کے غیر کی محبت سے تم نفرت کرو گے اور ہر حال میں تم اللہ تعالیٰ کی رضا پر راضی رہو گے۔ اگر زمین کو باوجود فراخ ہونے کے وہ تم پر تنگ کردے اور دروازوں کو باوجود کشائش کے بند کردے تو تمہیں اس سے کسی قسم کی شکایت نہ ہو گی اور نہ غیر کے دروازے کی طرف رجوع کرو گے اور نہ ہی غیر کا کھانا کھاؤ گے۔ اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام سے نسبت ہو جائے گی جن کے متعلق اللہ تبارک و تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے "اور ہم نے پہلے ہی سے دایہ کا دودھ ان پر حرام کردیا۔" ہمارا خالق ہر چیز کو دیکھنے والا ہر جگہ موجود ہر کسی کا نگہبان اور سب سے قریب تر ہے۔ اس سے تم کسی حالت میں بھی مستغنی نہیں ہو سکتے۔ معرفت کے بعد انکار مشکل ہے کیونکہ پہچاننے کے بعد انجان بننا حماقت ہے۔

قدم سے مراد قرب و وصل الٰہی کے لحاظ سے آپ کا عالی مرتبہ ہونا ہے۔ اس معنے کے مطابق حضور غوث اعظم رحمتہ اللہ علیہ کے فرمان عالی کا یہ مفہوم ہو گا کہ تمام اولیائے اولین و آخرین کے مراتب کی جو انتہا ہے وہ آپ کے مرتبے کی ابتدا ہے کیونکہ ظاہری بلندی کے لحاظ سے انسان کی گردن اور سر اس کے جسم کا انتہائی مقام ہے جبکہ اس کا قدم ابتدائی مقام ہے۔ (سید نصیرالدین ہاشمی)

ستاروں میں چاند سب اُس کے سامنے ماند

امان اللہ خان ارمان سرحدی

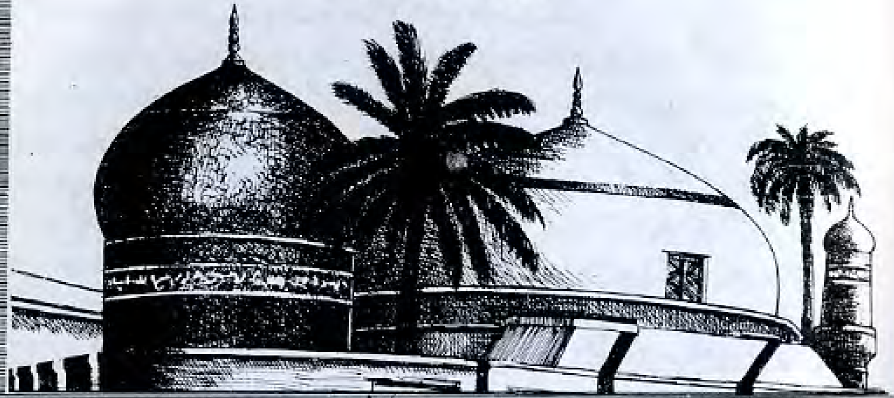

آپ صاحب کرامت بزرگ اور اپنے وقت کے مشہور مشائخ میں سے تھے۔ عراق کے ایک گاؤں قلمینیا میں رہتے تھے۔ آپ کے مریدوں میں عام لوگوں کے علاوہ بادشاہ بھی شامل تھے۔ کہا جاتا ہے کہ سترہ بادشاہ آپ کے مرید تھے۔ آپ کے جن احباب کو مقام ولایت حاصل تھا ان میں شیخ علی بن الہیتی، شیخ بقا بن بطور، شیخ عبدالرحمٰن الطفونجی، شیخ مطر، شیخ ماجد الکردی اور شیخ احمد البقلیؒ خاص شہرت رکھتے ہیں۔ یہ سب بزرگ آپ سے مستفید ہوئے۔ شیخ محمد الشنبکی آپ کے پیر طریقت تھے۔ کہا جاتا ہے کہ جب آپ نے شیخ سے بیعت کی تو انہوں نے فرمایا آج میرے جال میں ایسا پرندہ پھنسا ہے جو آج تک کسی شیخ طریقت کے جال میں نہ پھنسا ہو گا۔ آپ کے مذہب کے بارے میں اختلاف ہے بعض آپ کو حنبلی اور بعض شافعی بتاتے ہیں۔

آپ کی بیعت کے بارے میں ایک دلچسپ واقعہ بھی قابل ذکر ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ابتدا میں آپ ڈاکوؤں کے ساتھ مل کر لوٹ مار کیا کرتے تھے۔ حالات نے پلٹا اس طرح کھایا کہ ایک روز آپ نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ مل کر مویشیوں کا ایک ریوڑ لوٹ لیا اسے ہانک کر لے گئے۔ جس جگہ یہ ریوڑ رہتا تھا اس کے قریب ہی شیخ الشنبکی کی جائے قیام واقع تھی۔ جن لوگوں کا ریوڑ لوٹا گیا تھا وہ شیخ ابوالوفا کو جانتے تھے چنانچہ انہوں نے شیخ محمد الشنبکی سے شکایت کی کہ فلاں شخص ہمارے مویشی ہانک کر لے گیا ہے ہمیں واپس دلا دیں۔ شیخ نے اپنا آدمی شیخ ابوالوفا کے پاس یہ پیغام دے کر بھیجا کہ شیخ محمد الشنبکی نے تمہیں بلایا ہے وہ کہتے ہیں کہ تم یہاں آکر توبہ کرو اور ان لوگوں کے جانور انہیں واپس دے دو۔

کہا جاتا ہے کہ جب خادم آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ نے اس پر نگاہ ڈالی تو وہ غش کھا کر گر پڑا۔

ہوش میں آیا تو آپ نے اس سے پوچھا کہ تمہارے شیخ نے تمہیں کیا حکم دے کر بھیجا ہے۔ اس نے پیغام سنایا تو آپ نے جواب دیا ان سے کہہ دو کہ میں توبہ کرتا ہوں۔

یہ فرمانے کے بعد آپ نے آسمان کی طرف نظر اٹھائی اور کہا' مجھے تیری ذات کی قسم میں اپنے کاموں سے توبہ کرتا ہوں۔ شیخ نے اٹھ کر معانقہ کیا اور خرقہ پہنا کر فرمایا خدا تمہارے علم میں وسعت دے گا اور تم خلق خدا کی ہدایت کا کام انجام دو گے۔ اس کے بعد آپ بغداد چلے گئے اور دین حق کی اشاعت میں مصروف ہو گئے۔ وعظ و نصیحت اور درس و تدریس کے ذریعہ سے خدمت خلق کا کام انجام دینے لگے۔

جن دنوں آپ نے بغداد میں درس و تدریس کا سلسلہ جاری کر رکھا تھا ان دنوں غوث اعظم بغداد میں نئے نئے آئے تھے۔ ایک روز وہ بھی آپ کی مجلس میں تشریف لائے۔ شیخ اس وقت وعظ فرما رہے تھے فوراً وعظ روک دیا اور اپنے آدمیوں کو حکم دیا کہ شیخ عبدالقادر کو باہر نکال دو۔ لوگوں نے اس حکم کی تعمیل کی۔ غوث اعظم مجلس سے نکال دیئے گئے۔ اس کے بعد شیخ نے دوبارہ وعظ شروع کر دیا اس اثنا میں غوث اعظم پھر مجلس میں تشریف لے آئے۔ شیخ نے پھر ان کو نکال دینے کا حکم دیا۔ چنانچہ نکال دیئے گئے۔ شیخ نے وعظ شروع کیا تو غوث اعظم پھر مجلس میں موجود تھے۔ اس مرتبہ شیخ کرسی سے نیچے اترے' غوث اعظم سے معانقہ فرمایا' ان کی پیشانی پر بوسہ دیا' پھر لوگوں سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ "اے اہل بغداد! اللہ کے ولی کے لئے کھڑے ہو جاؤ۔ میں نے انہیں باہر نکالنے کے لئے جو حکم دیا تھا وہ ان کی اہانت کے لئے نہ تھا بلکہ اس لئے تھا کہ تم لوگ انہیں اچھی طرح پہچان لو۔ خدا کی قسم ان کے سر پر جھنڈے ہیں جن کے پھریرے مشرق سے مغرب تک پھیلے ہوئے ہیں۔

اس کے بعد شیخ نے فرمایا۔ "اے عبدالقادر! ہمارا وقت عنقریب تمہارا ہو جائے گا۔ تمہیں عراق عطا ہوا ہے۔ اے عبدالقادر! ہر مرغ اذان دے کر چپ ہو جاتا ہے مگر تمہارا مرغ قیامت تک بانگ دیتا رہے گا۔ اس کے بعد شیخ نے اپنا سجادہ' اپنی قمیص اور پیالہ غوث اعظمؒ کو عطا کر دیئے۔ وعظ ختم ہونے پر شیخ نے غوث اعظم کا ہاتھ پکڑ کر اپنی داڑھی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا عبدالقادر! جب تمہارا وقت آئے تو اس کی پیری کو یاد رکھنا۔"

بیان کیا جاتا ہے کہ غوث اعظم شیخ تاج العارفین کی ملاقات کے لئے اکثر قلمینیا جایا کرتے تھے۔ شیخ آپ کو دیکھ کر تعظیماً" کھڑے ہو جایا کرتے تھے اور اپنے حلقہ بگوشوں کو بھی غوث اعظم کی تعظیم کے لئے کھڑا ہونے کا حکم دیا کرتے تھے۔

یہ اس زمانہ کے واقعات ہیں جب غوث اعظم کی قطبیت آشکارا نہ ہوئی تھی۔ چنانچہ شیخ تاج العارفین اپنے مریدوں سے فرمایا کرتے تھے۔ اس نوجوان کا ایک وقت ہے۔ جب وہ وقت آئے گا تو ایک دنیا ان کی محتاج ہو گی۔ یہ اپنے وقت کا قطب ہو گا۔ لہذا تم اس کی خدمت اپنے اوپر لازم جانو۔ آپ نے ۲۰ ربیع الاول ۵۰۱ھ میں قلمینیا میں وفات پائی۔

شیخ یوسف بن ایوب ہمدانی

آپ بڑے مرتبہ کے بزرگ اور خراسان کے اکابر مشائخ میں سے تھے۔ ۴۴۰ھ میں ہمدان کے ایک قصبہ نور بخرد میں پیدا ہوئے۔ اعلیٰ درجے کے متقی' پرہیزگار اور متشرع بزرگ تھے۔ گوشہ نشینی کی زندگی گزارتے تھے۔

آپ کی بہت سی کرامات لوگوں میں مشہور تھیں۔ خراسان کے مشائخ آپ کو اپنا پیشوا مانتے تھے۔ آپ نے ۱۲ ربیع الاول ۵۳۵ھ میں وفات پائی۔ بیان کیا جاتا ہے کہ آپ ہرات سے مرو تشریف لے جا رہے تھے۔ راستہ میں بنیا نام ایک مقام پر اچانک موت آگئی اور آپ نے دار فانی سے دار ابدی کی طرف کوچ فرمایا۔ آپ کو بنیا ہی میں دفن کیا گیا۔ کچھ مدت بعد نعش مبارک کو مرو لایا گیا اور سجدان کے آخری حصہ حضیرہ میں جو آپ کی طرف منسوب ہے دفن کیا گیا۔

عبداللہ بن ابی الحسن بن جبائی بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی نے فرمایا کہ ایک دفعہ ہمدان سے بغداد کی طرف ایک شخص آئے جنہیں یوسف ہمدانی کہتے ہیں اور یہ مشہور تھا کہ وہ قطب ہیں' وہ سرائے میں اترے۔ جب میں نے سنا تو سرائے کی طرف گیا مگر وہاں انہیں نہ پایا۔ میں نے سرائے والوں سے ان کی بابت پوچھا تو انہوں نے کہا کہ وہ تہہ خانہ میں ہیں۔ میں اتر کر ان کے پاس گیا۔ انہوں نے جب مجھے دیکھا تو اٹھ کھڑے ہوئے اور مجھے اپنے قریب بٹھایا۔ میرے تمام احوال کا مجھ سے ذکر کیا اور میری تمام مشکلات کو حل کر دیا۔ پھر مجھ سے کہا کہ اے عبدالقادر! تم لوگوں کو وعظ سناؤ۔ میں نے کہا اے میرے سردار میں ایک عجمی شخص ہوں' فصحائے بغداد کے سامنے کیسے وعظ کرو۔ انہوں نے مجھ سے کہا کہ تم نے اب تو فقہ' نحو' اصول' لغت' معانی' حدیث اور تفسیر پڑھ لی ہے۔ اب تمہیں مناسب ہے کہ لوگوں کو وعظ سناؤ۔ جاؤ کرسی پر چڑھو اور لوگوں کے سامنے بولو کیونکہ میں دیکھتا ہوں کہ تمہارا پودا عنقریب کھجور کا درخت ہو جائے گا۔

شیخ ابوالخیر مغربی

آپ اکابر اولیا اللہ میں سے ہیں۔ اکثر مجاہدہ اور مراقبہ میں مصروف رہتے۔ بہت سے مشائخ نے آپ کی صحبت میں رہ کر استفادہ کیا۔ اپنے علاقے میں بہت قدر و منزلت پائی۔ عزت کے طور پر لوگ آپ کو "مدو" کے نام سے پکارا کرتے تھے جس کا معنی ان کی زبان میں "پدر بزرگوار" تھا۔ آپ کے مجاہدات نہایت سخت ہوتے تھے۔ شروع حال میں پندرہ برس تک جنگلوں میں رہے اور ریاضت و مجاہدہ کرتے رہے۔ اس تمام عرصہ میں چتوں اور ادنیٰ قسم کی سبزیوں پر آپ کا گزارا تھا۔ اعتب نام ایک گاؤں میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ پھر ساری عمر اس جگہ گزاری (وہیں وفات پائی۔ مزار مبارک بھی اسی جگہ ہے۔) آپ صاحب کرامت ولی تھے۔ بہت سی کرامات آپ کی طرف منسوب کی جاتی ہیں۔

حضرت شیخ ابو حفص عمر بن ابی معمر بیان کرتے ہیں کہ ہمارے بعض احباب شیخ ابوالخیر کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے بغداد جانے کی اجازت مانگی۔ آپ نے اجازت دے دی اور فرمایا "وہاں عبدالقادر نام کے ایک عجمی بزرگ ہیں۔ ان سے ضرور ملنا اور میرا سلام عرض کرنے کے بعد ان سے دعا کے لئے درخواست کرنا اور کہنا ابوالخیر کو فراموش نہ کرنا۔" پھر فرمایا فی الحقیقت عرب و عجم میں ان کے پایہ اور مرتبہ کا کوئی ولی کوئی بزرگ اور کوئی شیخ نہیں۔"

شیخ عدی بن مسافر امویؒ

آپ دمشق کے مشہور مشائخ میں سے ہیں۔ علم و فضل میں یکتا اور عبادت و زہد میں یگانہ تھے۔ نہایت متقی' متشرع اور دیندار بزرگ تھے۔ دمشق کے قریب "بیت فار" نام ایک مقام پر پیدا ہوئے۔ شروع میں آپ نے

نہایت سخت مجاہدے کئے۔ آپ کے مجاہدوں کی شدت کا یہ عالم تھا کہ آپ کے متعلق کہا جاتا تھا۔ اگر مجاہدوں سے نبوت مل سکتی تو شیخ عدی ضرور اسے پالیتے۔

جب آپ بغداد میں آئے تو غوث اعظم کی مجلس میں باقاعدہ آیا کرتے تھے۔ ان کے علاوہ آپ نے حماد بن مسلم دباس، شیخ عقیل بنجی، شیخ ابوالوفا، شیخ ابو النجیب سہروردی اور کئی دیگر مشائخ و اولیائے کرام کی صحبت سے بھی استفادہ کیا بعد ازاں بغداد سے "جبل ہکار" نام ایک مقام پر چلے گئے اور وہیں سکونت اختیار کرلی۔ لوگوں میں آپ بے حد مقبول و معروف ہوئے۔ خلق خدا آپ سے استفادہ کرنے کے لئے اُمڈی چلی آتی تھی۔ شیخ ابو عبداللہ بطائحی کا بیان ہے کہ میں پانچ سال تک شیخ عدیؒ کی خدمت میں رہا۔ نماز کے دوران شدت مجاہدہ کی وجہ سے آپ کے سرمبارک سے ایسی آواز سنائی دیا کرتی تھی جیسے خشک کدو میں کنکروں کی آواز آتی ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ جس زمانہ میں آپ جنگلوں اور بیابانوں میں مجاہدات کے سلسلے میں پھرا کرتے تھے اس زمانہ میں جنگل کے پرندے، کیڑے مکوڑے اور درندے آپ کو کوئی ضرر نہ پہنچاتے تھے بلکہ آپ سے مانوس ہوگئے تھے۔ آپ کے شاگردوں کی تعداد اچھی خاصی تھی۔ بہت سے خدا رسیدہ بزرگوں نے بھی آپ کی صحبت سے فائدہ اٹھایا۔ حقائق و معارف میں آپ کا کلام خاصی شہرت رکھتا تھا۔

آپ نے نوے برس کی عمر میں ۵۵۵ھ میں وفات پائی۔ "ہکاریہ" نام ایک مقام آپ کا جائے وفات بیان کیا جاتا ہے۔ آپ کا مزار بھی اسی جگہ بتایا جاتا ہے۔

غوث پاکؒ آپ کا بہت احترام کیا کرتے تھے اور اکثر آپ کی تعریف بیان فرمایا کرتے تھے۔ شیخ ابوالقاسم بن مسعود کا بیان ہے کہ میں نے غوث پاک کی زبان مبارک سے کئی مرتبہ ان کی تعریف سنی چنانچہ مجھے ان سے ملاقات کا شوق پیدا ہوا۔ میں نے غوث پاک سے حضرت شیخ کی ملاقات کے لئے اجازت طلب کی، انہوں نے اجازت دے دی۔ میں سفر کرکے ہکاریہ پہنچا۔ دیکھا کہ شیخ اپنے زاویہ میں کھڑے ہیں۔ مجھے دیکھتے ہی فرمایا۔ "عمر! تو سمندر کو چھوڑ کر نہر کے پاس آیا ہے۔ شیخ عبدالقادر اس وقت تمام اولیاء کی سواریوں کے قائد ہیں۔ اولیاء اللہ کی عنان ان کے ہاتھ میں ہے۔"

شیخ علی بن الہیتی

عراق کے مشائخ میں شیخ علی بن الہیتی بہت شہرت اور عظمت کے مالک تھے۔ صاحب کرامت بزرگ تھے۔ نہرالملک کے ایک گاؤں "زریران" کے رہنے والے تھے اور طویل مدت تک اس جگہ قیام رہا۔ زندگی بھر آپ نے اپنے لئے کوئی خانقاہ نہ بنوائی بلکہ دوسرے فقراء کے ساتھ رہا کرتے تھے۔ جہاں جی چاہتا کچھ دن بسر کرلیتے۔ آپ کو اپنے علاقہ میں بے حد مقبولیت حاصل ہوئی۔ شیخ ابو محمد علی بن ادریس یعقوبی اپنے وقت کے جلیل القدر بزرگ اور شیخ گزرے ہیں۔ وہ شیخ علی بن الہیتی ہی کی صحبت بابرکت سے مستفید ہوتے رہے اور آپ کے شاگردوں میں شمار ہوتے ہیں۔ شیخ کے پیر طریقت تاج العارفین شیخ ابوالوفا آپ کے پیر آپ کی بہت تعریف بیان کیا کرتے تھے اور ان کے دل میں آپ کی بے حد عزت تھی۔ دوسرے مریدوں اور شاگردوں پر ہمیشہ آپ کو ترجیح دیا کرتے تھے۔ حقائق و معارف میں آپ کا کلام بہت اونچا درجہ رکھتا ہے۔ بہت سی کرامات بھی آپ سے منسوب کی جاتی ہیں۔ آپ بے حد حسین و جمیل تھے۔ آپ کی گفتگو میں لطافت اور ظرافت بھی پائی جاتی تھی۔ بہت سخی تھے۔ مریدوں اور شاگردوں کے ساتھ اچھا سلوک کرتے تھے۔ وہ سب آپ کے جاں نثار بن گئے تھے۔

آپ نے ۱۲۰ سال کی عمر پائی مگر اتنی زیادہ عمر میں بھی آپ آخر دم تک نہایت مضبوط جسم اور عمدہ صحت کے مالک رہے۔ ۵۶۴ھ میں زریران میں وفات پائی اور اسی جگہ دفن ہوئے۔ آج بھی آپ کا مزار مبارک زیارت گاہ خاص و عام ہے۔

غوث اعظم کو آپ سے بہت محبت اور عقیدت تھی۔ آپ کا ذکر بڑادب اور عزت سے کیا کرتے تھے۔ اکثر آپ کی تعریف فرمایا کرتے تھے۔ آپ کی زبان مبارک سے ایک دفعہ یہ جملہ بھی ادا ہوا کہ بغداد میں جس قدر اولیاء اللہ بھی آئیں وہ ہمارے مہمان اور ہم سب شیخ علی بن الہیتی کے مہمان ہیں۔ (اس فقرہ میں شیخ کی عظمت اور بزرگی کا اشارہ ملتا ہے۔)

شیخ علی اس قدر عزت و احترام کے مالک ہوتے ہوئے بے حد منکسر المزاج تھے۔ غوث اعظمؒ کے لئے ان کے دل میں بڑی عزت تھی اور ان کا ادب ہمیشہ ملحوظ رکھتے تھے۔ یہاں تک کہ جب کبھی اپنے ساتھیوں کے ہمراہ غوث پاک کی خدمت میں حاضر ہونے کا ارادہ کرتے تو خود بھی غسل کرتے اور ساتھیوں کو بھی غسل کا حکم دیتے اور ان سے مخاطب ہوکر فرماتے۔ غسل کرکے اپنے جسم کو پاک کرلو اور اپنے دلوں کو بھی ہر قسم کے خطرات سے پاک و صاف کرلو کیونکہ ہم سلطان الاولیاء کی خدمت میں جارہے ہیں۔ جب ساتھیوں کے ساتھ غوث اعظم کی قیام گاہ پر تشریف لے جاتے تو دروازہ پر کھڑے ہو جاتے۔ غوث اعظم اجازت دیتے تو آپ اندر تشریف لے جاتے۔ غوث اعظم کی ہیبت سے ان پر اور ان کے ساتھیوں پر لرزہ طاری ہو جاتا۔

ایک مرتبہ آپ لرزہ کی حالت میں غوث اعظم کے سامنے کھڑے تھے۔ غوث اعظم نے فرمایا آپ عراق کے شیخ ہیں پھر کیوں لرز رہے ہیں؟ آپ نے جواب دیا حضور! آپ سلطان الاولیاء ہیں اس لئے آپ کے خوف سے مجھ پر لرزہ طاری ہو جاتا ہے۔ آپ مجھے امن دے دیں تو لرزہ دور ہو جائے گا چنانچہ غوث اعظم نے فرمایا تمہیں امن ہے۔ یہ فرمانا تھا کہ آپ کا لرزہ دور ہوگیا۔

شیخ عبدالرحمٰن طفسونجیؒ

عراق کے اکابر مشائخ میں شیخ عبدالرحمٰن طفسونجی بہت بلند مرتبہ رکھتے ہیں۔ آپ صاحب کرامت بزرگ اور بڑے پایہ کے ولی اللہ تھے۔ بہت سی کرامتیں آپ سے منسوب ہیں۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ آپ پیش آئندیا مخفی امور کی خبر دیا کرتے تھے۔ عراق کے ایک شہر طفسونج کے رہنے والے تھے۔ اس لئے طفسونجی کہلاتے ہیں۔

آپ بڑے فصیح البیان، پرگو اور اعلیٰ درجے کے واعظ تھے۔ وعظ میں مقامی لوگوں میں کوئی آپ کا مقابلہ نہ کرسکتا تھا۔ بہت سے اور مشائخ آپ کے وعظ میں شریک ہوا کرتے تھے۔ غوث اعظم کی بہت عزت و تکریم کیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ آپ جمعہ کی نماز ادا کرنے کے لئے گھر سے نکلے اور خچر پر سوار ہوکر مسجد کو جانا چاہا۔ سوار ہونے کے لئے رکاب میں پاؤں رکھا ہی تھا کہ فوراً کھینچ لیا۔ آپ کے صاحبزادہ نے اس کی وجہ دریافت کی تو فرمایا کہ اس وقت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ بھی اپنے خچر پر سوار ہونے والے تھے اس لئے میں نہیں چاہتا تھا کہ سواری میں آپ سے سبقت کروں۔

اگرچہ آپ کی بزرگی اور عظمت مسلمہ ہے تاہم آپ غوث پاک کی بے حد عزت کرتے تھے۔ غوث اعظم کے دل میں بھی ان کی بڑی قدر تھی اور ان کا مرتبہ کا خاص خیال فرمایا کرتے تھے۔ ان کے حق میں غوث اعظم

نے ایک مرتبہ فرمایا۔ "شیخ عبدالرحمٰن ایک مضبوط پہاڑ ہے جو حرکت نہیں کرتا۔"

آپ نے طفسونج میں وفات پائی اور وہیں مدفون ہوئے۔ آپ کا مزار ابھی تک موجود ہے اور زیارت گاہ خاص و عام ہے۔

جب آپ کی وفات کا وقت قریب آیا تو آپ کے بیٹے شیخ ابوالحسن علی الحسنین نے آپ سے وصیت چاہی تو آپ نے فرمایا میں تجھے یہ وصیت کرتا ہوں کہ شیخ عبدالقادر کی خدمت، تابعداری اور ان کی تعظیم و تکریم کرنے میں کوئی کسر باقی نہ چھوڑنا چنانچہ والد کی وفات کے بعد شیخ ابوالحسن ایک روز غوث اعظمؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ غوث اعظم نے ان کے حال پر توجہ فرمائی، بڑی عزت اور خندہ پیشانی سے پیش آئے۔ انہیں خرقہ پہنایا اور اپنی صاحبزادی بھی ان کے نکاح میں دے دی۔

شیخ بقا بن بطوؒ

عراق کے مشائخ میں شیخ بقا بن بطو بڑی عظمت کے مالک تھے۔ صاحب کشف و کرامت بزرگ تھے۔ عبادت و ریاضت میں اپنی نظیر نہ رکھتے تھے۔ بہت بڑے عارف تھے۔ آپ کی ایک کرامت بہت مشہور ہے کہ آپ برص کی بیماری دور کرتے تھے۔ ساری عمر یہیں گزاری۔ اسی جگہ ۵۵۳ھ میں بعمر اسی سال وفات پائی۔ مزار مبارک اب تک موجود ہے جہاں لوگ زیارت کے لئے جاتے ہیں۔

آپ اکثر غوث پاک کی زیارت کے لئے بغداد تشریف لے جایا کرتے تھے۔ آپ کا معمول تھا کہ جب بھی غوث پاک کی خانقاہ کو جاتے۔ دروازے پر چھڑکاؤ کرتے، جھاڑو دیتے اور آپ سے اجازت طلب کر کے خدمت میں حاضر ہوتے۔

شیخ ابوسعید قیلویؒ

قیلویہ ایک قصبہ کا نام ہے جو نہرالملک کے علاقے میں ہے۔ آپ یہیں کے رہنے والے ہیں اور اس مقام کی نسبت سے قیلوی کہلاتے ہیں۔ ساری زندگی اسی جگہ رہ کر گزاری۔ آپ بہت بڑے مفتی اور فقیہ تھے۔ صاحب کشف و کرامات بزرگ بیان کئے جاتے ہیں۔ خچر پر سواری کیا کرتے تھے۔ جن علماء اور مشائخ نے آپ سے استفادہ کیا ان میں شیخ ابوالحسن علی القرشی، شیخ ابوعبداللہ محمد بن احمد المدینی، شیخ مبارک بن علی الجبلی اور شیخ محمد علی قیدی کا نام لیا جا سکتا ہے۔ یہ سب حضرات کرام اپنے اپنے وقتوں میں بڑے پائے کے بزرگ اور شیخ گزرے ہیں۔ شیخ ابوسعید نے ۵۵۷ھ میں قیلویہ ہی میں وفات پائی اور اسی جگہ دفن ہوئے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ آپ کی قبر کا نشان اب بھی موجود ہے۔ آپ کو غوث پاک سے دلی لگاؤ تھا۔ ان کی بے حد عزت و احترام کیا کرتے تھے۔ ان کی ملاقات کے لئے بغداد بھی آتے رہتے تھے۔ عقیدت کا یہ عالم تھا کہ بغداد میں غوث پاک کے مدرسہ پر پہنچتے تو دروازہ کی چوکھٹ کو بوسہ دیئے بغیر اندر داخل نہ ہوتے تھے۔

وفات کے وقت اپنے صاحبزادہ ابوالخیر سعید کو آپ نے وصیت فرمائی کہ شیخ عبدالقادر کی ہمیشہ تعظیم و تکریم بجا لانا۔ فرزند نے پوچھا ان کے بارے میں کچھ بیان فرمایئے۔ آپ نے فرمایا ان کا قدم تمام اولیاء کی گردن پر ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب اور اس کے زیادہ قریب ہیں۔

شیخ مطر الباذرانیؒ

عراق کے مشائخ میں شیخ مطر الباذرانیؒ کا درجہ بہت اونچا تھا۔ آپ بڑے صاحب کرامت بزرگ اور قطب بیان کئے جاتے ہیں۔ شیخ ابوالکلام حلاوی اور شیخ ابوالعزیز ملکی جیسے بزرگوں نے آپ سے استفادہ فرمایا۔ شیخ تاج العارفین ابوالوفا (جن کا ذکر اوپر آچکا ہے) آپ کے پیر طریقت تھے۔ آپ کا اصل مولد کوئی اور مقام تھا۔ مگر عراق کے ایک گاؤں "باذران" نام میں سکونت اختیار کر لی تھی اور مدت العمر اسی جگہ رہے۔ اس جگہ قیام کرنے کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ ایک دفعہ عالم رویا میں آپ نے ایک بہت بڑا درخت دیکھا جس کی شاخیں بہت زیادہ اور لمبی تھیں۔ یہاں تک کہ وہ "باذران" گاؤں تک پہنچتی تھیں۔ آپ نے یہ خواب اپنے پیر طریقت سے بیان کیا۔ انہوں نے فرمایا تم اس گاؤں میں جا کر سکونت اختیار کرو چنانچہ آپ وہاں چلے گئے۔ اسی جگہ آپ نے وفات پائی۔

کہا جاتا ہے کہ وفات کا وقت قریب آنے پر آپ کے صاحبزادہ نے پوچھا کہ بعد میں کس کے نقش قدم پر چلوں یعنی دین میں کس کی پیروی کروں؟ آپ نے فرمایا شیخ عبدالقادر کی پیروی کرنا۔ صاحبزادے نے دوبارہ یہی سوال کیا۔ آپ نے دوبارہ یہی جواب دیا۔ صاحبزادے نے تیسری بار یہی سوال کیا تو آپ نے فرمایا بیٹا! عنقریب وہ وقت آنے والا ہے کہ شیخ عبدالقادر جیلانی کے سوا کسی اور کی اتباع نہ کی جائے گی۔

شیخ ماجد الکردیؒ

عراق کے عارفوں میں شیخ ماجد الکردی بڑا اونچا مرتبہ رکھتے تھے۔ صاحب کرامت بزرگ تھے۔ عراق کے ایک مقام قوسان میں سکونت پذیر تھے اور زندگی اسی جگہ گزاری۔ عراق کے ایک پہاڑ "حمدین" پر آپ نے وفات پائی سن وفات ۵۶۱ھ بیان کیا جاتا ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ آپ کا مزار اس جگہ اب تک موجود ہے۔

آپ کے بارے میں اتنا علم ہے کہ آپ غوث اعظمؒ کی بہت تعریف فرمایا کرتے تھے اور آپ کی شان میں اکثر یہ الفاظ آپ کی زبان سے نکلتے: "محی الدین اہل دنیا کے امام اور پیشوا ہیں، اولیا اللہ کی گردنیں ان کے سامنے خم ہیں اور انہیں کے نور سے دلوں کو روشنی نصیب ہوتی ہے۔"

شیخ جاگیر الکردیؒ

آپ عراق کے بہت بڑے عالم متشرع بزرگ تھے۔ بہت سے علماء اور صلحاء نے آپ کی صحبت سے فائدہ اٹھایا۔ عراق کے ایک جنگل میں قنطرۃ الرصاص نام کی ایک جگہ ہے۔ آپ نے ساری عمر اسی جگہ رہ کر گزاری۔ اکثر عبادت و ریاضت میں مشغول رہتے تھے۔ بعض کرامات بھی آپ سے منسوب کی گئی ہیں۔ آپ نے اپنے مسکن ہی میں بڑھاپے کے عالم میں انتقال فرمایا اور وہیں مدفون ہیں۔

غوث اعظم سے آپ کی ملاقات ہوئی یا نہیں ہوئی؟ اس بارے میں کوئی شہادت میسر نہیں آسکی البتہ کہا جاتا ہے کہ "آپ اکثر اوقات فرمایا کرتے تھے کہ تاج العارفین حضرت شیخ ابوالوفا رحمتہ اللہ علیہ کے بعد حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمتہ کے پایہ اور مرتبہ کا کوئی بزرگ دیکھنے میں نہیں آیا۔ فی الحقیقت ان کا طریقہ دیگر طریقوں سے اعلیٰ ہے اولیا اللہ اس سمندر کی لہریں ہیں۔"

شیخ ابو محمد القاسم

آپ عراق کے مشہور مشائخ اور اولیائے کرام میں سے ہیں۔ شریعت و طریقت میں یگانہ تھے۔ مالکی مذہب سے تعلق رکھتے تھے اور فتوے دیا کرتے تھے۔ فتاویٰ میں آپکو کمال حاصل تھا۔ آپ کے فتوے بہت مستند مانے جاتے تھے۔ بہت سے مشائخ نے آپ سے استفادہ کیا۔ آپ کے وعظ میں بہت سے علماء شریک تھے۔ آپ نے بصرہ میں سکونت اختیار کر رکھی تھی اور ساری زندگی اسی جگہ گزاری۔ یہیں ۵۸۰ھ میں وفات پائی اور شہر کے باہر ایک مقام پر دفن کیے گئے جہاں آپ کا مزار آج بھی مرجع خلائق ہے۔

آپ کی ایک کرامت جس کا ذکر شیخ شہاب الدین عمر سہروردی نے کیا ہے اور جو اپنے اندر سبق آموز پہلو رکھتی ہے ''سیرت غوث اعظم'' سے نقل کی جاتی ہے۔

''شیخ شہاب الدین عمر سہروردی فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں آپ کی زیارت کے لئے بصرہ گیا۔ اثنائے راہ میں میرا گزر بہت سے ایسے باغات میں سے ہوا جو آپ کی ملکیت تھے۔ یہ دیکھ کہ میرے قلب میں خطرہ گزرا کہ یہ تو امیرانہ شان ہے۔

پھر میں سورہ انعام پڑھتا ہوا بصرہ میں داخل ہوا۔ میں نے اپنے دل میں خیال کیا کہ دیکھوں' کونسی آیت پڑھ میں آپ کے دولت خانہ میں داخل ہوتا ہوں' آپ کے حق میں میں اس آیت کو فال تصور کرونگا۔ غرض میں پڑھتا ہوا گیا اور ذیل کی آیت پر میں آپ کے دولت خانہ پر پہنچا۔

''یہ وہ لوگ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے ہدایت کی' تم ان کی ہدایت کی پیروی کرتے رہو''

میں یہ آیت پڑھتا ہوا آپ کے دروازہ میں کھڑا ہوا' معاً'' آپ کا خادم مجھے اندر لے گیا۔ جب میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا اے عمر! جو کچھ زمین پر ہے وہ زمین ہی پر ہے۔ اس کی محبت اور وقعت میرے قلب کے اندر ذرہ بھر بھی نہیں ہے۔ آپ کے یہ فرمانے سے میں انگشت بدنداں رہ گیا۔''

شیخ ابو محمد القاسم کی ملاقات خضر علیہ الصلوۃ والسلام سے ہوئی آپ نے خضرؑ سے پوچھا کیا اس وقت کوئی ایسا مرد کامل ہے جس سے میں راہ سلوک کی مشکلات کا حل دریافت کروں؟ انہوں نے جواب دیا اس زمانہ میں کامل مرد حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ ہیں۔ آپ نے حیران ہو کر پوچھا کیا ان کا نام بہت بلند ہے؟ خضرؑ نے جواب دیا حضرت شیخ عبدالقادر اس دور کے اولیاء اللہ کے سردار ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے محب اور مقرب ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے اسرار سے انہیں وہ سر عطا کیا ہے جس کے باعث وہ جمہور اولیاء پر سبقت لے گئے ہیں۔

شیخ ابو عمرو عثمان بن مزروق قرشیؒ

مصر کے مشائخ میں آپ کا درجہ بہت اونچا تھا صاحب کشف و کرامات بزرگ تھے۔ بہت حلیم الطبع نیک دل اور ملنسار مخلص تھے شریعت پر سختی سے عمل کرتے تھے۔ اکثر گوشہ نشینی میں یاد خدا میں مصروف رہتے تھے۔ معارف و حقائق میں آپ کا کلام خاص شہرت رکھتا تھا۔ بہت سی خوارق و کرامات آپ سے منسوب ہیں۔ آپ نے ستر سال کی عمر میں ۵۶۴ھ میں مصر میں وفات پائی۔ امام شافعی کے مزار کے مشرق میں ان کے قریب ہی آپ کا مزار بتایا جاتا ہے۔

غوث اعظم سے آپ کی ملاقات ہوئی یا نہیں؟ اس بارے میں یقین کے ساتھ کچھ نہیں کہا جا سکتا بعض

کتابوں میں آپ کی ملاقات کا حال لکھا ہے۔ بہرحال شیخ ابو اسحٰق ابراہیم بن مرتبل کے بیان کے مطابق آپ غوث اعظم کو اپنا سردار مانتے تھے اور اکثر فرمایا کرتے تھے کہ غوث اعظم اپنے وقت کے تمام اہل اللہ کے سردار امام اور طریقت میں سب اولیاء اللہ پر سبقت لے گئے ہیں۔

شیخ موئید سنجاری

آپ قصبہ سنجار کے رہنے والے اور دیار بکر کے مشائخ میں سے ہیں۔ بڑے پایہ کے ولی اللہ تھے۔ شریعت و طریقت کے جامع تھے۔ بہت سے اکابر مشائخ نے آپ سے استفادہ فرمایا۔ آپ سے فیض پانے والوں میں اس وقت کے بڑے بڑے علماء و صلحا شامل ہیں۔ آپ کا کلام اپنی معنویت اور جامعیت کے اعتبار سے مشہور تھا۔ بہت سی کرامات بھی آپ سے منسوب کی جاتی ہیں۔ سنجار ہی میں آپ نے وفات پائی اور وہیں دفن ہوئے۔ اب بھی آپ کا مزار مرجع خلائق ہے۔ آپ غوث اعظم کی بہت تعریف کیا کرتے تھے اور ان سے بے حد عقیدت تھی۔ انہیں اپنا سردار اور پیشوا کہا کرتے تھے۔

شیخ حیات بن قیس صرانی

آپ صران نامی ایک قصبہ کے رہنے والے تھے۔ بڑے پائے کے بزرگ اور صاحب کرامات ولی تھے۔ بڑے مشہور محقق اور عارف گزرے ہیں۔ کئی بزرگوں نے آپ سے استفادہ فرمایا۔ اپنے زمانہ میں علاقہ کے سب سے مقبول بزرگ تھے۔ لوگ آپ کی بے حد عزت کرتے تھے۔ عوام کے علاوہ خواص بھی آپ کی بہت تعظیم کیا کرتے تھے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ بہت سے عجائبات و خوارق آپ سے سرزد ہوئے۔ آپ نے جمادی الاخر ۵۸۱ھ میں صران میں وفات پائی اور وہیں مدفون ہوئے۔

غوث اعظمؒ کو آپ بڑی قدر و منزلت سے دیکھتے تھے۔ فرمایا کرتے تھے کہ شیخ عبدالقادر اس زمانہ کے عارفوں کے بادشاہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ شیخ عبدالقادر کی برکت سے تھنوں میں دودھ دیتا' بارش برساتا اور مصائب و بلیات کو دفع کرتا ہے۔ شیخ عبدالقادر اس زمانہ کے اولیا و مقربین کے سردار ہیں۔

شیخ رسلان دمشقی

آپ عراق کے بزرگوں میں سے تھے۔ دمشق آپ کا وطن تھا اپنے علاقے میں بہت مقبول ہوئے۔ آپ کی کرامات بہت مشہور تھیں۔ آپ نے ساری عمر دمشق ہی میں گزاری وہیں وفات پائی۔ مزار مبارک بھی اسی جگہ ہے۔

آپ فرمایا کرتے تھے کہ شیخ عبدالقادر جیلانی رسول خدا کے نائب اور سالکین اور عارفین کے سردار ہیں۔ تمام اولیائے کرام کی گردن ان کے سامنے خم ہے۔

شیخ ابو محمد عبداللہ جبائی

آپ بڑے پائے کے بزرگ اور عارف اللہ تھے۔ آپ کے والد عیسائی مذہب رکھتے تھے۔ مگر آپ نے چھوٹی عمر میں ہی اسلام قبول کر لیا تھا۔ اسلام لانے کے بعد جلد ہی قرآن کریم حفظ کر لیا تھا۔ پھر اسلامی تعلیم حاصل کرنے کے لیے بغداد چلے آئے جو اس زمانے میں علماء کا مرجع تھا۔ یہاں کئی بزرگوں سے تعلیم حاصل کی۔ غوث

پاک سے بھی یہیں ملاقات ہوئی اور ان کی صحبت سے مستفید ہونے لگے۔ فقہ میں آپ ہی سے تعلیم حاصل کی۔ علم حدیث آپ نے اپنے زمانہ کے ممتاز علماء سے سیکھا۔ تحصیل علم کے بعد آپ بغداد ہی میں رہنے لگے اور درس و تدریس میں مشغول ہوگئے۔ اکثر حدیث کا سبق دیا کرتے تھے۔ عمر کا آخری حصہ اصفہان میں گزرا اور وہیں وفات پائی۔

غوث اعظم کے لیے ان کے دل میں بڑی عزت تھی۔ ان کی بزرگی اور فضیلت کے قائل رہے۔ فرمایا کرتے تھے شیخ عبدالقادر' اصفیا اولیا اور اوتاد و اقطاب کے امام' پیشوا اور معلم ہیں۔ آپ شرافت' عظمت' بزرگی' علم' تقویٰ' عبادت' پاکدامنی' عفت' احسان' عصمت' عفو' کرم و جود' سخاوت' حلم اور عمل میں سب پر فوقیت رکھتے ہیں۔

شیخ ابونجیب عبدالقاہر سہروردی

آپ عراق کے مانے ہوئے بزرگ تھے۔ عراق کے بیشتر علماء اور مشائخ آپ کو اپنا پیشوا مانتے تھے۔ عراق کے مشہور مفتی اور بڑے عالم باعمل تھے۔ علم شریعت پر پورا عبور حاصل تھا۔ بغداد کے مدرسہ نظامیہ میں خاصی مدت تک درس و تدریس کا کام انجام دیتے رہے۔ اس دوران میں آپ فتوے بھی دیا کرتے تھے اور آپ کے فتویٰ کو بہت اہمیت دی جاتی تھی۔ دور دراز علاقوں سے علماء آپ سے علم حاصل کرنے آیا کرتے تھے۔ آپ کا کلام حقائق و معارف سے لبریز ہوتا تھا۔ بعض کرامات بھی آپ سے منسوب کی جاتی ہیں۔ آپ کے کشف کے بارے میں شیخ شہاب الدین عمر سہروردی ایک واقعہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک شخص آپ کی خدمت میں گائے کا بچہ لے کر آیا اور کہا میں اسے نذرانہ کے طور پر آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔ جب وہ شخص نذرانہ دے کر چلا گیا تو آپ نے فرمایا کہ یہ گائے کا بچہ مجھ سے کہتا ہے کہ میں شیخ علی بن الہیتی کو نذرانہ کے طور پر دیا گیا ہوں۔ آپ کے نذرانہ میں جو بچہ دیا گیا ہے وہ دوسرا ہے۔ شیخ شہاب الدین فرماتے ہیں تھوڑی دیر کے بعد نذرانہ دینے والا شیخ پھر آیا اس کے پاس ایک اور بچہ تھا۔ کہنے لگا حضور مجھ سے غلطی ہوگئی ان دونوں بچوں پر مجھے شبہ سا ہوگیا تھا۔ دراصل آپ کے نذرانے میں دیا ہوا بچہ یہ ہے۔ چنانچہ اس نے پہلا بچہ اٹھالیا اور جو بچہ ساتھ لایا تھا وہ چھوڑ کر چلا گیا۔

آپ نے ساری عمر بغداد ہی میں گزاری۔ اسی جگہ ۵۶۳ھ میں وفات پائی اور یہیں دفن ہوئے۔ شیخ شہاب الدین عمر کا بیان ہے کہ میں شیخ عبدالقاہر کے ساتھ ۵۶۰ھ میں شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے غوث اعظم کا بے حد احترام کیا۔ جب ہم واپس آئے تو میں نے آپ سے پوچھا کہ آپ نے شیخ عبدالقادر کا اتنا زیادہ ادب کیوں ملحوظ رکھا۔ آپ نے فرمایا ان کا ادب کیسے نہ کروں۔ جب کہ تمام اولیا اپنی گردن ان کے سامنے خم کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں مجھ پر مالک بنا دیا ہے عالم موجودات میں وہ اس وقت یگانہ ہیں۔

شیخ ابواسحاق ابراہیم بن علی

آپ سرزمین بطائح کے مشہور اولیائے کرام میں سے ہیں۔ آپ کی بزرگی اور قطبیت کا بہت سے اولیاء اللہ نے بھی اعتراف کیا ہے۔ عارفین اور محققین کے پیشوا تھے۔ نہایت عمدہ اخلاق و عادات کے مالک تھے۔ متواضع اور علم دوست بزرگ تھے۔ شافعی مذہب سے تعلق رکھتے تھے۔ دینی علوم کے علاوہ علم طریقت میں کامل تھے۔

بہت سے بزرگوں کو آپ کا شرف تلمذ حاصل تھا۔ ان گنت لوگوں نے آپ سے راہ ہدایت پائی۔ اکثر مراقبہ میں رہا کرتے تھے۔ عبادت میں آپ کا خشوع و خضوع مشہور تھا۔ کرامات و خوارق میں بھی مشہور ہیں۔ بطائح کی سرزمین میں ام عبیدہ نام ایک مقام ہے۔ وہیں ۶۰۹ھ میں آپ نے وفات پائی اور اسی جگہ دفن ہوئے۔

شیخ نجم الدین احمد بن شیخ ابوالحسن بطائحی کا بیان ہے کہ میں نے اکثر اوقات شیخ ابواسحاق ابراہیمؒ کو فرماتے سنا کہ حضرت شیخ عبدالقادر علیہ الرحمتہ ہمارے سردار اور ہمارے شیخ ہیں۔ سید المحققین اور امام الصدیقین ہیں' حجتہ العارفین اور پیشوائے سالکین ہیں۔ آسمان بھی ایک سورج رکھتا ہے لیکن اس وقت زمین کے سورج آپ ہیں۔

شیخ ابوالحسن علی بن ادریس یعقوبی

عراق کے مشائخ میں شیخ ابوالحسن علی بن ادریس یعقوبی کا نام خاص شہرت کا حامل ہے۔ آپ عراق کے بڑے بزرگوں اور اولیاء اللہ میں سے تھے۔ آپ حضرت غوث اعظم کے مریدوں میں سے ہیں۔ شیخ علی بن الہیتی کی صحبت میں بھی رہے۔ ان سے بہت کچھ سیکھا پھر لوگوں کی بھی رہنمائی فرمائی۔ بہت سے بزرگوں نے آپ سے استفادہ کیا۔ آپ مجاہدہ و ریاضت میں بھی بے مثال تھے۔ خود فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے نفس کی خواہشوں سے' پھر دس برس تک قلب کے نفس سے پھر دس سال تک قلب کے سر سے محافظت کی۔ اس کے بعد مجھ پر مقام رجوع الی اللہ وارد ہوا اور اس نے میری سر سے پیر تک حفاظت کی' بعض کرامتیں بھی آپ سے منسوب کی جاتی ہیں ۶۱۹ھ میں یعقوبا نام ایک مقام پر وفات پائی حضرت غوث اعظم کو آپ اپنا سردار' امام' پیشوا مانتے تھے اکثر فرمایا کرتے تھے کہ شیخ عبدالقادر جیلانی حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے نائب اور دین اسلام کے مجدد ہیں۔

شیخ قضیب البان موصلی

آپ موصل کے رہنے والے تھے۔ اپنے وقت کے مقتدر شیوخ اور اکابر علماء میں سے ہیں۔ لوگوں میں بڑی عزت اور قدر و منزلت حاصل تھی۔ بہت سے علماء اور مشائخ نے آپ سے استفادہ کیا۔ مجاہدہ اور ریاضت میں بہت شہرت رکھتے تھے۔ تزکیہ نفس کے لیے آپ نے ایسی ایسی ریاضتیں کیں جن کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔ مشہور بزرگ شیخ ابولبرکات صخر بن صخرین مسافر کا بیان ہے کہ آپ تقریباً" ایک ماہ تک ہمارے زاویہ کے قریب پھرتے رہے' اس عرصہ میں ہمہ استغراق میں رہے۔ ان ایام میں ہم نے آپ کو کھاتے پیتے یا سوتے جاگتے کبھی نہیں دیکھا۔ جب یہاں پر آپ کے پاس شیخ عدی بن مسافر آتے تو بے اختیار یہ فرماتے اے قضیب البان! مبارک ہو تمہیں شہود الٰہی نے اپنی طرف کھینچ لیا ہے اور جود ربانی نے تمہیں مستغرق کیا ہے' کئی کرامتیں آپ سے منسوب ہیں۔

آپ نے موصل شہر میں ۵۷۰ھ میں وفات پائی اور وہیں دفن ہوئے۔ غوث اعظم کو آپ بھی جلیل القدر ولی اللہ مانتے تھے اور ان کی بے حد تعظیم کیا کرتے تھے۔ آپ فرماتے تھے کہ شیخ عبدالقادر مقربین کے صدر' سالکین کے پیشوا' صدیقین کے امام' عارفین کے سردار اور دنیائے شریعت و طریقت کے نور آفتاب ہیں۔

شیخ مکارم بن ادریس النہر خالصی

آپ عراق کے بزرگوں میں سے تھے۔ نہر الخالص نام ایک مقام کے رہنے والے تھے۔ شیخ علی بن الہیتی کے شاگرد اور مرید تھے۔ شیخ علی آپ کے بارے میں فرمایا کرتے تھے کہ شیخ مکارم ایک ہلال ہیں جو عنقریب بدر بن کر چمکیں گے اور دنیا کو روشن کریں گے۔ چنانچہ آپ فی الحقیقت بدر بن کر چمکے اور آپ کو بے حد مقبولیت حاصل ہوئی۔ علاقے کے قرب و جوار کے بہت سے بزرگ آپ ہی کے تربیت یافتہ تھے۔ بہت سی کرامات بھی آپ سے منسوب ہیں۔

آپ کا کلام بڑا پر تاثیر اور بیش قیمت اقوال پر مشتمل ہوا کرتا تھا۔ مثلاً" فرماتے ہیں فقیر وہ ہے جو صابر اور با ادب ہو۔ اللہ تعالیٰ کے مراقبہ میں رہے' کسی پر افشائے راز نہ کرے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرے۔ زاہد وہ ہے جو نفس کی راحت' ریاست اور امارات کو ترک کر کے نفس کو زجر و توبیخ کرتا رہے۔ نفس کو خواہشات و شہوات سے روکے رکھے۔ شاکر کے بارے میں فرمایا کہ شاکر وہ ہے جو اپنے حوائج اور ضروریات پر صبر کر کے اللہ تعالیٰ کا دامن تھام لے۔ خواص یا عوام سے رجوع نہ کرے۔ اپنے دل کو تدبیر و اہتمام سے خالی رکھے۔ نہر خالص ہی میں آپ نے وفات پائی۔ غوث پاک کے متعلق آپ کا قول یہ تھا میں نے شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے پائے اور مرتبے کا کوئی بزرگ نہیں دیکھا۔

شیخ خلیفہ بن موسیٰ نہر الملکی

آپ عراق کے مشائخ کرام میں خاص شہرت کے مالک تھے۔ بڑے خدا رسیدہ اور نیک دل بزرگ تھے۔ شیخ ابو سعید قیلوی آپ کے استاد اور پیرو مرشد تھے۔ وہ ہمیشہ آپ کی تعریف میں رطب اللسان رہتے تھے۔ نہر الملک آپ کا وطن تھا۔ بہت سے بزرگوں نے آپ کی صحبت سے استفادہ کیا۔ صاحب حال اور باکرامت ولی اللہ تھے۔ نہر الملک ہی میں آپ نے وفات پائی۔ وفات کے وقت آپ پر عجیب کیفیت طاری ہوئی۔ بیان کیا جاتا ہے کہ جب قریب الوفات ہوئے تو تسبیح و تہلیل میں مشغول ہوگئے۔ آپ کے چہرہ پر خوشنودی کے آثار نمایاں ہوتے جاتے تھے۔ اسی اثنا میں آپ نے فرمایا کہ یہ جناب سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ کے اصحاب کبار ہیں جو مجھے رضاء الٰہی کی خوشخبری سنا رہے ہیں۔ پھر آپ مسکرائے اور مسکرا کر فرمایا کہ بندہ کی روح پرواز ہونے کے وقت اللہ تعالیٰ اس پر اپنی تجلی کرتا ہے تو وہ خوش و خرم ہو جاتا ہے۔ پھر آپ نے یہ آیت شریف پڑھی۔ یاایتھا النفس المطمئنۃ ارجعی الی ربک راضیتہ۔ ابھی آپ یہ آیت شریف پوری نہ کرنے پائے تھے کہ آپ کی روح پرفتوح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔

حضور غوثیت مآب کے بارے میں آپ فرمایا کرتے تھے کہ شیخ عبدالقادر جیلانذی اولیاء و اقطاب اور اصفیاء و اتقیا کے حاکم تھے۔

علامہ ابن جوزی: غوث پاک کے ہم عصر علماء و مشائخ میں کوئی ایسا نہیں جو آپ کے فضائل و مناقب کا معترف نہ ہو۔ البتہ علماء کی جماعت میں بعض ایسے تھے جو بعض امور میں آپ سے اختلاف رکھتے تھے۔ ان میں علامہ ابن جوزی کا نام خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ علامہ جوزی ابتدا میں غوث اعظم کے مخالف رہے مگر بعد میں

جب حقیقت حال ان پر واضح ہوگئی تو وہ بھی اپنے خیالات سے تائب ہو کر غوث اعظم کے معتقد اور معترف ہو گئے تھے۔ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر معافی مانگی تھی پھر آپ کے حلقہ ارادت میں داخل ہو گئے تھے۔ یہ واقعہ عبرت و بصیرت کے لحاظ سے قابل ذکر ہے۔

امام ابوالفرج عبدالرحمٰن معروف بہ ابن جوزی حدیث و تفسیر میں امام زمانہ تھے۔ جمال الحافظ آپ کا لقب تھا۔ علم حدیث' علم تاریخ اور علم ادب میں آپ کی تصنیفات بکثرت ہیں۔ بہت سی کتابیں آپ کی تصنیف ہیں۔

آپ کی تصنیفات کے متعلق علامہ ابن خلکان کا قول ہے کہ ابن جوزی کی تصنیفات احاطہ و اندازۂ خیال سے باہر ہیں۔ بعض مورخین کا قول ہے کہ ابن جوزی نے انتقال کے وقت وصیت فرمائی تھی کہ میں نے جن قلموں سے حدیث لکھی ہے ان کا تراشہ میرے حجرے میں ہے۔ مرنے کے بعد مجھ کو نہلائیں تو غسل کے لئے اس تراشہ سے پانی گرم کریں چنانچہ آپ کی وصیت پر عمل کیا گیا۔ پانی گرم ہو کر کچھ تراشہ بچ رہا۔ علامہ ابن جوزی ۵۱۰ء میں پیدا ہوئے اور ۵۹۷ء میں بغداد کے اندر آپ نے انتقال فرمایا اور باب اطراف میں مدفون ہوئے۔

علامہ موصوف حضرت غوث اعظم رحمتہ اللہ علیہ کے ہمعصر تھے۔ حضرت غوث اعظم کے بعض اسرار کو خلاف ظاہر شریعت جان کر انکار کرتے اور طعن و تشنیع میں بڑے زور سے حصہ لیتے تھے۔ بسا اوقات تو آپ کے حق میں سخت و سست اور دل شکن الفاظ بھی کہہ دیا کرتے تھے۔

علامہ ابن جوزی کی مخالفت نہ صرف حضور غوثیت مآب تک ہی محدود نہ تھی بلکہ دیگر مشائخ و صوفیہ کی نسبت بھی وہ اکثر سختی اور درشتی سے کام لیا کرتے تھے۔ امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ جو بہ اعتبار فلسفہ تصوف میں دنیا کی تمام شائستہ قوموں میں یکتا مانے گئے ہیں ان کی تردید بھی ابن جوزی نے کئی جگہ کھلے دل سے کی ہے اور جن کا جواب کئی اہل معارف نے اپنی تصنیفات میں دیا ہے۔ الغرض علامہ ابن جوزی عرصہ تک حضرت غوث اعظم رحمتہ اللہ علیہ سے منحرف رہے لیکن آخر میں ان کو معلوم ہو گیا کہ وہ غلطی پر ہیں۔ اپنے الفاظ سے تائب ہوئے اور حضور غوثیت مآب کے ظاہری و باطنی فضائل و کمالات کا اقرار کیا۔

چنانچہ شیخ عبدالحق صاحب محدث دہلوی رحمتہ اللہ علیہ مشکوٰۃ کے فارسی ترجمہ میں فرماتے ہیں کہ حرم شریف میں ایک رسالہ میری نظر سے گزرا جس میں لکھا تھا کہ بعض علماء و مشائخ عصر ابن جوزی کو حضور غوثیت مآب کی خدمت میں لے گئے اور معافی طلب کی۔ آپ نے معاف کر دیا۔

علامہ ابن جوزی کے رجوع کا واقعہ "قلائد الجواہر" اور "بہجتہ الاسرار" میں یوں مذکور ہے کہ ایک حافظ ابوالعباس احمد علامہ ابن جوزی کے ہمراہ حضور غوثیت مآب رحمتہ اللہ علیہ کی مجلس میں حاضر ہوئے۔ اس وقت آپ ترجمہ پڑھانے میں مصروف تھے۔ قاری نے ایک آیت پڑھی اور آپ نے اس کی وجوہات بیان فرمانا شروع کیں۔ گیارہ وجوہات تک حافظ ابو العباس ہر وجہ پر ابن جوزی سے دریافت کرتے چلے گئے کہ کیا وجہ آپ کو معلوم ہے اور آپ اثبات میں جواب دیتے۔ اس کے بعد آپ نے پوری چالیس وجہیں بیان فرمائیں اور ہر ایک وجہ کو اس کے قائل کی طرف منسوب کرتے گئے اور حافظ ابوالعباس کے پوچھنے پر ابن جوزی اخیر تک ہر وجہ پر نفی میں جواب دیتے رہے کہ مجھے اس کا علم نہیں۔ آخر حضرت غوث اعظم کے وسعت علم پر نہایت متعجب ہو کر کہنے لگے کہ ہم قال کو چھوڑ کر حال کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ اس کے بعد آپ نے اپنے کپڑے پھاڑ ڈالے۔ یہ دیکھ کر مجلس میں ایک اضطراب پیدا ہو گیا۔

شیخ احمد بن ابوالحسن رفاعی: آپ موضع ام عبیدہ کے رہنے والے تھے۔ عرب کے ایک قبیلہ رفاعیہ کی طرف منسوب ہیں۔ بڑے صاحب مرتبہ بزرگ تھے۔ بطائح میں مریدوں کی تربیت کا معاملہ آپ ہی سے ظاہر ہوا۔ ایک جماعت نے آپ سے استفادہ کیا۔ آپ کے خرقہ کی نسبت پانچ واسطوں سے خواجہ ابوبکر شبلیؒ تک پہنچتی ہے۔ شافعی المذہب تھے۔ ۵۷۰ھ میں ام عبیدہ ہی میں وفات پائی اور شیخ یحیٰی بخاریؒ کے مقبرہ میں دفن ہوئے۔

ایک مرتبہ آپ نے فرمایا: "شیخ عبدالقادر کے مناقب بیان کرنے کی کسے قدرت ہے۔ وہ تو ایسے شخص ہیں کہ ان کے ایک جانب شریعت کا دریا اور دوسری جانب حقیقت کا دریا ہے، جس جگہ چاہتے غوطہ لگاتے ہیں۔ آپ اپنے مریدوں کو وصیت فرمایا کرتے تھے کہ جب بغداد شریف جاؤ تو پہلے شیخ عبدالقادر سے ضرور ملو۔"

حضرت سخی سرور ویسے تو باقاعدہ سلسلہ چشتیہ میں بیعت تھے لیکن ابتدا میں انہوں نے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ سے بھی باطنی تربیت حاصل کی۔ ان ایام میں ایک دفعہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری حضرت شیخ جیلانیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ وہ سماع سے دلچسپی رکھتے تھے لیکن حضرت پیران پیرؒ موسیقی وغیرہ سے متنفر تھے۔ انہوں نے سخی سرور کو خواجہ صاحب کی خاطر مدارت پر مقرر کر دیا۔ جب سخی سرور خواجہ صاحب کی تواضع کے لیے نہایت نفیس اور عمدہ کھانوں پر مشتمل خوان لے کر پہنچے تو خواجہ صاحب نے یہ نہ جانتے ہوئے کہ پیران پیر نے موسیقی پر بندش لگا رکھی ہے، کھانا دیکھ کر کہا: "نان است ولی بی نمک است" یعنی کھانا تو ہے لیکن بے نمک اور پھیکا ہے۔ اصل میں ان کا مطلب یہ تھا کہ دعوت کا انتظام تو بہت اچھا ہے لیکن سماع کا کوئی اہتمام نہیں ہے۔ حضرت سخی سرور نے فوراً اپنے آقا اور مرشد کو خبر کی۔ پیران پیرؒ نے یہ سوچ کر کہ مہمان کی خواہش کا احترام کرنا اخلاقی فرض ہے، اپنے مسلک کی روایت کے برخلاف ایک سازندہ کو بلا بھیجا۔ اس نے ایک غزل اچھی آواز میں گا کر سنائی۔ اس سے خواجہ صاحب کے قلب و ذہن کو قدرے سکون ملا اور ساتھ ہی میزبان کی تواضع بھی مکمل ہو گئی۔ حضرت سخی سرورؒ بھی خواجہ صاحب کی قیام گاہ کے قریب کہیں موجود تھے۔ ان کے کان بھی سماع کی طرف متوجہ ہو گئے۔ جب خواجہ اجمیر، پیران پیر سے رخصت ہو کر بغداد سے روانہ ہوئے تو حضرت سخی سرور نے حضرت کے روبرو پیش ہو کر عرض کیا کہ مجھ سے مسلک کی بے قاعدگی ہوئی ہے کیونکہ میں نے سازندہ کی آواز سن لی ہے، لہٰذا میں معذرت چاہتا ہوں۔ پیران پیر کی نظر میں یہ جرم سنگین تھا۔ ایک ایسے شخص سے یہ اصول شکنی ہوئی تھی جو آپ کے خاص مریدوں میں سے تھا۔ آپ کو اپنے اس مرید کے مثالی تقدس اور بے پناہ جوش عقیدت کی طرف سے پورا پورا اطمینان تھا لیکن اب اسی سے ایسا جرم سرزد ہوا تھا جس کی معافی ناممکن تھی، تاہم انہوں نے حضرت سخی سرور کو ایک رقعہ خواجہ صاحب کے نام دیا، جن کی تواضع کے لیے موسیقی کا انتظام کیا گیا تھا۔ رقعہ میں یہ درخواست کی گئی کہ حضرت سخی سرور کے حق میں خدا تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کی جائے۔

حضرت سخی سرور اپنے روحانی مرشد کا رقعہ لے کر اجمیر شریف پہنچے اور رقعہ حضرت خواجہ صاحب کو دے دیا۔ خود خواجہ صاحب اور ان کے خاص مریدوں نے آپ کے حق میں دعا کی اور خواجہ صاحب نے اپنے طور پر آپ کو معاف کر دیا لیکن معاً ان کے دل میں خیال آیا کہ چونکہ حضرت سخی سرور سے مسلک قادریہ کے سب سے بڑے اصول کی خلاف ورزی ہوئی ہے اس لیے کوئی نہ کوئی بات ایسی ضرور باقی رہنی چاہیے جو اصول کی اس خلاف ورزی کو یاد دلاتی رہے، چنانچہ خواجہ صاحب نے آپ سے کہا، جاؤ تمہیں معاف کر دیا گیا لیکن اصول شکنی کی وجہ سے تمہاری قبر پر ہمیشہ ڈھول تاشے بجائے جائیں گے۔

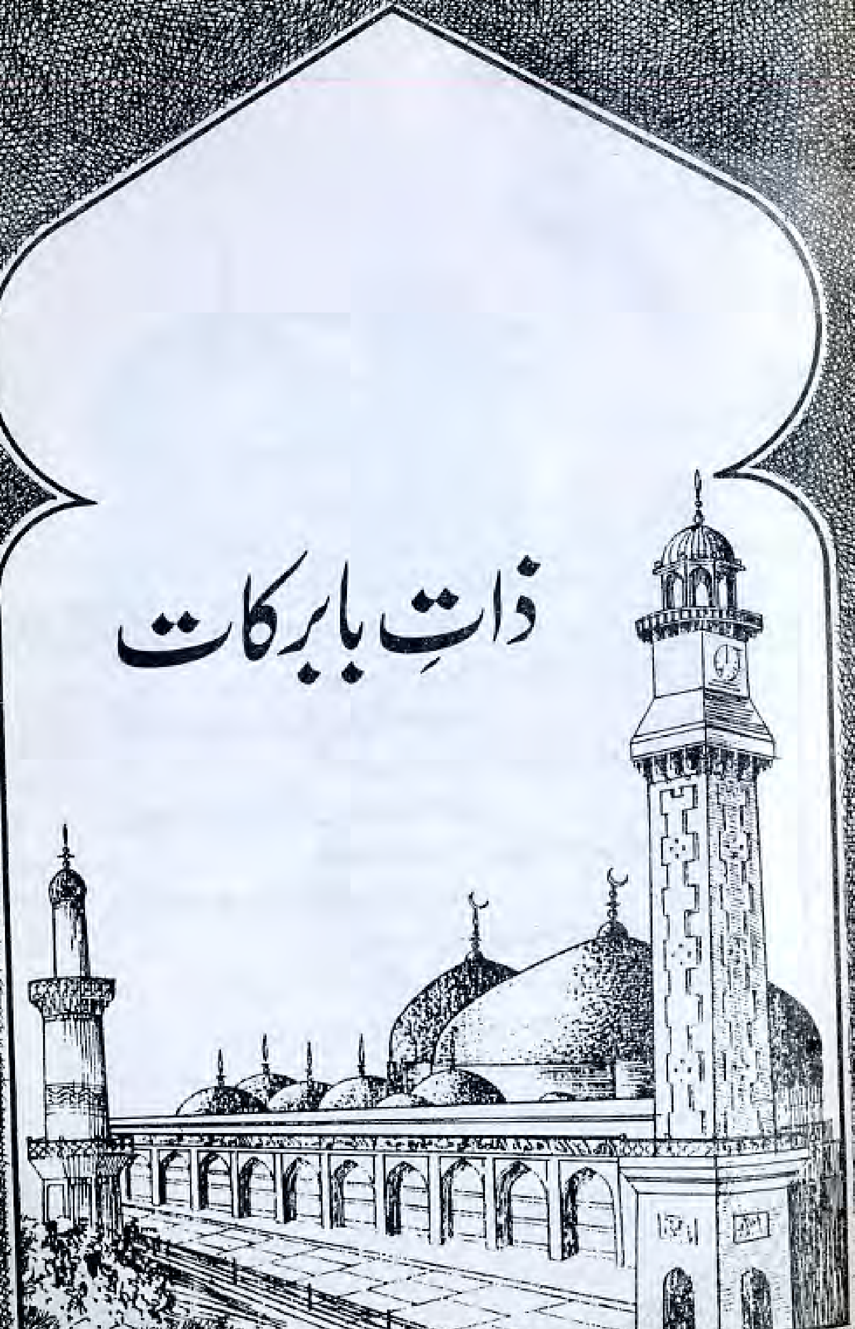

ہرپاسے ضیاء بغداد دی

ساقی بغداد کجھ ہووے عطا بغداد دی
اج سقانی المحب دے خُم وچوں پلا بغداد دی
خیر تے ہے کیوں نہ ہووے ساری محفل نوں سرُور
دَور کاساتِ الوصالِ دا گھٹ بغداد دی
ہر جگہ بغداد دے والی دا جاری تذکرہ
ہے شروع شیریں حکایت جابجا بغداد دی
گونجدی رہندی اے ہر تھاں شیئاً للہ دی صدا
وگدی ہردم رہندی اے جوئے سخا بغداد دی
پہنچے ہوئے نیں چوہاں کوٹاں تے چارے سلسلے
پھیلدی رہندی اے ہرپاسے ضیا بغداد دی
چوراں دے وچ پیدا ہو جاندی اے ابدالاں دی شان
سوہنا اے ماحول، سوہنی اے فضا بغداد دی
فضل نالو نال اِی آجائے گا ابرِ کرم
تیرے ول آوَنی اے جس ویلے ہوا بغداد دی

(پیر فضل گجراتی)

مقبولِ بارگاہ رسولؐ پر فدا سردارِ اولیاؒ

ایک دل آویز تذکرہ جس میں پوری زندگی کی کہانی سمٹ آئی ہے

اختر حسین شیخ

ایک تو دریا کنارے پانی کی لہروں پر ہلکورے لیتا ہوا سیب' بڑا خوش رنگ تھا دوسرے نوجوان مسافر کا بھوک سے برا حال تھا۔ کئی روز سے کھیل تک اڑ کر منہ میں نہ آئی تھی۔ لذت کام و دہن سے ناآشنا مسافر کے لئے یہ گویا غیبی رزق والا ماجرا تھا۔ اشتہا سے مجبور انسان نے ہاتھ بڑھا کر سیب پکڑ لیا اور بسم اللہ پڑھنے کے بعد اسے کھانے لگا۔ وسائل سے یکسر محروم اور وسائل دنیا سے مالا مال انسان میں' بنیادی فرق صرف ایک یا زیادہ سے زیادہ دو وقت کی روٹی کا ہوتا ہے' اس کے بعد شکم پروری کا جذبہ دونوں کو ایک سطح پر لے آتا ہے۔ مگر "حب اللہ" میں سرشار لوگ' اس کلیے قاعدے سے مستثنیٰ ہوتے ہیں اور کئی روز کا بھوکا مسافر "حب اللہ والرسول" کے بحرِ بے کنار میں غوطہ زن ہو چکا تھا۔ سیب حلق سے نیچے اترا تو آتش شکم کو قدرے قرار آگیا مگر "حب اختیاری" نے اسے سپرد اضطراب کر دیا۔ "یا ویلتی' یا حسرتی" یہ میں کیا کر بیٹھا؟" مسافر سوچنے لگا۔ "یہ سیب ضرور کسی شاخ ثمربار سے ٹوٹ کر گرا ہو گا اور وہ شاخ کسی شجر کا حصہ ہوگی پھر سیب کا درخت خودرو نہیں' کسی کی ملکیت ہو گا اور میں مالک کی اجازت کے بغیر ہی اسے نگل گیا' یہ تو لقمہ حرام والی بات ہو گئی۔ اب کیا ہو گا؟"

مسافر کی "بنتر" نیک تھی لہٰذا وہ اس حقیقت سے آشنا تھا کہ ایک لقمہ حرام چالیس دن کی عبادت پر خط تنسیخ کھینچ دیتا ہے اور ہر حرف دعا شرف قبولیت سے پیشتر ہوا میں تحلیل ہو جاتا ہے۔ اسی سوچ سے بے چین ہو کر بھوکا مسافر' دریا کنارے' بہاؤ کی مخالف سمت چلنے لگا۔ بھوک بے شک طاقتور جذبہ بقا ہے مگر خوف احتساب کے حامل' نیک طینت حضرات' اسے طاقتور ترین نہیں گردانتے۔ ان کے نزدیک خوف خدا سرفہرست اور جذبہ بقا کی حیثیت ثانوی ہوتی ہے۔ مسافر کا سفر رائیگاں نہیں گیا۔ لب دریا اسے ایک وسیع و عریض باغ دکھائی دیا جس میں

سیبوں کے بے شمار درخت تھے۔ "یقیناً یہی میری منزل ہے اور انہی درختوں میں' کسی ایک کی شاخ سے وہ سیب گرا ہوگا؟" مسافر یہ سوچ کر باغ کے مالک کو تلاش کرنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد اس کی ملاقات ایک نورانی چہرے والے بزرگ سے ہوئی۔

"آپ کون ہیں اور کس کو تلاش کر رہے ہیں؟" بزرگ نے مسافر سے پوچھا۔

"محترم بزرگ اگر آپ ہی اس باغ کے مالک و مختار ہیں تو مجھے آپ ہی کی تلاش تھی۔" مسافر نے جھکی نگاہوں سے کہا۔

"ہر شے کا مالک حقیقی تو رب العزت ہے البتہ اس باغ کی چند روزہ ملکیت اس نے مجھے عطا کر رکھی ہے" بزرگ نے مسافر کو بغور دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

"جناب' مجھ سے ایک گناہ سرزد ہو چکا ہے' میں آپ کی اجازت کے بغیر آپ کا ایک سیب کھا چکا ہوں۔ اگر آپ میری یہ تقصیر معاف فرما دیں تو بڑی کرم نوازی ہوگی۔" مسافر حرف مدعا زبان پر لے آیا۔ اب بزرگ نے از سرنو مسافر کا گہری نظروں سے جائزہ لیا اور چشم تماشا نے جو کچھ دیکھا دل نے اسے بے حد پسند کیا۔

"آپ کی یہ تقصیر کیوں معاف کر دی جائے؟" بزرگ نے عجیب و غریب سوال کیا۔

"تاکہ میں سجدوں کی لذت سے محروم نہ ہو جاؤں" مسافر نے مختصر مگر جامع جواب دیا۔

"برخوردار' معافی' طشت میں سجا کر مفت پیش نہیں کی جا سکتی" بزرگ نے برجستہ کہا "ہر گناہ کا کفارہ ادا کرنا پڑتا ہے۔"

"میں ہر قسم کا کفارہ ادا کرنے کو تیار ہوں مگر مجھے معافی سے محروم نہ فرمائیں"

"چند روز اس باغ کی رکھوالی کرو پھر معافی کے متعلق غور کیا جا سکتا ہے" بزرگ نے اپنا فیصلہ سنا دیا۔

یہ بزرگ اپنے زمانے کی مستجاب الدعوات ہستی شیخ عبداللہ صومعیؒ تھے جن کا شمار جیلان کے مشائخ اور زہاد شب زندہ داروں میں ہوتا تھا اور معافی کا خواستگار مسافر' ولی وقت' سید ابو صالحؒ تھے۔ سید موصوف اپنے شوق جہاد کی بنا پر جنگ دوست یا "جنگی" کے نام سے مشہور تھے۔ بعض کتب میں سید ابو صالح "جنکی" آیا ہے جو اصل میں "جنگی" ہے (جس کی وجہ تسمیہ بیان کی جا چکی ہے۔) جیل یا جیلان' طبرستان سے پرے مدائن کے قریب دریائے دجلہ کے کنارے ایک قصبہ ہے۔ جسے عجمی زبان میں گیلان یا گیل کہا جاتا ہے۔ (اردو زبان کا انتیسواں' فارسی کا چھبیسواں حرف "گاف" عربی زبان میں چونکہ موجود ہی نہیں لہٰذا اس قصبہ گیلان ہی کا عربی تلفظ "جیلان" ہے) حضرت شیخ عبداللہ اور ابو صالح کے درمیان معاملہ طے ہوا تو موخر الذکر نے پوری تن دہی سے باغ کی نگہداشت کے فرائض سرانجام دینا شروع کیے۔ پتے پتے اور بوٹے بوٹے کا احوال جس انداز میں دریافت فرمایا اس سے شیخ عبداللہ اور بھی گرویدہ ہو گئے۔ اس گہری وابستگی کی ایک وجہ اور بھی تھی۔ حضرت شیخ نے باغ کے رکھوالے میں ایک ایسے نقطۂ نور کا جلوہ دیکھا تھا جس سے ان کی روحانی چشم تماشا بھی چندھیا گئی۔ جسے وہ پہلی نظر میں ایک معصوم کبوتر سمجھ بیٹھے تھے وہ تو ابر پاروں سے بلند پرواز کرنے والا شاہین نکلا جو محض اتفاق سے ان کے ہاتھ آ گیا تھا۔ اس کی نشست و برخاست' ہر معاملے میں رضائے رب کو فوقیت اور خشیت الٰہی دیکھ کر حضرت شیخ عبداللہ صومعیؒ بڑے متاثر ہوئے۔ وہ خود صاحب کشف و کرامت بزرگ تھے اور چشم بینا سے بہت دور تک دیکھ سکتے تھے لہٰذا انہوں نے کافی غور و خوض کے بعد ایک بڑا فیصلہ صادر فرمایا۔ وقت معین کے

اختتام پذیر ہونے پر جب ابو صالحؒ ان کی خدمت میں اپنا مقدمہ لے کر دوبارہ حاضر ہوئے اور معافی کی درخواست پیش کی تو شیخ موصوف نے ایک عجیب و غریب شرط پیش فرما دی۔

"عزیزم معافی کی صرف ایک ہی صورت ہے۔" انہوں نے سنجیدگی سے وضاحت فرمائی۔ "میری ایک صاحب زادی ہے جو آنکھوں سے اندھی' قوت سماعت سے محروم اور ہاتھ پاؤں سے مفلوج ہے اس سے رشتہ ازدواج قبول کر لو تو ہمارا حساب بے باق ہو جائے گا۔"

"محترم بزرگ' مجھے اپنے سجدوں کی لذت' فصیل جاں سے بھی عزیز ہے لہٰذا آپ کی ہر شرط مجھے قابل قبول ہے' میں آپ کے حسب ارشاد اس رشتے کو قبول کرتا ہوں۔" سید موصوف نے ہتھیار ڈال دیئے۔ اس طرح دونوں کے مابین نئے رشتے کا آغاز ہوا۔ مگر شب زفاف کے موقع پر ایک حیران کن بات ہوئی۔ جونہی دلہا نے شریک حیات کو دیکھا تو گھبرا کر گھر سے باہر بھاگا۔ دلہن نہ صرف ظاہری عیوب سے پاک بلکہ چندے آفتاب چندے مہتاب بھی تھی۔ سید موصوف کسی غلطی کے احتمال کی بنا پر بھاگے بھاگے اپنے سسر کی خدمت میں پہنچے۔ حضرت عبداللہ نے فراست باطنی سے اپنے داماد کی پریشانی کا سبب معلوم کر لیا اور فرمایا "بیٹے' کوئی غلطی وغیرہ نہیں ہوئی یہی میری صاحب زادی تمہاری شریک حیات ہے۔ میں نے اپنی صاحب زادی میں جو عیوب گنوائے تھے وہ اصل میں اس کی صفات ہیں۔ بصارت سے محرومی کی وضاحت یہ ہے کہ اس نے آج تک کسی نامحرم کو دیکھا تک نہیں یہ اس کے حیا کی انتہا ہے۔ چوں کہ اس نے زندگی میں کبھی خلاف حق بات نہیں سنی لہٰذا وہ کذب و فریب کے لئے' سماعت سے محروم ہے۔ گھر کی چار دیواری سے چوں کہ اس نے کبھی بلا ضرورت شرعی باہر قدم نہیں رکھا لہٰذا وہ غیر شرعی اقدام کے لئے پاؤں سے مفلوج ہے۔ کار خیر کے سوا اس کے ہاتھ ہر کام سے ناآشنا ہیں لہٰذا وہ کار شر کے لیے ہاتھوں سے بھی مفلوج ہے"

حضرت عبداللہ صومعیؒ نے یہ وضاحت پیش کی تو نوجوان کی مسرت کا ٹھکانہ نہ رہا۔ شرم و حیا کی پتلی' حسن سیرت و صورت سے مالا مال شریک حیات سے بڑھ کر دنیاوی نعمت اور کیا ہو سکتی تھی۔ عبداللہ صومعیؒ کی اس صاحب زادی کا اسم گرامی ام الخیر سیدہ فاطمہ ہے جو سیدنا غوث پاک کی والدہ ماجدہ ہیں۔

شیخ عبداللہ صومعیؒ سیدنا غوث پاک کے نانا' علم و فضل میں لاثانی ہونے کے علاوہ صاحب حال ولئی وقت تھے۔ ان کے حسب مزاج واقعات کا ظہور پذیر ہونا تاریخ تصوف کی کتب میں محفوظ ہے۔ کسی بدنصیب سے غیر شرعی فعل سرزد ہونے کی بنا پر اگر شیخ موصوف کو غصہ آ جاتا تو اس شخص کا مبتلائے عذاب ہو جانا یقینی امر ہوا کرتا تھا۔ اس کے برعکس اگر وہ کسی کو نظر التفات سے نوازتے تو وہ شخص رب العزت کی جانب سے انعام و اکرام کا مستحق قرار پاتا اور یہی صاحب تصرف ولی اللہ کی پہچان ہے۔ کبر سنی کے باوجود نوافل بکثرت ادا فرماتے اور خشوع و خضوع کو انتہا تک پہنچا دیتے۔ "بندہ نوافل سے میرے اس قدر قریب آ جاتا ہے کہ اس کے افعال مجھ سے منسوب ہونے لگتے ہیں۔" شیخ موصوف اس حدیث کی منہ بولتی تصویر تھے۔ یہ بات تو مستند ہے کہ ان کے لیے زمینی مسافت کو مختصر کر دیا گیا تھا اس کی صرف ایک مثال پیش خدمت ہے۔ ان کے عقیدت مند چند تاجر سامان تجارت لے کر نکلے تو سمرقند کے گھنے جنگل میں ان کو خطرناک ڈاکوؤں کے گروہ نے اپنے نرغے میں لے لیا۔ تاجر حضرات تو ویسے بھی جدال و قتال سے ناآشنا قسم کے لوگ تھے۔ اچانک تاجروں نے شیخ صومعیؒ کو چیخ چیخ کر پکارنا شروع کیا "یا شیخ المدد۔ اس آفت ناگہانی سے ہمیں بچایئے" اس فریاد کا ارتعاش ابھی فضا میں موجود تھا کہ ان کو

شیخ صومعی کی موجودگی کا احساس ہوا۔ پھر ظاہری چشم تماشا نے عجیب و غریب منظر دیکھا۔ شیخ موصوف ان کے قریب کھڑے قہر آلود نگاہوں سے ڈاکوؤں کو گھور رہے تھے پھر انہوں نے گرج کر کہا "سبوح قدوس ربنا اللہ' تفرقی یا خیل عنا" (ہمارا رب پاک اور بے عیب ہے' اے سوارو! ہم سے دور ہو جاؤ) زبان شیخ سے ان الفاظ کا ادا ہونا تھا کہ سارے ڈاکو حواس باختہ ہو کر ادھر ادھر دیکھنے لگے پھر وہ سر پر پاؤں رکھ کر یوں بھاگے جیسے آہوئے مرگ دیدہ بھاگتا ہے۔ کچھ تو قریبی پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ گئے کچھ جنگل میں روپوش ہو گئے۔ تاجروں کے ہوش و حواس درست ہوئے تو انہوں نے شیخ صومعی کو غائب پایا جیسے ہوا کا حبس مٹانے والا جھونکا تھا یا کوندا کہ لپکنے کے بعد اپنا احساس چھوڑ گیا۔ اپنی بصارتوں اور سماعتوں کو جھٹلانے کی ان میں ہمت نہ تھی بہرحال فیصلہ ہوا کہ دن اور وقت کو ذہنوں میں محفوظ کر لیا جائے اور جیلان واپس پہنچ کر شیخ موصوف سے اس کی تصدیق کرا لی جائے۔ جب وہ لوگ بخیر و عافیت وطن لوٹے تو انہوں نے مجلس شیخ میں سارا واقعہ من و عن بیان کیا۔ حاضرین مجلس نے خدا کو حاضر و ناظر گواہ بنا کر کہا "اس روز تو شیخ یہاں موجود تھے۔"

اس خاندان کی ایک خاتون شیخہ عائشہ کا (شیخ صومعیؒ کی سگی ہمشیرہ) بھی زہد و تقویٰ میں بلند مرتبہ تھا ایک بار جیلان میں ایسی خشک سالی ہوئی کہ زمین قطرۂ آب کو ترسنے لگی جس کے نتیجے میں قحط کا دور دورہ ہوا۔ سب دعائیں بے اثر ہوئیں اور نماز استسقا بھی شرف قبولیت حاصل نہ کر سکی۔ شاید قدرت کو بندوں کا امتحان مقصود تھا۔ تھک ہار کر خلق خدا شیخہ عائشہ (ام محمد) کے آستانے پر حاضر ہوئی اور دعائے استسقا کی درخواست کی۔ موصوفہ نے صحن میں کھڑے ہو کر سوئے آسمان دیکھا پھر جھاڑو پکڑ کر صحن کے ایک گوشے میں جاروب کشی کرنے کے بعد خالق کائنات سے فریاد کی "رب کائنات' جھاڑو میں نے دے دی رحمت کا چھڑکاؤ تو کر دے۔" خلق خدا نے عجیب نظارہ دیکھا نیلے صاف شفاف آسمان پر گھن گھور گھٹائیں چھا گئیں اور چھاچھوں پانی برسنے لگا۔ لوگ اپنے گھروں تک پہنچتے پہنچتے ابر رحمت میں شرابور ہو گئے اور جیلان آباد ہو گیا۔ شیخہ ام محمد کا وصال جیلان ہی میں ہوا اور مزار مقدس بھی اسی جگہ ہے۔ غوث الثقلین کے ننھیال کا سلسلہ امام حسین ابن علی سے جا ملتا ہے جبکہ والد بزرگوار کا دس واسطوں سے امام حسن ابن علی المرتضیٰ سے رشتہ استوار ہو جاتا ہے۔ گویا غوث الاعظمؒ حسنی حسینی یعنی نجیب الطرفین سید ہیں۔

غوث پاکؒ پیدائشی ولی تھے عہد رضاعت میں ایک بار رمضان المبارک کا چاند مشتبہ ہو گیا اور رویت ہلال کا فیصلہ ام الخیر نے کیا "میرا بچہ رمضان المبارک میں سحری کے بعد دودھ پینے سے پرہیز کرتا ہے' اگر کل صبح اس نے دودھ سے گریز کیا تو ماہ رمضان کا آغاز سمجھو ہو گیا" دوسرے روز واقعی شیر خوار نے دودھ پینے سے انکار کر دیا حالاں کہ شیر مادر سے صحت مند بچے کا انکار' خلاف عقل بات تھی۔ تصدیق کرنے پر خلق خدا دنگ رہ گئی کہ اس روز واقعی یکم رمضان المبارک تھی۔ اس طرح سارے جیلان میں یہ خبر پھیل گئی کہ ابو صالح کا فرزند پیدائشی ولی ہے۔ سماعتوں کو یقین کرنے میں تامل تھا مگر اس کا کیا علاج کہ شیر خوار بچہ سب کے سامنے تھا اور بندوں کے پاس' ایمان لانے کے لئے' آنکھ ہی معتبر وسیلہ ہے۔ یہ الگ بات کہ عنداللہ آنکھ کی گواہی کوئی اتنی معتبر نہیں ہوتی۔ اگر آنکھ کی گواہی واقعی قابل اعتبار ہوتی تو کائنات کی سب سے بڑی کتاب' قرآن میں' ایمان بالغیب کی شرط عائد نہ کی جاتی۔ آنکھ چوں کہ فریب نظر کا شکار ہو کر اکثر اوقات قوت مدرکہ کو دھندلا دیتی ہے لہٰذا اس کی گواہی خواص کے ہاں قابل قبول نہیں۔ بہرحال یہاں ذکر ایک عام چشم تماشا کا ہو رہا ہے جو قدم قدم پر ورطۂ حیرت میں

ڈوبتی ہے ورنہ خواص نے تو غوث پاک کی پیدائش کے سلسلے میں' اپنے اپنے ظرف و شرف کے مطابق پیشین گوئیاں کر ہی دی تھیں۔

ام الخیر سیدہ فاطمہ بنت عبداللہ صومعیؒ جیسی زاہدہ عابدہ خاتون کے بطن سے سید ابو صالح موسیٰ کے ہاں رمضان المبارک کے بابرکت مہینے میں ۴۷۰ھ کی ایک دل کش چاند رات' وہ بچہ تولد ہوا جو دین محمدی کے افق پر آفتاب عالمتاب بن کر چمکا۔ اس مہر پر تنویر کی واقعی اشد ضرورت تھی۔ اس مادر زاد ولی بچے کا نام نامی اسم گرامی "عبدالقادر" تجویز کیا گیا۔ کیا اسے صرف تاریخی اتفاق سمجھا جائے کہ اس پیدائشی ولی بچے کے جد اعلیٰ' کائنات کے سب سے بڑے انسان حضرت محمدؐ ختمی مرتبت کی شان کا خلاصہ "عبدہ" ہے اور صدیوں بعد مبارک سلسلے کی درخشاں کڑی غوث پاک کا اسم گرامی بھی "عبد القادرؒ" ہے۔ راقم کی چشم بصیرت تو اس تاریخی "اتفاق" پر ہمیشہ چندھیا جاتی ہے۔ شان غوث الثقلین کے ادراک کے لئے چشم بصیرت درکار ہے ایسی آنکھ جو ماضی و مستقبل میں بہ آسانی جھانکنے کی صلاحیت رکھتی ہو کور نظر چشم جہالت تو فہم و فراست کو صرف گمراہ ہی کر سکتی ہے۔ ولادت غوث پاک کی اہمیت کے علاوہ "شدید ضرورت" سے آشنائی کے لئے اس دور تاریک پر ایک طائرانہ نگاہ ڈالنا بھی بے حد ضروری ہے۔ یہ ایک سیدھا سادہ' شدت طلب اور "عطا" والا معاملہ ہے۔ دین محمدی کے تن ناتواں کی رگوں میں صحت مند خون دوڑانے کے لئے ایک "محی الدین" شخصیت کی ضرورت تھی ایسی شخصیت جو جلال و جمال کا دلنواز مرقع ہو۔ قدوسی و جباری و قہاری و جبروت کا خلاصہ ہو' اور یہ شخصیت غوث پاک ہی کی ہو سکتی تھی جس نے دین فطرت کے جسد جاں بہ لب میں ایسی توانا روح پھونک دی کہ وہ بپھرے ہوئے "تاریخی طوفان" کا مقابلہ کرنے کے قابل ہو گیا۔ یہ ایک ایسی تاریخی حقیقت ہے جو ساری دنیا پر روز روشن کی طرح عیاں ہے۔

غوث پاک کی ولادت باسعادت پانچویں صدی ہجری بمطابق گیارھویں صدی عیسوی ہے۔ یہی وہ صدی ہے جسے مسٹر گبن اور دیگر مستشرقین نے اسلام کا عہد تاریک قرار دیا ہے لیکن ہمارے لیے یورپین مورخوں کی آراء سے بڑھ کر رسالت مآبؐ کے فرمان کی اہمیت ہے کیوں کہ آپ ہی "محرم راز درون خانہ" ہیں۔ البتہ اگر دنیا کے کسی گوشے سے کوئی آواز' حضور ختمی مرتبت کی تائید میں بلند ہو تو وہ بھی ہمارے لیے معتبر بن جاتی ہے۔ اس دور کے روحانی انحطاط کے متعلق علامہ سید انور شاہ کشمیری نے بھی فیض الباری "تعلیمات بخاری" میں ایک روایت نقل کی ہے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "پانچویں صدی کے قریب میری امت پر آفت کی ایک چکی چلے گی اگر اس سے بچ نکلی تو پھر کچھ مدت کے لیے اسے استقامت نصیب ہو جائے گی" حضورؐ کے فرمان کی روشنی میں' ادبار کی ان گھٹاؤں میں ایک ایسے آفتاب عالمتاب کی ضرورت تھی جس کی ضیا پاشیوں کا فیض دائمی ہو اور ۴۷۰ھ میں یہ آفتاب طلوع ہوا' جسے دنیا غوث الاعظم شیخ عبدالقادر جیلانی کے نام سے جانتی ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس دور انحطاط کی تفصیل بیان کر دی جائے تاکہ غوث پاک کی ولادت باسعادت کے سیاق و سباق اور ضرورت کی وضاحت ہو سکے۔

ولادت غوث پاک سے پہلے امت مسلمہ کو فسق و فجور' بدکاری' سیاسی ابتری اور اخلاقی انحطاط یعنی چار بلاؤں نے مکمل طور پر اپنے نرغے میں لے رکھا تھا۔ عددی اعتبار سے مسلمان کم نہ تھے۔ اسلامی سلطنتوں کا سلسلہ اندلس سے برصغیر تک پھیلا ہوا تھا مگر سارا جاہ و جلال محض دکھاوے کا تھا۔ سیاسی مرکز بغداد کی حالت

ناگفتہ بہ ہو چکی تھی۔ خلافت بنو امیہ کا سنہری دور جو عبدالملک بن مروان سے شروع ہو کر حضرت عمر بن عبدالعزیز تک رہا قصہ پارینہ بن چکا تھا۔ بنو عباس کا عروج ہارون الرشید کے عہد خلافت سے گرتے گرتے عباسی خلیفہ مستظہر باللہ تک آپہنچا تھا۔ (بنو عباس کے کل خلفاء کی تعداد ۳۷ ہے ۱۳۲ھ السفاح سے لے کر ۶۵۶ھ یا ۱۲۵۸ء تک۔ آخری خلیفہ مستعصم باللہ تھا جسے ہلاکو خاں نے ہلاک کیا) ولادت غوث پاک کے وقت خلافت بغداد کی گرفت اتنی کمزور تھی کہ ہر طرف طوائف الملوکی کا دور دورہ تھا۔ امیر عبدالرحمٰن اموی کی قائم کردہ حکومت 'اندلس میں دم توڑ چکی تھی یورپ کی عیسائی طاقتیں گھات لگائے بیٹھی تھیں کہ موقع ملتے ہی گرتی ہوئی دیوار کو آخری دھکا دے کر زمیں بوس کر دیں۔ مصر کی سلطنت "باطنیہ عبیدیہ" الحاد و بے دینی کے پرچار میں سر فہرست تھی۔ علامہ سیوطیؒ نے تاریخ خلفاء میں اسے سلطنت "خبیثہ" کا مناسب ترین نام دیا۔ بیت المقدس عیسائیوں کے قبضے میں جا چکا تھا اور یورپی متحدہ طاقتیں سرزمین حجاز و عراق پر حملے کے لیے پر تول رہی تھیں۔ (اسی سلسلے کی ابلیسی کڑی ریجنالڈ کو بعد میں' سلطان صلاح الدین ایوبی نے اپنے دست مبارک سے واصل جہنم کیا) جہاں تک مشرق وسطیٰ کا تعلق ہے تو خلافت بغداد کا اثر و رسوخ برائے نام سا رہ گیا تھا۔ سلجوق اور دیگر سلاطین آپس میں دست و گریباں رہتے' جو برسر اقتدار آتا' اہل بغداد اسی کا کلمہ پڑھنے لگتے۔ برصغیر کے شمال مغربی علاقے میں ہند کی اینٹ سے اینٹ بجا دینے والے سلطان محمود غزنوی کے جانشینوں کی حالت بھی قابل رحم و افسوس ناک حد تک خراب ہو چکی تھی اور ہندو راجگان اپنی ذلت آمیز شکستوں کا بدلہ لینے کے لیئے پر تول رہے تھے۔

مسلمان امراعیش و عشرت میں ڈوب چکے تھے حرم سراؤں کی زیبائش اور لونڈیوں سے کیف و سرور حاصل کرنے کے علاوہ ان کو کوئی اور کام نہ تھا۔ چشم تصور سے اندازہ لگائیں کہ مشرق وسطیٰ کے ایک متوسط رئیس' ابن مروان کی حرم سرائے میں رقص و سرور میں ماہر لونڈیوں کی تعداد پانچ سو تھی۔ اسی طرح ایک اور معتمد نامی' قرطبہ کے رئیس نے' ایسی لونڈیوں کی فوج ظفر موج پال رکھی تھی' جس کی تعداد آٹھ سو سے ایک ہزار تک بیان کی جاتی ہے۔ ہسپانیہ کے نقاب پوش سلاطین فنون لطیفہ و ثقافت کی ترویج و ترقی کے نام پر 'اسلامی پردے پر خط تنسیخ کھینچ چکے تھے۔ عوام الناس نے بھی حکمرانوں کی تقلید میں نقاب پہننے شروع کر دیے تھے اور خواتین کھلے منہ اپنے "سرمائے" کی نمائش کرتی پھرتی تھیں۔ امراسے عوام تک سب عیش کے بستر سجائے' بدکاری و مے نوشی میں ڈوب چکے تھے۔ مذہبی اور روحانی کیفیت ناقابل بیان حد تک خراب ہو چکی تھی۔ قرامطہ اور باطنیہ کے افکار کی روشنی میں علمائے سو کا طاقت ور طبقہ پیدا ہو چکا تھا۔ ملت اسلامیہ کا درد اور سود و زیاں کا احساس رکھنے والے وفا کے پتلے' باطنیہ کے خنجروں کا ہدف بن رہے تھے۔ سلجوقی وزیر نظام الملک طوسی اور اس کے بعد ۴۸۵ھ (ولادت غوث پاک کے پندرہ برس بعد) میں سلجوق شہنشاہ ملک شاہ انہی قاتلوں کے شکار ہوئے۔ رہی سہی کسر یونانی فلسفے کی یلغار نے پوری کر دی۔ (اس کے جواب میں غوث پاک کے ہمعصر امام غزالیؒ نے تہافتہ الفلاسفہ تصنیف فرمائی) حضرت امام غزالی (۱۰۵۸ء تا ۱۱۱۱ء) کا غوث اعظم کے آگے باقاعدہ زانوئے تلمذ تہ کرنا تو ثابت نہیں مگر جب آفتاب طلوع ہو جائے تو اس کی کرنوں سے شجر و حجر تک بلا امتیاز فیض یاب ہوتے ہیں۔ وہ زمانہ چوں کہ غوث الثقلین کا تھا لہٰذا اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ ہر ذہن کی جلا' فیض غوث پاک ہی کی مرہون منت تھی۔ امام غزالی نے اپنی تصنیف "احیاء العلوم" میں اس زمانے کے علماء سو کی تفصیل بیان کی ہے۔ امام

موصوف رقم طراز ہیں "وہ ہر وقت شیعہ' سنی' حنبلی اور اشعری مناظرات میں مصروف رہتے تھے گالی گلوچ اور کشت و خون تک نوبت پہنچنا ایک معمولی بات تھی اور کچھ نہیں تو صدر نشینی ہی پر جھگڑا اٹھ کھڑا ہوتا۔ معاشرے کا یہی وہ سیاسی و روحانی ادبار تھا جسے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے زیادہ خطرناک قرار دیا تھا۔" صحاح ستہ میں ایک حدیث شریف ذرا مختلف الفاظ میں موجود ہے: "خدا کی قسم مجھے تمہارے متعلق غربت و افلاس کا کوئی خوف نہیں بلکہ مجھے اس بات کا ڈر ہے کہ تم پر دنیا کے دروازے کھل جائیں گے (یا کھول دیئے جائیں گے) اور پھر جیسے تم سے پہلی امتوں میں مقابلے کا بازار گرم ہوا' اسی حالت میں تم بھی مبتلا ہو جاؤ گے یعنی اس حالت میں اغیار نہیں بلکہ خود مسلمان ہی مسلمانوں کو ختم کرنے کے درپے ہو جائیں گے۔"

آں حضرتؐ کے الفاظ چونکہ تقدیر انسانی کا درجہ رکھتے ہیں لہٰذا بغداد کے گلی کوچوں میں ارزانی سے بہنے والے خون نے اس حدیث شریف کی تصدیق کر دی۔ اس اندھیرے میں ایک ایسی روحانی قوت کی اشد ضرورت تھی جو دین محمدی کی از سر نو شیرازہ بندی کر سکے نہ صرف یہ بلکہ اسے آنے والے طوفانوں کا مقابلہ کرنے کے قابل بھی بنا سکے ہیں۔ صورت حال اس بات کی بھی متقاضی تھی کہ اس بطل جلیل کا روحانی تصرف وقتی یا عارضی نہ ہو بلکہ دائمی ہو۔ معروضی حالات کے تقاضوں کے عین مطابق ایک ایسے مرد مومن کو پیدا فرمایا گیا جسے دنیا قیامت تک پیران پیر' غوث الاعظم اور محی الدین جیسے مبارک اسمائے گرامی سے پکارتی رہے گی۔

اس میں شک و شبے کی رتی برابر گنجائش نہیں کہ تعلیمات غوثیہ اور ان کی مساعی جمیلہ ہی کے نتیجے میں امت مسلمہ نہ صرف سنبھل گئی بلکہ اس قابل بھی ہو گئی کہ ان کی وفات کے بعد اٹھنے والے فتنہ تاتار کی غارت گری سے سلامتی ایمان کے ساتھ نبرد آزما ہوئی۔ اس فتنہ عظیم کی تباہ کاریاں اگرچہ بے حد و حساب تھیں۔ آگ اور لہو کا ایک بپھرا ہوا سمندر تھا جس میں امت مسلمہ کو ڈوب کر ابھرنا پڑا مگر یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اگر کسی اور قوم کو اس بدبختی کا سامنا کرنا پڑتا تو اس کا نام و نشان صفحہ ہستی سے مٹ چکا ہوتا۔ یہ اعجاز کیا کم ہے کہ سلسلہ قادریہ ہی کے ایک بزرگ نے فتنہ تار تار کے گھپ اندھیروں میں اسلام کی نورانی شمع روشن کی اور۔

پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے

کے مصداق خود تاتاری قوم ہی قبول اسلام کے بعد ملت اسلامیہ کی محافظ بنی۔ برصغیر میں سلطنت مغلیہ اس کی درخشاں مثال ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ نے شہرہ آفاق تصنیف "ہمعات" میں اس نکتے کی وضاحت بڑے دل کش انداز میں کی ہے۔ "حضرت غوث اعظم کی اصل نسبت 'نسبت اولیہ ہے جس میں نسبت سکینہ کی برکات ان معانی میں شامل ہوتی ہیں کہ شخص مذکورہ ذات الٰہی کے "ذال" کے نقطے کی طرح شخص اکبر ہیں' ارواح کاملہ اور ملاء اعلیٰ کی محبت میں' خود محبوب بن جاتا ہے۔ اس مقام محبوبیت کی وجہ سے اس کے ارادہ و توجہ کے بغیر تجلیات الٰہی میں سے وہ تجلی اس پر ظاہر ہو جاتی ہے جو ابداع' خلق' تدبر اور تدلی کا خلاصہ ہوتی ہے۔ اس تجلی کی وجہ سے ایسی انسیت اور برکات کا ظہور ہونے لگتا ہے جن کی کوئی انتہا نہیں۔ اس انسیت کے نتیجے میں امور کائنات خود بخود ظہور پذیر ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔ اسی وجہ سے غوث الاعظم نے کلمات فخریہ فرمائے اور ان سے تسخیر عالم کا ظہور ہوا۔"

درج بالا تحریر کی تائید میں ایک حدیث شریف کا اجمالاً ذکر کیا جا چکا ہے جس کا متن ہے کہ کثرت نوافل سے بندہ میرے قرب سے فیض یاب ہو جاتا ہے ایسا قرب کہ وہ اپنی ذات کو میری ذات میں فنا کر دیتا ہے۔ پھر میں

اس کی بصارت و بصیرت' سماعت' زبان اور ہاتھ پاؤں بن جاتا ہوں۔ گویا انسان' خدائی طاقت و توانائی کا مظہر بن جاتا ہے اور حیات فانی کے بعد یعنی جسد خاکی کے زیر زمین سو جانے کے بعد اس کے روحانی تصرفات کا آغاز ہو جاتا ہے۔ اسے موجودہ دور کی زبان میں میٹا فزکس (METAPHYSICS) یعنی مابعد الطبیعات کا نام دیا گیا ہے اور انشاء اللہ ۲۱ویں صدی میں اس کے حقیقی معانی عوام الناس پر آشکار ہوں گے۔ ابھی تک ایک عام انسان کی ذہنی سطح' بلوغت کے اس مقام تک نہیں پہنچ پائی کہ روحانی تصرفات کا کما حقہ' ادراک حاصل کر سکے۔ بغیر ادراک کے ایمان لانے کے لئے ہمت و حوصلے کی ضرورت ہوا کرتی ہے۔

یہ تھی امت مسلمہ کی حالت زار جب ۴۷۰ھ میں غوث پاک تولد ہوئے۔ کم سنی میں پیدائشی ولی کو علوم ظاہری کی تحصیل کے لئے مکتب کا راستہ دکھا دیا گیا مگر حالت یہ تھی کہ جب آپ سوئے مکتب تشریف لے جا رہے ہوتے تو فرشتوں کا ایک گروہ ساتھ ہوتا جو لوگوں کو احترام غوث کی تلقین کر رہا ہوتا "راستے سے ہٹ جاؤ' سر تسلیم خم کرتے جاؤ اللہ کا ولی آ رہا ہے" اکثر یوں بھی ہوتا کہ غوث پاک کے ہم مکتبوں کو سرزنش کی جاتی "مقام احترام' حد ادب' اللہ کے ولی کے لئے جگہ دو' اور حیران کن بات یہ ہے کہ کم سنی ہی میں غوث پاک کو اپنے مقام و مرتبے کا احساس ہو چکا تھا۔ آپ خود فرماتے ہیں کہ مجھے اپنی ولایت کا احساس دس برس کی عمر ہی میں ہو گیا تھا۔

دیتے ہیں بادہ ظرف قدح خوار دیکھ کر

کے مصداق کم سنی میں احساس ولایت صرف اس صورت میں حیران کن بات نہیں کہ ظرف انسانی کی وسعت بھی اس کے عین مطابق ہو ورنہ منصور حلاج والا قصہ بن جاتا ہے اور انسان چھلک کر آپے سے باہر ہو جاتا ہے۔ غوث پاک اکثر فرمایا کرتے تھے کہ اگر منصور میرے زمانے میں ہوتا تو میں ضرور اسے سنبھال لیتا۔

کہہ رہا ہے شور دریا سے سمندر کا سکوت
جس کا جتنا ظرف ہے اتنا ہی وہ خاموش ہے

چھوٹی عمر میں ولایت کے بار گراں کا احساس' بذات خود ایک ایسا کارنامہ ہے جو کبھی کسی نے دیکھا نہ سنا۔ کم سنی ہی میں غوث پاک کو دوہرے صدمے کا سامنا ہوا۔ والد بزرگوار اور شفیق نانا سفر آخرت اختیار کر گئے گویا شجر سایہ دار سے محروم ہونا پڑا۔ اس طرح تعلیم و تربیت کی ذمہ داری ام الخیر سیدہ فاطمہ کے کندھوں پر آن پڑی۔ والدہ ماجدہ بھی بچے کے مقام و مرتبے سے آشنا تھیں لہٰذا اسی کے مطابق انہوں نے ہر کام سرانجام دیا۔ غوث پاک کا اصل مقام تو تلامیذ الرحمن کی سرداری تھا مگر دستور دنیا کے عین مطابق آپ کو اکتساب علم کرنا پڑا۔ اس طریقہ کار سے صرف انبیا کی ذات ہی مستثنیٰ ہوتی ہے ورنہ غوث' قطب' ابدال ہر شخص کو کسی نہ کسی کے آگے زانوئے تلمذ تہہ کرنا ہی پڑتا ہے۔ پھر ان واقعات کے ظہور کا آغاز ہوا کہ غوث پاک عارضی طور پر سہم سے جاتے۔ گھر کے قریب ایک وسیع و عریض میدان میں چند بچے کھیل کود میں مصروف تھے غوث پاک بھی ان میں شامل ہونے کے لئے میدان کی جانب لپکے فضا میں ایک عجیب و غریب قسم کی گونج سنائی دی ""الی یا مبارک" (اے برکت والے میری طرف آ) اس گونج کے ارتعاش میں موسیقیت بھی تھی الوہی سرور بھی اور یہ پر ہیبت بھی تھی۔ غوث پاک سہم کر گھر کی طرف بھاگے اور آغوش مادر میں آ بیٹھے۔ اس طرح کھیل کود کا خیال دل سے نکل گیا۔ والدہ نے مسکرا کر نورانی چہرے کی طرف دیکھا تو آپ بھی مسکرانے لگے۔ یہ سہم' یہ خوف ندائے غیبی کی بنا پر تھا وہ ندا جسے سن کر کوہ طور پر حشر برپا ہوا۔ موسیٰؑ جیسا جلیل القدر پیغمبر ہی اس صدا کو برداشت کر سکتا تھا

اور وہ بھی ہوش و حواس سے بیگانہ ہو کر۔ اسے تو ویسے بھی لوگ "وقفہ تسلیم و رضا" کہتے ہیں۔ کھیل تماشے سے گریز کی تلقین کرنے والی ندائے غیبی کا بار بار اعادہ ہوا تو قلب معصوم نے اس کا بھی حل ڈھونڈ نکالا۔ ایسا کھیل پیش کیا کہ خلق خدا انگشت بدنداں رہ گئی۔ وہ کون استاد تھا جو معصوم بچے کی راہنمائی فرما رہا تھا اور ایسے مشکل مضامین ذہن نشین کرا رہا تھا؟

"آؤ ساتھیو ایک بڑا دلچسپ کھیل کھیلیں" ایک بار خود عبدالقادرؒ نے ہمجولیوں کو ترغیب دی۔

"میں کہوں گا "لا الہ" اور تم سب اس کے جواب میں باآواز بلند کہنا "الا اللہ" بس بڑے مزہ آئے گا"

چنانچہ اس روز جیلان کے گلی کوچے معصوم صداؤں سے گونجنے لگے ایسی صدائیں جو سپرد اضطراب دلوں کو سامان تسکین فراہم کرتی ہیں۔ خلق خدا ورطۂ حیرت میں ڈوبی مگر ام الخیر کا سر فخر سے بلند ہو گیا۔ خیر کا سرچشمہ آخر اسی کے وجود سے پھوٹ رہا تھا بات فخر کرنے کے لائق تھی۔

عنفوان شباب نے ابھی در پر دستک نہ دی تھی کہ قلب معصوم گہری سوچوں کے حوالے ہو گیا۔ بندہ اور صاحب بندہ کے تعلقات' تخلیق کائنات' انسانی اعمال و افعال اور امت مسلمہ کا زوال یہی سوالات تھے جو ذہن میں گردش کرتے رہتے۔ دل معصوم ضرور تھا مگر دریاؤں سمندروں سے گہرا تھا لہٰذا موضوعات کی وسعت اس میں سما سکتی تھی جیسے آنکھ کی پتلی میں بیکراں نیلا آسمان سما جاتا ہے۔ ان موضوعات پر غور و فکر کا نتیجہ یہ ہوا کہ غوث پاک اکثر و بیشتر مہر بہ لب رہتے۔

"جان عزیز! بعض سوچیں اندر کی لو مدھم کر دیتی ہیں اور بعض سینے کو جلا بخشتی ہیں۔" ام الخیر نے ایک روز لخت جگر سے فرمایا۔ "لہٰذا سوچ کا انتخاب' سوچ سمجھ کر کرنا چاہیے"

"جس چراغ کی لو اتنی ناتواں ہو اس کا بجھ جانا ہی بہتر ہے' امی جان!"

"مناسب ترین بات ہے" ام الخیر نے مسکرا کر تائید کی۔ "میری خواہش ہے کہ آج تم زمین کے ٹکڑے پر ہل چلا دو' موسم اس توجہ کا تقاضا کر رہا ہے۔" ام الخیر نے لخت جگر کی خاموشی کا حل تجویز کیا غوث الثقلین' والدہ کی خواہش کے احترام میں فوراً" تیار ہو گئے۔ آگے آگے بیل تھا پیچھے پیچھے آپ۔ کھیت کے قریب پہنچے تو اچانک بیل ٹھٹک کر رک گیا۔ بیل تو جانور تھا اس کی کیا مجال تھی کہ معاملات غوث میں مداخلت کرتا۔ روکنے والی تو کوئی اور ذات تھی۔ وہی ذات جو ارادوں کی محتاج ہے نہ اسباب کی۔ جو "کن" کی ادائیگی سے کائنات تخلیق فرما سکتی ہے۔ یہ "کن" بھی ہمیں سمجھانے کے لئے ہے ورنہ وہ ذات تو "کن" کی بھی محتاج نہیں کتنا دشوار ہے اس ذات کا ادراک؟ کیوں کہ لامحدود شے کا محدود شے میں سمانا محال ہے۔ مگر ذہن انسانی' لامحدود کو محدود میں سمونے کی مضحکہ خیز حرکتیں کرتا ہی رہتا ہے۔ اس بے زبان بیل کا غوث پاک سے محو کلام ہونا' امر ربی تھا اس سارے واقعہ کی عقلی توجیہہ تلاش کرنا بھی حماقت کے زمرے میں آتا ہے اور حماقتوں سے گریز ہی کا نام دانش مندی ہے۔ "شرح عقائد نسفی" میں ایک عام انسانی ذہن کو مد نظر رکھتے ہوئے ذات باری تعالیٰ کے مفہوم و معانی کا تعین کیا گیا ہے۔ مرقوم ہے: "لیس لہ مکان ولا یجری علیہ الزمان' تعالیٰ عن ابلہات" یعنی "وہ قید مکان سے آزاد ہے (لامکانی) اس پر زمانہ بھی جاری نہیں ہوتا (زمانہ آنات کے تسلسل کا نام ہے) وہ سمتوں سے بھی بلند و بالا ہے۔"

اب انسانی ذہن جو حواس کا قیدی ہے' اس کی تہہ تک کیسے پہنچ سکتا ہے؟ اس لامحدود کے احاطے کے لئے

عقل بھی تو لامحدود ہونی چاہئے۔ یہ وضاحت ان حضرات کے لئے ہے جو مناقب غوث پاک کے منکر ہیں وہ صرف آنکھوں کے سامنے، سمجھ میں آجانے والے "جزو" کا اقرار تو کر لیتے ہیں مگر سمجھ میں نہ آنے والے، آنکھوں سے اوجھل "کل" کو ہضم نہیں کر سکتے۔ بہرحال جیلان کے کھیتوں میں ۴۸۸ھ میں وہ بیل رک گیا اور اس نے غوث پاک کی جانب بغور دیکھتے ہوئے کہا: "مالھذا خلقت ولا بھذا امرت" (آپ کی تخلیق اس کام کے لئے نہیں کی گئی اور نہ آپ کو اس کا حکم دیا گیا ہے) غوث پاک تو پہلے ہی آفاقی سوچ کے حامل تھے۔ ان کو یہ اشارہ ہی کافی تھا لہٰذا اس کار جہاں کو چھوڑ چھاڑ کر گھر تشریف لے آئے اور گوشہ تنہائی کی تلاش میں مکان کی چھت پر جا چڑھے۔ اچانک ایک قافلے پر نگاہ پڑی جس کی منزل حرمین شریفین تھی۔ سوچ کے سوتے سرسبز و شاداب ہو گئے۔ خاموشی سے نیچے آئے اور والدہ ماجدہ کی خدمت میں درخواست پیش کی "اگر حکم ہو تو زیارت بزرگان اور تحصیل علم کے لئے بغداد چلا جاؤں" ام الخیر کی عمر اس وقت ۷۸ برس کی تھی اور ان کے سامنے اٹھارہ برس کا نور نظر بصد احترام کھڑا تھا۔ ضعیفی سود و زیاں کے پلڑے میں ہر چیز تول رہی تھی اور شاہین آسمان کی بے کراں وسعتوں کو عبور کرنے کے لئے پر تول رہا تھا مگر یہ بات ذہن میں رہے کہ سیدہ فاطمہ کوئی معمولی ماں نہیں تھیں، ام الخیر تھیں اور اپنے لخت جگر کے مقام و مرتبے کا تھوڑا بہت ادراک بھی ان کو تھا۔ چند لمحوں میں فیصلہ ہو گیا۔ وہ چپکے سے اپنی خواب گاہ میں گئیں، اپنے سرتاج ابو صالح موسیٰ کا چھوڑا ہوا کل اثاثہ، اسی دینار نکال لائیں پھر اس عمر بھر کی کمائی کو دو مساوی حصوں میں تقسیم کیا، چالیس دینار غوث پاک کے چھوٹے بھائی کے لئے رکھ لیے اور چالیس دینار پیرہن غوث میں سی کر چھپا دیئے۔

"میرے لخت جگر، میں جانتی ہوں اس جدائی کے بعد میری آنکھیں تمہارے نورانی چہرے کو ترسیں گی۔" ام الخیر نے پرنم آنکھوں سے کہا "لیکن میں یہ بھی جانتی ہوں کہ خشک پتے شاخوں سے جھڑ کر نئی کونپلوں کے لئے جگہ خالی کر دیتے ہیں کیونکہ یہی قانون قدرت ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اب ہماری ملاقات صرف میدان حشر ہی میں ہو گی مگر میں کسی صورت بھی تمہاری راہ کی رکاوٹ بننا پسند نہیں کروں گی لیکن ایک وعدہ مجھ سے کرو" دونوں نے ایک دوسرے کو بغور دیکھا۔ دو آنکھوں میں ممتا کا سمندر موجزن تھا تو دو میں احترام و سعادت مندی کا بحر بے کراں۔

"امی حضور! حکم کیجئے" غوث پاک نے بصد احترام کہا۔ "آپ کے ہر حکم پر دل و جان سے عمل کروں گا" "بیٹا قرآن میں جھوٹوں پر لعنت کی گئی ہے لہٰذا کچھ بھی ہو جائے جھوٹ سے اجتناب کرنا" "چونکہ ارشاد خداوندی اور آپ کا حکم، دونوں کا مفہوم ایک ہی ہے لہٰذا اس پر عمل کرنے میں میری دلی رغبت اور روح کا میلان بھی شامل ہو گا" نوجوان نے اپنی والدہ سے ہمیشہ سچ بولنے کا وعدہ کر لیا اور ام الخیر نے نور نظر کو سپرد خدا کیا۔ اس طرح غوث پاک عازم بغداد ہوئے۔ اس وقت عمر عزیز اٹھارہ برس تھی۔ اکہرے بدن کی وجہ سے "نو عمر لڑکا" دکھائی دیتے تھے۔ چہرے پر معصومیت جو اندر کی روشنی سے اور بھی بھلی لگ رہی تھی۔ جیلان سے بغداد کا سفر شروع ہوا دستور زمانہ کے مطابق یہ سفر ایک قافلے کی ہمرہی میں طے ہو رہا تھا۔ دریائے دجلہ کے کنارے آباد اس مردم خیز علاقے جیلان اور بغداد کے درمیان براستہ واسط، چار سو میل کا فاصلہ، کوئی ایک ماہ کی مسافت تھی (یعنی مروجہ ذرائع آمد و رفت کے وسیلے سے) قافلہ ہمدان سے گزر کر جب وادی ربیک میں داخل ہوا تو ساٹھ ڈاکوؤں پر مشتمل گروہ غارت گراں کے نرغے میں آ گیا۔ غوث پاک فقیرانہ لباس میں تھے۔ لباس مفلسی اور نو عمری کے

باوجود ان کی روشن جبیں کا سارے قافلے میں چرچا تھا مگر گروہ ستم گراں کے مسلک میں، روسیاہی اور روشن جبینی میں کوئی خاص فرق نہ تھا۔ ان کا مسلک صرف ہوس مال و زر تھا۔ پل بھر میں ڈاکوؤں نے افراد قافلہ کو قلاش کر دیا۔ ایک قوی ہیکل ڈاکو، روشن جبیں فقیر سے بھی مخاطب ہوا "اے لڑکے تمہارے پاس بھی کچھ ہے یا ایسے ہی گدڑی پہنے سیر و سیاحت میں وقت گزار رہے ہو" "ہے کیوں نہیں میرے پاس چالیس دینار ہیں" روشن جبیں لڑکے نے بلاخوف و خطر اعتراف کر لیا۔ "چالیس دینار؟" ڈاکو کے لبوں پر حیرت میں ڈوبی مسکراہٹ آ گئی "کبھی چالیس دینار دیکھے بھی ہیں؟" وہ زیر لب بڑبڑاتا ہوا گدڑی پوش فقیر دکھائی دینے والے لڑکے کو چھوڑ کر کسی دوسرے صاحب زر و مال کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"تمہارے پاس کیا ہے لڑکے؟" ایک دوسرے ڈاکو نے بھی وہی سوال دہرایا۔ اس کو بھی وہی جواب ملا مگر یقین اسے بھی نہ آیا۔ تیسرا ڈاکو جہاندیدہ قسم کا تھا چالیس دینار کا سن کر وہ اس عجیب و غریب روشن جبیں لڑکے کو پکڑ کر اپنے سردار کے پاس لے گیا۔ قافلے والے بے سرو سامان ہو کر حسرت و یاس سے اس گروہ ستم گراں کو دیکھ رہے تھے۔ جنگل کے قانون کا دور دورہ تھا جہاں طاقت ہی قانون ہوتا ہے اور دھونس دھاندلی انصاف۔

"سردار یہ لڑکا کہتا ہے اس کے پاس چالیس دینار ہیں" ڈاکو نے یہ عجیب و غریب مقدمہ "عدالت عالیہ" میں پیش کر دیا۔

"جناب کہاں چھپا رکھا ہے آپ نے یہ خزانہ؟" احمد بدوی، ڈاکوؤں کے سردار نے بطرز تفنن پوچھا "میری گدڑی میں بغل کے نیچے" روشن جبین لڑکے نے سرسری لہجے میں جواب دیا۔ جھوٹ سے ناآشنا زبان کا کوئی یقین ہی نہیں کر رہا تھا۔ دغا فریب جن کا اوڑھنا بچھونا ہو، کذب و ریا وطیرہ، وہ بدبخت، سچائی کی لذت سے واقعی ناآشنا ہوتے ہیں۔ سردار نے خنجر سے گدڑی پھاڑ ڈالی تو چالیس دینار اپنی پوری آب و تاب سے، اس کی آنکھوں کے سامنے تھے نہ کم نہ زیادہ سردار ورطہ حیرت میں ڈوبا کبھی دیناروں کو دیکھتا کبھی روشن چہرے والے لڑکے کو۔ پھر جانے کیا ہوا کہ لڑکے نے بھی اپنی نگاہیں ڈاکو کے چہرے پر گاڑ دیں۔ ڈاکو معصوم نگاہوں کی تاب نہ لا سکا اور سر جھٹک کر اس طلسم سے باہر آ گیا۔

"آپ کو سچ بولنے اور زر کثیر کی نشان دہی پر کس نے مجبور کیا؟" اب ڈاکو کے لہجے میں احترام تھا۔ "جناب، میں نے اپنی والدہ ماجدہ سے ہمیشہ سچ بولنے کا وعدہ کر رکھا ہے اور ہر حال میں اپنے وعدے پر قائم رہوں گا یہی شیوہ مردانگی ہے۔" روشن جبین لڑکے نے سیدھے سادے الفاظ میں کہا۔ ادھر ڈاکو کی سماعت سے یہ الفاظ ٹکرائے تو اس کی دنیا ہی زیر و زبر ہو گئی۔ جھوٹ کے گھپ اندھیرے میں نور صداقت کی قندیل روشن ہو گئی۔ خوش بختی نے اس کے در دل پر پہلی دستک دی تو اس کی آنکھیں چھلک گئیں جیسے اتھلی ندی میں سیلاب آ جائے تو وہ فوراً کناروں سے باہر چھلک جاتی ہے۔ گزرگاہ گرد و غبار وغیرہ سے بھری ہوئی ہو تو ایسا ہی ہوتا ہے۔

"آپ اپنی والدہ سے کئے ہوئے وعدے پر قائم ہیں اور میں بدبخت اپنے خالق کائنات سے کئے ہوئے وعدوں کو یکسر بھلا بیٹھا، عمر عزیز کا سارا سفر رائیگاں گیا۔ یا حسرتی، یہ میں نے کیا کر دیا۔" سردار کی آنکھوں سے مسلسل آنسو جاری تھے اور وہ عرق انفعال میں ڈوبا، سر پکڑ کر وہیں بیٹھ گیا۔

موتی سمجھ کے شان کریمی نے چن لئے
قطرے جو تھے مرے عرق انفعال کے

چشم تماشا حیران تھی ہر سمت سناٹا طاری تھا۔ لٹ جانے والے حیران و ششدر کسی انہونی کے منتظر تھے تو لوٹنے والے پریشان دکھائی دے رہے تھے۔ روشن جبین لڑکے نے پر وقار انداز میں ایک قدم آگے بڑھ کر اپنا دست مبارک گناہ گار سردار کے کاندھے پر رکھ دیا۔ "در توبہ وقت نزع سے ایک پل پہلے تک کھلا رہتا ہے' اپنی جان کو ہلاکت میں مت ڈالو۔" یہ اس ہاتھ کی کرامت تھی کہ عمل غوث کا کرشمہ' جہاندیدہ سردار نے اس ہاتھ کو مضبوطی سے تھام لیا جیسے بھنور میں ڈوبتا ہوا شخص' کشتی کے کنارے کو تھام لیتا ہے۔ شاید اسے ہی "دست گیری" کہتے ہیں۔ بہرحال ایک بات پورے وثوق سے کہی جا سکتی ہے کہ تبلیغ کا یہ منفرد اور انوکھا انداز' چشم فلک نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ وادی ربیک کی ان وسعتوں میں 'لاؤڈ سپیکر نصب تھے نہ گلا پھاڑ پھاڑ کر کوئی ذرا دھمکا رہا تھا مگر سردار کے علاوہ ستم گروں کے پتھر دل' موم ہو چکے تھے۔ سردار' کبھی نہ چھوڑنے کے لیے جو ہاتھ تھام چکا تھا' اسی کے سہارے اٹھ کھڑا ہوا۔ ساتھیوں نے اس کے اشارہ ابرو پر لوٹا ہوا مال اصل مالکوں کو لوٹا دیا' معافی کے خواست گار بھی ہوئے۔ لوٹنے والے خود لٹ گئے اور ایسے لٹے کہ دین و دنیا کی دولت سے مالا مال ہو گئے۔ ساٹھ ڈاکوؤں نے غوث پاک کے دست حق شناس پر بیعت کی۔ یہ عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ کا پہلا کارنامہ تھا۔ تاریخ تبلیغ دین میں ہے کوئی ایسی مثال؟ شیخ محمد بن قائد الایوانی فرماتے ہیں' میں نے حضرت غوث الثقلین سے ایک بار پوچھا "آپ نے اپنے مسائل کی بنیاد کس چیز پر قائم کی؟"

"راست گوئی اور سچائی پر" غوث پاک نے جواب دیا "میں نے مکتب میں حصول تعلیم کے دوران بھی کبھی جھوٹ نہیں بولا" واقعی قندیل صدق روشن ہو تو جھوٹ کا اندھیرا بکھر جاتا ہے۔

ہے افق سے ایک سنگ آفتاب آنے کی دیر
ٹوٹ کر مانند آئینہ بکھر جائے گی رات

تائب ہونے والے ڈاکوؤں کے اس گروہ میں سے اکثر حضرات "واصلین باللہ" ہوئے ان کا فردا" فردا" ذکر موضوع سے ناانصافی والی بات ہوگی۔ مناقب غوث پاک کی کتب میں یہ داستان محفوظ ہے۔ ہارون الرشید کے عہد خلافت میں جس کا آغاز ولادت غوث پاک سے تین صدی پیشتر ہوا' بغداد کرہ ارض کا علمی ادبی مرکز تھا۔ علم کلام' منطق کے علاوہ یونانی فلسفے کی یلغار بھی ہوئی جس کے نتیجے میں قرآنی مسائل کی من پسند تاویلیں ہوئیں۔ غوث پاک اٹھارہ برس کی عمر میں جب بغداد میں وارد ہوئے تو مباحثوں اور مناظروں کا بازار گرم تھا۔ ایسے ایسے مسائل زیر بحث تھے کہ عقل انسانی دنگ رہ جاتی ہے اور یہ سب کچھ علمی موشگافیوں کی آڑ میں ہو رہا تھا۔ پہلوانان سخن' مسلکوں کے خنجر تانے ایک دوسرے پر پل پڑنے کو ہر پل تیار رہتے تھے۔ مقتدی امام کے پیچھے سورہ فاتحہ کی تلاوت کرے یا نہ کرے' یہی بات طے نہیں ہو پا رہی تھی' اس پر شوافع اور احناف کے درمیان کشت خون ہوئے بغداد کے گلی کوچے آئے دن ایسے تماشوں کا مشاہدہ کرتے۔ "مسائل نظری" جن کا رونا حکیم الامت علامہ اقبال رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے دور میں رویا' اسی زمانے کی پیداوار ہیں۔ علامہ موصوف نے تو ان مسائل کو "شرارت ابلیس" قرار دیا۔ مسائل نظری میں سرفہرست یہ مسئلہ ہے "صفات خداوندی" "عین ذات ہیں" یا "غیر ذات" اب اس کی الجھن ملاحظہ فرمائیں۔ اگر صفات کو عین ذات یعنی ذات کا حصہ قرار دیا جائے تو ذات اور صفات' دو اشیا قدیم ہوتیں۔ اس طرح "وحدانیت" مجروح ہوئی۔ اگر صفات کو ذات سے الگ قرار دیا جائے تو

ذات خداوندی' صفات اور ذات کا مجموعہ ہوا۔ یہ بھی "وحدانیت" کی ضد ہے۔ ایسے مسائل چونکہ فلسفیوں اور منطقیوں کی ذہنی ورزشیں ہوا کرتی ہیں لہٰذا ہر سیدھی مت والے دانش ور نے ان سے اجتناب کا درس دیا۔ علامہ اقبال تو مایوسی کی حد تک ان مسائل سے متاثر ہوئے۔

میں جانتا ہوں جماعت کا حشر کیا ہوگا
مسائل نظری میں الجھ گیا ہے خطیب

غوث پاک کی ذات بابرکات کا اعجاز تھا کہ جب انہوں نے بغداد میں قدم رنجہ فرمایا تو ابلیس صفت علماء سو کے چراغ گل ہو گئے (ان کے طریقہ کار کی وضاحت بعد میں اپنے مقام پر آئے گی' یہی مسائل وفات غوث پاک کے ایک ڈیڑھ صدی بعد پھر بغداد میں پیدا ہوئے جب ہلاکو خان نے ساری بساط ہی الٹ دی) امام تقی الدین اپنی شہرہ آفاق تصنیف "روضتہ الابرار" میں رقم طراز ہیں کہ جب آپ نے بغداد میں داخل ہونے کا ارادہ فرمایا تو خضر علیہ السلام نے بحکم خداوندی' غوث پاک کے گوش گزار کیا جس کی رو سے' سات برس تک' فصیل شہر کے باہر لب دریا آپ نے قیام فرمایا' یہی سات برس کا دورانیہ مجاہدات' ریاضات شاقہ' فقر و فاقہ اور تحصیل علم لدنی کے اعتبار سے سات زمانوں پر بھاری ہے۔ دریا کنارے اگنے والی سبزیوں سے غذا حاصل کرتے رہے۔ جس سے جسم و جاں والا رشتہ تو برقرار رہا مگر گردن سے سبز رنگ جھلکنے لگا۔ اس کے علاوہ جن آزمائشوں سے ان کو گزرنا پڑا چشم تصور و احساس سے اس کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ ایک شب غوث پاک درود و وظائف میں مشغول تھے کہ ایک سراپا حسن جہاں سوز دوشیزہ اپنے نسوانی ہتھیاروں سے مسلح ان کے سامنے آکھڑی ہوئی۔ یہ ایسا ابلیسی وار تھا جس سے بچنا پیغمبری شان کے مترادف تھا۔ یوسفؑ بھی اس آزمائش سے گزرے تھے لیکن ہم سب جانتے ہیں کہ قرآن میں ان کی سلامتی کو "برہان ربی" سے مشروط کیا گیا ہے۔ اگر وہ خدا کی برہان نہ دیکھتے تو ظلم کا ایسا پہاڑ ٹوٹ پڑتا جس کے تصور ہی سے ہر مومن کا دل کانپ کانپ جاتا ہے۔

خاتون بے حیا تو کون ہے اور یہاں تیرا کیا کام؟" غوث پاک نے قہر آلود نگاہوں سے حسن جہاں سوز سے پوچھا "یہ بھول جائیں کہ میں کون ہوں میں تو آپ کی تشنگی مٹانے آئی ہوں" اس دوشیزہ نے تبسم کی بجلیاں گراتے ہوئے کہا۔ ساری بات پل بھر میں صاف ہو گئی دوشیزہ کا مخاطب بھی کوئی معمولی انسان نہ تھا۔ مادر زاد ولی اللہ تھا اور ولی بھی ایسا جو اپنی مثال آپ تھا "اچھا تو تم دنیا ہو جو ابلیس لعین سے سکوت کرنے کے بعد مجھے یاد الٰہی سے غافل کرنے آئی ہو" غوث پاک نے صورت حال کی وضاحت کر دی "مگر محترمہ' میرا جواب بھی وہی ہے جو میرے جد اعلیٰ' علی المرتضیٰ کا تھا' میں تمہیں تین طلاق دے چکا ہوں اب میری نظروں سے دفع دور ہو جاؤ ورنہ میں تمہیں اپنے ہاتھوں سے ذبح کر دوں گا" یہ سننا تھا کہ وہ بنی سنوری دوشیزہ' روتی پیٹتی غائب ہو گئی۔ واپس جاتے وقت اس کی صورت اتنی مکروہ تھی کہ اگر ایک عام آدمی بھی اسے دیکھ پاتا تو سامان دنیا کو واقعی طلاق بائن (غیر رجعی) دے دیتا۔ آخر کار ایک شب ندائے غیبی نے مژدہ سنایا "عبدالقادر! اب تم بغداد میں داخل ہو سکتے ہو" فصیل شہر سے باہر' لب دریا' سات برس تک قیام کی وضاحت کوئی دشوار مرحلہ نہیں شہر کے اندر جو طوفان بدتمیزی بپا تھا اس کا قلع قمع کرنے کے لئے "سالار جیش" کی تربیت بے حد ضروری تھی تاکہ کہیں پائے استقامت میں لغزش نہ آجائے۔ غوث پاک نے آں حضرتؐ کے نقش پا پر چل کر جو فریضہ ادا کرنا تھا وہ کوئی آسان کام نہ تھا۔

یہ شہادت گہہ الفت میں قدم رکھنا ہے
لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلماں ہونا

فصیل شہر سے باہر سات برس قیام والی روایت کی سچائی زیر بحث نہیں مناقب غوث کی مستند کتب میں یہ موجود ہے بہر حال ارشاد رسالت مآبؐ کے عین مطابق جیلان کا غریب الدیار مفلس طالب علم بغداد میں داخل ہوا اور مدرسہ نظامیہ میں اکتساب علم میں مصروف ہو گیا۔ اسے بغداد کی بلند مرتبہ یونیورسٹی کہا جائے تو مبالغہ آرائی نہ ہو گی۔ کیسے کیسے یگانہ روزگار اساتذہ بیک وقت علم و آگہی کی قندیلیں روشن کیے بیٹھے تھے۔ درس گاہ کا گوشہ گوشہ بقعہ نور ہو رہا تھا۔ ادب و تفسیر کی بات چلتی تو پھر چلتی ہی رہتی ابو زکریا تبریزی دنیائے ادب کا مہر پر تنویر تھا کہ

جب بھی اس کی بات چلی ہے
ساری ساری رات چلی ہے

کی منہ بولتی تصویر فقہ و اصول کے آفتاب عالمتاب، علی ابن عقیل حنبلی اور ابوالحسن محمد بن قاضی ابو العلیٰ حنبلی پھر شیخ ابو الخطاب محفوظ الکلوذانی، مشائخ حدیث میں ابوالبرکات طلحہ العاقولی، ابوالغنائم محمد بن علی میمون الفرسی، ابو عثمان اسمٰعیل بن محمد الاصبہانی، ابو طاہر عبدالرحمٰن، ابو غالب الباقلانی، ابو العزبن محمد بن المختار الہاشمی اور ابو منصور عبدالرحمٰن القراز گویا سارے عراق کی علمی شخصیات کا جھرمٹ تھا کہ بغداد کی اس درس گاہ کو فیض یاب فرما رہا تھا۔ بے شک مدرسہ نظامیہ مینار نور کا درجہ رکھتا تھا مگر جیلان کے سے دور افتادہ مقام سے روشن جبیں طالب علم نے جب اس چار دیواری میں قدم رکھا تو در و دیوار نے اہلاً" و سہلاً" و مرحبا کہا مگر افسوس، کوئی ایک حیوان ناطق، آنے والے کے مقام و مرتبے کو پہچان نہ پایا۔ جس طرح دوسرے تہی داماں طالب علم چکی کے دو پاٹوں کے درمیان پس رہے تھے اس دنیاوی بے سرو سامان کو بھی، یہ سنگ آسیا ہونا پڑا۔

فصلوں کی کٹائی کا موسم آیا تو حسب دستور طلباء دیہاتوں کی جانب نکل پڑے تاکہ اپنے اپنے مقدر کی مہر لگے، اناج کے دانے اکٹھے کرلائیں اور دوران تعلیم آتش شکم ٹھنڈی کرتے رہیں۔ کیسی ستم ظریفی تھی! وہ جو غوث الثقلین کے مقام و مرتبے پر فائز ہونے والا تھا، اسے بھی ان کاسہ گدائی والوں کا ساتھ دینا پڑا۔ بغداد کے نواحی گاؤں یعقوبا پہنچے تو ایک زمیندار شریف یعقوبی کی چشم حیراں نے قوس قزح کے رنگوں کو پہچان لیا۔ کرگسوں میں شاہین کو پہچاننا اگرچہ کوئی حیرت انگیز کارنامہ نہیں پھر بھی شریف یعقوبی کو داد نہ دینا، بخل سے کام لینے والی بات ہے۔

"فرزند! تمہارا نام کیا ہے اور کس خاندان کے روشن چراغ ہو؟" زمیندار نے اپنے تجسس کی پیاس بجھائی "بندے کو عبدالقادر کہتے ہیں اور خاندان کی عظمت کا اعتراف روزانہ پانچ مرتبہ کرہ ارض کے گوشے گوشے سے ہوتا ہے" طالب علم نے چونکا دینے والا جواب دیا۔

"بیٹا! نجیب الطرفین مردان خدا، دست سوال دراز نہیں کیا کرتے، زمانے کو دست نگر بناتے ہیں" زمیندار نے بڑی رسان سے کہا "اس گھرانے کے لوگ تو منگتوں کو سلطنتیں عطا کرتے ہیں، مگر شاید لوح محفوظ پر اسی طرح مرقوم ہے۔"

اس پل، اس گھڑی کے بعد آپ نے درس گاہ کے اس دستور پر خط تنسیخ کھینچ دیا اور اناج حاصل کرنے

والے طلباء کا ساتھ چھوڑ دیا۔ مگر اس کا کیا علاج کہ طالب علم کو دوسرے طلباء کی طرح بھوک ستاتی تھی اور وسائل سے دامن یکسر خالی تھا۔ یہ بھی تو جد اعلیٰ کے نقش قدم پر چلنا تھا کہ کائنات کا سب بڑا انسان، رحمت مجسم، گداؤں کو ہفت اقلیم کی دولتیں لٹانے والے کے اپنے گھر میں چولہا اکثر و بیشتر ٹھنڈا ہی رہتا تھا۔ جن کے مراتب بلند ہوں ان کی آزمائشیں بھی پہاڑوں ایسی ہوتی ہیں۔

"بھائی! ڈیڑھ روٹی بطور قرض دے دیا کرو، قدرت ہوتے ہی قرض چکا دوں گا" ایک قریبی نان فروش سے آپ نے تنگ آکر کہا۔ بات اس لب و لہجے میں کی گئی کہ ان پڑھ نانبائی کا کلیجہ کٹ کے رہ گیا۔

"جان عزیز! جب چاہیں اور جو چاہیں لے جایا کریں" نانبائی آبدیدہ ہو گیا۔ آنسوؤں کی دھند کا ایک نقصان یہ ہوتا ہے کہ صاف دکھنے والی ہستی کی پہچان مشکل ہو جاتی ہے۔ اسی طرح لرزاں لہجے میں مدعا گم ہو جاتا ہے اور الفاظ کا پیراہن نامناسب رہ جاتا ہے۔ کچھ عرصہ اس کشمکش میں گزرا۔ نانبائی کا قرض بڑھتا چلا گیا اور غوث پاک کی تفکیر میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔ یہ قرض "صراف قدر" کی مہربانی سے ادا ہوا (وہ ہستی جو بطور خاص اولیاؤں کا قرض چکانے کے لئے منجانب اللہ مقرر ہوتی ہے) آپ کو ایک سونے کا ٹکڑا مہیا کیا گیا اور نانبائی کے قرض سے سبکدوشی ہوئی۔ جبین نیاز سجدے میں جھک گئی۔ اسی تنگی ترشی میں دو برس بیت گئے۔ بغداد میں خشک سالی کا دور دورہ ہوا۔ زمین بوند بوند کو ترسی، سبز پتے زرد ہو گئے۔ اشجار بے برگ و بار ہوئے۔ فصلیں جھلس گئیں اور قحط پھوٹ پڑا۔ اس زمانے میں آپؒ کا قیام محلہ قطیعہ شرقیہ میں تھا (ایک روایت کے مطابق یہ واقعہ اس محلے میں پیش آیا اور آپ نے عبداللہ سلمی سے بیان فرمایا) تفصیل ملاحظہ ہو۔ تنگ دستی کے وہ ایام ایسے تھے کہ اشیائے خوردنی خواب و خیال ہو کر رہ گئیں جسم و جاں کا سلسلہ برقرار رکھنے کے لئے ان اشیا کی بہرحال ہر ذی روح کو ضرورت ہے۔ ایک شخص اچانک کاغذ کا ایک پرزہ آپ کو تھما کر چلا گیا۔ کاغذ میں کچھ رقم موجود تھی۔ یہ گویا امداد غیبی والا ماجرا تھا۔ آپ نے اس رقم کا کھانا وغیرہ خریدا اور محلے کی مسجد میں تشریف لے گئے۔ دل میں طرح طرح کے خیال اٹھ رہے تھے، جن سے فصیل جاں سپرد اضطراب ہو گئی اور آپ نے قبلہ رو بیٹھ کر کھانے یا نہ کھانے کے متعلق غور و خوض فرمانا شروع کیا۔ سمت قبلہ سے رشتہ استوار ہوا تو یقین کامل تھا کہ غیب سے راہنمائی کی کوئی نہ کوئی صورت ضرور نکل آئے گی۔

دیوار مسجد کے قریب ایک کاغذ دکھائی دیا جس کا وجود یقیناً چند لمحے پہلے وہاں نہیں تھا۔ آپ نے لپک کر اسے اٹھایا۔ کاغذ پر واضح حروف میں تحریر تھا: "ہم نے کمزور مومنین کے لیے خواہش رزق پیدا کی تاکہ وہ بندگی کے لیے اس سے قوت حاصل کریں۔" آپ نے اپنا رومال اٹھایا۔ کھانا اسی جگہ رہنے دیا۔ دو رکعت نماز ادا کی اور مسجد سے باہر آگئے۔ آپ کی نگاہ میں صرف لفظ "کمزور مومنین" اہمیت کا حامل تھا۔ وسائل کی کمی مسائل کو جنم تو ضرور دیتی ہے مگر گمہ غوث میں ایمان کی کمزوری کا وسائل سے اگر کوئی تعلق تھا تو وہ "تعلق معکوس" ہونا چاہیے تھا۔ یعنی وسائل کی کمی ایمان کی مضبوطی کا سبب ہونا چاہیے تھی نہ کہ اس سے برعکس۔ بغداد میں تحصیل علم کا یہ دورانیہ بڑا ہی صبر آزما تھا۔ مفلسی الگ سد راہ ہوتی۔ اپنے صبر و استقلال اور مجاہدے کے متعلق خود غوث پاک فرماتے ہیں "اس دوران جتنی مشقتیں میں نے برداشت کیں اگر پہاڑوں پر ڈال دی جاتیں تو وہ پارہ پارہ ہو جاتے۔ جب تکالیف میری برداشت سے باہر ہو جاتیں تو میں سر بسجود ہو کر صدق دل سے تلاوت کرتا" فان مع العسر یسرا" ان مع العسر یسراہ" (بے شک ہر تنگی کے ساتھ آسانی ہے بے شک ہر تنگی کے ساتھ

آسانی ہے) پھر جب سجدے سے سر اٹھاتا تو سکون کی دولت سے مالا مال ہو چکا ہوتا۔ علم فقہ حاصل کرنے کے دوران میں اکثر ویرانوں میں راتیں بسر کرتا اونی لباس اور پاپیادہ کانٹوں پر چلنا پڑتا۔ درختوں کے پتے اور خود رو گھاس پھوس سے پیٹ بھر لیتا۔ لوگوں نے مجھے دیوانہ بھی قرار دیا۔ کئی بار مجھے مردہ سمجھ لیا گیا۔" ایک بار غوث پاک کو مسلسل بیس روز تک کوئی مباح شے میسر نہ آسکی جس سے آتش شکم کو ٹھنڈا کیا جا سکتا۔ مجبوراً آپ ایوان کسریٰ کے کھنڈرات کی طرف چل پڑے وہاں ایک اور ہی طرفہ تماشا آپ کا منتظر تھا۔ وہاں پہلے ہی چالیس اولیاء (بعض روایات کے مطابق ستر) اسی جستجو میں ادھر ادھر گھوم رہے تھے۔ انہیں دیکھ کر غوث پاک اپنی تکلیف بھول گئے اور واپس شہر کی جانب چل پڑے۔ فصیل شہر کے قریب ہی آپ کی ملاقات ایک آشنا سے ہو گئی جو آپ ہی کو تلاش کرتا پھر رہا تھا۔ جیلان کا یہ باشندہ آپ کے گھر سے کچھ رقم لایا تھا جو ام الخیر نے ممتا کے ہاتھوں مجبور ہو کر بھیجی تھی۔ غوث پاک نے سجدہ شکر ادا کیا اور اس رقم سے کھانے پینے کی اشیاء خرید کر کھنڈرات میں مارے مارے پھرنے والے اولیاؤں کی دعوت کر ڈالی۔ یہ بات مستند ہے کہ غوث پاک' کھانا کھلانے کے عمل کو بہترین قرار دیا کرتے تھے۔

شہر سے باہر ویرانے میں ایک برج تھا۔ جہاں آپ نے مسلسل گیارہ برس' شب و روز عبادت و ریاضت میں گزار دیے۔ اس بنا پر اس برج کا نام ہی "برج عجمی" پڑ گیا۔ بھوک سے متعلق ایک اور واقعہ خود غوث پاک نے ابوبکر تمیمی سے بیان فرمایا کہ قیام بغداد کے دوران ایک روز میں بھوک سے جاں بہ لب ہو گیا۔ چند روز تک جب بھوک مٹانے کی کوئی سبیل نہ ہو سکی تو میں مجبوراً" دریا کنارے جا پہنچا تاکہ گری پڑی گھاس وغیرہ سے اس کا تدارک کر سکوں۔ وہاں مجھے چند لوگ ادھر ادھر مارے مارے پھرتے نظر آئے میں یہی سمجھا کہ وہ سب مجھ جیسی مصیبت میں مبتلا ہیں۔ مزاحمت کو نامناسب تصور کرتے ہوئے میں واپس آگیا اور "ریحانین" کے بازار میں موجود مسجد میں جا پہنچا اس وقت میں بھوک سے نڈھال ہو رہا تھا مگر دست سوال دراز کرنا میرے بس میں نہ تھا۔ مجھے یقین تھا کہ بھوک سے میری موت واقع ہو جائے گی۔ اچانک مجھے روٹی اور بھنے ہوئے گوشت کی اشتہا انگیز مہک نے بے تاب کر دیا۔ ایک عجمی نوجوان یہ نعمت لے کر مسجد میں داخل ہوا اور ایک کونے میں بیٹھ کر گوشت روٹی کھانے لگا۔ ایک بار تو بھوک کی شدت سے میرا منہ کھل گیا پھر میں نے نفس کو ملامت کی زد پر رکھ لیا۔ اچانک وہ نوجوان میری طرف متوجہ ہوا۔ "آیئے جناب بسم اللہ کیجئے" اس نے مجھے دعوت دی مگر میں نے انکار کر کے اپنے نفس کو ایک اور کوڑا رسید کیا۔ اس نوجوان کا اصرار بڑھتا ہی چلا گیا تو میں نے اس کی دل شکنی کو ناپسند کرتے ہوئے اس کی دعوت قبول کر لی۔

"آپ کا شغل کیا ہے؟" اس شخص نے بر سبیل تذکرہ مجھ سے پوچھا۔

"میں درس گاہ نظامیہ میں فقہ کی تعلیم حاصل کر رہا ہوں" میں نے جواب دیا۔

"آپ کس غرض سے بغداد تشریف لائے ہیں؟" میں نے بھی اس کا احوال دریافت کیا۔

"غرض تو جو تھی سو تھی آج کل مجھے عبدالقادر جیلانی کی تلاش ہے' مگر اس شہر ناسپاس میں میں خود گم ہو کے رہ گیا ہوں۔" اس نے تاسف بھرے لہجے میں جواب دیا۔

"آپ کا مطلوبہ شخص میں ہی ہوں' میرا ہی نام عبدالقادر ہے۔" میں اس حسن اتفاق پر حیران رہ گیا۔ میرا جواب سن کر اس شخص کا رنگ پھیکا پڑ گیا۔ پھر اس نے اپنی روداد رنج و الم بیان کی۔

"خدا کی قسم جب میں آپ کی تلاش میں بغداد پہنچا تو میرے پاس تین روز کا زاد راہ موجود تھا مگر میں آپ کی تلاش میں ناکام رہا تو مزید تین روز آپ کو بھوکا پیاسا تلاش کرتا رہا۔ میرے پاس آپ کی کچھ رقم بطور امانت موجود تھی مگر اس سے خرچ کرنے کا تصور بھی میرے لیے سوہان روح تھا۔ آخر میری کیفیت اس حد تک دگرگوں ہو گئی کہ جہاں شریعت لقمہ حرام کو بھی جائز قرار دے دیتی ہے۔ تب میں نے آپ کی رقم سے یہ روٹی سالن خریدا' لہٰذا یہ آپ ہی کا مال ہے' اطمینان سے شکم سیر ہو کر کھایئے اور مجھے اپنا مہمان تصور کیجئے۔" پھر وہ شخص امانت میں خیانت کے ارتکاب پر مجھ سے معذرت طلب کرنے لگا۔

غوث پاک کی حیات طیبہ کے یہ واقعات بالتفصیل دو وجوہات کی بنا پر بیان کئے گئے ہیں۔ پہلی یہ کہ آج کے طلباء' اشیا کی فراوانی سے نگاہیں ہٹا کر' صرف ایک پل کے لئے اپنے گریبانوں میں جھانک کر دیکھ سکیں اور اندازہ لگائیں کہ تحصیل علم کے لیے کن کن مصائب کا سامنا کر کے مقام و مرتبے پر فائز ہوا جاتا ہے۔ علم دین حاصل کرنے والے طلباء بھی اس سے مستثنیٰ قرار نہیں دیے جا سکتے۔ سنت رسولؐ کی اتباع میں سرمہ لگانا تو وہ ہرگز نہیں بھولتے مگر جہاں ذرا سی تنگی ترشی کا سامنا ہوا جھٹ قرض حسنہ کا کشکول لیے ادھر ادھر بھاگنے لگتے ہیں اور دعویٰ اتباع رسولؐ کا یا ان کے غلاموں کی پیروی کا کیا جاتا ہے۔

دوسری وجہ اس بات کا احساس دلاتا ہے کہ وسائل کی فراوانی' کسی زمانے میں بھی' کسی مقام پر' تقرب الٰہی کی دلیل نہیں رہی بلکہ وجہ آزمائش و ابتلا ضرور رہی ہے۔ اس دور ابتلا کا زمانہ برسوں پر محیط ہے۔ فاقہ مستیاں رنگ لاتی رہیں مگر علم و آگہی پر۔ عمر عزیز چوبیس برس کی ہوئی تو ۴۹۴ھ میں درس گاہ سے فارغ التحصیل ہوئے۔ دستار فضیلت باندھی گئی تو پورے بغداد میں مروجہ علوم کے لحاظ سے کوئی ہم پلہ نہ تھا۔ فخر و انبساط کا حق تھا۔ تمکنت روا تھی مگر کھٹکتی ہوئی نیک منش نے خمیر اٹھایا گیا ہو تو فخر و تمکنت کی حیثیت ثانوی ہوتی ہے۔ ادھر میدان عمل میں قدم رکھا تو ایک طوفان بدتمیزی اپنی لپیٹ میں لینے کو بے قرار نظر آیا۔ بغداد کے کوچہ و بازار میں فروعی مسائل پر مناظرے' کشتی گاہوں میں دنگلوں ہی کے انداز میں انعقاد پذیر ہو رہے تھے۔ دلائل کے خنجروں سے ایک دوسرے کو قائل و گھائل کیا جاتا۔ کہیں معتزلہ' عقل کی اپسراؤں کے ناز اٹھا رہے ہیں۔ کہیں رافضیت و شیعیت دست و گریباں' خلق قرآن کا مسئلہ الگ تھا۔ محدثین اپنے نکات ہائے فکر کی ترویج و ترقی میں کوشاں۔ غوث پاک کو محسوس ہوا جیسے اس طوفان میں گھر گئے تو سلامتی ایمان کو خطرہ لاحق ہو جائے گا۔ ان کے سامنے دو راستے تھے یا تو پوری تن دہی سے طوفان کا مقابلہ کرتے یا کترا کر نکل جاتے۔ حیران کن بات یہ ہوئی کہ آپؒ نے موخرالذکر پر عمل پیرا ہونے کا فیصلہ کیا مگر اس کی وضاحت سے پیشتر اس وقت زیر بحث موضوعات کا مختصر تعارف بے حد ضروری ہے۔ تاکہ سیاق و سباق کے تناظر میں صورت حال کی وضاحت ہو سکے۔

اسلام میں فرقہ بندی کا آغاز شیعہ خوارج سے کیا جاتا ہے جن کی بحث و تکرار کا تعلق عقائد کی بجائے آئین و سیاست سے تھا۔ دوسری صدی ہجری میں ان جماعتوں نے اپنے اپنے عقائد مرتب کئے۔ خالص عقائد کی بنا پر پہلی گروہ بندی واصل بن عطا کی ذہنی کاوش کا شاخسانہ تھا۔ یہ زمانے بھر کا چرب زبان شخص خواجہ حسن بصری کا شاگرد خاص تھا۔ مسئلہ جبر و قدر پہلا نزاعی مسئلہ تھا۔ جس کی آڑ میں بنو امیہ خاندان نے اپنے مظالم کے جواز میں دلائل مہیا کئے۔ "ہر چیز جب منجانب اللہ ہے تو انسان مجبور محض ہوا لہٰذا ہماری طرف سے ڈھائے جانے والے مظالم کی ذمہ داری ہم پر عائد نہیں کی جا سکتی اگر ایسا کر بھی دیا جائے تو ہم گنہ گار نہیں ہو سکتے۔"

خواجہ حسن بصری کا حلقہ درس مذہبی اور فلسفیانہ بحث و تمحیص کا مرکز تھا مگر آپ اہل سنت والجماعت کا مسلک معتدل یعنی بین الجبروالاختیار کی تشہیر فرماتے جو حکام وقت کے سراسر خلاف تھا۔ حکام وقت انسان کو مجبور محض خیال کرتے لیکن اس کے برعکس واصل بن عطا انسان کو مختار مطلق تصور کرتا تھا۔ استاد و شاگرد کے درمیان اختلاف کی یہ خلیج اتنی وسیع ہوئی کہ واصل نے اپنا حلقہ درس الگ کرلیا اور عربی لفظ "اعتزلنا" (ہم الگ ہوتے ہیں) سے فرقہ "معتزلہ" معرض وجود میں آیا۔

معتزلہ خالص عقل پرست تھے حتیٰ کہ روایت کو بھی عقل کی کسوٹی پر تولتے پرکھتے لہٰذا محدثین سے ان کا ٹکراؤ ناگزیر تھا جن کے نزدیک دین کی اساس ہی نقل و روایت پر تھی پھریوں ہوا کہ یونانی فلسفہ جب عربی لباس پہن کر تشریف لایا تو معتزلہ نے اسے سینے سے لگالیا اور اس طرح تین گروہ واضح طور پر ابھر کر سامنے آئے۔ یعنی خواجہ حسن بصری کا اتباع کرنے والے یا ہم خیال روایت عقل اور وجدان میں توازن کے حامل معتزلہ عقل پرست اور محدثین روایت پرست ۔ محدثین نے جب گنہ گار پر انعام اور بے گناہ کو سزا دینے کو ممکن قرار دیا تو معتزلہ نے اسے خلاف عدل ثابت کرتے ہوئے اپنے آپ کو اہل عدل بھی کہنا شروع کیا۔

محدثین نے کہا کہ اشیا میں کوئی شے فی نفسہ اچھی یا بری نہیں ہوتی نگہہ شریعت میں وہ اچھی یا بری ہوتی ہیں۔ معتزلہ نے اسکی سخت مخالفت کی۔ یعنی چیزیں اپنی اصل میں اچھی بری ہوتی ہیں اور شریعت سودمند اشیا کا حکم دیتی اور نقصان دہ سے گریز کی تلقین کرتی ہے اور بھی اختلافات تھے مگر سب سے بڑا اختلاف "خلق قرآن" کا تھا۔ معتزلہ کے ہاں قرآنی الفاظ حادث اور نو پیدا ہیں اور قرآن مخلوق لہٰذا کل نفس ذائقۃ الموت کے تحت قرآن بھی تلخی موت چکھے گا یعنی مٹ جائے گا۔ محدثین نے اسے پرلے درجے کی جہالت قرار دیا انہوں نے کہا قرآن کلام خداوندی ہے اور کلام صفت الٰہی ہے۔ صفات الٰہی قدیم اور غیر مخلوق ہیں لہٰذا قرآن غیر مخلوق ہوا۔ عقیدے کے اعتبار سے اس فتنے کو اصل عروج مامون الرشید کے عہد خلافت میں ہوا۔ وہ خود معتزلی تھا' اور یونانی فلسفہ اس کا اوڑھنا بچھونا تھا۔ اس نے حکم جاری کردیا کہ قرآن کو مخلوق ہونا تعلیم کیا جائے اور یہ کہ قرآن کو غیر مخلوق کہنا شرک ہے۔ مامون کے بعد اس کا بیٹا مستعصم باللہ بھی باپ کے نقش قدم پر چلا مگر امام احمد بن حنبلؒ ان ملحدانہ عقائد کے سامنے دیوار بن کر کھڑے ہوگئے مستعصم اس زمانے میں طرطوس میں مقیم تھا۔ امام احمد بن حنبل کو پابہ زنجیر طلب کیا گیا عذاب زنداں میں کوئی نسبت علمی کام آئی نہ رشتہ آگہی۔ سب حوالے دھواں ہوئے۔ امام کی پشت پر کوڑے لگانے کا انداز یہ تھا کہ دو کوڑوں کے بعد دست ستم تبدیل کردیا جاتا اور تازہ دم جلاد' میدان میں مشق ستم فرمانے اترتا۔ اقلیم فراست میں سزا کوئی دلیل نہیں ہوا کرتی لہٰذا امام موصوف کے پائے استقامت میں لغزش نہ آسکی۔

امام احمد بن حنبل' امام شافعی کے مایہ ناز شاگرد تھے ان کے نزدیک احکام شرعیہ کا مبنی بر مصلحت ہونا یعنی عقلی مصلحت کے عین مطابق ہونا ضروری نہیں تھا۔ انہوں نے تو اپنے استاد کے "قیاس در فقہ" کو بھی کم سے کم کرکے فقہ کو روایت پر منحصر کردیا اور قیاس کو کتاب و سنت کی تفہیم و تعبیر کے لئے ناقص قرار دیا۔ ابتدا میں امام موصوف تصوف اور ارباب تصوف کے مخالف تھے بعد میں حارث محاسبی کی صحبت میسر آئی تو تصوف کے قائل و گھائل ہوگئے۔ اس حنبلیت کی تعلیم شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے اپنے اساتذہ سے حاصل کی اور اسی کے مطابق

غنیتہ الطالبین' زمانہ طالب علمی کے فوراً بعد تصنیف فرمائی جو ایک عام حنبلی عقائد کے حامل انسان کا دستور زندگی ہے۔ معرفت خداوندی کو بھی حنبلی عقائد کے مطابق بیان کیا گیا ہے۔ کتاب کا دلچسپ ترین حصہ مسلمانوں میں تہتر فرقوں کے عقائد پر تبصرہ وغیرہ ہے۔

اسلام میں شریعت یعنی زندگی بسر کرنے کے ظاہری قوانین اور طریقت میں پہلا اختلاف سیدنا عثمانؓ کے عہد خلافت میں پیدا ہوا۔ امیر معاویہؓ اور ان کے رفقاء پر کثرت دولت کی فراوانی سے چند ناپسندیدہ اشیا حاوی ہونا شروع ہوئیں مثلاً نام و نمود کی نمائش' مفاد پرستی' سطحیت وغیرہ۔ جناب ابوذر غفاریؓ نے ان پر اعتراض کیا۔ امیر معاویہ نے از روئے شریعت اپنا دفاع کیا۔ معاملہ سیدنا عثمان غنی کی خدمت میں پیش ہوا تو امیر معاویہ اپنا موقف واضح کرنے میں زیادہ کامیاب و کامران ہوئے اس طرح ابوذرؓ گوشہ نشین ہوگئے مگر ان کی جگائی ہوئی جوت دلوں کو روشن کرتی رہی۔

شریعت اور طریقت میں دوسری بار واضح ٹکراؤ حضرت رابعہ بصریؒ کے عہد میں ہوا۔ انہوں نے جزا و سزا کے تصور کو جو خوف اور لالچ کے محدود حصار میں مقید ہوچکا تھا' محبت کی وسیع و عریض اور مضبوط بنیاد فراہم کی۔ محبت کے بحر بے کراں میں تمام تلخ جذبے خود بخود ڈوب گئے۔ طریقت کا یہ پہلو بڑا روشن' بڑا دل کش اور من موہنا تھا۔ تیسری بار یہ اختلاف کھل کر اس وقت سامنے آیا جب حضرت جنید بغدادی نے درس گاہ کے عین سامنے در خانقاہ کھولا اور اسرار و رموز کے چہرے سے نقاب الٹ دیا۔ طریقت کے حسن جہاں سوز کا مقابلہ اس کے سوز و گداز کا سامنا' شریعت کی "درشتی" کے بس کی بات نہ تھی لہٰذا اختلاف کی خلیج وسیع سے وسیع تر ہوتی چلی گئی۔

رہی سہی کسر امام غزالیؒ نے اس وقت پوری کردی جب درس گاہ نظامیہ کی صدر مدرسی کو لات مار کر وہ حلقہ درویشاں میں جا بیٹھے۔ پھر جب لوٹے تو تصوف کو دینی اور فقہ کو دنیاوی علم قرار دے کر وسعت اختلاف کو ناقابل عبور بنا دیا۔

ایک اور گروہ بھی بغداد میں بڑا طاقت ور تھا۔ ان کے خیال میں سیاسی اور روحانی پیشوائی پر صرف اور صرف ایک خاندان کا حق ہے اور رہے گا۔ یعنی شیعیت۔ اس عقیدے کی ابتدا بنو امیہ کی سیاسی بالادستی کے خلاف جدوجہد کے دوران ہوئی۔ بنو ہاشم کے افراد نے جب اس کا آغاز کیا تو اپنے فضائل کے اظہار کی ضرورت محسوس ہوئی۔ رفتہ رفتہ اس پر استحقاق کا رنگ غالب آگیا اور پھر افکار و عقائد کا پورا نظام وجود میں آگیا۔ یہ سنجیدہ کوشش محمون القداح نے فرمائی جو محمد بن اسماعیل بن جعفر صادق کا اتالیق تھا میمون القداح سے پیشتر شیعیت کے مخصوص عقائد کا وجود کہیں نہیں ملتا۔ حد یہ کہ بنو امیہ کے خلاف بنو فاطمہ اور بنو عباس کی مشترکہ جدوجہد میں بھی بنو امیہ کے خلاف شدید نفرت کے سوا کسی نظام عقائد کا پتہ نہیں چلتا اور بنو عباس نے بھی برسر اقتدار آکر سنی عقائد ہی کا اظہار کیا۔

شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے جب عملی دنیا میں قدم رکھا تو مصر میں باقاعدہ شیعیت کی شاخ اسمعیلیوں کی حکمرانی تھی اور ان کی نزاری شاخ جو خوف و دہشت کا نشان تھی' اکابرین اہل سنت کے سر قلم کرنے میں مصروف تھی۔ اس طاقت کی موجودگی سے بغداد میں رافضیت و شیعیت کو تقویت مل رہی تھی۔ ان معروضی حالات کی بنا پر غوث پاک کو سلامتی ایمان کی فکر دامن گیر ہوئی اور انہوں نے بغداد کو خیرباد کہنے کا فیصلہ کرلیا۔ پنجھی اور

درویش دونوں سفر کی تیاری وغیرہ میں وقت برباد نہیں کرتے۔ بس ارادہ کیا پر سمیٹے اور چل دیئے۔ حضرت شیخ نے بھی قرآن بغل میں دبایا اور چل دیئے۔ فصیل شہر کا دروازہ عبور کرنے لگے تو ندائے غیبی پاؤں کی زنجیر بن گئی۔

"عبدالقادر! خلق خدا سے منہ موڑ کر خالق کو کن ویرانوں میں پاؤ گے؟" عجیب قسم کی گونج سماعت سے ٹکرائی۔

"مجھے خلق خدا سے کیا لینا دینا مجھے بس سلامتی ایمان درکار ہے" شیخ نے زیر لب دہرایا۔

"ایمان لٹنے کے مواقع ویرانوں میں بھی کم نہیں ہوتے' خلق خدا کو محروم فیض نہ کر' بغداد میں تیرا ایمان سلامت رہے گا۔"

غوث پاک کی ہمت جواب دے گئی اور ترک بغداد کا خیال دل سے نکل گیا مگر افسردگی تھی کہ پیچھا ہی نہیں چھوڑ رہی تھی۔ اتنا کچھ حاصل کرنے کے بعد بھی اندر کی آنکھ بصیرت کو ترس رہی تھی۔ ظاہری علوم سے فصیل جاں کا گوشہ گوشہ منور تھا مگر پھر بھی تاریکی کا احساس پیچھا نہیں چھوڑ رہا تھا۔ بازار سے گزر رہے تھے تو کسی نے دریچہ کھول کر صرف ایک جھلک دکھلائی۔

"عبدالقادر کل کیا معاملہ درپیش تھا؟" نورانی بزرگ نے یہ کہہ کر دریچہ بند کر لیا۔ حضرت شیخ گھبرا کر ادھر ادھر دیکھنے لگے اور کوشش بسیار کے باوجود دریچے کو تلاش نہ کر سکے۔ بند دریچہ بیشک نظروں سے اوجھل ہو چکا تھا مگر چہرہ گداز دل پر نقش ہو چکا تھا۔ آخر زمینی چہرہ تھا کوئی آسمانی مخلوق نہ تھی۔ غوث پاک نے سراغ پا ہی لیا۔ یہ تھے شیخ حماد الدباس بن مسلم پیر طریقت اور حضرت شیخ کے استاد اول جنہوں نے آپ کو رہ عشق کا راستہ دکھایا۔ وہی راستہ جس کا آغاز اضطراب اور انجام سوختہ سامانی ہے۔ بحر عشق واحد سمندر ہے جو ساحل پر بھی اتنا ہی گہرا ہوتا ہے جتنا ساحل سے دور بیچ بھنور میں۔

شیخ حماد دمشق کی نواحی بستی رحبہ کے باشندے تھے۔ عرصہ دراز سے بغداد نقل مکانی کر آئے تھے۔ محلہ مظفریہ میں خرمے کا [illegible] فروخت کرتے کرتے شرینی قلب تک رسائی حاصل کر لی۔ اہل دل میں ان کا مقام بڑا بلند تھا۔ باطنی لذت [illegible] سنا ہوتا ہوتا تو لوگ در حماد پر آدستک دیتے اور لذت قلب و نظر سے سرور حاصل کرتے۔ سرد اور تاریک رات میں زمستانی ہوا دودھاری تلوار کی طرح کاٹ رہی تھی جب آپ شیخ حماد کے در دولت پر حاضر ہوئے۔

تمام مشائیخ اس بات پر متفق ہیں کی شیخ حماد باس بن مسلم میں زہد و طریقت اور مکاشفے کا کوئی ایک بھی وصف نہ ہوتا جب بھی ان کے مقام و مرتبے کے لئے غوث الاعظم کا استاد ہونا ہی کافی ہے۔ یہ تو رب کائنات کا کرم ہے جو مرتبہ جس کو عطا کر دے "ایں سعادت بزور بازو نیست" بہرحال کوئی بدبخت ہی اس سے انکار کی جرات کر سکتا ہے ورنہ عبدالقادر جیلانیؒ کا استاد ہونا' عظمت کی ایسی دلیل ہے جسے رد نہیں کیا جا سکتا۔ شیخ حماد کا شمار اس دور میں بھی علماء راسخین میں ہوتا تھا۔ شاگردان رشید کو علوم ظاہری و باطنی سے آراستہ کرنے میں ان کو ایک خاص ملکہ حاصل تھا۔ شیخ ابوالوفا تک آپ کے اقوال زریں بصد احترام سنا کرتے تھے۔ کشف و کرامت کے بلند ترین مقام پر فائز تھے۔ ایک بار امیر شہر گھوڑے پر سوار نشے کی حالت میں سر پر غرور بلند کئے چلا آ رہا تھا' سامنے درویش بے ریا آ گیا گویا تکبر اور خاکساری میں ٹکراؤ ہو گیا۔ امیر شہر کو لازم تھا کہ کترا کر نکل جاتا مے نوشی اور رندی کا بھرم رہ جاتا مگر وہ اقتدار کے گھوڑے پر سوار تھا پیادہ درویش کو کیسے خاطر میں لا سکتا تھا ادھر اس کی

مسکراہٹ نے جلتی پہ تیل کا کام کیا۔ یہ گویا گناہ پر اترانے والی بات تھی شیخ حماد نے قہر آلود نگاہ ڈالی تو انسان کی بجائے حیوان متاثر ہوا لہٰذا آپ نے گھوڑے ہی سے خطاب فرمایا "اے اللہ کی مخلوق اس متکبر امیر کو بہت دور لے جا" ادھر یہ الفاظ ادا ہوئے ادھر گھوڑا برق رفتاری سے بھاگا اور نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ کسی کو خبر نہ تھی کہ اسپ تازی اور سوار کو زمین کھا گئی کہ آسمان نگل گیا۔ چند روز بعد خود شیخ حماد نے یہ عقدہ حل کیا "وہ دونوں اس سرزمین سے بہت دور جا چکے ہیں گھوڑا اسے جبل قاف کی دوسری جانب لے گیا ہے اور خدا کی قسم اب وہ امیر' یوم حشر کو اسی جگہ سے اٹھایا جائے گا"

ان کے زہد و تقویٰ کا یہ واقعہ تو بڑا مشہور ہے ایک روز شیخ حماد' معروف کرخیؒ کی زیارت کو جا رہے تھے ان کے کانوں میں کسی مغنیہ کی سریلی آواز آئی آلات موسیقی کی سنگت بھی ساتھ ہی تھی۔ شیخ وہیں سے واپس ہو لیے گھر آ کر اہل خانہ کو جمع کیا اور سنجیدگی سے دریافت فرمایا۔ "آج مجھے کس گناہ کی سزا دی گئی ہے؟" پتہ چلا کہ اہل خانہ نے ایک برتن خریدا تھا جس پر تصویر کندہ کی ہوئی تھی۔ تقوے کی انتہا ہے کہ چھوٹی سے چھوٹی کوتاہی کو بھی نظرانداز نہ کیا جائے۔ مناسب اسباب کی فراہمی خود صاحب بندہ فرما دیتا ہے دوسری ذہن میں رکھنے والی بات یہ ہے کہ جن کے مراتب بلند ہوں ان کی آزمائشیں بھی کڑی ہوتی ہیں۔ ہوا کے دوش پر اڑ کر آنے والی موسیقی کی ایک لہر بھی لٹیا ڈبو سکتی ہے۔ وہ پکڑنے پہ آئے تو رائی برابر کوتاہی کی پاداش میں پکڑ لے لہٰذا بندے کو ہر وقت یہ احساس ہونا چاہیئے کہ بخشش' اعمال کی بنا پر نہیں صرف اور صرف اس کی کرم نوازی کے نتیجے میں ہو گی

جے میں ویکھاں عملاں ولے ککھ نہیں میرے پلے
جے ویکھاں میں رحمت تیری بلے بلے بلے

بقول شیخ حماد' تقرب الٰہی کا مختصر ترین راستہ "حب اللہ" ہے اور یہ محبت اپنی ذات کی مکمل نفی سے حاصل ہوتی ہے یعنی فنائی الذات ہونے سے۔ ایک بار خلیفہ مسترشد باللہ کا ایک غلام' شیخ موصوف کی زیارت کو حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا "میں تمہیں قرب الٰہی سے مالا مال دیکھ رہا ہوں خلیفہ کی بندگی چھوڑ کر اللہ کی بندگی میں آ جا" اس بدبخت نے نہ صرف یہ کہ قول شیخ پر عمل نہ کیا بلکہ خلیفہ سے شکایتاً" سارا ماجرا کہہ سنایا شاید وہ دربار شاہ میں سرخرو ہونا چاہتا تھا خلیفہ بھی عقل سے شاید پیدل ہی تھا اس نے بھی درویش کا مذاق اڑایا۔ وہی غلام ایک بار پھر آستانہ درویش پر حاضر ہوا تو شیخ حماد نے زیر لب مسکرا کر کہا "برخوردار' حکم خداوندی کے مطابق تیرا احوال سلب کیا جاتا ہے اور تمہیں مرض برص میں مبتلا ہو جانے کا حکم میں دیتا ہوں" ابھی آپ کا فقرہ پورا بھی نہ ہوا تھا کہ وہ غلام برص میں مبتلا ہو گیا حاضرین حیران و ششدر تو تھے مگر کسی میں لب کشائی کی جرات نہ تھی۔ ادھر جب غلام دربار خلافت میں حاضر ہوا تو خلیفہ نے اطباء کو اس مرض کے علاج کا حکم دیا۔ مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی والا معاملہ ہوا تو اطباء نے اپنی بے بسی کا اعتراف کر لیا اور یہ مشورہ بھی دیا کہ غلام کو فوراً" محل سے نکال دیا جائے۔ غلام' چار و ناچار شیخ حماد کے قدموں میں آ گرا اور تقرب الٰہی کے حصول کی باتیں کرنے لگا۔ آپ نے اسے کھڑے ہونے کا حکم دیا اور اپنی قمیض پہنائی۔ مرض پل بھر میں جاتا رہا مگر غلام کے دل میں خیال آیا "مرض تو ٹھیک ہو گیا' حاکم وقت کی خدمت میں حاضر ہونا چاہیئے شاید پھر دربار شاہی میں جگہ مل جائے" شیخ حماد نے اس کی دلی کیفیت سے آگاہ ہو کر انگشت شہادت سے اس کی پیشانی پر لکیر کھینچ دی۔ وہ حصہ از سر نو برص میں مبتلا ہو گیا۔

"یہ حصہ تجھے وعدہ خلافی سے باز رکھے گا" شیخ حماد نے مسکرا کر کہا۔

شیخ حماد نے بلاد شام سے نقل مکانی کے بعد، بغداد کے محلّہ "مظفریہ" میں سکونت اختیار کی تو پھر تا حیات وہیں کے ہو رہے ۵۲۵ھ میں سفر آخرت اختیار کیا۔ مزار مقدس قبرستان "شونیزیہ" میں ہے۔

سرد اور تاریک رات جب غوث پاک شیخ حماد کے در دولت پر حاضر ہوئے تو وہ عجب سرد مہری سے پیش آئے خادم کو حکم دیا "دروازہ بند کر کے چراغ گل کر دو" غوث پاک نے چراغ گل ہوتے دیکھا تو قدم روک لئیے اور خانقاہ کے بند دروازے پر بیٹھ گئے۔ قلائد الجواہر از محمد یحییٰ تادفیؒ میں مرقوم ہے کہ تاریک سرد رات میں بند دروازے کے سامنے بیٹھے بیٹھے آپ کو بار بار اونگھ سی آجاتی اور سترہ بار غسل کی حاجت ہوئی۔ آپ فوراً اٹھ کر ٹھنڈے پانی سے غسل کرتے اور بند دروازے کے سامنے آکر بیٹھ جاتے۔ صبح حسب معمول در درگاہ کھلا تو آپ اندر داخل ہوئے شیخ حماد نے فوراً اٹھ کر استقبال کیا اور معانقے کے بعد عجیب و غریب لہجے میں کہا "نور نظر عبد القادر! جو مقام و مرتبہ آج میرا ہے وہ کل تمہارے سپرد ہونے والا ہے۔ جب ساری نعمتیں تمہیں حاصل ہو جائیں تو اس بوڑھی دنیا کی پرانی ہڈیوں کا خیال بھی رکھنا اور انصاف سے بھی کام لینا" اور اس کے ساتھ ہی شیخ حماد کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے۔ اب خدا جانے ان اشکوں کی نوعیت کیا تھی۔ خوشی کے آنسو تھے کہ مقام و مرتبے میں پیچھے رہ جانے کا خیال بہرحال شاگرد کا یہ استقبال منفرد نوعیت کا ضرور تھا۔

شیخ حماد کی زیر تربیت سلوک کی منازل طے کرنا شروع کیں تو ان کی لذت ہی کچھ اور تھی ہر طلوع ہونے والا سورج آپ کو نئے مقام پر فائز دیکھتا اور جب شام ڈھلے صف لپیٹ کر غروب ہوتا تو آپ نئے مقام پر ہوتے پرانی منزل قصۂ پارینہ بن چکی ہوتی۔

شیخ حماد کا رویہ بعض اوقات بڑا ہی تلخ بڑا دکھ دینا والا ہو جاتا مگر آپ کی جبین نیاز پر ناگواری کی شکن تک نمودار نہ ہوتی۔ دیکھا دیکھی راہ سلوک کے دوسرے مسافر بھی آپ کا مذاق اڑانے لگے۔ قرآن و حدیث، فقہ اصول و فروع کے بحر بے کنار میں آپ پہلے ہی غوط زنی فرما چکے تھے یہ صفات دوسروں کی نگاہوں میں عیوب کا روپ دھار گئیں۔

"تم فقیہہ ہو بزم درویشاں میں تمہارا کیا کام؟" طنز و تضحیک کے تیروں سے سینہ چھلنی کیا جاتا آپ صرف استاد مکرم کی نظر التفات کے تمنائی رہتے اور طنز و تضحیک کو خندہ پیشانی سے برداشت کر جاتے۔ آخر ایک روز شیخ حماد چھلک پڑے اور تیر برسانے والوں کو آڑے ہاتھوں لیا۔

"تم لوگ بصارت و بصیرت دونوں سے محروم ہو، اس ہما کی بلند پروازی کا اندازہ کر ہی نہیں سکتے، میں اسے آزمائش کی چکی میں پیس رہا ہوں تم لوگ اپنی زبانوں کو لگام دو ورنہ نہ زبانیں ہوں گی نہ لگامیں"

شاگردان حماد اپنے اس رویہ پر شرمسار ہوئے۔ فصیل شہر سے باہر ایک ویرانے میں "برج عجمی" کی شہرت ہوئی۔ اس برج میں آپ نے برس ہا برس مجاہدے و ریاضت کی انتہا کر دی۔ آپ چوں کہ عجمی تھے لہٰذا زہاد نے اس برج کو آپ کے نام سے موسوم کر دیا۔ عراق کے ویرانے غوث پاک کے پائے استقامت پر ورطۂ حیرت میں ڈوب جاتے۔ عرفان ذات کی منزل میں آپ نے بھوک کو بھوکا مار دیا اور پیاس کو تشنہ لب تڑپایا۔ نیند کو گہری نیند سلا دیا اور بیداری کی ہر حس کو بیدار کر دیا یہ محنت ریاضت پرخلوص طلب کی انتہا تھی۔

چشم فلک نے ایسی شدت طلب نہ دیکھی نہ سنی۔ پھر حب اللہ کا وہ مقام بھی آیا جہاں صاحب بندہ خود بندے

کے ناز اٹھاتا ہے۔ ایسا تو ایک روز ہونا تھا۔ انسانی قوت ارادی کی انتہا کیا ہے؟ جہاں تک تصور کی پرواز ممکن ہے اور پھر معراج مصطفےٰؐ نے تو شہباز تخیل کی انتہا کو بھی غلط ثابت کر دکھایا اور یہ ثابت کر دیا کہ انسان کی رسائی وہاں تک ممکن ہے جہاں تصور کے بھی بال و پر جل جائیں۔ غوث پاک جب نقش پائے رسالت مآب کی اتباع فرمانے لگے تو سینے میں قلب سلیم دھڑکنے لگا (وہ دل جس میں تقویٰ، ایمان اور عرفان تینوں بیک وقت سما جائیں) اس مقام پر "الست" کی نازش اور "بلیٰ" کا نیاز دونوں ساتھ ساتھ چلتے ہیں اور ناز برداریاں اسی کا نتیجہ ہوتی ہیں۔

آپؒ فرماتے ہیں "ایک بار میں نے پروردگار سے عہد کیا اس وقت تک کچھ نہیں کھاؤں گا جب تک کوئی مرد صالح خود میرے منہ میں لقمے نہیں ڈالے گا۔ (یہ اس بے نیاز سے ناز برداری نہیں تو اور کیا ہے؟) مسلسل چالیس روز گزر گئے میں اپنے موقف پر قائم رہا۔ چالیس روز بعد ایک شخص آیا اور میرے سامنے انواع و اقسام کے کھانے رکھ کر چلا گیا۔ میرا نفس الجوع، الجوع (ہائے بھوک ہائے بھوک) پکارنے لگا مگر میں نے اس کی طرف مطلق توجہ نہ دی۔ اسی اثنا میں ابو سعید مخزومیؒ ادھر آنکلے اور اپنی فراست باطنی سے یہ "شور" سن کر میرے قریب آگئے اور مجھ سے پوچھا "اے عبد القادر یہ شور کیسا ہے؟" میں نے جواب دیا "یہ اضطراب نفس کا شور ہے مگر میری روح یاد الٰہی میں مطمئن ہے لہٰذا شور نفس کی مجھے چنداں پروا نہیں"

"میرے غریب خانے پر چلو" انہوں نے یہ فرمایا اور چلے گئے۔ میں نے دل میں ایک اور شرط عائد کر دی کہ جب تک کوئی خود لے کر نہ جائے میں ہرگز نہیں جاؤں گا۔ میں اسی خیال میں تھا کہ خضر علیہ السلام تشریف لائے اور مجھے حضرت ابو سعید کے گھر لے گئے۔ شیخ موصوف دروازے میں کھڑے ہمارے منتظر تھے مجھے دیکھ کر فرمانے لگے "عبد القادر کیا میرا کہنا کافی نہ تھا کہ خضر علیہ اسلام کی ضرورت پیش آگئی" پھر وہ مجھے اپنے گھر میں لے گئے اور میری شرط کے عین مطابق اپنے ہاتھ سے میرے منہ میں لقمے ڈال ڈال کر مجھے کھلانے لگے۔

یہ واقعہ ناز و نیاز پر دلالت کرتا ہے اس میں عقلی دلائل یا وجوہات وغیرہ بیان کرنا پرلے درجے کی جہالت ہے زیادہ سے زیادہ یہی کہا جا سکتا ہے کہ

کشادہ دست کرم جب وہ بے نیاز کرے
نیاز مند نہ کیوں عاجزی پہ ناز کرے

بعد ازاں تو غوث الاعظم اس مقام و مرتبے پر بھی فائز ہوئے جہاں وہ سارے جہان کو کھلانے کے قابل ہوگئے۔ یہ بھی صاحب بندہ کی کرم نوازی تھی۔ سیدنا غوث الاعظم خلیفہ مستظہر باللہ کے عہد خلافت میں بغدا تشریف لائے اور اللہ تعالیٰ نے تیئس برس میں تکمیل ظاہری و باطنی کے بعد انہیں "محی الدین" کے قام پر فائز کر دیا اس کے متعلق بھی انہوں نے جو ارشاد فرمایا اس کی تفصیل کچھ اس طرح ہے۔

۵۱۱ھ میں ایک جمعہ کے روز میں سفر سے پابرہنہ سوئے بغداد آرہا تھا کہ مجھے ایک ناتواں بیمار شخص دکھائی دیا۔ نقاہت سے وہ جاں بہ لب دکھائی دے رہا تھا "اسلام علیک وا عبد القادر" اس نے مجھ سے کہا۔ میں نے سلام کا جواب دیا تو وہ کہنے لگا "مجھے سہارا دے کر اٹھاء" میں نے اس کی خواہش پوری کی تو پل بھر میں اس کے چہرے پر رونق آگئی اور دیکھتے ہی دیکھتے اس کا لاغر جسم بھی خوب موٹا تازہ ہوگیا۔ میں حیرت زدہ ہوا تو وہ شخص مسکرا کر کہنے لگا "میں آپ کے جد پاک کا دین ہوں جو قریب المرگ ہو چکا تھا اب اللہ تعالیٰ نے آپ کے ذریعے مجھے از سر نو زندہ کر دیا ہے لہٰذا آپ "محی الدین" ہیں" اس کے بعد جب میں جامع مسجد کی حدود میں داخل ہوا تو

ایک شخص نے مجھے جوتا پہنایا اور پہلی بار یا سیدی محی الدین کے نام سے پکارا۔ نماز جمعہ کے اختتام پر لوگ امڈ امڈ کر میری طرف آنے لگے اور یا محی الدین یا محی الدین کے نام سے پکار پکار کر میرے ہاتھوں کو بوسے دینے لگے حالاں کہ اس سے پیشتر مجھے کبھی بھی کسی نے اس نام سے نہیں پکارا تھا۔"

مناقب غوث پاک کے سلسلے میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی "شرح مشکواۃ شریف" میں یوں رقمطراز ہیں۔ "اسلام' ظاہری اعمال کا نام ہے اور "ایمان" باطنی اعتقاد کا اور "دین" ان دونوں کے مجموعے کو کہتے ہیں۔ گویا دین وہ جامع نظام ہے جو بنی نوع انسان کے عقائد و اعمال' ظاہر و باطن' صورت و معانی' روحانیت اور جسمانیت پر مشتمل ہے ایسے نظام کا احیاء' نبی مرسل یا اس کے کامل ترین نائب کے بغیر ممکن نہیں۔ اگرچہ آں حضرتؐ نے ہر صدی کے سرے پر ایسی ہستیوں کی نشان دہی فرمائی ہے جن سے تجدید دین کا فریضہ انجام پذیر ہوتا ہے مگر تجدید اور احیاء میں ایک نمایاں فرق ہوتا ہے۔ مجددین کی فہرست میں ابتدا سے لے کر اس وقت تک بہت سے حضرات کے اسمائے گرامی پائے جاتے ہیں مگر "محی الدین" کا لقب کسی اور کو عطا نہیں ہوا۔ تاریخ اسلام کے مطالعے سے یہ امر پایہ ثبوت کو پہنچ جاتا ہے کہ احیائے دین کا اہم ترین فریضہ حقیقتاً" جناب غوث الاعظم کی ذات گرامی قدر ہی سے پایہ تکمیل کو پہنچا اور یہ عظیم الشان لقب صرف آپ ہی کے وجود مسعود پر صادق آتا ہے۔"

پچیس برس تک مسلسل غوث پاک نے عراق کے بیابانوں میں صحرانوردی کی' مخلوق سے رابطہ منقطع رہا یہ مجاہدے کا دشوار ترین دور تھا رجال غیب اور جنات کو سلوک کی تعلیم عطا فرماتے رہے ان کے علاوہ جناب خضر علیہ السلام ہمدم دیرینہ و محرم راز تھے ان سے معاہدہ ہو چکا تھا کہ غوث پاک ان کے کسی حکم کی مخالفت نہیں کریں گے ایک مرتبہ خضرؑ نے کسی مقام پر بیٹھنے کا حکم دیا تو غوث پاک تین برس تک صبر و استقلال سے اسی جگہ مصروف عبادت رہے سال میں صرف ایک بار خضرؑ تشریف لاتے اور مسرور و مطمئن غائب ہو جاتے "دنیا" بارہا مختلف روپ میں آکر بہکانے کی کوشش کرتی رہی اور منہ کی کھاتی رہی شیاطین بھی مہیب شکلیں اختیار کرکے آدھمکتے مگر غوث پاک کے پائے استقلال میں سرمو فرق نہ آیا اور راہ سلوک میں خوف و خطرے سے مکمل نجات مل گئی۔ نفس نے ہتھیار ڈال دیئے یہی وہ زمانہ ہے جب غوث پاک پر زمینی مسافت مختصر کی گئی۔ بلاد شستر جو بغداد سے بارہ یوم کی مسافت پر تھا چند لمحوں میں زیر قدم ہوتا صورت حال یہ ہوگئی کہ "دنیا" بذات خود ایک پارسا عورت کے روپ میں اکثر و بیشتر ظاہر ہوتی اور حوصلہ دیتی "تجھے اپنے احوال پر تعجب کیوں ہے' جبکہ تو عبدالقادر ہے؟" اسی زمانے میں شیاطین سے جنگیں ہوئیں جو آتشیں شعلوں سے لیس ہو کر حملہ آور ہوتے مگر ان کے شعلے انہی پر لوٹا دیئے جاتے۔ ورطہ حیرت میں ڈبو دینے والے واقعات رونما ہوتے رہے مگر غوث پاک ان مقامات سے بہت آگے نکل گئے اور مقامات حیرت و استعجاب بہت پیچھے رہ گئے۔

ایک روز ابلیس نے پینترا بدل کر وار کرنے کی سعئی لاحاصل کی۔ وہ غوث پاک کی خدمت میں اشک ندامت بہاتا ہوا آیا اور کہنے لگا "آپ نے میری اور میری اتباع کرنے والوں کی جان عذاب میں ڈال رکھی ہے لہٰذا میں اپنی شکست تسلیم کرتے ہوئے آپ کا طوق غلامی زیب گلو کرنے آیا ہوں" غوث پاک نے قہر آلود نگاہوں سے "حریف آدم" کو دیکھا اور پوری قوت سے طمانچہ مارنے کا ارادہ کیا مگر اس سے پیشتر ہی شیطان کے منہ پر زناٹے دار تھپڑ لگا اور وہ غائب ہوگیا۔ یہ گویا خدائی حصار میں آنے کے مترادف بات تھی۔ پل بھر میں وہ پھر

آدھمکا۔ اس بار وہ آتشیں نیزے سے مسلح تھا۔ غوث الاعظم کی حسب منشا ان کے ہاتھ میں شمشیر برہنہ آگئی جسے دیکھتے ہی حملہ آور کی ترکی تمام ہوئی اور وہ سر پر پاؤں رکھ کر بھاگا۔ اس کے بعد ابلیس نے ایسا حملہ کیا جس سے وہ اکثر اولیاؤں کو بے سرو سامان کر چکا تھا۔ اس کا یہ وار بڑا ہی مہلک تھا۔ ایک اندھیری رات میں آپ بے آب و گیاہ صحرا میں مصروف عبادت تھے کہ اچانک آپ کو روشنی کی ایک لکیر دکھائی دی جس سے رفتہ رفتہ سارا آسمان منور ہوگیا۔ پھر ایک گونج سنائی دی "اے عبدالقادر! میں تیرا پروردگار ہوں اور تیری عبادت سے راضی ہو کر تجھے ہر قسم کی عبادت کی مشقت سے آزاد کرتا ہوں" یہ ندائے غیبی سنتے ہی آپ نے اپنے ظاہری و باطنی علم کی روشنی میں اس کا جائزہ لیا تو اس "کرم نوازی" کا جواز نظر نہ آیا۔ آپ کو فوراً" خیال آیا "آں حضرتؐ ختمی مرتبت عمر بھر عبادت کے مکلف و پابند رہے' کیا یہ ممکن ہے کہ ان کے بعد کوئی شخص' عبادت سے آزاد کر دیا جائے" یہ خیال آتے ہی آپ نے لاحول پڑھا تو روشنی کا وجود مٹ گیا اب ابلیس اپنی اصل شکل و صورت میں غوث پاک کے سامنے آکھڑا ہوا۔ "میں نے اس وار سے جانے کتنے عبادت گزاروں کو چت کر دیا مگر عبدالقادر آپ اپنے علم کے زور سے صاف بچ نکلے" یہ داؤ پہلے سے بھی خطرناک تھا مگر "محی الدین" نے اس کی توڑ بھی پیش کر دی۔ آپ نے فرمایا "مردود' دفع ہو جاؤ میں اپنے علم کے زور سے نہیں تائید الٰہی اور اس کی کرم نوازی کے سہارے تیرے دام تزویر میں نہ آسکا" یہ سن کر ابلیس نے اپنا سر پیٹ لیا اور مگرمچھ کے آنسو بہانے لگا۔

"عبدالقادر! آج میں واقعی تجھ سے مایوس ہوگیا" ابلیس نے ہتھیار ڈالتے ہوئے کہا

"تم پر وقت ضائع کرنے سے بہتر ہے میں کوئی اور ہدف تلاش کروں"

"ابلیس لعین! یہ بھی تیرا فریب ہے" حضرت شیخ نے جوابی حملہ کیا "میں تیرے ہر فریب سے اپنے پروردگار کی پناہ مانگتا ہوں۔"

یہ شیطان کی ذلت آمیز شکست تھی۔ ادھر شیخ حماد اپنے شاگرد کے مراتب سے آگاہ تھے وہ بھی اپنا فرض ادا کر چکے تھے۔ لوح محفوظ پر لکھے کے عین مطابق تعلیم کر چکے تھے۔ ظاہری و باطنی علوم کی تکمیل ہو چکی تھی۔ مگر خرقہ پوشی کسی اور کے حصے لکھی جا چکی تھی۔ وہ ابو سعید مخزومی تھے جنہوں نے باب ازج پر خضر علیہ السلام اور آپ کا استقبال کیا تھا اور اپنے ہاتھوں سے لقمے کھلائے تھے۔ غوث پاک کی کیفیت ان دنوں بحر زخار کی سی ہو رہی تھی ایک آتش فشاں تھا کہ اندر ہی اندر کھول رہا تھا۔ ظاہر و باطنی علوم گنبد سر میں مقید تھے اور رشد و ہدایت کے سوتے پھوٹ پڑنے کو بے تاب مگر ایک عجیب سی ناقابل فہم سی الجھن راستہ روکے کھڑی تھی۔ بربط دل کے تاروں میں الوہی نغمات بے قرار تو تھے مگر مضراب سے چھیڑنے کی نوبت ہی نہیں آچکتی تھی۔ بار بار یہی خیال ستاتا کہ آپ عجمی ہیں اور لب کشائی کی صورت میں' فصحائے عرب کے سامنے شاید آپ کا چراغ نہ جل سکے۔ اکثر اوقات یہ خیال فصیل جاں کو سپرد اضطراب کر دیتا۔

مدرسہ نظامیہ' درس گاہ حماد' اب قاضی ابو سعید مخزومی گویا منزل شوق کا تیسرا مرحلہ شروع ہوا۔ کوئی کسر رہ تو نہیں گئی تھی' ایک آدھ آنچ کی ہو تو ہو شیبانی سے کلیمی تک پہنچنے والی بات تھی جس کے لیے پروردگار نے ابو سعید مخزومی کی صورت میں مناسب اسباب فراہم کر دیئے۔ مشاہدوں مجاہدوں کا آغاز ہوا۔ ابو سعید بحر طریقت کے غواص ہونے کے ساتھ ساتھ قاضی اور مفتی بھی تھے فقہ و حدیث کی تعلیم کے لئے درس گاہ بھی تھی جس کی سربراہی اب حضرت شیخ کو سونپ دی گئی۔ درس و تدریس اور راہ سلوک کی منازل طے کرنا' دونوں مشاغل ساتھ

ساتھ چلنے لگے۔ یہی وہ مدرسہ ہے جہاں آفتاب غوثیہ طلوع ہوا۔

۵۰۰ھ میں اس درسگاہ سے رشتہ استوار ہوا اور ۵۲۱ھ میں آپ نے عوام الناس سے خطاب کا آغاز فرمایا۔ گویا درس وتدریس کا سلسلہ ۲۱ برس پر محیط ہے ویسے تو یہ شغل دم آخر تک جاری رہا مگر ۵۲۱ھ کے بعد اولیت "خطاب" کو دی گئی اور ہفتے میں تین روز وعظ کے لئے مختص تھے۔ خرقہ پوشی کی مبارک گھڑی بھی آپہنچی۔ یہ خرقہ معمولی گدڑی پر مشتمل نہ تھا بلکہ بارگارہ احدیت کی خاص عطا تھی۔ جو حضور اقدس کے وسیلے سے 'ولی اول حیدر کرار تک پہنچا اور سلسلہ در سلسلہ صلحائے امت سے ہوتا ہوا ابو سعید مخزومی کی ملکیت میں آیا جس کا مستقل ٹھکانہ اب غوث الثقلین کی ذات بابرکات ہونے والی تھی۔ یہ رسم خرقہ پوشی بھی منفرد نوعیت کی حامل تھی۔ انفرادیت کا حامل ابو سعید مخزومیؒ کا فرمان ہے "میں نے عبدالقادرؒ کو خرقہ پہنایا اور انہوں نے مجھے 'اس طرح ہم دونوں نے ایک دوسرے سے فیض حاصل کیا" یہ فرمان بذات خود تبصروں پر بھاری ہے۔

۴ شوال ۵۲۱ھ نماز ظہر سے پہلے اس اضطراب کا مداوا بھی ہوگیا جس نے غوث الاعظم کو پابہ زنجیر کر رکھا تھا یعنی فصحائے عرب کے مقابلے میں اپنی کمتر حیثیت کا احساس۔ افصحا النصی کی نظر کرم نے یہ عقدہ بھی حل کر دیا۔ حضرت شیخ کو حضور اقدس کی زیارت نصیب ہوئی۔

"فرزند! تم کلام کیوں نہیں کرتے؟" آنحضورؐ نے دریافت فرمایا۔

"میں ایک عجمی، فصحائے بغداد کے سامنے لب کشائی کی جرات کیسے کر سکتا ہوں" غوث پاک نے اپنا مسئلہ دربار رسالت میں پیش کیا۔

"فرزند اپنا منہ کھول" کائنات کی ساری رحمت مائل بہ کرم ہوئی غوث پاک نے منہ کھولا تو کائنات کی فصاحت و بلاغت کا رس ٹپکایا گیا حضور اکرمؐ نے سات بار لعاب دہن سے سرفراز فرمایا اور ساتھ ہی تلقین فرمائی "حکمت اور موعظت کے ذریعے لوگوں کو صراط مستقیم کی دعوت دیتے رہو۔" جلوگی اختتام پذیر ہوئی تو غوث پاک پر وجدانی کیفیت طاری تھی جس کا آغاز' قوت مدرکہ کی انتہا کے بعد ہوتا ہے۔ پل بھر میں کیا سے کیا ہوگیا فصاحت و بلاغت نے خود کلام غوث پر ناز کیا۔ یہ وجدانی کیفیت کوئی پل دو پل نہ تھی نماز ظہر کی ادائیگی تک جاری رہی مدینتہ العلم کی نظارگی سے طاری ہونے والی وجدانی کیفیت اختتام پذیر ہوئی تو نئی لذت کا آغاز ہوا۔ یہ کیفیت' پہلی سے ذرا مختلف تھی فصیل جاں کا رواں رواں کیف و سرور کے نئے انداز میں جھوم رہا تھا باب العلم' جلوہ افروز ہوئے۔ علی المرتضیٰ نے فرمایا "منہ کھولو" غوث پاک نے تعمیل ارشاد کی تو باب العلم نے چھ بار لعاب دہن سے سرفراز فرمایا۔ غوث پاک کی کیفیت "ھل من مزید" والی ہو رہی تھی۔ عطا کی انتہا تھی تو شدت طلب بھی شمار و قطار سے باہر تھی۔

"حضور! سات بار سرفراز نہیں فرمائیں گے؟" عبدالقادر جیلانیؒ نے سوال کیا۔

"نہیں فرزند' ادب رسالت ملحوظ خاطر ہے" علی المرتضیٰ نے فرمایا اور نظروں سے اوجھل ہوگئے۔ اس روز غوث پاک نے منبر پر کھڑے ہو کر کلام کیا تو فصحائے بغداد دنگ رہ گئے آشنا حیران ہوئے تو ناآشنا پریشان۔ فصاحت کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر تھا جو انسانی عقلوں کو خشک پتوں کی طرح بہالے گیا۔ کلام اول ملاحظہ فرمائیں: "فکر غوطہ خور' دل کے بحر زخار میں موتیوں کی تلاش میں ہے اور ان موتیوں کو سینے کی گہرائی سے نکال کر قصہ گو زبان کے سپرد کر دیتا ہے وہ موتی جو دلوں کی پہنائی میں سجائے اور حسن اطاعت کے سرمائے سے خریدے جاتے ہیں"

اس بات پر کم وبیش تمام مشائخ کا اتفاق ہے کہ یہی کلام اول ہے جو آپ نے لوگوں کو تعلیم کیا۔ چند روز بعد خضر علیہ السلام تشریف لائے یہ گویا غوث پاک کا امتحان تھا اور کوئی انوکھی یا نئی بات نہ تھی بلکہ اولیا کا امتحان ایک دستوری بات تھی مگر یہاں تو کایا ہی پلٹ چکی تھی غوث الاعظم نے فرمایا "آج میں آپ کے الفاظ آپ ہی پر لوٹا رہا ہوں وہ الفاظ جو آپ نے موسیٰ علیہ السلام سے کہے تھے یعنی میرے جیسے صبر و تحمل کی آپ میں تاب ہے نہ مجال اس لئے کہ آپ اسرائیلی ہیں اور میں "محمدی" ہوشیار ہو جائیں' ہم دونوں شہسوار ہیں اور میدان سامنے ہے۔ مگر میرے زین کسے ہوئے گھوڑے کو ملاحظہ فرمائیں اور کڑی کمان کے چلے پر چڑھے ہوئے تیر کو نگاہ میں رکھیں' میری کاٹ دار شمشیر براں کا بھی اندازہ لگالیں۔" مناقب غوث پاک کی مستند کتب میں یہ مکالمہ من و عن موجود ہے جو چاہے ملاحظہ فرما سکتا ہے۔ اس روز آپ نے ولائت کی خصوصیات بیان فرمائیں۔ مسند ولائت کے سجادہ نشین میں بارہ خصائل کا ہونا ضروری ہے۔

(۱) دو خصلتیں خالق کائنات کی۔

(۲) دو صفات رسالت مابؐ کی۔

(۳) دو سیدنا صدیق اکبرؓ کی۔

(۴) دو عمر فاروقؓ کی۔

(۵) دو عثمان غنیؓ کی۔

(۶) دو علی المرتضیٰ کی۔

سامعین حیران و ششدر یہ انداز تکلم سن رہے تھے اور تشریح طلب نگاہوں سے دیکھ رہے تھے آپ نے حاضرین کی تشنگی ان الفاظ سے دور کی۔

ستار و غفار ہونا رب العزت کی خصلتیں ہیں' شفیق و رفیق' شیوۂ رسالت مابؐ ہے' صادق و متصدق (تصدیق کرنے والا) صدیق اکبرؓ کی خصوصیات ہیں' عمر فاروقؓ کی خصوصیات میں اوامر و نواہی کی پابندی کرنا اور کرانا سرفہرست ہیں' حضرت عثمان غنیؓ کا طرۂ امتیاز بھوکوں کو کھانا کھلانا اور شب بیداری (عبادت کی غرض سے) ہے اور سیدنا علیؓ کی خصوصیات عالم اور شجاع ہونا ہیں۔ یہ بارہ صفات اگر کسی شخص میں بیک وقت موجود نہیں تو وہ مقام ولائیت سے بہت دور ہے اس کا دعویٰ جھوٹا اور بھرم بھاؤ کھوکھلا ہے۔" پھر آپ نے منظوم کلام میں "شیخ" کے پانچ خصائل بیان فرمائے۔

(۱) احکام شریعت سے مکمل واقفیت اور علم حقیقت کی اصل سے آشنائی۔

(۲) حسن خلق کا بہترین نمونہ ہونا (اخلاق ساری عبادت کا نچوڑ ہے اور یہ خلق خدا سے' بندے کے تعلقات کا نام ہے)

(۳) وہ قول و فعل سے مساکین کی تواضع کرنے والا ہو۔

(۴) حرام و حلال میں امتیاز کرنے والی قوت مدرکہ کا مالک ہونا۔

(۵) اپنے نفس اور طالبین کی طریقت کو کماحقہ' مہذب کرنے کی صلاحیت کا مالک ہو۔

رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری ہوا تو کلام میں الوہی رنگ کی دھوم مچ گئی۔ سامعین ایک عرصے کے بعد وجدانی لذتوں سے آشنا ہوئے۔ ان کے کان تو فلسفے کی موشگافیاں سن سن کر تنگ آچکے تھے۔ سماعتیں مسلکی دلائل

سے مجروح ہو چکی تھیں۔ اسی زمانے میں کرامات کے ظہور کا سلسلہ شروع ہوا ہر وعظ بذات خود ایک کرامت ہوا کرتا تھا لوگ تڑپ تڑپ جاتے الفاظ بے شک وہی تھے جو دوسرے علماء استعمال کیا کرتے تھے لیکن بلحاظ تاثیر زمین و آسمان کا فرق تھا۔ رفتہ رفتہ لوگ مدرسے کی قریبی سرائے (رباط) میں بیٹھنے لگے۔ انداز بیاں ایسا تھا جو بربط دل کے تاروں کو جا چھیڑتا اس صورت حال کے پیش نظر مدرسہ ابو سعید مخزومی کی توسیع ضروری قرار دی گئی۔ اردگرد کے مکانات دوکانیں سرائے وغیرہ مسمار کرکے درس گاہ کو وسیع و عریض کر دیا گیا چند روز بعد درس گاہ نے پھر تنگی داماں کی شکایت کی لوگ اپنی اپنی سواریوں پر آتے درس گاہ کے اردگرد کھڑے ہو جاتے۔ یہ نطق غوث کا اعجاز تھا کہ جہاں کوئی کھڑا ہوتا مفہوم و معانی لب و لہجہ ہر سامع کے دل پر نقش ہو جاتا۔ اس زمانے میں برقی رو کا رواج تھا نہ لاؤڈ سپیکر ایجاد ہوا تھا پھر بھی صدائے غوث کی لہریں ایک جیسی گونج' ایک جیسی شدت کے ساتھ ہر سماعت کو فیض یاب فرماتیں۔ یہ بیان خلاف عقل تو ہے مگر کرامت کہتے کسے ہیں؟

آپؒ کے خطبات میں بلا کی تاثیر ہوتی۔ حقائق و معارف کا ایک سیلاب بہتا چلا آتا۔ ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

آپؒ نے فرمایا: لوگو! اس قرآن پر ایمان لاؤ اس پر عمل کرو' اپنے اعمال کو خالص بناؤ' ریا نہ کرو' منافقانہ عمل نہ کرو۔ ان اعمال پر خلقت سے تعریف اور عوض نہ مانگو' خال خال کوئی آدمی اس قرآن پر ایمان لاتا ہے اور عزوجل کی خاطر اس پر عمل کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خواص کم اور منافق زیادہ ہیں۔ تم اللہ عزوجل سے خالی نہ رہو اس لئے کہ وہ خوب جانتے ہیں کہ اس کی امر و نہی اور اس کی قضا و قدر پر صبر کرنے میں دنیا اور آخرت کی کتنی بہتری ہے۔ وہ اللہ کے لائے ہوئے انقلابات میں اس سے موافقت کرتے ہیں' کبھی صبر کرتے ہیں' کبھی شکر' کبھی قریب ہیں کبھی بعید' کبھی تکلیف میں ہیں کبھی راحت میں' کبھی دولت مند ہیں کبھی مفلس' کبھی تندرست ہیں کبھی مریض' ہر حال میں ان کی ایک ہی آرزو ہے کہ اللہ عزوجل کے تعلق میں اپنے قلوب کی حفاظت کر سکیں۔ یہ ان کے نزدیک سب سے اہم چیز ہے۔۔۔۔۔ حق تعالیٰ سے ہمیشہ خلقت کی بہتری مانگتے ہیں۔

آج علوم سائنس کی ترویج و ترقی کے وسیلے سے ہم بہتر طور پر سمجھ سکتے ہیں کہ آواز کی لہریں مخرج سے خارج ہونے کے بعد جب ہوا کے دوش پر رقص کرتی ہوئی سماعتوں سے ٹکراتی ہیں تو مسافت کے مطابق کمزور ہوتی چلی جاتی ہیں۔ اسے تکنیکی زبان میں "ATTENUATION" (عمل تخفیف) کہتے ہیں اور ان لہروں کی شدت کی پیمائش کے لئے جو اکائی مستعمل ہے اس کا نام ڈی بی "DECIBEL" ہے۔ اس کے برعکس صوتی لہروں کو طاقتور بنانے والے عمل کا نام "AMPLIFICATION" "عمل توسیع ہے جو لاؤڈ سپیکر میں کار فرما ہوتا ہے لیکن کلام غوث پاک کو کون یکساں شدت کے ساتھ دور و نزدیک پہنچاتا تھا؟ کون ان کے ذکر کو بلند فرماتا تھا؟ یہی نکتہ قابل غور ہے۔ یہ عوام الناس کی جہالت کے خلاف جنگ تھی۔ دلوں پہ لگے ہوئے قفل کھل رہے تھے۔ شیطنت کا قلع قمع ہو رہا تھا مگر انداز غوث سے ہر چشم تماشا ورطہ حیرت میں ڈوب ڈوب کر ابھر رہی تھی۔

دامن پہ کوئی چھینٹ نہ خنجر پہ کوئی داغ
تم قتل کرو ہو کہ کرامات کرو ہو

پھر یوں ہوا کہ کلام غوث پاک کا دائرہ عمل اتنا وسیع ہوا کہ خطاب بغداد کی درس گاہ میں ہو رہا ہوتا مگر سامعین کالے کوسوں دور بیٹھے ہوئے استفادہ کر رہے ہوتے۔ خلق خدا کے ہجوم کے پیش نظر ایک عجیب و غریب

اعلان ہوا۔ "جو لوگ الوہی رنگ پسند کرتے ہیں اور میرا خطبہ صدق دل سے سننا چاہتے ہیں ان کے لئے مجلس میں حاضری کی قید ختم کی جاتی ہے۔" یہ تمکنت' یہ ناز' یہ انداز بیاں' جہلاء کی سمجھ سے بالا تر تھا تار برقی و لاسلکی کا زمانہ تو تھا نہیں اور نہ ٹیلی ویژن ایجاد ہوا تھا بات سمجھ میں آتی تو کیسے آتی لیکن ایک بات پر سب کا اتفاق ہے کہ علمائے سوء تک' مذاق اڑانے یا تردید کی جرات نہ کر سکے۔ غوث الاعظم کی جمالی شان دل کش تھی تو جلالی شان راکھ بھی کر سکتی تھی دوسری وجہ یہ تھی کہ چشم بینا کے حامل حضرات اس اعلان کی عملی وضاحت فرمانے لگے۔

غوث پاک کا معمول تھا کہ ہفتے میں تین بار عوام الناس سے خطاب فرماتے جمعتہ المبارک کی صبح منگل کی رات اور اتوار کی صبح محافل کا انعقاد ہوتا۔ ہر مجلس میں عوام کے علاوہ عراق کے مشائیخ' مفتی اور علماء شرکت فرماتے ان میں شیخ بقاء بن بطو' شیخ ابو سعید قیلوی' شیخ علی بن ہیتی' شیخ ابو نجیب عبدالقادر سہروردی' شیخ ماجد کردی' شیخ مطر بادرانی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین جیسے آفتاب و مہتاب شریعت و طریقت بھی موجود ہوتے۔ رجال الغیب اور فرشتے بھی گروہ در گروہ تشریف لاتے اور کلام غوث پاک سے مستفید ہوتے۔ دوران خطاب سامعین کو آہیں اور سسکیاں تو سنائی دیتیں مگر سوختہ ساماں عشاق دکھائی نہ دیتے۔ اکثر یوں بھی ہوتا کہ کوئی شخص فرش زمیں پر ہاتھ رکھتا تو اسے غیر مرئی وجود کا احساس ہوتا جیسے اس کا ہاتھ کسی کے ہاتھ پر آ گیا ہو۔ حاضرین و سامعین کو رجال غیب کی موجودگی کا احساس تو ہر محفل میں ہوتا۔ خطاب اختتام پذیر ہوتا تو اس کا طلسم تا دیر قائم رہتا۔ لوگ وجدانی کیفیات میں سرشار ہو چکے ہوتے پھر غوث پاک فرماتے "قال تو ہو چکا اب حال کی طرف آئیے" اس اعلان کے ساتھ ہی محفل کا رنگ بدل جاتا اور لوگ ماہی بے آب کی طرح تڑپنے لگتے۔ وفور شوق کا یہ عالم کہ ہر دل کی یہی تمنا ہوتی "یا الٰہی! یہ رنگ محفل ابد تک قائم رہے اور عمر عزیز اسی کیف میں تمام ہو جائے"

غوث پاک کے اس اعلان کی عملی وضاحت کی چند مثالیں پیش خدمت ہیں۔ شیخ عبدالرحمٰن طفسونجیؒ کبھی بغداد میں نہیں آئے مگر اپنے شہر میں سر راہ' بصد احترام کھڑے رہتے اور لوگوں سے ارشاد فرماتے۔ "لوگو! سیدنا عبدالقادر کا خطاب شروع ہونے والا ہے شائقین میرے غریب خانے پر حاضر ہو کر ارشادات عالی سماعت فرما سکتے ہیں" لوگ گروہ در گروہ ان کے گھر جمع ہو جاتے۔ ادھر بغداد میں محفل کا آغاز ہوتا ادھر کالے کوسوں دور طفسونجیؒ کے گھر تشنگان اپنی پیاس بجھاتے اپنے کانوں سے ایک ایک لفظ سنتے اور غوث پاک کی موجودگی کو محسوس کرتے۔ اکثر لوگ وقت اور تاریخ کو ضبط تحریر میں لے آتے اور موضوع سخن کی چیدہ چیدہ باتیں بھی لکھ لیتے۔ بعد میں دریافت کرنے پر معلوم ہوتا کہ واقعی اس روز' اس وقت' غوث الاعظم نے فلاں موضوع پر گفتگو فرمائی تھی۔ پہلے تو خلق خدا حیرت زدہ رہ جایا کرتی تھی رفتہ رفتہ لوگ اس کے عادی ہو گئے۔ اور مختلف شہروں میں ایسی محافل' بڑے اہتمام و احترام سے انعقاد پذیر ہوتیں۔

ایسی ہی ایک محفل "کوہ لالش" پر منعقد ہوا کرتی جس کا اہتمام سیدنا عدی بن مسافرؒ فرمایا کرتے۔ ان کی رہائش اس پہاڑ پر تھی وہ بھی ہفتے میں تین خطاب غوث سے پیشتر اعلان فرما دیتے اور خلق خدا پہاڑ کا رخ کرتی۔ یہ بات مستند ہے کہ ہر محفل میں چند افراد' مفہوم کی شدت کو برداشت نہ کرتے ہوئے' جاں بحق ہو جاتے۔۔۔

جیسے پتنگے شمع کے لو پر قربان ہو جاتے ہیں دم آخر ان کی کیفیت سے صاف عیاں ہوتا۔

جان دی، دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

ایک بار دوران وعظ آپ نے سلسلہ کلام منقطع کر کے اچانک کہا "اے اسرائیلی! ٹھہر جا اور "محمدی" کا کلام بھی سنتا جا" جب آپ سے (بعد میں) لوگوں نے پوچھا تو آپ نے فرمایا۔

"جناب خضر علیہ السلام محفل کے قریب سے گزر رہے تھے یہ خطاب ان کے لئے تھا"

قزاق، ڈاکو لٹیرے معاشرے کے رستے ہوئے ناسور جو غوث پاک کے دست حق شناس پر تائب ہوئے ان کی تعداد ایک لاکھ بیان کی جاتی ہے لیکن آپ کی محافل میں سینکڑوں یہود و نصاریٰ کا حلقہ بگوش اسلام ہونا، اس سے بھی بڑا کارنامہ ہے کیوں کہ یہودی بڑے پتھردل واقع ہوئے ہیں۔ ایک بار بڑی عجیب و غریب صورت حال کا سامنا ہوا۔ گفتگو کا موضوع "ایثار" تھا۔ الفاظ و معانی کا سیلاب تھا جو خس و خاشاک کی طرح سامعین کو بہائے لئے جارہا تھا کہ اچانک آپ خاموش ہوگئے اور بڑے غور سے ایک سمت دیکھنے لگے۔ تشنگان حیران و پریشان تو ہوئے مگر دم مارنے کی کسی میں مجال نہ تھی (آپ کی محافل میں کوئی کھانستا تک نہیں تھا) پھر آپ نے خلاف توقع کہا "ایک سو دینار معاوضہ طلب کئے بغیر میں خطاب نہیں کروں گا" پہلے تو یہ بات لوگوں کی سمجھ ہی میں نہ آئی۔ مفہوم آشکار ہوا تو چالیس افراد نے سو سو دینار پیش کئے، ہر شخص بخوبی آگاہ تھا کہ اس میں کوئی مصلحت پوشیدہ ہے۔ آپ نے ایک شخص کے دینار قبول کیے اور خادم خاص ابو رضا سے فرمایا۔ "فوراً" شونیز کے مقبرے میں جاؤ، وہاں تمہیں ایک بربط نواز آلۂ موسیقی سے کھیلتا ہوا ملے گا۔ یہ رقم اسے پیش کر کے 'موسیقار کو میرے پاس لے آؤ"

ابو رضا تعمیل ارشاد میں شونیز کے مقبرے کی طرف چل دیا وہاں اسے وہ بربط نواز ملا جو واقعی قبرستان میں بربط بجا رہا تھا۔ ابو رضا نے سو دینار پیش کیے اور کہا "تمہیں حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی نے یاد فرمایا ہے۔" بربط نواز چند لمحے ہکا بکا سا ہو کر خادم غوث کو دیکھنے لگا پھر چیخ مار کر بے ہوش ہوگیا۔ ہوش آیا تو تاسف بھرے لہجے میں کہنے لگا۔ "ہائے، قصۂ رسوائی کس محفل تک جا پہنچا کاش میری ماں نے مجھے جنم ہی نہ دیا ہوتا" خادم نے تسلی آمیز الفاظ میں اس کی دلجوئی کی اور دونوں محفل غوث پاک میں حاضر ہوئے۔ چشم فلک نے عجیب نظارہ دیکھا، غوث الاعظم نے گناہ گار کو منبر کے قدمچے پر بیٹھ جانے کا حکم دیا۔ لوگوں کی حیرت دیدنی اس وقت ہوئی جب وہ شخص واقعی، کاندھے پر بربط سجائے منبر پر بیٹھ گیا۔

"اب بتا یہ قبرستان میں بربط بجانے کا کیا سبب ہے؟" غوث پاک نے تشریح طلب کی تو وہ سر کھجا کر خجل خجل سا فرش زمین کو دیکھنے لگا۔

"مہر سکوت توڑ اور داستان غم بیان کر" غوث پاک کے لبوں پر مسکراہٹ رقص کر رہی تھی۔ جس نے اس گنہ گار کو حوصلہ عطا کیا۔

"حضور! میں بچپن ہی سے فن موسیقی میں ماہر تھا" بربط نواز نے دلی کرب کا اظہار کیا۔

"میرے فن کی ہر طرف دھوم تھی، عہد شباب آیا تو میرا فن اور بھی نکھرا، شہرت و دولت میرے گھر کی کنیز

ہوئی مگر افسوس کہ جب ضعیفی نے در پر دستک دی، قویٰ مضمحل ہوئے تو دنیا مجھ سے روٹھ گئی۔ قدر دانوں نے دھتکار دیا۔ ہاتھوں میں ارتعاش کی بنا پر فن بھی رخصت ہوگیا۔ تب میں نے عہد کیا کہ اپنا شہر ناسپاس چھوڑ کر بغداد جا بسوں گا اور اپنا فن صرف مردوں کے سامنے پیش کروں گا اس لئے کہ زندوں سے تو میں مایوس ہو چکا تھا، بغداد پہنچا تو حسب عہد میں نے قبرستان کا رخ کیا اور زیر زمین سونے والوں کو بربط سنانے لگا۔ جناب عالی! پھر ایک عجیب ماجرا ہوا ابھی میں نے مضراب سے تاروں کو چھیڑا ہی تھا کہ ایک پرانی قبر شق ہوئی، ایک شخص نے گردن باہر نکالی اور کہا۔ "اے بدبخت انسان، زندوں مردوں کے چکر میں مت آ، نغمہ سرائی کا شوق ہے تو اس ذات کی مدحت و ثنا بیان کر جو حیی و قیوم ہے۔ پھر من کی مراد پالے گا"

میں نے اس وقت رب العزت کی حمد کا آغاز کیا اور پہلا نغمہ ابھی اختتام پذیر بھی نہیں ہوا تھا کہ آپ کا فرستادہ مجھ تک پہنچ گیا اور سو دینار کی خطیر رقم پیش کرنے کے بعد مجھے یہاں لے آیا۔ میں نے اس کی طرف پہلا قدم اٹھایا تو اس نے مجھے آغوش کریمی میں پناہ دی لہٰذا آج کے بعد میں اپنے بربط کو توڑتا ہوں اور اس ذات سے رشتہ جوڑتا ہوں" یہ کہہ کر بربط نواز نے اپنے عمر بھر کے ساتھی کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے۔ محفل پر سناٹا چھا گیا۔

"اے حق کے طلبگارو! غور کرو اس شخص کی داستان پر" غوث الاعظم نے سامعین سے فرمایا۔ اس شخص نے لہو و لعب میں صداقت اختیار کی تو اپنی منزل کو پالیا یہ الگ بات ہے کہ وہ منزل کوئی اتنی پسندیدہ نہیں لیکن اگر راہ حق کا کوئی مسافر، صداقت اختیار کرتا ہے تو اندازہ لگاؤ وہ تقرب الٰہی کے کس مقام پر ہوگا تم پر لازم ہے کہ اپنے افعال کو صداقت اور خلوص سے نکھارو۔ اپنی کھیتیوں کو فریبی پانیوں سے مت سینچو، فصل حماقت لہلہائے گی جو تم کو سپرد ہلاکت کر دے گی" غوث پاک نے صرف ایک شخص سے سو دینار قبول کئے تھے باقی انتالیس افرد نے بھی بربط نواز کو سو سو دینار پیش کئے جو اس نے یہ کہہ کر رد کر دیئے "اب مجھے ایسا خزانہ مل گیا ہے جس کے سامنے درہم و دینار کی کوئی حقیقت نہیں" اس محفل میں پانچ افراد نے جام شہادت نوش فرمایا۔

ایک زمانہ میں امام غزالیؒ نظامت بغداد کے عہدہ جلیلہ پر فائز تھے، زرق برق لباس زیب تن فرماتے۔ علوم ظاہری میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ یونانی فلسفے کے ماہر ایسی ایسی موشگافیاں بیان کرتے کہ لوگ جھوم جھوم جاتے۔ ایک دور ایسا بھی گزرا ہے جب امام موصوف تشکیک کی دلدل میں پھنس چکے تھے پھر جب غوث الاعظم نے بغداد میں قدم رنجا فرمایا، رشد و ہدایت کا چراغ روشن ہوا تو امام غزالی بھی اس سے فیض یاب ہوئے لباس فاخرہ کو خیر باد کہا سادگی کا وطیرہ اپنایا۔ ایسے تائب ہوئے کہ فلسفئی ملت کے مقام و مرتبے پر فائز ہوئے۔ تہافتہ الفلاسفہ اور احیا العلوم جیسی معرکتہ الارا کتب تصنیف کیں یہ فیض غوث پاک کا ادنیٰ کرشمہ تھا۔

سرزمین عراق طریقت و حقیقت کے شہسوار پیدا کرنے میں اپنا ثانی نہیں رکھتی مگر چار مشائیخ زیر زمیں روپوش ہونے کے باوجود زندوں کی طرح تصرف کے حامل ہیں اور بہجتہ الاسرار کے مطابق ان میں سرفہرست شیخ عبدالقادر جیلانیؒ ہیں پھر شیخ معروف کرخیؒ، شیخ عقیل محجبی اور شیخ صیاۃ بن قیس حرانیؒ کے اسمائے گرامی آتے ہیں۔ اسی طرح وہ بزرگ جو مادر زاد اندھوں کو نور بصارت عطا کرنے پر قدرت رکھتے تھے ان میں بھی سرفہرست شیخ عبدالقادر جیلانی ہیں پھر شیخ بقا بن بطو، شیخ ابو سعید قیلوی اور شیخ علی بن ہیتیؒ ہیں۔

شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کے عنفوان شباب میں ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس نے شیخ موصوف کی کایا ہی پلٹ دی اسکی تفصیل پیش خدمت ہے۔

شیخ شہاب الدین سہروردی آغاز جوانی میں تیز طبع' جوشیلے نوجوان تھے۔ علم وکلام' یونانی فلسفہ اور دیگر علوم مناظرہ و مجادلہ پر ان کو مکمل عبور حاصل تھا۔ ان کے چچا ابو النجیب سہروردیؒ ان علوم سے گریز کی تلقین فرماتے مگر شہاب الدین اپنے مسلک سے باز نہیں آتے تھے۔ ایک روز چچا اپنے قابل صد افتخار بھتیجے کو لے کر دربار غوث میں حاضر ہوئے راستے میں یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کرادی کہ دربار غوث کی اہمیت وفضیلت کرۂ ارض پر لاثانی ہے "دیکھ بیٹا' آج ہم اس شخص کی زیارت کرنے والے ہیں جو رموز ربانی کی خبریں دینے پر قادر ہے" چچا نے کہا "یہ ایسی بابرکت شخصیت ہے جو دلوں پر لگی مہریں مٹا دیتی ہے لہٰذا اگر کچھ حاصل کر سکو تو کرلو۔ یہ سنہری موقع' خوش نصیبوں کے ہاتھ آتا ہے' بس ادب واحتیاط کا دامن تھامے رکھنا' اللہ خیر کرے گا"

دونوں حضرات دربار غوث میں حاضر ہوئے تو ابوالنجیب سہروردی نے بصد احترام درخواست پیش کی "حضور! یہ میرا فرزند' فلسفے اور علم کلام کے خارزاروں میں بھٹک رہا ہے میں نے بارہا ان علوم سے گریز کی تلقین کی مگر اس کی سمجھ میں کوئی بات آتی ہی نہیں"

"اے عمر! عزیزم کون کون سی کتب کا مطالعہ کر چکے ہو؟" غوث پاک' نوجوان فلسفی و منطقی کی طرف متوجہ ہوئے۔ شہاب الدین سہروردیؒ نے فرفر ان کتب کے نام گنوانے شروع کیے۔ لہجے میں غرور علم بھی تھا اور تمکنت قیل وقال بھی۔

"ذرا میرے قریب تو آؤ" غوث پاک نے زیر لب مسکرا کر فرمایا۔ فلسفی قریب ہوا تو آپ نے اپنا دایاں ہاتھ اس کے سینے پر اس طرح پھیرا جیسے پتھر سے دھول صاف کی جاتی ہے۔ ہاتھ ابھی سینے سے جدا نہیں ہوا تھا کہ فلسفی کے ذہن سے کتب فلسفہ کے سارے دلائل' سارے الفاظ حرف غلط کی طرح مٹ گئے۔ بقول شہاب الدین سہروردیؒ میرا ذہن کورے کاغذ کی طرح صاف ہوگیا۔ سارے مطالب ذہن سے محو ہوگئے تو میں حیران وششدر ادھر ادھر دیکھنے لگا' غوث پاک نے زیر لب مسکرا کر میرے سینے پر انگشت شہادت رکھ دی۔ خدا کی قسم علم لدنی کا سمندر میرے اندر موج زن ہوگیا اور میں عارفانہ گفتگو کرنے لگا"

شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ آپ عراق کے ان بزرگوں میں سے ہیں جن پر باطنی علوم کو بھی ناز تھا ہے اور رہے گا۔ خود غوث پاک نے ایک بار فرمایا تھا "شہاب الدین! تم مشاہیر کے آخری فرد ہو" الغرض آپ اسرار و رموز کا خزینہ تھے ایسا خزینہ جسے تا ابد زوال نہ ہوگا۔ آپ کے مصاحب خاص شیخ نجم الدین رقم طراز ہیں "ایک بار میں نے اپنے شیخ کو پہاڑ کی بلند چوٹی پر موجود پایا۔ آپ کے سامنے جواہرات کا انبار لگا تھا جسے مٹھیاں بھر بھر کہ آپ ہجوم پر نچھاور فرما رہے تھے لیکن حیران کن بات یہ تھی کہ گراں مایہ انبار میں کمی واقع نہیں ہو رہی تھی۔ بعد میں میں نے اپنے شیخ سے التماس کی کہ وہ مجھے اصل صورت حال سے آگاہ کریں تو آپ نے فرمایا۔ "تیری چشم تماشا نے جو کچھ دیکھا وہ سچ تھا مگر یہ بات ہمیشہ ذہن میں رکھنا کہ یہ سارا فیض' شیخ عبدالقادر جیلانی کا ہے۔ میں جو کچھ بھی ہوں ان ہی کی نظر کرم سے ہوں"

آپ کا وصال محرم ۶۳۲ھ میں ہوا رباط بسطامی' رباط ناصری اور رباط ماحونیہ تین خانقاہیں آپ کے دم

قدم سے معرض وجود میں آئیں۔ شافعی مسلک کے متبع تھے سلسلہ نسب سیدنا ابوبکر صدیقؓ سے جا ملتا ہے۔ پیدائش سہرورد میں ہوئی بغداد میں مدفون ہیں۔

غوث الاعظم کے صبرو استقامت پر دلالت کرنے والا ایک واقعہ اہل علم حضرات میں بڑا مشہور ہے۔ اس زمانے میں آپ کی عمر مبارک ترپن برس کی تھی گویا یہ ۵۲۳ھ میں پیش آیا شیخ کیمیائی' شیخ بزاز اور شیخ ابوالحسن یہ تینوں حضرات شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے ہمراہ مقبرہ شونیز میں مزارات کی زیارت کی غرض سے تشریف لے گئے۔ فقہاء اور قراء حضرات کی کثیر تعداد بھی ساتھ تھی۔ شیخ حماد بن مسلم کا وصال ہو چکا تھا۔ غوث پاک اپنے استاد مکرم کے مزار پر بے حس و حرکت کھڑے ہوگئے۔ سورج رفتہ رفتہ بلند ہونے لگا اور گرمی کی شدت ناقابل برداشت ہونے لگی مگر چوں کہ غوث پاک خاموش کھڑے تھے لہٰذا دیگر حضرات بھی آپ کے پیچھے دست بستہ کھڑے رہے۔ کافی عرصہ بعد آپ نے مڑ کر ساتھیوں کی طرف مسکرا کر دیکھا۔ رخ روشن پر بشاشت تھی لوگوں نے طویل قیام کا سبب دریافت کیا تو آپ نے فرمایا۔ "آج میں دلی مسرت محسوس کر رہا ہوں کہ آج میں اپنے شیخ کے کام آیا۔ یہ میرے عنفوان شباب کا ذکر ہے ایک روز میں شیخ حماد کی ہمراہی میں نماز جمعہ کی ادائیگی کے لیے جامع الرصافہ کی طرف جا رہا تھا۔ کثیر تعداد میں دیگر طلباء بھی ہمارے ساتھ تھے۔ جب ہم قنطورہ یہود (قنطورہ بمعنی پل) کے قریب پہنچے تو جانے میرے شیخ کے دل میں کیا خیال آیا۔ انہوں نے شدید سردی کو نظر انداز کرتے ہوئے مجھے برفیلے پانی میں دھکا دے دیا۔ میں نے اونی جبہ پہن رکھا تھا۔ پانی میں گرنے سے ایک پل پیشتر میں نے فوراً "بسم اللہ پڑھ کر غسل جمعہ کی نیت کرلی۔ شیخ حماد تو مجھے دھکا دے کر آگے بڑھ گئے میں پانی میں شرابور ٹھٹھرتا ہوا باہر آیا اور خاموشی سے اپنے شیخ کے پیچھے پیچھے چلنے لگا۔ دیگر طلباء نے جب میری کیفیت دیکھی تو میرا مذاق اڑانے کی کوشش کی مگر شیخ حماد نے ان کو ڈانٹ دیا اور کہا "میں نے تو عبدالقادر کو آزمائش میں مبتلا کرنا چاہا تھا مگر یہ کوہ گراں اپنی جگہ سے متحرک ہی نہیں ہوتا۔ آزمائش کی گھڑی سے بھی اس نے استفادہ کرلیا" یہ اشارہ میری نیت غسل کی طرف تھا۔

"اس واقعہ کو ایک عرصہ بیت گیا شیخ حماد رحلت فرما گئے آج میں نے شیخ موصوف کو پوری سج دھج میں دیکھا۔ ان کے جسم پر جواہرات سے مرصع لباس فاخرہ تھا' سر پر تاج یاقوت ہاتھوں میں طلائی کنگن اور پاؤں میں طلائی جوتے عجیب بات میں نے یہ دیکھی کہ آپ کا دایاں ہاتھ مفلوج تھا۔"

"آپ کے اس ہاتھ کے ساتھ کیا ماجرا پیش آیا" میں نے حیران ہو کر پوچھا تو آپ نے فرمایا "فرزند! اس ہاتھ سے میں نے تجھے قنطورہ یہود پر سے پانی میں دھکا دیا تھا' کیا تو مجھے معاف نہیں کر سکتا؟"

"استاد مکرم' میں صدق دل سے آپ کو معاف کرتا ہوں" میں نے فوراً" کہا "اور رب العزت سے دعا کرتا ہوں کہ وہ آپ کے دست مبارک کو صحت کاملہ عطا فرمائے" چنانچہ میں ابھی تھوڑی دیر پہلے جب بارگاہ ایزدی میں دعا کر رہا تھا تو پانچ ہزار اولیاء اپنے اپنے مزارات میں میری دعا پر آمین کہہ رہے تھے۔ میری دعا کو شرف قبولیت نصیب ہوا۔ شیخ حماد کی تکلیف دور ہوئی اور انہوں نے ابھی ابھی مجھ سے مصافحہ کیا ہے۔"

اس واقعہ کی تشہیر بغداد کے گلی کوچوں میں ہوئی تو اکثر مشائخ میں چہ میگوئیاں ہونے لگیں۔ علماء وصوفیاء کی جماعت' حقیقت حال سے آگاہی حاصل کرنے درس گاہ غوث الاعظم میں حاضر ہوئی مگر کوئی ایک فرد بھی رعب د

جلال کے سبب حرف مدعا زبان پر نہ لا سکا۔ آپ نے خود ہی فراست غوثیہ سے کام لیتے ہوئے ان کا عندیہ پالیا اور مسکرا کر کہا۔ "آپ لوگ شیخ حماد والے واقعہ کی تصدیق کرنے آئے ہیں بہتر ہے اپنے میں سے دو بزرگوں کا انتخاب کرلیں، حقیقت حال خود بخود ان کی زبان پر آجائے گی"

چنانچہ شیخ ہمدانی جو بغداد میں بطور مہمان مقیم تھے اور ایک مقامی بزرگ عبدالرحمٰن کو منتخب کیا گیا۔ آئندہ جمعہ تک ہماری زبانوں پر حقیقت حال آجانی چاہیئے۔" دونوں بزرگوں نے بیک زبان کہا۔ مگر غوث پاک مراقبے میں جا چکے تھے حاضرین بھی خاموش ہوگئے۔ محفل پر سکوت بے کراں طاری تھا کہ اچانک درس گاہ کے باہر شور بلند ہوا اور شیخ یوسف نامی بزرگ، برہنہ پا بھاگتے ہوئے محفل میں حاضر ہوئے۔ "خدا کی قسم مجھے ابھی ابھی شیخ حماد نے حکم دیا ہے کہ میں سارے واقعہ کی تصدیق کروں۔ ساری بات مبنی بر حقیقت ہے" حیران کن بات یہ ہوئی کہ وہ "منتخب شدہ حضرات" بھی سر محفل تصدیق فرمانے لگے اور علماء کی جماعت شدت خجالت سے معافی کی خواستگار ہوئی۔

شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کا رنگ گندمی، آواز کڑکدار جس کی گونج میں کھنک واضح تھی۔ جسم اکہرا مگر سینہ مبارک کشادہ تھا۔ ریش مبارک گھنی اور لمبی تھی۔ اکثر خاموش رہتے مگر جب لب کشا ہوتے تو حاضرین و سامعین خود بخود مہر بہ لب ہو جاتے۔ ہر طرف سناٹا چھا جاتا ارشادات عالیہ کا ایک ایک لفظ سماعتوں سے ٹکراتا ہوا دلوں تک اتر جاتا اور ان کی آلائشیں کدورتیں دور کرکے ان کو آئینہ تمثال بنا دیتا۔ لوگ مفاہیم کے موتیوں سے بصیرتوں کو سجاتے اور غوث پاک کی موجودگی پر سجدہ شکر بجالاتے۔

آپ مجتہد العصر بھی تھے آپ کا ہر اجتہاد امت مسلمہ کیلئے باعث خیر و برکت ہوا۔ فتویٰ صادر فرماتے وقت آپ اپنے جد اعلیٰ حیدر کرار ہی کی طرح پل بھر میں بات کی تہہ تک رسائی حاصل کر لیتے اور ایسا لاجواب فتویٰ دیتے کہ ہر شخص کی تسلی و تشفی ہو جاتی۔ واضح رہے کہ اس دور میں مفتیوں کی کمی تھی نہ علماء کی۔ بغداد تو ویسے بھی علم و آگہی کا گہوارہ رہا ہے۔ ایک بار ایک شخص نے بڑا انوکھا مسئلہ چھیڑ دیا۔ فتوے کی نوعیت عقدہ کشائی کے بعد مناسب راہنمائی کا تقاضا کرتی تھی۔ مسئلہ یہ تھا کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو طلاق دینے کی عجیب و غریب شرط رکھ دی جو پوری نہ ہوتی تو طلاق بائن ہو جاتی۔ شرط یہ تھی "میں ایسی عبادت کروں گا جو اس وقت کرۂ ارض پر کوئی اور نہ کر رہا ہو اور اگر میں ایسا نہ کرسکوں تو میری بیوی کو طلاق ہو" بغداد کیا امت مسلمہ کے سارے مفتی اور علماء عاجز آگئے۔ انداز عبادت کوئی سا بھی ہو یہ بات وثوق سے کون کہہ سکتا ہے کہ کرۂ ارض پر اس قسم کی عبادت کوئی اور نہیں کر رہا --- رات بھر میں قرآن ختم کرنا، جنگلوں پہاڑوں میں یاد الٰہی کی جانب راغب ہونا، سطح آب پر نوافل ادا کرنا ہر نوع کی عبادت میں شک و شبہے کی بہرحال گنجائش ضرور ہوتی ہے کہ کرۂ ارض کے کسی گوشے میں کوئی اور اللہ کا بندہ بھی اسی قسم کی عبادت میں مصروف ہو۔ بہرحال یہ ایسا عقدہ تھا جسے حل کیا جانا ضروری تھا۔ مفروضہ تھا یا حقیقت، اس سے بحث نہیں۔ انسانی فہم و فراست کا امتحان ضرور تھا اور اس کے لئے فراست "باب علم" درکار تھی۔ غوث پاک کی خدمت میں یہ مسئلہ پیش کیا گیا تو آپ نے پل بھر میں اسے حل کر دیا۔ "یہ شخص فوراً" بیت اللہ شریف میں حاضر ہو۔ مطاف کو خالی کرایا جائے اور یہ شخص تنہا طواف کرے۔ طلاق نہیں ہوگی۔"

فتوے اور فیصلے کی خوبی یہی ہے کہ وہ مبنی بر انصاف محسوس ہو اور دل مطمئن ہو جائے۔ متن کو حاشیہ آرائی سے سہارا دینا فیصلہ ہوتا ہے نہ فتویٰ اور یہی علوم ظاہری و باطنی میں فرق ہے۔

مشہور کتب روایات کے مطابق سیدنا غوث الاعظم حنبلی مسلک رکھتے تھے۔ دنیائے اسلام کے مختلف ممالک سے استفتاء (فتویٰ حاصل کرنے والے) آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تو آپ کی رائے حرف آخر سمجھی جاتی اور آپ فقہی مسائل میں امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبل (۷۸۰ء تا ۸۵۵ء) کے مسلک پر فتویٰ دیا کرتے تھے ویسے بھی بغداد میں علماء حنابلہ کی اکثریت تھی امام موصوف چونکہ کافی عرصہ بغداد میں مقیم رہے لہٰذا ان کی تعلیمات کا اثر زیادہ تھا۔ یہ بات بھی مناقب غوث پاک کی مستند کتب میں مرقوم ہے کہ غوث الاعظم، حضرت امامؒ ابو حنیفہ سے بعض فقہی مسائل میں اختلاف رکھتے تھے اور امام احمد بن حنبل سے آپکو دلی لگاؤ تھا چنانچہ اکثر مقامات پر آپ "امامنہ احمد بن حنبل" تحریر فرمایا ہے

ایک روز علی بن الہیتیؒ اور شیخ بقا بن بطوؒ دونوں حضرات، غوث الاعظم کے ہمراہ امام احمد کے روضے پر زیارت کے لئے گئے تو امام موصوف بہ نفس نفیس قبر مبارک سے باہر تشریف لائے غوث اعظم کو سینے سے لگایا، خلعت پہنائی اور کہا "عزیزم عبدالقادر! علم شریعت، طریقت و حقیقت، علم حال اور فعل الرجال، اللہ تعالےٰ نے آپ کے سپرد کئے" اس میں شک و شبے کی بہرحال کوئی گنجائش نہیں کہ غوث الاعظم کو امام احمد بن حنبل سے غایت درجے کا دلی لگاؤ تھا اور وہ فتویٰ بھی ان ہی کے مسلک پر صادر فرمایا کرتے تھے لیکن راقم اپنی تحقیق بھی پیش کرنے کی جسارت کرتا ہے (فیصلہ قارئین کی صوابدید پر چھوڑا جاتا ہے)

شیخ ابو تقی محمد بن ازہر صیرفینیؒ ایک برس تک کسی رجال الغیب سے ملاقات کی حسرت لئے پھرا کرتے تھے۔ ایک بار انہوں نے عالم رویا میں مزار احمد بن حنبل پر گوہر مقصود حاصل کر لیا۔ بیدار ہوئے تو فوراً "مزار مبارک کی طرف چل دیئے۔ وہاں عالم خواب کا ملاقاتی موجود تھا۔ آپ اس کی طرف لپکے تو وہ دریائے دجلہ کی طرف برق رفتاری سے چلنے لگا۔ صیرفینیؒ کو یقین تھا کہ اس شخص کا تعلق رجال غیب سے ہے لہٰذا آپ بھی اس کا پیچھا کرنے لگے۔ دریائے دجلہ پر پہنچے تو اس شخص کے سامنے دریا کے دونوں کنارے سمٹ کر ایک قدم کے فاصلے پر آگئے۔ چنانچہ وہ شخص دریا کے اس پار جا پہنچا۔ صیرفینیؒ نے بہ آواز بلند اسے رب العزت کا واسطہ دے کر رک جانے کو کہا۔ خیر دونوں کی ملاقات ہوئی تو بزرگ موصوف نے رجال غیب سے دریافت کیا۔ "آپ کا مسلک کیا ہے؟"

"الحمد للہ میں ملت حنفیہ کا پیرو ہوں"

ملاقات سے واپسی پر صیرفینیؒ اس ملاقات کی روداد، غوث الاعظم کے گوش گزار کرنے آستانہ غوثیہ پر حاضر ہوئے۔ مدرسے کے دروازے پر پہنچے تو دروازے کھولے بغیر ہی غوث الاعظم نے فرمایا "اے محمد صیرفینی! روئے زمین پر مشرق و مغرب میں اس وقت کوئی ولی اللہ سوائے عبدالقادر کے، حنفی مسلک کا موجود نہیں" یہ واقعہ بہجت الاسرار کے علاوہ قلائد الجواہر میں بھی مرقوم ہے۔

غوث پاک کے عہد شباب میں جس شخصیت نے سب سے پہلے ان کے مقام و مرتبے کو کماحقہ، پہچانا وہ کرد قبیلے کے مایۂ ناز اور قابل صد افتخار بزرگ تاج العارفین شیخ ابو الوفا بن محمد حلوانی المعروف کاکیسؒ ہیں خود غوث

پاک فرمایا کرتے تھے کہ "کرد قبیلے میں تقرب الٰہی کے اعتبار سے کاکیسؒ لاثانی ہیں۔ خدا سے ان کی وابستگی ہر ولی کے لئے باعث رشک ہونی چاہیئے"

جس بزرگ کے بلند مقام و مرتبے کی شہادت خود زبان غوث پاک دے رہی ہو' اہل قلم اس کا حق کیسے ادا کر سکتے ہیں۔ پہلی بار غوث پاک جب عنفوان شباب میں ابوالفاؒ کی خدمت میں خانقاہ قلمینیا حاضر ہوئے تو بڑی عجیب صورت حال کا سامنا ہوا۔ واضح ہو شیخ ابوالوفا عمر میں غوث پاک سے ترپن برس بڑے تھے اور مقام ولائیت پر کافی عرصہ پہلے فائز ہو چکے تھے۔ اس لحاظ سے نوعمر طالب علم پر ایک بزرگ ولی اللہ کا ادب و احترام واجب تھا ابھی آپ دری خانقاہ سے کافی دور تھے کہ ابوالوفاؒ نے مرید خاص مطرؒ کو حکم دیا۔ "اے مطر! دروازہ بند کر دو اگر کوئی اندر آنے کی اجازت طلب کرے تو صاف انکار کر دینا" مطرؒ اپنے شیخ کے اس عجیب و غریب حکم پر حیران تو ہوئے کہ یہ دربار شاہی نہیں' آستانہ فقیر تھا جہاں ہر شخص بلا روک ٹوک حاضر ہو سکتا تھا مگر لیت و لعل وغیرہ سے کام لینا بھی دستور خانقاہی کے منافی تھا لہٰذا انہوں نے دروازہ بند کر دیا۔ تھوڑی دیر بعد دروازے پر دستک ہوئی۔

"عبدالقادر جیلانی کو اندر آنے کی اجازت درکار ہے دروازہ کھولیئے" نوجوان طالب علم نے اجازت طلب کی تو مطرؒ نے اپنے شیخ کو وضاحت طلب نظروں سے دیکھا۔ شیخ اشارے سے انکار کر کے مراقبے میں چلے گئے۔ ادھر شیخ عبدالقادرؒ مضطرب انداز میں خانقاہ کے سامنے ادھر ادھر ٹہلنے لگے۔ غیر متوقع صورت حال کا سامنا ہو تو طبیعت سپرد اضطراب ہو ہی جاتی ہے۔ کافی دیر کے بعد شیخ ابوالوفا مراقبے سے باہر آئے تو گھبرا کر اٹھ کھڑے ہوئے 'مطر کو فوراً" دروازہ کھولنے کا حکم دیا اور خود نوجوان طالب علم کے استقبال کو آگے بڑھے' تین بار غوث پاک سے معانقہ کیا۔ مطرؒ ان کے مرید خاص بھی حیران و ششدر اپنے شیخ کو تک رہے تھے کہ شیخ موصوف کی طبیعت میں جلالی شان کچھ زیادہ ہی تھی۔ کاکیسؒ نے معانقے کے بعد فرمایا

"اے عبدالقادر! دروازہ بند کرنے کا سبب بد اخلاقی یا غرور و تکبر نہیں' میری ناآشنائی تھی۔ تمہارے مستقبل کے مقام و مرتبے سے آگاہ ہو کر سچ بات تو یہ ہے کہ میں خوف زدہ سا ہو گیا ہوں۔ 'عزت و ذلت تو خدا کے ہاتھ ہے۔ اب جب کہ تمہاری آمد کے مقصد سے میں بخوبی واقف ہو چکا ہوں تو میرا خوف بھی زائل ہو گیا ہے خوش آمدید' فرزند صد افتخار' خوش آمدید"

اس کے بعد جب بھی غوث الاعظم زمانہ طالبعلمی میں شیخ ابوالوفا کی خدمت میں حاضر ہوتے تو وہ فوراً" اٹھ کر استقبال کرتے بلکہ حاضرین مجلس کو حکم دیتے "لاثانی ولی اللہ کی تعظیم بجالاؤ' کھڑے ہونے میں تاخیر مت کرو" ایسی ہی ایک ملاقات کے دوران شیخ مطرؒ نے اپنے شیخ سے غوث پاک کے مقام و مرتبے سے واقفیت حاصل کرنا چاہی تو شیخ موصوف نے فرمایا۔

"میری نگاہیں دیکھ رہی ہیں کہ یہ لڑکا بغداد میں نعرہ زن ہو گا۔ "قدمی هذا علٰی رقبة کل ولی اللہ (میرا یہ قدم ہر ولی اللہ کی گردن پر ہے) اور پھر تمام اولیاء کرام اپنی گردنیں خم کر دیں گے" پھر ابوالوفا نے حاضرین مجلس پر ایک طائرانہ نگاہ ڈالی اور مزید فرمایا تم میں سے جو شخص اس وقت موجود ہے' عبدالقادر کے سامنے سر تسلیم خم کر دے کہ یہی لوح محفوظ پر مرقوم ہے" محفل پر سناٹا طاری تھا کہ یہ کلمات افتخار تو بظاہر تکبر کی حدود چھو رہے تھے۔ خانقاہ میں استقبال کے علاوہ بھی کاکیسؒ نے شیخ عبدالقادرؒ کے عالم شباب میں انوکھا تعارف پیش کیا جو بظاہر توہین آمیز دکھائی دیتا تھا مگر وضاحت کے بعد ہر شخص کی تسلی و تشفی ہو گئی۔

ایک روز شیخ ابوالوفاؒ خانقاہ قلیمینا بغداد میں وعظ فرما رہے تھے کہ غوث پاک بھی محفل میں شرکت کی غرض سے ادھر آ نکلے۔ شیخ موصوف نے سلسلہ وعظ منقطع کر کے آپ کو محفل وعظ سے چلے جانے کا حکم دیا اور ان کے چلے جانے کے بعد وعظ کا از سر نو آغاز کیا۔ تھوڑی دیر بعد غوث الاعظم پھر محفل میں آ گئے اور شیخ ابوالوفا نے حسب سابق ان کو بزم وعظ سے نکال دیا۔ تیسری بار جب غوث پاک تشریف لائے تو کاکیسؒ نے وعظ روک کر ان کا استقبال کیا منبر سے اتر کر ان سے معانقہ فرمایا اور روشن جبیں پر بوسہ ثبت فرمانے کے بعد حاضرین مجلس سے کہا "سب لوگ ولی اللہ کی تعظیم میں کھڑے ہو جائیں" پھر انہوں نے اہل بغداد کو تنبیہہ فرمائی۔

"اے اہل بغداد' میری بات ہمہ تن گوش ہو کر سنو' عبدالقادر کو محفل میں شرکت سے باز رکھنے سے مراد ان کی توہین نہیں تھی بلکہ میرا مدعا ان کا تعارف کرانا تھا' غور سے دیکھ لو اور پہچان لو' قسم ہے اس خدا کی جس کے قبضہ قدرت میں ساری کائنات ہے عبدالقادر کے سر پہ بے مثال تاج ہے جس کا دائرہ مشرق و مغرب تک پھیلا ہوا ہے" پھر وہ غوث پاک سے مخاطب ہوئے "اے عبدالقادر! بے شک یہ ہمارا دور ہے مگر عنقریب عراق میں تمہارے مرغ کے سوا سب کے مرغان خوش گلو خاموش کر دیئے جائیں گے اور پھر تمہارا مرغ خوش الحان' تاقیامت بانگ دیتا رہے گا"

محفل وعظ اختتام پذیر ہوئی تو شیخ ابوالوفا نے غوث پاک کو پانچ اشیاء عنایت فرمائیں اپنا مصلیٰ' قمیض' تسبیح' پیالہ اور عصا۔ لوگوں نے یہ دل لگاؤ دیکھا تو اصرار کیا "اپنے دست حق شناس پر عبدالقادر سے بیعت لے لیں"

"کاش ایسا ممکن ہوتا" کاکیسؒ نے فرمایا "اس روشن جبیں پر میرا نہیں کسی اور کا نام لکھا ہے"

"جب تمہارا دور آئے تو ان بوڑھی ہڈیوں کو نظر انداز نہ کر دینا" ایک بار پھر شیخ ابوالوفا نے غوث پاک کے مقام کو اجاگر کیا۔ یہ تبرکات جو مستقبل کے ولی الزماں نے سپرد کیے تھے معمولی اشیا نہ تھے بلکہ غیر معمولی خصوصیات کے حامل تھے مثلاً" اس تسبیح کا ہر دانہ خود بخود گردش کرتا رہتا تھا (وصال شیخ عبدالقادرؒ کے بعد یہ تسبیح شیخ علی بن الہیتی کے ہاں جا پہنچی) اس پیالے کی خصوصیت یہ تھی کہ جب کوئی غیر شخص اسے چھوتا تو اس کا سارا بازو لرزنے لگتا۔

تاج العارفین شیخ ابوالوفاؒ جنہوں نے غوث پاک کے مقام کے وقت سے پہلے اعلان کر دیا تھا چوں کہ متقدمین کے زمرے میں شمار ہوتے ہیں نیز غوث پاک سے گہرے لگاؤ کا تقاضا ہے کہ ان کا مختصر تعارف پیش کر دیا جائے۔ آپ اپنے دور کے سردار مشائخ مشہور تھے لاتعداد کرامتیں آپ سے ظہور پذیر ہوئیں۔ فیض یافتگان میں شیخ الہیتی اور بقا بن بطوؒ جیسی شخصیات کے اسمائے گرامی آتے ہیں۔ مشائیخ عراق کے بقول آپ کے جھنڈے تلے سترہ اولیا تھے۔ جب شیخ ابو محمد شنکیؒ نے آپ کو بیعت کیا تو تاریخی الفاظ کہے تھے۔ "آج میرے جال میں ایسا شاہین آ گیا ہے جس کی مثال کسی شیخ کے پاس نہیں"

ایک زمانے میں شیخ ابوالوفا نامی گرامی ڈاکو تھے' ستم گری پیشہ تھا۔ ایک بار شیخ شنکیؒ کی عملداری میں واردات کا ارتکاب کیا لوگ آستانہ فقیر پر روتے پیٹتے حاضر ہوئے اور عرض کی "ڈاکوؤں نے ہمیں بے سروسامان کر دیا' ہم نہ یہ نقصان برداشت کر سکتے ہیں نہ ان کا مقابلہ' ہماری دادرسی کی جائے"

شیخ شنکی خلق خدا کی آہ و فغاں سے بڑے متاثر ہوئے اور تھوڑی دیر سر جھکائے سوچتے رہے پھر انہوں نے اپنے خادم خاص کو حکم دیا۔ "ڈاکوؤں کے سردار کے پاس جاؤ اور اس سے کہنا "زیادہ بلندی پر پرواز کرنے

والا پرندہ جب گرتا ہے تو کبھی نہ اٹھنے کے لئے گرتا ہے۔ ہم صرف پر نوچ رہے ہیں ضرورت پڑنے پر بازو بھی توڑ سکتے ہیں کافی اودھم مچالیا اب گھر لوٹ آؤ" خادم جب ڈاکوؤں کے ڈیرے پر پہنچا تو سردار کی ہیبت سے لرزنے لگا ادھر سردار نے شعلے برساتی آنکھوں سے فرستادہ فقیر کو دیکھا تو اس خادم کے حواس کوچ کر گئے پھر جانے کیا ہوا کہ خود ڈاکوؤں کے سردار نے' زمین بوس خادم فقیر کا سر اپنے زانو پر رکھا اور اسے ہوش میں لانے کی تدابیر کرنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد جب خادم کو ہوش آگیا تو وہ ڈاکو کے طرز عمل سے حیران ہو کر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔

"تمہارے شیخ نے کیا پیغام بھیجا ہے' جلد بتاؤ مجھے بڑی وحشت ہو رہی ہے" ڈاکوؤں کے سردار نے کہا۔

"شیخ نے کہا ہے' گھر لوٹ آؤ" خادم نے سارا پیغام من و عن ڈاکو کے گوش گزار کیا۔ الفاظ تو عام سے تھے مگر ان کی تاثیر غیر معمولی ثابت ہوئی۔ سردار نے سوئے آسمان دیکھا اور کہا "اچھا چلو اٹھو گھر چلیں" اور اسی وقت شیخ ابوالوفا خادم کے ہمراہ آستانہ شیخ شنکیؒ کی طرف روانہ ہو گئے اور ایسی توبہ کی کہ توبہ بھی نازاں ہوئی۔ ایک روایت کے مطابق خادم اکیلا واپس چلا گیا تھا اور شیخ ابوالوفا بعد میں چاک گریباں' شیخ شنکیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے بہرحال دونوں کی ملاقات ہوئی تو درویش نے اپنا دست حق شناس آگے بڑھایا جسے ڈاکو سردار نے کبھی نہ چھوڑنے کے لئے تھام لیا۔ شیخ شنکی نے بیعت لینے کے بعد فوراً" اپنا خرقہ "تائب نو" کو پہنا دیا اور اپنے پہلو میں بٹھا کر دعائے خاص سے نوازا۔ اتنے میں موذن نے ظہر کی اذان دی۔ شیخ شنکی نماز کے لئے اٹھنے لگے تو انوکھے مرید نے بصد احترام عرض کی۔ "حضور مرغ عرش کی اذان کا تو انتظار فرمائیں" شیخ شنکی نے چونک کر اپنے شاگرد کو دیکھا اور فرمایا "فرزند! یہ اذان تم کب سے سن رہے ہو؟"

"حضور! کوئی عرصہ ۲۳ برس سے یہ اذان میری سماعت سے ٹکرا رہی ہے" ابوالوفا نے سر جھکا کر اعتراف کیا۔

"اللہ تمہاری "تاخیر" سے درگزر معاف فرمائے اور بساط علم کو وسیع کرے" شیخ شنکی نے صدق دل سے دعا کی۔ مشہور روایت ہے جب شیخ ابوالوفا بغداد میں داخل ہوئے تو گلی کوچوں میں ندائے غیب گونجی "لوگو! مینار نور کی تعظیم کے لئے تیار ہو جاؤ"

حنبلی مسلک کی یہ عظیم شخصیت ۵۰۱ ھ میں دنیا سے روپوش ہوئی مزار مقدس بقلمین (بغداد) میں ہے۔ بعض کتب میں آپ کا مسلک "شافعی" مرقوم ہے۔

مناقب غوث پاک ان کے کشف و کرامات کی تفصیل تو بے حد طولانی ہے ہم ان کے "نعرہ افتخار" کی تشریح کرتے ہیں جو منجانب اللہ تھا اور جس کی تصدیق متقدمین اور متاخرین نے فرمائی۔ حلب کی خانقاہ میں مشائیخ عراق کی کثیر جماعت موجود تھی۔ حافظ ابو لعزیز عبدالمغیث' شیخ علی بن الہیتی' شیخ ابوالنجیب سہروردی مرشد و عم محترم شیخ شہاب الدین سہروردی اور دیگر بڑی بڑی شخصیات موجود تھیں۔ غوث الاعظم سب کے روبرو وعظ فرما رہے تھے۔ خطاب کے عین درمیان آپ اچانک خاموش ہو گئے اور مکاشفے کے بعد فرمایا۔ "قدمی ھذا علی رقبۃ کل ولی اللہ" (میرا یہ قدم ہر ولی اللہ کی گردن پر ہے) محفل پر چھایا ہوا سناٹا اور بھی گہرا ہو گیا سب سے پہلے شیخ علی بن ہیتی کو ہوش آیا۔ آپ نے عملاً" آگے بڑھ کر آپ کا قدم اپنی گردن پر رکھ دیا۔ پھر شیخ ابولنجیب سہروردی نے اپنی گردن اتنی جھکا دی کہ پیشانی زمین کو چھونے لگی ہونٹوں سے یہ الفاظ ادا ہو رہے تھے "علی راسی علی عینی و راسی" (میرے سر آنکھوں پر)

غوث پاک نے جب قدمی --- النح والے الفاظ ادا کئے تو اطراف عالم میں دور و نزدیک کوئی ایسا ولی نہیں تھا جس نے قطبیت کے اس پرچم کا مشاہدہ نہ کیا ہو جو آپ کے دست مبارک میں تھا۔ اور تاج غوثیت جو سر مبارک زینت بخش رہا تھا سب کے زیر مشاہدہ تھا اور خلعت فاخرہ چشم تماشا کو خیرہ کئے دے رہی تھی۔ اس وقت روئے زمین پر ۳۱۳ اولیاء موجود تھے جن میں سترہ حرمین شریفین میں' ساٹھ عراق میں چالیس عجم میں' تیس شام میں' تیس بلاد مصر میں' ستائیس مغرب میں' گیارہ حبشہ میں' گیارہ وادی یاجوج ماجوج میں' سات سراندیپ میں' سینتالیس کوہ قاف میں اور چوبیس بحر محیط میں (یہ کل تعداد ۲۹۴ بنتی ہے بقیہ ۱۹ کے متعلق اللہ بہتر جانتا ہے) ان اولیا اللہ میں دس حضرات ابدال وقت تھے باقی سلاطین طریقت۔ ابدال کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں۔

(۱) شیخ بقا بن بطو (۲) شیخ ابو سعید قیلوی (۳) شیخ علی بن الہیتی (۴) شیخ عدنان بن مسافر (۵) شیخ موسی زولی (۶) شیخ احمد بن رفاعی (۷) شیخ عبدالرحمٰن طفسونجی (۸) شیخ ابو محمد بصری (۹) شیخ حیات بن قیس اور شیخ ابومدین مغربی (رحمت اللہ علیہم اجمعین) شیخ احمد رفاعی اس وقت مجلس میں خطاب فرما رہے تھے۔ اچانک انہوں نے خاموشی اختیار کی اور بے ربط سا جملہ ادا کیا "میری گردن پر" لوگوں نے اس بے ربط سے جملے کا سبب دریافت کیا تو آپ نے کہا "ابھی ابھی شیخ عبدالقادر نے کہا ہے "میرا قدم تمام اولیا کی گردن پر"

شیخ ابو مدین بلاد مغرب میں تھے۔ انہوں نے بھی اس پر لبیک کہا اور فرمایا "اے اللہ میں تیرے فرشتوں کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ میں نے سنا اور سر تسلیم خم کر دیا" بعد میں مشائیخ نے اس کی تشریح فرمائی کہ یہ الفاظ شیخ عبدالقادر جیلانی نے رب العزت کے حسب حکم ادا کئیے تھے اور یہ اختیار بھی ان کو عطا فرمایا تھا کہ اگر کوئی سر تسلیم خم نہ کرے تو اس کا مقام سلب کر لیا جائے۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ ان دنوں خراسان کے پہاڑوں میں مجاہدات و ریاضات میں مصروف تھے۔ ہواؤں کے دوش پر اڑتا ہوا یہ حکم ان تک پہنچا تو انہوں نے بھی اپنی گردن اس قدر خم کی کہ پیشانی زمین کو چھونے لگی اور بے اختیار ان کی زبان پر یہ الفاظ آ گئے "قدماک علی راسی و عینی" خود غوث الاعظم اس اظہار نیاز سے اتنے متاثر ہوئے کہ بھری بزم میں اعلان فرمایا۔ "غیاث الدین کا صاحب زادہ اطاعت میں بازی لے گیا عنقریب اس کے عوض ولایت ہند پر متمکن ہو گا"

اصفہان کے ایک ولی اللہ شیخ صنعانؒ غوث پاک کے ہم عصر تھے غواص طریقت و حقیت تھے مگر مقام غوث کے ادراک میں ٹھوکر کھا گئے اور گردن جھکانے میں متامل ہوئے حالانکہ روحانی وسیلے سے پیغام ان تک پہنچ گیا تھا۔ ان کی ولایت و بصیرت سلب ہو گئی' حتیٰ کہ ایمان تک کو خطرہ لاحق ہوا۔ آخر کار ان ہی کے ایک ارادت مند کی عاجزی و خدمت گزاری کام آئی اور غوث الاعظم نے متوجہ ہو کر ان کو ڈوبنے سے بچا لیا۔ اس حقیقت کو سب تسلیم کرتے ہیں کہ غوث پاک کے یہ الفاظ حکم الٰہی کے مطابق ادا ہوئے تھے مگر وسعت فرمان کے متعلق موجودہ دور کے بعض اکابرین نے اختلاف کیا۔ ان کا استدلال یہ ہے کہ یہ فرمان اولیائے وقت یعنی اس زمانے کے اولیا تک محدود تھا۔ کیوں کہ اولیائے متقدمین میں صحابہ کرام' تابعین اور اولیائے متاخرین میں حضرت امام مہدی بھی شامل ہیں۔ لیکن اکثریت کی رائے یہی ہے کہ اس قول کے تحت تمام اولیائے متقدین و متاخرین بھی آتے ہیں مگر اصحاب رسولؐ اور اہل بیت کے اولیا اس زمرے میں نہیں آتے کہ ان کا مقام بہرحال بلند و بالا ہے۔

شیخ ابو سعید قیلوی نے اس فرمان کی تشریح یوں فرمائی کہ یہ حکم خداوندی کے عین مطابق تھا اور چوں کہ شیخ

عبدالقادرؒ قطبیت کے اکمل ترین مقام پر فائز تھے لہٰذا اس کا اعلان ضروری تھا کیوں کہ مقام قطبیت' شفاعت کی علامت بن جاتا ہے۔ لیکن بعض حضرات قدم سے مجازی معنی بھی مراد لیتے ہیں یعنی قدم سے مراد طریقہ بیان۔ راستہ وغیرہ جیسے عربی میں کہا جاتا ہے "فلان علیٰ قدم حمید" یعنی فلاں عمدہ راستے پر ہے۔ استدلال وہی ہے کہ اگر "قدمی" سے مراد ماضی و مستقبل کے اولیائے کرام مراد لی جائے تو بزرگان اسلاف کا احترام بے معنی ہو کر رہ جاتا ہے بقول حضرت جنید بغدادی "طریقت کی اساس' احترام پر ہے"

علامہ عسقلانی نے اس جملے کی تشریح میں فرمایا کہ اس سے مراد "کثرت کرامت" ہے جس سے بہرحال انکار کی گنجائش نہیں۔ ہم نے غوث پاک کے نعرہ "قدم و رقب" کے متعلق تمام نکات ہائے نظر پیش کر دیئے (باقی واللہ اعلام بالصواب)

ہر مقام و جگہ پر ہر طرح کے لوگ آباد رہے ہیں اور رہیں گے۔ فرح بن حمامی درس گاہ غوثیہ کے قریب ہی رہتا تھا مبالغہ آمیز خرق عادت کرامات کا سن سن کر ہمیشہ ان کو بعید از قیاس تصور کرنے لگا۔ عجیب بات یہ تھی کہ وہ صفات کا تو منکر تھا مگر "ذات" کے نیاز حاصل کرنے کا دل سے مشتاق بھی تھا ایک روز وہ اتفاقاً" درس گاہ میں پہنچ گیا اس وقت موذن اقامت کہنے میں مشغول تھا چنانچہ ابو فرح نے سوچا کہ نماز ادا کرنے کے بعد نیاز بھی حاصل کر لوں گا لہٰذا وہ بھاگ کر کھڑی ہونے والی نماز اور دعا میں شامل ہو گیا لیکن اس افراتفری میں وضو کرنا اسے یاد ہی نہ رہا۔ نماز اور دعا کے بعد غوث پاک نے بڑی میٹھی سی مسکراہٹ سے اسے نوازا اور کہا "صاحب زادے' کسی خدمت کا موقع مجھے دیتے تو میں ضرور تمہارے کام آتا' مگر تمہاری غفلت کا تو یہ حال ہے نماز بھی بے وضو ہی ادا کر لی یعنی زندگی میں نظم و ضبط ہے نہ ترجیحات کا خیال" ابو فرح تو گویا بھرے بازار میں ننگا ہو گیا مارے وحشت سے ہوش اڑ گئے۔ شدت خجالت سے زمین میں گڑے کا گڑا رہ گیا۔ مشہور ہے کہ ابو فرح نے اپنی سوچ کا انداز بدلا تو غوث الاعظم کی نظر کرم سے بلند مرتبے پر فائز ہوا۔

یہ بات بھی مستند ہے کہ غوث پاک کے جسم پر مکھی نہیں بیٹھا کرتی تھی۔ یہ بڑا لطیف مسئلہ ہے۔ از روئے شریعت سوئی کے ناکے کے برابر نجاست' لباس کو پلید نہیں کر سکتی مگر تقویٰ کا تقاضا اس کے برعکس ہے۔ پیکر اندر باہر سے پاک ہو تو نجاست میں لتھڑے ہوئے مکھی کے پاؤں بھی ناپسندیدہ گردانے جاتے ہیں یہی پیکر غوث پر مکھی نہ بیٹھنے کی وضاحت ہے۔

غوث پاک کی پیدائش سے بہت پہلے شیخ ابوبکر ہواز نے ایک مرتبہ دوران وعظ فرمایا کہ عراق میں پیدا ہونے والے اوتاد کی تعداد آٹھ ہے (اولیائے کرام کے مدارج میں ولی' غوث' قطب ابدال اور اوتاد شامل ہیں) حضرت معروف کرخیؒ' امام احمد بن حنبلؒ' بشیر الحافیؒ' منصور بن عمارؒ' جنید بغدادیؒ' سری سقطیؒ' سہیل بن عبداللہ تسری اور شیخ عبدالقادر جیلانیؒ۔ حاضرین مجلس نے پوچھا "شیخ عبدالقادر جیلانی کون بزرگ ہیں؟"

"یہ شخص پانچویں صدی ہجری میں پیدا ہو گا" آپ نے تعارف پیش کیا "ایک عجمی شریف النسب' صدیقین و اقطاب دوراں میں منفرد ہستی کا حامل ہو گا"

جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے غوث پاک جلالی و جمالی صفات کا دلنواز مرقع تھے ایک نظر میں خلق خدا کے دلوں کو دھندلا دینے والی اشیا کو پہچان لینے کے بعد اس کا تدارک بھی فرما دیتے۔ شیخ مظفر بن مبارک واسطی المعروف شیخ حداد عنفوان شباب میں خدمت غوث پاک میں حاضر ہوئے ان کے پاس فلسفے کی ایک مشہور کتاب تھی جو شیخ

حداد کو دل و جان سے زیادہ عزیز تھی۔ غوث پاک نے نووارد کی بغل میں کتاب پر نگاہ ڈالی اور بند کتاب کا مفہوم فراست قطبیت سے سمجھ لیا اور کہا "صاحب زادے! یہ کتاب مارے آستین سے کم نہیں اس کے حروف کو دھو ڈالو" پہلے تو شیخ حداد کی سمجھ میں کچھ بھی نہ آسکا۔ بات جب پلے پڑی تو وہ بے حد پریشان ہوئے۔ کتاب سے جدائی بھی ناقابل برداشت تھی اور حکم غوث بھی ٹالا نہیں جا سکتا تھا۔ اسی کشمکش میں مبتلا تھے کہ ان کو ایک ترکیب سوجھی "کتاب کسی ایسی جگہ چھپا دیتا ہوں جو ہر نظر سے اوجھل ہو بعد میں چپکے سے اٹھالوں گا" یہ سوچ کر شیخ حداد اٹھنے لگے تو محسوس ہوا کہ ہاتھ پاؤں نے علم بغاوت بلند کر دیا ہے۔ وہ تو گویا مفلوج سے ہو کر رہ گئے ادھر غوث پاک نے زیر لب مسکرا کر دیکھا۔ ان نظروں کا مفہوم شیخ حداد نے کھلی کتاب کی طرح پڑھ لیا۔

"عزیزم' ادھر لاؤ یہ کتاب" غوث پاک نے بڑی رسان سے کتاب کی طرف اشارہ کیا۔ شیخ حداد نے کتاب پیش کرنے سے پہلے ایک حسرت بھری نگاہ سے اس کی؟ ورق گردانی کرنا چاہی مگر وہ حسرت بھری نگاہیں' ورطہ حیرت میں ڈوب گئیں۔ کتاب کے حروف غائب ہو چکے تھے بہرحال وہ "سادہ کاپی" شیخ حداد نے غو پاک کے حوالے کر دی۔ آپ نے اپنے دست مبارک سے ورق گردانی کرتے ہوئے فرمایا "کتنی مبارک ہے یہ کتاب' ابن ضریس محمد کی فضائل قرآن ہے نا" کتاب شیخ حداد کے پاس پہنچی تو وہ واقعی "فضائل قرآن" از ابن ضریس بن چکی تھی خط بھی بڑا دل کش تھا۔

"اپنی زبان اور دل کا رشتہ مضبوط بنالو' زبان اور دل میں تضاد بندے کو لے ڈوبتا ہے" غوث پاک نے بڑی سنجیدگی سے فرمایا۔ "اب رخصت ہو جاؤ"

شیخ حداد محفل سے نکلے تو فلسفے کے سارے اسباق ذہن سے مٹ چکے تھے' بالکل کتاب کے اوراق کی طرح۔ دوسرے روز شیخ حداد دلی رغبت اور روح کا میلان لے کر خدمت غوث پاک میں حاضر ہوئے۔ خوش آمدید بھی اسی انداز میں کیا گیا۔ اسی محفل میں کسی شخص نے ایک بزرگ کا قصہ چھیڑ دیا جو صاحب کشف و کرامت تھا۔ اس کے زہد و تقوے کی بڑی دھوم تھی قصہ گو نے بڑے دکھ سے کہا "وہ بزرگ کہتا ہے کہ وہ یونس بن متی علیہ السلام سے بلند مقام پر فائز ہو چکا ہے"

یہ سننا تھا کہ غوث پاک کی آنکھوں میں گویا شعلے برسنے لگے۔ "کوئی ولی شان نبوت کی ہمسری نہیں کر سکتا" آپ نے فیصلہ صادر فرمایا۔ پھر اپنے قریب پڑے تکیے کو پکڑ کر مسلنا شروع کر دیا۔ "یہ وہ ناپاک دل ہے جس میں ابلیس گھر کر چکا تھا لو ہم نے اسے مسل ڈالا" یہ سنتے ہی محفل سے کچھ لوگ فوراً" اس بزرگ کے گھر کی طرف دوڑے۔ وہاں تو کہرام مچا تھا۔ مریدان باوفا آہ و فغاں میں مشغول تھے "ہمارے شیخ اچھے خاصے بیٹھے ہم سے محو کلام تھے کہ اچانک گر کر تڑپنے لگے۔" . ب نے بیک زبان صورت حال کی وضاحت کی۔ بعد میں یہی بزرگ اپنے ایک مرید کو خواب میں بڑے خوش و خرم دکھائی دیئے اور اپنی شادمانی کا سبب یوں بیان کیا "اگرچہ میری لغزش ناقابل معافی تھی مگر شیخ عبدالقادرؒ کی دعاؤں کے طفیل میرا ناپسندیدہ قول حضرت یونسؑ نے معاف فرما دیا اور اس طرح خالق کائنات نے بھی مجھے بخشش سے نوازا۔"

"جو شخص اللہ کی محبت کا دم بھرتا ہے وہ اس کے بندوں سے نفرت کر ہی نہیں سکتا" غوث پاک مجلس خاص میں ارشادات عالیہ سے نواز رہے تھے۔ "گناہ بندے کی ذات نہیں اس کی صفت ہے گناہ قابل نفرت سہی مگر بندہ قابل نفرت نہیں ہونا چاہیے۔ قلب انسانی کی مثال آئینے کی سی ہوتی ہے جو گناہوں سے دھندلا جائے تو

دست ہنر منداسے صیقل کر سکتا ہے۔ دھندلائے ہوئے آئینے کو توڑ دینا دانش مندی نہیں" یہ کہہ کر اچانک آپ خاموش ہوگئے اور سلسلہ کلام موقوف کر کے معذرت کرتے ہوئے مجلس سے باہر نکل گئے۔ عجیب بات یہ تھی کہ جاتی دفعہ اپنا مصلیٰ بھی اٹھا کر لے گئے۔ اکثر حضرات مزاج آشنا تھے لہٰذا وہ مہر بہ لب رہے وہ جانتے تھے کہ غوث پاک کا کوئی عمل مقصد سے خالی نہیں ہوتا یہ الگ بات کہ ظاہری آنکھ اس مقصد سے آشنا نہ ہوسکے۔ گھر سے نکل کر آپ اپنے پڑوسی عبداللہ بن نقطہ کے ہاں پہنچے وہاں عجیب دھما چوکڑی مچی ہوئی تھی۔ قمار بازوں کا گروہ اپنے کام میں مشغول تھا۔ شطرنج کی بساط بچھی ہوئی تھی اور عبداللہ شرط لگا کر کھیل رہا تھا۔ صورت حال یہ تھی کہ غوث پاک کا پڑوسی اس روز مسلسل ہارتا چلا گیا۔ نقدی زیوارت حتیٰ کہ اپنا مکان بھی اس نے داؤ پر لگا دیا اور وہ بھی ہار گیا۔ "جوا کسی کا نہ ہوا" کے مصداق وہ مفلس وقلاش ہوگیا تو ہارے ہوئے جواری کی طرح دل شکستہ ہو کر بیٹھ گیا۔ جیتنے والوں نے آخری بازی لگانے پر اکسایا "اب تو میرے پاس ہارنے کے لئے کچھ بھی نہیں" عبداللہ نے رحم طلب نظروں سے دشمن دوستوں کی طرف دیکھ کر کہا۔

"تمہارے پاس بہت کچھ ہے" جیتنے والے شخص نے کہا "اپنا ہاتھ داؤ پر لگا دو۔ شرط یہ ہوئی کہ جیتنے والا' شکست خوردہ کا ہاتھ قلم کردے گا۔"

"مجھے منظور ہے اگر میں جیت گیا تو ہاتھ قلم کرنے کی بجائے اپنا ہارا ہوا مکان واپس لے لوں گا" عبداللہ نے شرط میں ترمیم پیش کی جو حریف نے قبول کرلی۔ بازی کا آغاز ہوا تو قسمت پھر سے دغا دے گئی۔ جب غوث پاک پڑوسی کے دولت خانے میں داخل ہوئے تو وہاں عبداللہ کا ہاتھ قلم کرنے کی تیاری ہو رہی تھی اور خنجر آب دار کو دیکھ کر عبداللہ تھر تھر کانپ رہا تھا۔ غوث پاک تو کشف سے سب کچھ سمجھ چکے تھے قمار باز البتہ ان کی آمد پر حیران وششدر رہ گئے۔ آئینہ دل جب تک بالکل سیاہ نہ ہوجائے گنہ گار حضرات' اللہ والوں کا احترام' عام انسانوں سے زیادہ کرتے ہیں کہ ان کو اپنی بے سروسامانی کا احساس ضرور ہوتا ہے۔ احساس زیاں کا مٹ جانا تو خیر پستی کا آخری درجہ ہوتا ہے جو بہت دیر میں آتا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ واپسی کے کئی راستے ہوتے ہیں مختصر سے لے کر مختصر ترین بھی۔ بعض اوقات تو منزل واقعی ایک پل کی مسافت پر موجود ہوتی ہے' بشرطیکہ قدم صدق دل سے اٹھایا جائے۔

"جناب آپ؟" قمار بازوں نے بیک زبان پوچھا

"محترم حضرات! میں اپنے پڑوسی نیک دل عبداللہ کی مدد کو آیا ہوں" غوث پاک نے سرسری لہجے میں فرمایا۔ معلوم ہوتا ہے آج ہمارا دوست بدنصیب ثابت ہو رہا ہے' پھر آپ نے اپنا مصلیٰ عبداللہ کی طرف بڑھایا۔ "لو عزیزم' ہمارے مصلیٰ کو داؤ پر لگا دو' مگر احتیاط سے کھیلنا شکست کا الزام ہمیں نہ دینا۔"

پہلے تو وہ جواری لوگ ذرا حیران ہوئے پھر انہوں نے غوث پاک کے مصلے کو داؤ پر لگانا قبول کرلیا۔ غوث پاک واپس ہوئے تو شدت کرب سے ان کی آنکھوں میں آنسو آچکے تھے۔ وہ دل جو صبر واستقلال کا پہاڑ تھا' جسے جنگلوں ویرانوں میں شیاطین عاجز نہ کرسکے وہ رو رہا تھا۔ بھوک پیاس کی یلغار جان لیوا تکالیف جن مبارک آنکھوں میں نمی پیدا نہ کرسکیں اور جو پلکیں آنسوؤں سے ناآشنا تھیں وہ ایک گناہوں کی دلدل میں ڈوبے انسان کی رائیگانی پر اشکوں سے تر تھیں۔ جب آپ محفل میں واپس آئے تو مزاج آشنا بھی پلکوں پر لرزتے آنسو دیکھ کر بیتاب ہوگئے۔

"حضور! کیا کسی سے کوئی گستاخی سرزد ہوئی' ان آنکھوں میں اشکوں کا سبب؟" تمام دلوں کا مدعا زبانوں پر آگیا۔

"کوئی خاص بات نہیں عنقریب تم کو معلوم ہو جائے گا" غوث پاک نے سب کو تسلی و تشفی سے نوازا اور سلسلہ کلام کا از سرنو آغاز کیا۔ یہ محفل کافی طویل ثابت ہوئی۔ ادھر غوث پاک کے پڑوسی نے وہ مصلے داؤ پر لگا کر کھیل کا آغاز کیا جو غوث الثقلین' محی الدین شیخ عبدالقادر جیلانی کی روشن جبیں کا محرم راز تھا۔ کھیل کا پانسہ پلٹ گیا۔ جیتنے والے شکست پہ شکست کھاتے چلے گئے۔ عبداللہ بن نقطہ نے اپنا سب کچھ واپس جیت لیا اور مصلیٰ لے کر خدمت غوث میں حاضر ہوا جہاں افق طریقت کے درخشندہ ستارے' اور وہ بھی ایک سے ایک بڑھ کر تشریف فرما تھے۔ غوث الاعظم ان درفشاں ستاروں میں ماہ کامل کی صورت نور رشد وہدایت بکھیر رہے تھے۔

"آؤ عبداللہ اس محفل میں خوش آمدید' کہو کیسی رہی؟" غوث پاک نے گنہ گار کا بھرم رکھتے ہوئے اشارے کنائے میں بات کی۔

"جناب اللہ تعالیٰ کا اتنا کرم ہوا کہ بس تنگی داماں کا احساس ہونے لگا" عبداللہ اس پردہ پوشی پر دل ہی دل میں' قربان ہو رہا تھا۔

"پیاسے ہو' اس لیے سادہ پانی بھی لذیذ لگتا ہے" غوث الاعظم نے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ عبداللہ ایسا بیٹھا کا بس اسی آستانے کا غلام ہوگیا۔ دوسرے دن وہ اپنے گھر گیا اور سارا مال و متاع راہ خدا میں خیرات کر کے پھر اسی محفل میں آبیٹھا۔ آستانے کے خادم نے دبے الفاظ میں پوچھا "بھائی اپنے لیئے بھی کچھ بچایا ہے یا سب کچھ خیرات کردیا؟"

"جو کچھ میرے پاس بچ رہا ہے وہ ہفت اقلیم کے خزانوں سے بھی زیادہ ہے" عبداللہ نے بھی اسی لہجے میں جواب دیا۔

کہتے ہیں غوث الاعظم کی نظر کرم سے عبداللہ بغداد کا دیانت دار وامین تاجر مشہور ہوگیا۔ دو سو دینار تک یومیہ آمدن ہوگئی مگر راہ خدا میں خرچ کرنے کا ایسا چسکا پڑا کہ ساری آمدنی غربا و مساکین کو کھانا کھلانے میں خرچ کردیتا۔ اور نماز عشاء سے پہلے دسترخوان جھاڑ کر کہتا "لو جناب آج کا حساب بے باق کل سے نیا حساب شروع" غوث پاک اپنے "نوگرفتار" سے مہر و محبت کا سلوک فرماتے اور عبداللہ تو خیر کشتگان غوث میں داخل ہو ہی چکا تھا۔

ایک بار آپ نے عجیب و غریب خطاب فرمایا "مرد کامل وہ ہے جو تقدیر سے جنگ کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو وہ کیسا مرد ہے جو تقدیر کے سامنے سرنگوں ہو جائے؟"

گویا صدیوں بعد جو نعرۂ مستانہ حکیم الامت علامہ اقبالؒ نے بلند کیا تھا

کوئی اندازہ کر سکتا ہے اس کے زور بازو کا
نگاہ مرد مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

تو وہ کوئی غلط نہیں تھا شرط صرف یہ ہے کہ وہ نگاہ' ایک مرد مومن کی ہونی چاہیے۔ آیئے دیکھتے ہیں علامہ موصوف کیسی نگاہ کی طرف ہماری راہ نمائی فرماتے ہیں۔ ابوالمظفر حسن بن نعیم ایک تاجر شیخ حماد بن مسلم کا عقیدت مند تھا۔ سفر سے پہلے وہ دعائے خیر و برکت کی غرض سے شیخ حماد کے آستانہ عالیہ پر حاضری دیا کرتا تھا

حسب دستور وہ شیخ حماد کی خدمت میں حاضر ہوا اور دعائے خیر کی درخواست پیش کی۔ حضور! اس بار ملک شام جا رہا ہوں سات سو دینار کی سرمایہ کاری کی ہے دعاؤں سے فیض یاب ہونے کے لیے حاضر ہوا ہوں"

شیخ حماد مراقبے میں گئے اور پھر گھبرا کر انہوں نے آنکھیں کھول دیں: "بہتر ہے یہ سفر ملتوی کر دو" انہوں نے وضاحت فرمائی "اس سال اگر تم سفر کرو گے تو وہ سفر آخرت ہوگا کیوں کہ تم قتل کر دیئے جاؤ گے یہی لوح محفوظ پر مرقوم ہے"

حسن بن نعیم مغموم صورت بنائے درس گاہ حمادؒ سے نکلا راستے میں غوثؓ الاعظم سے ملاقات ہو گئی (یہ واقعہ ان کے عہد شباب کا ہے) غرض مند تو ویسے بھی دیوانہ ہوتا ہے اگرچہ ہر ایک سے مصیبت کا احوال کہنا بذات خود ایک مصیبت سے کم نہیں لیکن مصیبت اگر موت کی صورت' دندان ہلاکت کے ساتھ منتظر ہو تو حال سنانا دشوار نہیں ہوتا۔ تاجر نے من و عن شیخ حماد سے ملاقات کا حال بیان کیا اور اس لب و لہجے میں گویا دست وفا پر دل سجا کر پیش کر دیا۔ غوث پاک نے داستان غم سماعت فرمائی اور مراقبے میں تشریف لے گئے۔ تاجر بیم و رجا کی حالت میں رخ انور کا نظارہ کرنے لگا ہر پل اس پر قیامت گزر رہی تھی۔ قربت غوث کا فیض تھا کہ خود تاجر کا احساس بیدار ہو چکا تھا۔ اس حقیقت سے کون انکار کر سکتا ہے کہ گلاب کے پودے تلے کی مٹی بھی مہکنے لگتی ہے لہٰذا چشم تصور سے تاجر حسن کی کیفیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ آخر جب وہ اپنے اضطراب پر قابو نہ رکھ سکا تو لپک کے غوث پاک کے قدموں سے لپٹ گیا اور کیفیت مراقبہ مجروح ہو گئی۔ یہ اگرچہ غایت درجے کی بے ادبی تھی مگر الاعمال بالنیات کے مصداق اس کی نیت خراب نہ تھی حالت عشق و مستی میں سرزد ہونے والی کوئی حرکت بے ادبی کے زمرے میں نہیں آتی۔ غوث پاک نے اس دیوانے کو بغور دیکھا اور زیر لب تبسم سے فرمایا "سودائی! میرے پاؤں تو چھوڑ" "حضور! میں ٹھہرا تاجر۔ اب مفت میں یہ پاؤں چھوڑنے سے تو رہا" غوث پاک کے تبسم نے تاجر کو تقویت بخشی۔

میں جو گستاخ ہوں آئین غزل خوانی میں
یہ بھی تیرا ہی کرم شوق فزا ہوتا ہے

"خدا تیری عمر دراز کرے پاؤں چھوڑ اور آرام سے میری بات سن" غوث پاک نے دست کرم اس تاجر کے سر پر رکھ کر فرمایا "تو سفر پر جا انشاء اللہ فائدے میں رہے گا"

تاجر اپنی سلامتی کی ضمانت لے کر واپس آیا تو زیر لب مسکرا کر کہہ رہا تھا "اب دیکھتا ہوں موت میرا کیا بگاڑ لیتی ہے" مناقب غوث پاک کی ساری کتب گواہ ہیں کہ حسن بن نعیم ملک شام میں اپنا تجارتی مال فروخت کر کے واپس آیا۔ اس سفر میں اسکو تین سو دینار کا فائدہ ہوا۔ یعنی سات سو دینار کا مال اس نے ایک ہزار دینار میں فروخت کیا۔ اس کے بعد ظہور پذیر ہونے والے واقعات البتہ صورت حال کی مکمل وضاحت کرتے ہیں' کس طرح اور کیسے ہوا۔ اس سے بحث نہیں اہم بات صرف یہ ہے کہ کیا ہوا؟ بغداد میں یہ ہوا کہ حسن بن نعیم جب صحیح سلامت سفر سے واپس آ رہا تھا تو حلب کے ایک حمام میں گیا۔ ہزار دینار والی تھیلی حمام کے طاق میں بھول کر اپنی منزل کی طرف روانہ ہو گیا۔ اس رات اس نے بڑا بھیانک خواب دیکھا۔ اس نے دیکھا کہ شام سے واپس آنے والے اس کے قافلے پر راہزنوں نے حملہ کر دیا ہے اور سارا مال و متاع لوٹ کر اہل قافلہ کے ہر فرد کو قتل کر دیا ہے۔ ایک راہزن نے حسن بن نعیم کی گردن پر بھی مہلک وار کیا۔ ضرب اتنی شدید تھی کہ حسن ہڑبڑا کر خواب سے بیدار ہو گیا۔ آنکھ کھلی تو وہ خواب کی

دہشت سے تھر تھر کانپ رہا تھا۔ دل اتنے زور سے دھڑک رہا تھا گویا سینے کے حصار کو توڑ کر باہر نکل آئے گا اور سب سے حیران کن بات یہ کہ گردن پر نہ صرف ضرب کی شدت کا احساس تھا بلکہ خون کا نشان بھی موجود تھا اور آخری بات یہ کہ اسے اپنے ہزار دینار والی تھیلی بھی یاد آ گئی۔ وہ بھاگم بھاگ حمام میں پہنچا تو اس کا سارا سرمایہ محفوظ تھا۔ اس نے تھیلی قبضے میں لی اور سوئے بغداد چل پڑا۔ بخیر و عافیت شہر میں داخل ہوا تو معمر بزرگ ہونے کے ناطے اس نے سب سے پہلے شیخ حماد سے ملاقات کی۔ ولی اللہ کی توہین و تضحیک مطلوب تھی نہ ان کو غلط ثابت کرنا۔ ان کی عمر کا تقاضا تھا کہ پہلی ملاقات ان ہی سے کی جائے۔ شیخ حماد تاجر کو دیکھتے ہی کھل اٹھے۔ "آؤ برخوردار' تمہیں زندہ سلامت دیکھ کر عبدالقادر کے مقام و مرتبے کا صحیح ادراک ہوا۔" شیخ حماد نے واقعات کی وضاحت کر دی "لوح محفوظ پر تمہارا قتل مرقوم تھا' ایک دو بار نہیں ستر بار شیخ عبدالقادرؒ نے تمہارے حق میں دعائے خیر کی اس طرح عالم بیداری والا قتل' عالم خواب میں تبدیل کر دیا گیا۔ اور تمہاری تقدیر میں 'لٹ جانے والے مال کو نسیان میں بدل ڈالا گیا۔ اس بنا پر تم اپنی تھیلی حمام کے طاق میں بھول گئے تھے بہر حال مال سے محروم تو ہوئے اور تلخی قتل کا احساس بھی تمہیں دلا دیا گیا۔"

تاجر نے شیخ حماد کے ہاتھوں کو عقیدت بھرا بوسہ دیا اور غوث الاعظم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا: "میرے محترم استاد شیخ حماد نے درست فرمایا ہے' تیری تقدیر بدلنے کے لئے مجھے واقعی ستر بار رب العزت کے حضور دست بہ دعا ہونا پڑا۔" واقعی نگاہ مرد مومن سے تقدیر بدل جاتی ہے مگر اس شہادت گہہ الفت میں قدم کون رکھے' کون راحت و آرام سے کنارہ کشی اختیار کرے۔ پہلے ان اولیائے کرام کی سنت پر کوئی عمل تو کر کے دکھائے۔ آج بھی دہکتے شعلے انداز گلستاں پیدا کر سکتے ہیں' شرط فنا فی الذات ہونا ہے۔ لقمۂ حرام سے شکم سیری کے بعد دست دعا بلند کرنا ہی حماقت ہے اور حماقت کی بلند پروازی کیا اور پائے عرش کو ہلانا کیسا۔

غوث پاک کے عقیدت مندوں میں ہر مکتبہ فکر کے لوگ ہوا کرتے تھے۔ رنگین مزاج بھی یقیناً تھے مگر جب وہ "سایہ عافیت" میں آ جاتے تو ان کے مزاج بھی بدل جاتے۔ انداز فکر میں تبدیلی پیدا کرنا معمولی کارنامہ نہیں ہوا کرتا۔ آپ کا ایک خادم خاص ایک رات' بار بار محتلم ہوا۔ ہر مرتبہ خواب میں ایک نئی "صورت" نظر آتی۔ بعض خواتین سے تو وہ آشنا تھا مگر بعض صورتیں اس کے لئے اجنبی تھیں۔ صبح وہ عالم پریشانی میں حاضر ہوا تو آپ نے اسے لب کشائی کا موقع دیے بغیر ہی خجالت سے بچا لیا۔ "رات والے سارے واقعے کو بھول جاؤ۔ لوح محفوظ پر مرقوم تھا کہ تم فلاں فلاں عورت سے زنا کا ارتکاب کرو گے۔" پھر آپ نے ان خواتین کے نام اور حلیے بیان فرمائے۔ "مجھے تمہاری تباہی پسند نہ تھی لہٰذا میں نے رب العزت کے حضور دعا کی اور عالم بیداری میں وقوع پذیر ہونے والا ہر اختلاط' حالت خواب میں تبدیل کر دیا گیا۔" غوث پاک نے صورت حال کی وضاحت فرمائی تو خادم سجدۂ شکر بجا لایا۔

بغداد کا ایک صاحب ثروت تاجر عبدالصمد بن ہمام علم کلام اور فلسفے کا ماہر بھی تھا۔ کرامات غوثیہ کو خلاف عقل قرار دینے میں مشہور تھا۔ اچانک ہی اس کی کایا پلٹ گئی۔ ہر روز کاروبار زندگی کا آغاز زیارت غوث پاک کے بعد کرنے لگا۔ رفتہ رفتہ اس کی دیوانگی کے قصے بغداد کی گلیوں میں عام ہونے لگے۔ پڑھا لکھا صاحب حیثیت انسان تھا لوگ اس کی مالی حالت اور اثر و رسوخ کے پیش نظر ہر زیادتی نظرانداز کر جاتے لیکن نوبت بہ ایں جا رسید کہ وہ غوث پاک کے متعلق معمولی مخالفانہ گفتگو سن کر ہی آتش زیر پا ہو جاتا اور مرنے مارنے پر تل جاتا۔ "میں شیخ کائنات کی شان میں گستاخی کرنے والی زبان کو گدی سے نکال پھینکنے کی طاقت رکھتا ہوں جو چاہے اور

جب چاہے آزما دیکھے۔" مگر یہ عجیب بات تھی کہ وہ اپنی کایا پلٹ کیفیت کے راز میں کسی کو شریک نہیں کرتا تھا۔ غوث پاک کے عالم فانی سے روپوش ہو جانے کے بعد اس نے اس راز سے پردہ ہٹایا جس کا متن پیش خدمت ہے۔ "یہ میری بدنصیبی کی انتہا تھی کہ میں آب حیات کے چشمے کو دیکھ کر بھی تشنہ لب رہا۔" عبدالصمد بن ہمام نے کہا: "سارا بغداد گواہ ہے کہ میں غوث پاک کی ہر کرامت کا نہ صرف منکر تھا بلکہ خلاف عقل ثابت کرنے میں بھی مشہور تھا۔ ایک روز میں آپ کے مدرسے کے سامنے سے گزر رہا تھا کہ اذان کی آواز میری سماعت سے ٹکرائی۔ مجھے بیت الخلا جانے کی ہلکی سی حاجت محسوس ہوئی جو کوئی پریشانی والی بات نہ تھی کہ مجھے اپنے "نظام" پر بھروسہ تھا۔ بہرحال میں نے یہی سوچا کہ نماز کے بعد حاجت سے فراغت حاصل کرلوں گا لہٰذا میں مسجد میں داخل ہوا اور وضو وغیرہ سے فارغ ہو کر منبر کے قریب اگلی صف میں جا بیٹھا۔ اس وقت قضاء حاجت کا احساس بھی مٹ چکا تھا۔ اصل بدقسمتی یہ ہوئی کہ مجھے خیال ہی نہ رہا کہ اس روز جمعہ کا دن تھا۔ مسجد میں تل دھرنے کی جگہ نہ رہی تو مجھے احساس ہوا کہ آج تو جمعتہ المبارک ہے۔ غوث الثقلین منبر پر تشریف فرما ہوئے۔ تقریر کا آغاز ہوا تو میری آزمائش کی گھڑی بھی سر پر آپہنچی۔ خلق خدا کا ہجوم تھا کہ مسجد سے باہر نکلنے کے سارے راستے بند ہو چکے تھے۔ میں منبر کے بالکل قریب بیٹھا تھا مگر میری حالت متغیر ہونے لگی۔ مجھے یقین تھا کہ اگر میں نے مزید "ضبط" کیا تو میری جان ہی نکل جائے گی۔ بصورت دیگر میں خلق خدا کے سامنے ایسا تماشہ بن جاتا جس کے بعد شاید میں خودکشی پر مجبور ہو جاتا۔ میں پورے وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ اس کرب سے گزرے بغیر کوئی میری ابتلا کا اندازہ لگا ہی نہیں سکتا۔ میرے منطقی دماغ نے اس ساری مصیبت کا ذمہ دار منبر پر تقریر کرنے والی ہستی کو ٹھہرایا اور میرے بغض و عناد میں کئی گنا اضافہ ہو گیا۔ اس خیال سے میرا دم گھٹنے لگا کہ چند لمحوں بعد بھری دنیا میں میرا کیا حشر ہوگا، پھر ایک عجیب بات ہوئی۔"

"میری گنہگار آنکھوں نے دیکھا کہ غوث الاعظم منبر سے نیچے اترے اور انہوں نے اپنی عبا میرے اوپر ڈال دی۔ اس کے ساتھ ایک محیرالعقول بات بھی ہو چکی تھی۔ اگر آپ لوگ یقین کریں تو اس کا اظہار بھی کئے دیتا ہوں۔" عبدالصمد بن ہمام نے جواب طلب نظروں سے سامعین کی طرف دیکھا۔

"اور وہ محیرالعقول واقعہ کیا تھا؟" یک از سامعین نے پوچھا۔

"جس لمحے غوث الاعظم کا نورانی پیکر مجھے اپنی عبا اوڑھا رہا تھا، اس وقت ان کا ایک پیکر سر منبر تقریر بھی کر رہا تھا گویا مسجد میں کسی شخص کو احساس تک نہ ہونے پایا کہ مجھے عبا سے ڈھانپ دیا گیا ہے کیونکہ خطاب کا سلسلہ منقطع ہی نہیں ہوا تھا۔ اس وقت میں نے اپنے آپ کو ایک سرسبز شاداب جنگل میں پایا۔ قریب ہی ایک چشمہ بھی جاری تھا۔ میری مسرت کا ٹھکانہ نہ رہا۔ میں نے بول و براز سے فارغ ہو کر اس چشمے کے شفاف پانی سے وضو کیا پھر دو رکعت "تحیتہ الوضو" ادا کیں۔ تب مجھ گنہگار کے سر سے عبا ہٹا دی گئی۔ وہی جگہ تھی، وہی مسجد، وہی میرا محبوب شیخ سر منبر خطاب فرما رہا تھا۔ میری حالت درست ہو چکی تھی اور وضو کے اثر سے میرے اعضا بھی بھیگے ہوئے تھے۔ اس وقت میری عقل زائل ہو گئی۔ یہ سب کچھ مجھ پر بیتی تھی کوئی سنی سنائی بات نہ تھی۔ میرا منطقی دماغ ساری صورتحال کی توجیہہ تلاش کرتے کرتے عاجز آگیا۔"

نماز اختتام پذیر ہوئی، مسجد خالی ہو گئی۔ شیخ مجھ پر اک نگاہ غلط انداز ڈالتے ہوئے رخصت ہو گئے۔ میں اسی جگہ بیٹھا رہا۔ میرے رومال کے ساتھ ایک چابی بندھی تھی جو مجھے نہیں مل رہا تھا۔ میں نے اپنی نشست کے

قریب ادھر ادھر دیکھا مگر اپنی تلاش میں ناکام رہا۔ پھر مجھے یاد آگیا کہ اس چشمے کے کنارے جہاں میں نے وضو کیا تھا ایک درخت کی شاخ پر میں نے اپنا رومال رکھا تھا، مگر وہ جگہ وہ مقام، جانے روئے زمین کے کس گوشے پر تھا۔ وہ چابی میرے لئے بڑی اہم تھی مگر اس جگہ کے متعلق میں کس سے دریافت کرتا اور کن الفاظ میں اپنے منطق احباب کو یقین دلاتا۔ لہٰذا میں نے چپ سادھ لی۔ میری راتوں کی نیند اڑ چکی تھی اور دن کا چین حرام ہو چکا تھا۔ "اس سارے واقعہ کی کوئی نہ کوئی عقلی دلیل ضرور ہوگی۔" سوتے، جاگتے، اٹھتے بیٹھتے بس یہی خیال مجھے ستاتا رہتا۔"

چند روز بعد مجھے ایک طویل سفر درپیش ہوا۔ میں نے لوہار سے اپنے صندوق کی دوسری چابی بنوا کر ضروری سامان نکالا اور سفر پر روانہ ہو گیا۔ بغداد سے تین یوم کی مسافت طے کرنے کے بعد میں ایک ایسے مقام پر پہنچا جو مجھے کچھ جانا پہچانا سا لگا۔ شفاف پانی کا بہتا ہوا چشمہ دیکھ کر میری آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ بالکل وہی مقام تھا جو میں عالم بیداری یا خواب یا مدہوشی میں دیکھ چکا تھا۔ اپنی اس کیفیت کو کن الفاظ کا لبادہ اوڑھاتا اور اسے کس نام سے یاد کرتا میں مسجد میں بھی تھا، اس چشمے کے کنارے بھی، خدا جانے میں کہاں تھا اور یہ سب کیا تھا؟ میرے ساتھیوں نے خیال ظاہر کیا۔ قیام و طعام وغیرہ اور نماز کے لئے وہ جگہ مناسب ترین تھی، لہٰذا وہ سب عارضی پڑاؤ کے لئے تیار ہو گئے میں متلاشی نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھ رہا تھا۔ دراصل مجھے اس درخت کی تلاش تھی جس کی شاخ کے ساتھ میں نے اپنا رومال ٹانگا تھا۔ آخرکار وہ درخت مجھے نظر آہی گیا۔ میں لپک کر آگے بڑھا تو میرا دل گویا دھڑکنا بھول گیا تھا۔ میری آنکھوں کے سامنے میرا گمشدہ رومال لٹک رہا تھا اور وہ چابی جس کی نقل میں نے لوہار سے بنوائی تھی، اس رومال کے ساتھ منسلک تھی تو گویا میں اپنے وجود، اپنی پوری شخصیت کے ساتھ بغداد سے تین یوم کی مسافت پر اس جگہ آیا تھا اور اس جگہ میں نے دو رکعت نماز بھی ادا کی تھی۔ اور پھر میں پل بھر میں بغداد کی مسجد میں بھی موجود تھا۔"

کیسا سفر اور کیسا کاروبار حیات، میں سارے مکروہات زمانہ پر لات مار کر واپس بغداد آکر سیدھا اپنے محبوب شیخ پردہ پوش کی خدمت میں حاضر ہوا اس کے بعد والے واقعات سے آپ سب لوگ بخوبی واقف ہیں اور میری عقیدت کے گواہ بغداد کے گلی کوچے ہیں۔ چونکہ میں اپنے محبوب کو اچھی طرح آزمانے کے بعد حلقہ بگوش عقیدت ہوا لہٰذا میرا مقام کوئی اتنا بلند نہیں تھا اس لئے میں ہمیشہ مہر بہ لب رہا۔ عشق میں آزمانا گناہ کبیرہ شمار ہوتا ہے۔ میں اب بھی خاموش رہتا مگر میرے عزیز دوست ہم پیالہ و ہم نوالہ ابوالیسر نے مجبور کیا کہ اس کی تفصیل سے ساری دنیا کو آگاہ کرکے گواہ بنالوں اور اپنے تعلق کو دوام بخش دوں کیونکہ اپنے محبوب شیخ سے میرا یہی تعلق توشہ آخرت ہے۔" یہ روداد بیان کرنے کے بعد بغداد کا عبدالصمد، سامعین کے چہروں کو پڑھنے لگا۔ پھر مطمئن ہو کر خاموش ہو گیا کیونکہ سامعین کو اس پر اعتبار آگیا تھا ورنہ وہ دیوانہ مرنے مارنے پر تل جاتا۔ اسی لئے تو کہتے ہیں کہ عشق میں "لوکلام الفضہ السکوت الذہب" اگر کلام چاندی ہے تو سکوت سونا۔ اس عاشق غوث پاک کی ایک عادت بڑی عجیب تھی زکوٰۃ بڑی باقاعدگی سے ادا کرتا مگر مستحق و غیر مستحق لوگوں میں امتیاز کئے بغیر۔ بس جو سامنے آیا اسے سب کچھ تھما دیا۔ کسی بے تکلف دوست نے ایک بار اس کی وجہ دریافت کی تو اس نے بڑا لاجواب، جواب دیا: "کیا میں اس نظر کرم کا مستحق تھا جس سے شیخ نے مجھے نوازا، جب اللہ تعالیٰ کرم نوازی کرتے وقت مستحق اور غیر مستحق میں تمیز نہیں فرماتا تو بندے کو بھی راہ خدا میں خرچ کرتے وقت اس امتیاز سے گریز کرنا

چاہئے۔ "ویسے یہ نکتہ مجھے میرے شیخ نے تعلیم کیا تھا۔" آخری فقرہ اس نے رازدارانہ لہجے میں کہا کیونکہ اس کا دوست اسے ہضم نہیں کر سکتا تھا۔

غوث پاک نے جب "قدم و رقبتہ" والا نعرۂ مستانہ بلند کیا تھا تو اس سے کچھ عرصہ پیشتر سرور کائنات آنحضرتؐ نے آپ کو وہ خلعت عطا فرمائی تھی جو آپؐ کے جسد اقدس پر تھی اور ساتھ یہ بھی فرمایا تھا: "یہ خلعت قطبیت ہے جو ابدال کو عطا کی جاتی ہے۔" اس خلعت فاخرہ کا اثر تھا کہ غوث الثقلین دنیاوی شہنشاہوں کو خاطر میں نہ لاتے تھے۔ سلاطین و امراء جب آستانہ غوثیہ پر حاضری دیتے تو آپ کے دست مبارک کو بوسہ دے کر بڑے ادب سے بیٹھ جاتے۔ خلیفہ وقت کو خط لکھنا ہوتا تو اس کا انداز فدویانہ نہیں بلکہ شاہانہ ہوتا مثلاً "یہ مکتوب عبدالقادر کی جانب سے تم کو لکھا جارہا ہے اور تم کو فلاں فلاں باتوں کا حکم دیا جاتا ہے۔" اور جب یہ مکتوب دربار خلافت میں پہنچتا تو خلیفہ اسے چوم کر آنکھوں سے لگاتا اور اعلان کرتا "آپ نے درست فرمایا آپ کا حکم سر آنکھوں پر" اور خط میں مرقوم ایک ایک لفظ پر عمل کرتا۔

خلیفہ مقتصی باحراللہ سے ایک بار غوث پاک ناراض ہوگئے۔ درسگاہ کے صحن میں ایک شجر سایہ دار کھڑا تھا آپ نے اسے مخاطب کرکے فرمایا: "باز آجا ورنہ میں تیرا سر قلم کردوں گا۔" خلیفہ وقت کو خبر ہوئی تو وہ بڑا گھبرایا۔ ایک طرف مطلق العنان خلافت جو شہنشائیت سے کسی طور کم نہ تھی۔ اس کا نشہ دوسری طرف غوث الاعظم کا رعب و دبدبہ عجیب مخمصے کا شکار ہوگیا۔ آخر اس نے اپنے چرب زبان وزیر باتدبیر ابن ہبیرہ سے مشورہ طلب کیا اور اسے دربار درویش میں بھیجا اور درخواست پیش کی کہ غوث الاعظم، حاکم وقت کی اتنی توہین نہ کریں۔ ابن ہبیرہ جب غوث پاک کی خدمت میں حاضر ہوا تو اپنی ساری چرب زبانی بھول گیا۔ درویش نے ایک نظر دیکھا تو وزیر باتدبیر تھر تھر کانپنے لگا۔ "ہاں میں اسے قتل کردوں گا اگر اس نے اپنا طرز عمل نہ بدلا تو" غوث پاک نے دوٹوک فیصلہ سنا دیا۔ شیخ ابوالحسن فقیہہ فرماتے ہیں کہ ابن ہبیرہ زار و قطار رونے لگا۔ غوث پاک کو اس پر رحم آگیا تو اسے تسلی و تشفی فرمانے لگے۔ حاکم وقت سے رعب و دبدبے والے رویے کی ایک مثال شیخ ابوالعباس خضر موصلی نے بیان کی ہے کہ ایک بار خلیفہ مستنجدباللہ، سلام کی غرض سے حاضر ہوا "حضور! مجھے کوئی نصیحت فرمادیجئے۔" یہ کہہ کر زر و جواہرات سے بھری دس تھیلیاں پیش کیں۔

"یہ کیا ہے؟" غوث پاک نے بے نیازی سے فرمایا۔

"یہ حقیر نذرانہ آپ کی خدمت میں حاضر ہے۔" خلیفہ وقت نے بصد احترام کہا۔

"حالانکہ مجھے ان کی ضرورت نہیں اور تم ان کے محتاج ہو۔" آپؒ نے بے نیازانہ لہجے میں سمجھایا۔ مگر حاکم وقت کا اصرار بڑھتا ہی گیا تو آپ نے دس تھیلیوں میں سے دو عمدہ ترین اٹھالیں۔ خلیفہ وقت کا چہرہ کھل اٹھا لیکن اس کے بعد جو کچھ ہوا وہ کتب تاریخ کے اوراق میں محفوظ ہوگیا اور تاقیامت حکام وقت کے لئے درس عبرت کا درجہ رکھتا ہے۔ آپ نے ایک تھیلی دائیں ہاتھ میں پکڑی اور دوسری بائیں میں، پھر ان کو زور سے نچوڑا۔ چشم فلک نے نظارہ کیا اور شرکا مجلس حیران و ششدر رہ گئے۔ زر و جواہرات سے بھری ہوئی تھیلیوں سے سرخ لہو کے قطرے ٹپکنے لگے۔

"اے ابوالخطفر! (خلیفہ وقت کی کنیت تھی) خلق خدا کا خون نچوڑتے وقت خدا سے شرم نہیں آئی اور اب وہی خون مجھے پیش کرنا چاہتا ہے؟" یہ الفاظ آپ کی زبان سے ادا ہوئے تو خلیفہ کا رنگ فق ہوگیا۔ تھیلیوں

سے خون ٹپکتا دیکھ کر وہ بے ہوش ہوگیا۔ خدا کی قسم اگر مجھے اس نسبت کا پاس نہ ہوتا جو تجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے تو اس خون کو تیرے محل تک بہا دیتا اور اس خون میں تیرا سامان حیات، تنکوں کی طرح بہہ جاتا۔" ان واقعات کے برعکس ایک کند ذہن طالب علم پر آپ بڑی محنت فرماتے مگر اس کی سمجھ میں کچھ نہ آتا۔ غوث پاک بڑے صبر و تحمل سے پورے سبق کا ایک ایک لفظ بار بار دہراتے مگر پتھر میں لگنے والی بات تھی۔ لوگ اس بات پر بھی حیران تھے کہ غوث پاک جو ایک نظر سے ولائیت عطا کردینے کی قدرت رکھتے ہیں ایک ابتدائی کتاب طالب علم کو ذہن نشین نہیں کراسکتے۔ ابن الہیتیؒ نے دبی زبان میں اس طرف اشارہ کیا تو آپ نے زیر لب مسکرا کر جواب دیا: "صرف پانچ دن کی بات ہے۔" اس وقت تو اس جملے کا مفہوم کسی کی سمجھ میں نہ آسکا مگر پانچ دن بعد اچانک وہ طالب علم مرگ ناگہانی کا شکار ہوگیا۔ تب جاکر آپ کا طرز عمل لوگوں کی سمجھ میں آیا۔ طالب علم کی تدفین کے بعد آپ نے فرمایا: "آگہی کا ایک اپنا کرب ہوتا ہے جسے عام ظرف والا انسان برداشت نہیں کرسکتا۔"

اسی زمانے میں آپ نے ایک ایسا فتویٰ صادر فرمایا جس کی سارے بغداد میں دھوم مچ گئی اور بغداد میں دھوم مچنے کا مطلب تھا کہ تمام بلاد اسلامیہ میں اس کی شہرت ہوئی۔ احکام شریعت کی باریکیوں پر گہری نگاہ کی دلیل کے طور پر دیکھا جائے۔ تو بھی اس فتوے کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ آپؒ کے ایک معتقد نے بھری محفل میں اپنی بیوی کو طلاق مغلظ کی قسم کے ساتھ کہا: "میں بایزید بسطامی سے افضل ہوں۔" (یعنی اگر وہ اپنے دعوے میں جھوٹا ثابت ہو جائے تو اس کی بیوی کو طلاق غیر رجعی ہو جائے گی۔) بایزید بسطامیؒ کے مقام و مرتبے کے پیش نظر اکثر علماء نے متفقہ فیصلہ دے دیا کہ میاں بیوی میں مراجعت نہیں ہوسکتی۔ بعض علماء عراق تو بالکل خاموش ہوگئے۔ وہ شخص حد سے زیادہ پریشان ہوا تو دوست احباب نے اسے غوث الثقلین کی خدمت میں حاضر ہونے کا مشورہ دیا۔ وہ شدت خجالت سے منہ چھپاتا پھر رہا تھا کہ یہ ساری صورتحال ہی بڑی لغو قسم کی تھی۔ ایک تو جائز احکام میں بدترین فعل "طلاق" گردانا جاتا ہے دوسرے وجہ طلاق بڑی نامعقول قسم کی تھی۔ بہرحال وہ معتقد، غوث پاک کی خدمت میں حاضر ہوا اور سارا ماجرا سنانے کے بعد اس نے عرض کی: "حضور! میں اپنی بیوی سے علیحدگی اختیار کرلوں یا اسے اپنے ساتھ رکھوں؟"

"ساتھ رکھو" سارا ماجرا سن کر آپ بڑے کبیدہ خاطر ہوئے مگر احکام شریعت کی روح اجاگر کردی۔ "تم، ابو یزید بسطامیؒ سے چند معاملات میں آگے ہو لہٰذا تمہارا دعویٰ مبنی بر حقیقت ہے، تم نے علم فتویٰ حاصل کیا اور وہ مفتی نہیں تھے، تم نے نکاح کیا وہ اس سنت کی ادائیگی سے محروم رہے لہٰذا اپنے مقام و مرتبے کے باوجود وہ اس معاملے میں تم سے پیچھے رہ گئے۔ تم اپنی اولاد کے رزق حلال کا خیال رکھتے ہو وہ اس معاملے ہی سے یکسر محروم تھے۔"

امت مسلمہ کے علماء (متقدمین و متاخرین) تمام اس بات پر متفق ہیں کہ جس تواتر اور کثرت سے کشف و کرامات کا ظہور شیخ عبدالقادر جیلانیؒ سے ہوا اور کسی ولی، غوث قطب، ابدال و اوتاد سے نہیں ہوا۔ یہ بات بھی مستند ہے کہ انسانوں کی طرح جنات بھی آپ سے بکثرت فیض یاب ہوئے۔ عمر بغدادی (معروف عالم عراق ابو نظر کے والد) کے بقول: "میں نے ایک مرتبہ ایک جن کو طلب کیا تو وہ بڑی تاخیر سے حاضر ہوا۔ قریب تھا کہ میں اسے گزند پہنچا دیتا اس نے بڑے دکھ بھرے لہجے میں کہا: بہتر ہے جب شیخ عبدالقادر جیلانیؒ خطاب فرما رہے ہوں تو آپ

مجھے طلب نہ فرمایا کریں۔" میں اس جن کے لہجے پر حیران رہ گیا۔ میں نے اس کی وجہ پوچھی تو اس نے کہا: "حضرت شیخ کی مجلس میں انسانوں سے زیادہ ہمارا ہجوم ہوتا ہے اور ہم میں سے اکثر جنات ان کے دست حق شناس پر بیعت کر چکے ہیں۔ میں خود تائب ہو کر مشرف بہ اسلام ہو چکا ہوں۔" ابو نظر بن عمر بغدادی نے بھی اس واقعہ کی تصدیق کی۔

یہ واقعہ ۵۳۷ھ کا ہے جب غوث الثقلین عمر عزیز کے ۶۷ ویں برس میں قدم رکھ چکے تھے۔ ابو سعید عبداللہ بغدادی کی حسین و جمیل صاحبزادی فاطمہ چھت پر گئی اور وہیں سے غائب ہو گئی۔ جب یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ گئی تو ابو سعید خدمت غوث پاک میں حاضر ہوا اور اس حادثے کا ذکر کیا۔ آپ نے تھوڑی دیر مراقبہ فرمایا اور کہا: "تم آج رات کرخ کے ویرانے میں چلے جاؤ۔ وہاں پانچویں ٹیلے کے قریب ایک خط کھینچ کر دائرہ بنالو اور بسم اللہ پڑھ کر نیت کرنا کہ وہ حصار تم میری طرف سے کھینچ رہے ہو۔ غروب آفتاب کے بعد جنات کی مختلف جماعتیں تمہارے پاس آئیں گی، تم مطلق خوفزدہ نہ ہونا۔ صبح کے قریب ایک لشکر کے ساتھ ان کا شہنشاہ گزرے گا اور تم سے چند سوال کرے گا تم ان کے جواب دیتے جانا' پھر وہ تمہاری موجودگی کا سبب دریافت کرے گا۔ تم سارا واقعہ بیان کرنے کے بعد کہنا: "میں شیخ عبدالقادر کا فرستادہ ہوں۔" بس اب تم رخصت ہو جاؤ۔"

ابو سعید نے ارشاد غوث پاک کی تعمیل کی۔ تمام واقعات اسی طرح پیش آئے جس طرح آپ نے بیان فرمائے تھے جب شہنشاہ جنات آیا تو اس نے ابو سعید سے پوری داستان سنی پھر جب اس نے یہ بتایا کہ وہ غوث الثقلین کا فرستادہ ہے تو شہنشاہ جنات فوراً گھوڑے سے اتر کر زمین کو بوسہ دیتے ہوئے' حصار کے کنارے بصد احترام بیٹھ گیا۔ پھر اس نے اپنے لشکر سے دریافت کیا: "یہ حرکت نازیبا کس نے کی ہے؟" مگر حاضر جنات مہر بہ لب رہے' پھر اس کا پیغام مختلف ممالک میں بھیجا گیا آخر چین کا ایک باشندہ لڑکی سمیت حاضر ہوا اور دست بستہ اپنے بادشاہ کے حضور کھڑا ہو گیا۔

"یہ لڑکی جو قطب دوراں کی نگرانی میں تھی تو اسے کیوں اٹھا لے گیا۔" شاہ نے گرج کر پوچھا۔

"میں دل کے ہاتھوں مجبور ہو گیا تھا اب معافی کا خواستگار ہوں۔" اس نے جواب دیا۔

"تم دل کے ہاتھوں مجبور ہوئے ہم احترام غوث سے مجبور ہیں۔" یہ کہہ کر شاہ جنات نے اپنے بے ادب ساتھی کا سر قلم کروا دیا اور فاطمہ کو ابو سعید کے حوالے کر دیا۔ ابو سعید یہ دیکھ کر اپنے تجسس پر قابو نہ رکھ سکا اور اس نے دریافت کیا: "آپ حضرت شیخ کے اس قدر تابع فرمان ہیں؟"

"ہم ان کی تابعداری کیوں نہ کریں۔" شاہ جنات نے فوراً جواب دیا۔ "خدا کی قسم جب وہ ایک نظر مشرق کی طرف ڈالتے ہیں تو اس سمت کے سارے سرکش لرزہ براندام ہو جاتے ہیں اور مغرب کی جانب ان کی نگاہ جاتی ہے تو اس سمت تہلکہ مچ جاتا ہے اور سارے سرکش منہ چھپائے پھرتے ہیں' وعلیٰ ہذا القیاس۔ جب اللہ تعالیٰ کسی کو مقام قطبیت عطا کرتا ہے تو جن و انس پر اس کو دسترس دے دیتا ہے۔ ہم جنات کو تو بطور خاص اس کا خیال رکھنا پڑتا ہے۔"

یہ واقعہ مشتے از خروارے کے طور پر بیان کیا گیا ہے ورنہ ایسے واقعات شمار و قطار سے باہر ہیں۔ یہ بات بھی اپنی جگہ سو فیصد درست ہے کہ کشف و کرامات غوث پاک کا ذکر' فرد واحد کے بس کی بات نہیں اور نہ ان تمام روشن پہلوؤں کو ضبط تحریر میں لانا کسی ایک شخص سے ممکن ہے۔ مناقب غوث الثقلین کی بے شمار کتب ہمارے

لکھے کا ناقابل تردید ثبوت ہیں۔

شیخ شہاب الدین سہروردی "عوارف المعارف" میں رقمطراز ہیں کہ غوث الثقلین نے حضور پاکؐ کی اجازت کے بعد نکاح کیا۔ چار بیویوں کے بطن سے انچاس اولادیں ہوئیں جن میں ستائیں صاحب زادے اور بائیس صاحب زادیاں تھیں۔ بقول شیخ جبائیؒ غوث پاک نے ایک بار فرمایا: "میرے گھر لڑکا تولد ہوا تو میں نے اسے دیکھتے ہی معلوم کر لیا کہ اس کی سانسوں کا سلسلہ جلد منقطع ہونے والا ہے لہٰذا جب وہ فوت ہوا تو رب العزت نے میرے قلب کو پہلے ہی پرسکون بنا دیا تھا۔ اس طرح مجھے نومولود کی موت کا قلق نہیں ہوا۔"

فرزندان غوث الثقلین جو مہ و انجم کی طرح افق دین پر درخشاں ہوئے ان کی تعداد دس عدد ہے۔ (یا شاید اولاد دگر' قلمکاروں کی سہل پسندی کا شکار ہو گئی ہو بہرحال ان کے حالات زندگی کی تفصیل دستیاب نہیں۔) سب سے بڑے صاحبزادے حضرت شیخ عبدالوہابؒ ہیں جنہوں نے فقہ کی تعلیم اپنے والد بزرگوار اور غالب بن بنا سے حاصل کی۔ بلاد عجم سے بھی اکتساب علم کیا اور ۵۴۳ھ یعنی حیات غوث پاک ہی میں ان کی درس گاہ میں درس و تدریس سے منسلک ہو گئے۔ وعظ اور افتاء کا سلسلہ البتہ رحلت غوثؒ کے بعد شروع کیا۔ ذہانت و فطانت کے اعتبار سے اولاد غوث پاک میں آپ سب سے ممتاز مقام و مرتبے کے مالک ہیں۔ ۵۸۳ھ میں خلیفہ ناصرالدین نے محکمہ دادرسی مظلوماں قائم کیا جس کی سربراہی کے لئے آپ ہی کا انتخاب ہوا۔ محکمہ چونکہ مزاج کے مطابق تھا لہٰذا آپ نے قبول کر لیا۔ آپ کے شاگردان رشید میں شریف الحسینی بغدادی اور احمد بن عبدالواسع جیسی شخصیات ہیں۔ ماہ شعبان ۵۲۲ھ میں بغداد میں تولد ہوئے اور ۵۹۳ھ اکتر برس کی عمر میں سفر آخرت اختیار فرمایا۔ مزار مقدس قبرستان حلبہ بغداد میں ہے۔ شرفاء گیلان جو ملتان' لاہور اور اوچ میں مقیم ہیں شیخ عبدالوہابؒ ہی کی اولاد سے تعلق رکھتے ہیں گویا نسبت غوث پاک کے طفیل صاحب عز و وقار سید ہیں۔ گیلان اور جیلان کے تلفظ کی تشریح اجمالاً پیش کی جا چکی ہے۔ مزید عرض ہے کہ بلاد عرب یعنی جہاں عربی بولی جاتی ہے ان میں افریقی ملک مصر واحد مثال ہے جہاں جیم کا تلفظ عام بول چال میں گاف کیا جاتا ہے یعنی وہ بھی جیلانی کو گیلانی کہیں گے۔ (مصری حضرات قاف دو نقطیئے کا تلفظ الف اور عین کے درمیان ادا کرتے ہیں یعنی قمر کو امر کہتے ہیں البتہ تلاوت کلام پاک میں ان کا تلفظ مروجہ بلاد عرب کے لب و لہجے کے مطابق ہوتا ہے۔)

غوث پاک کے دوسرے فرزند شیخ عیسیٰؒ بھی درس و تدریس سے منسلک تھے۔ وعظ و افتاء (فتویٰ صادر کرنا) کے علاوہ تصنیف و تالیف کی طرف بھی آپ کا رجحان تھا۔ علم تصوف پر آپ کی دو کتب جواہر الاسرار اور لطائف الانوار' افق سلوک پر ستاروں کی طرح چمک رہی ہیں۔ شیخ عیسیٰؒ قادر الکلام شاعر بھی تھے۔ رحلت غوث پاک کے بعد بغداد سے نقل مکانی کر کے شام چلے گئے پھر تاحیات مصر میں مقیم رہے۔ ۵۷۳ھ میں مصر ہی میں وصال ہوا اور وہیں مدفون ہیں۔ تیسرے فرزند غوث پاک شیخ ابوبکر عبدالعزیزؒ ہیں جنہوں نے علم فقہ و حدیث کی تعلیم اپنے والد ماجد ہی سے حاصل کی۔ بے حد متواضع انسان تھے۔ ۵۰۸ھ میں واپس جیلان تشریف لے گئے اور ۶۰۲ھ میں وہیں وفات پائی۔ جیلان میں آپ کی اولاد آج بھی موجود ہے۔ شیخ عبدالجبار (چوتھے فرزند) راہ سلوک کے مسافر ہوئے۔ صاحب بصیرت و بصارت درویش تھے۔ عالم شباب ہی میں (۵۷۵ھ) میں وفات پائی مزار شریف قبرستان حلبہ بغداد میں موجود ہے۔ پانچویں فرزند غوث الثقلین کا نام شیخ عبدالرزاق حلبیؒ ہے جو تدریس کے علاوہ آغاز

شباب میں مناظرو بحث و تحیص میں دلچسپی لیا کرتے تھے۔ خوش الحان قاری اور عمدہ حافظ قرآن تھے۔ رفتہ رفتہ علم معرفت کی طرف متوجہ ہوئے تو بحر طریقت میں غواصی کا یہ عالم کہ خوف خدا اور حیا کی وجہ سے "تمیں برس تک سوئے آسمان نہیں دیکھا۔ بغداد کے مشرقی محلّہ حلبہ میں قیام پذیری کی وجہ سے آپ کو "حلبی" کہا جاتا ہے۔ بوقت وفات یہ درویش بے ریا' بغداد کے گلی کوچوں میں اس قدر مقبول ہو چکا تھا کہ نماز جنازہ مختلف مقامات پر ادا کرنا پڑی۔ فصیل شہر کے باہر آغاز ہوا۔ نماز جنازہ کے بعد لوگ جنازے کو کاندھوں پر اٹھا کر جامع مسجد رصافہ لائے یہاں نماز ادا کی گئی پھر "تربت خلفاء" کے مقام پر نماز ہوئی۔ اس کے بعد لب دجلہ خضرین' پھر علاقہ باب حریم' خربیہ سے ہوتے ہوئے لوگ مزار امام احمد بن حنبل پر جنازہ لائے اور آخری نماز جنازہ ادا کر کے امام موصوف کے پڑوس میں اس فقیہہ' قاری' حافظ' درویش اور متواضع فقیر کو دفن کر دیا گیا۔ یہ ۶ شوال ۶۰۳ھ کا واقعہ ہے۔

شیخ ابراہیم غوث پاک کے چھٹے فرزند فقہ و حدیث کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد واسط کی جانب کوچ کر گئے اور تاحیات وہیں مقیم رہے۔

شیخ محمدؒ بن عبدالقادر جیلانیؒ نے علم حدیث کو اوڑھنا بچھونا بنایا اور ان کی شہرت بام عروج کو پہنچی۔ آپ نے ۶۰۰ھ میں وفات پائی۔

شیخ عبداللہؒ آٹھویں فرزند غوث الثقلین بغداد کی معروف علمی شخصیت تھے۔ اکتساب علم غوث پاک کے علاوہ مشہور فقیہہ سعید بن النباء سے کیا۔

شیخ یحییٰؒ غوث پاک کی حبشی النسل زوجہ کے بطن سے تولد ہوئے جبکہ غوث پاک کی عمر اسی برس تھی یعنی ۵۵۰ھ (وفات سے گیارہ برس قبل) اور شیخ یحییٰ ہی آپ کی سب سے چھوٹی اولاد ہیں۔ مشہور روایت ہے کہ ایک بار غوث پاک سخت علیل ہو گئے حتیٰ کہ ان پر غشی طاری ہو گئی۔ عزیز و اقربا آہ و فغاں کرنے لگے تو آپ نے ہوش میں آنے کے بعد فرمایا: "یہ گریہ زاری بند کردو میری موت کا وقت ابھی بہت دور ہے ابھی تو میرے صلب سے ایک لڑکا یحییٰ نامی تولد ہونا ہے۔" شیخ عبدالوہاب بیان کرتے ہیں کہ اس وقت ہم سب نے یہی گمان کیا کہ والد محترم پر غلبہ موت طاری ہے لیکن رفتہ رفتہ آپ روبصحت ہونے لگے پھر ایک حبشی النسل خاتون سے نکاح کیا اور شیخ یحییٰ تولد ہوئے۔

غوث پاک کے دسویں فرزند شیخ موسیٰؒ بھی سعید بن النباء کے شاگرد تھے۔ فارغ التحصیل ہو کر اہل دمشق کو روحانی فیض پہنچایا اور تاحیات دمشق ہی میں مقیم رہے۔ جمادی الآخر ۶۱۸ھ میں جہان فانی سے روپوش ہوئے۔ محلّہ عقیبہ "قبرستان قاسیاں" میں مدفون ہیں۔

غوث ثقلین کی ذات سے جلالی و جمالی صفات کا اظہار دم آخر تک ہوتا رہا۔ چراغ تلے اندھیرا کے کے بروؤں والی ضرب الامثال میں سچائی ایک حقیقت ہے۔ غوث پاک کا ایک خادم بھی اسی قبیل کا تھا۔ درس گاہ غوثیہ میں مختلف ممالک کے مشائخ جمع تھے۔ دسترخوان بچھانے کا حکم ہوا۔ مشائخ کھانا تناول فرمانے لگے تو غوث پاک نے اپنے خادم سے کہا: "عزیزم' تم بھی کھانا کھالو۔" مگر خادم نے کہا: "جناب میں روزے سے ہوں۔"

"کھانا کھالو' روزے کا ثواب مل جائے گا۔" غوث پاک نے تمام بلند مرتبت مشائخ کی طرف اشارہ فرما کر کہا: "ان کی قربت سے ایک کی بجائے سو روزوں کا ثواب ملے گا۔" مگر بات خادم کی سمجھ میں نہ آسکی۔ "اچھا

ایک سال کے روزوں کا ثواب ملے گا۔" غوث پاک نے کرم نوازی کی حد کردی مگر وہ بدنصیب اپنے روزے کی رٹ لگاتا جا رہا تھا۔ تمام مشائخ بڑی دلچسپی سے یہ طرفہ تماشا دیکھ رہے تھے۔ آخر غوث الاعظم نے فرمایا: "کھاؤ تمہیں سارے جہان کے روزوں کا ثواب ملے گا۔"

"میں نے روزہ رکھا ہوا ہے۔" خادم نے آخری بار جب کہا تو اکثر مشائخ بے ساختہ پکار اٹھے۔ "بدنصیب جلد لقمہ اٹھالے۔" مگر وہ ٹس سے مس نہ ہوا۔ ادھر غوث پاک کو جلال آگیا نظر کرم قہر کی نگاہ میں بدل گئی۔ آپ نے ایک نظر دیکھا تو وہ گر کر تڑپنے لگا۔ رفتہ رفتہ اس کا بدن سوج رہا تھا پھر ہر بن مو سے خون جاری ہو گیا۔ مشائخ بھی دم بخود یہ سب کچھ دیکھ رہے تھے۔ لب کشائی کی کسی میں تاب نہ تھی' مہمانوں کی یہی خاموشی آڑے آئی۔ آپ کا غصہ کافور ہوا تو خادم کی جان بخشی ہوئی۔

عمر مبارک نوے برس سے تجاوز کر چکی تھی۔ ہم پیالہ و ہم نوالہ احباب شریک بزم تھے۔ شیخ علی بن الہیتی (دائیں جانب بیٹھے تھے قریب ہی دوسرے مشائخ بھی تھے ایک پروقار' روشن جبیں نوجوان محفل میں شامل ہوا۔ "السلام علیک یا ولی اللہ" اس نے آتے ہی آپ کو مخاطب کیا۔ غوث پاک نے مسکرا کر جواب دیا اور بغور نوجوان کو دیکھنے لگے۔

"میں ماہ رمضان ہوں۔" نوجوان نے اپنا تعارف پیش کیا: "آپ کو الوداع کہنے اور آپ سے رخصت ہونے آیا ہوں۔" یہ کہہ کر وہ نوجوان الٹے قدم واپس چلا گیا۔ حاضرین مجلس اس عجیب گفتگو پر حیران ہو رہے تھے مگر شیخ عبدالقادر "رمضان شریف" کی آمد کا مطلب سمجھ چکے تھے۔ انہوں نے اپنا وہ شعر پڑھا جو آج بھی عربی ادب کی جان سمجھا جاتا ہے۔

سقانی　　الحب　　کاسات　　الوصالی
فقلت　　لخمرتی　　نحوی　　تعالی

اس کا اردو منظوم ترجمہ ملاحظہ فرمائیں جو شمس بریلوی کی قلمی کاوش ہے۔

ساغر پلائے عشق نے مجھ کو وصال کے
لا جس قدر بھی خم ہیں شراب جمال کے

اسی سال ماہ رمضان سے پہلے آپ کا وصال ہوا۔ ۱۸ ربیع الآخر کا دن تھا۔ ہفتہ اور اتوار کی درمیانی رات تھی ۵۶۱ھ سن رحلت ہے۔ جس رات آپ کا وصال ہوا خبر سنتے ہی سارا شہر بیدار ہو گیا۔ جس کے نتیجے میں طلوع آفتاب کے بعد بلکہ سارا دن تدفین ممکن نہ ہوئی۔ ابن جوزی رات کو تدفین کی وجہ بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ خلق خدا کے اژدہام کی بنا پر بغداد کے کوچہ و بازار اور سڑکیں شاہراہیں تمام راستے مسدود ہو چکے تھے جس کی وجہ سے جنازے کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنا ممکن نہ تھا۔ ابن اثیر اور ابن کثیر نے بھی اپنی اپنی تاریخ کی کتابوں میں یہی وجہ بیان کی ہے اور دوسرے مورخین نے انہی کتب تاریخ سے استفادہ کیا ہے۔ بہرحال رات کو باب الازج کے مدرسے میں غوث ثقلین کا جسد خاکی سپرد خاک کر دیا گیا۔ نماز جنازہ آپ کے بڑے صاحب زادے شیخ عبدالوہاب نے پڑھائی۔ نماز میں مریدین' تلامذہ حضرت شیخ کی اپنی اولاد تو شامل تھی ہی مگر رجال الغیب کی موجودگی ہر شخص محسوس کر رہا تھا۔ تدفین کے بعد علی الصباح جب درسگاہ کا دروازہ کھولا گیا تو خلق خدا کا ہجوم مزار پر ٹوٹ پڑا۔ وہ دن اور آج کا دن یہ سلسلہ جاری ہے۔ کرۂ ارض کے کونے کونے سے

زائرین مزار پر حاضری دینے بغداد آتے ہیں اور زیارت مزار کو توشۂ آخرت تصور کرتے ہیں۔ یہ مستنجد باللہ کا عہد خلافت تھا۔

غوث الثقلین کی ہمہ جہت شخصیت' ان کے فیوض و برکات کو احاطۂ تحریر میں لانے کے لئے عمریں درکار ہیں۔ پہلی بات تو یہ کہ ان کے روحانی تصرفات دائمی ہیں یعنی ان کا سلسلہ بعد از وصال بھی جاری رہا اور رہے گا۔ شریعت محمدی کے تن ناتواں میں جس انداز میں انہوں نے نئی روح پھونکی وہ بذات خود ایک محیر العقول کارنامہ ہے اس میں شک نہیں کہ ان کی مساعی جمیلہ کو تائید ایزدی حاصل تھی۔ علمی لدنی اور مقام قطبیت اور وہ بھی کامل و اکمل' یہ تمام صفات ان کی کامیابی و کامرانی میں کارفرما ضرور ہیں۔ ان تصرفات کی تشریح پیش کرنے سے پیشتر ان کی شخصیت کو جدید علوم کی روشنی میں دیکھیں تو عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ اس کائنات کی وسعت کا اندازہ لگانے کے لئے جدید علوم نے سعی لاحاصل کی ہے اور پھر شکست کا اعتراف بھی کیا ہے۔ مثلاً ہمارے نظام شمسی میں سورج کے گرد نو سیارے گردش کر رہے ہیں یعنی عطارد' زہرہ' زمین' مریخ' مشتری' زحل' یورینس' نیپچون اور پلوٹو سب سے آخری معلوم سیارہ جو سورج سے تین ارب ستاسٹھ کروڑ پچاس لاکھ میل کے فاصلے پر ہے۔ (ہماری زمین کا فاصلہ ۹ کروڑ تیس لاکھ میل بنتا ہے۔) ایسے دس کروڑ نظام مل جائیں تو ایک کہکشاں معرض وجود میں آتی ہے۔ اور ایسی دس کروڑ کہکشاؤں کا علم آج ہمارے پاس موجود ہے۔ ان فاصلوں کی پیمائش نوری سالوں میں کی جاتی ہے یعنی روشنی کی رفتار سے اگر سفر طے کیا جائے تو وہ جتنا فاصلہ ایک سال میں طے کرے گی ایک نوری سال کہلائے گا۔ (واضح ہو روشنی کی رفتار ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل فی سیکنڈ ہے) آخری کہکشاں جس کا علم آج ہمیں ریڈیائی لہروں سے لیس دوربین سے ہوا وہ ہماری زمین سے دو کروڑ نوری سالوں کے فاصلے پر ہے اب اس کے بعد یہ سلسلہ کہاں تک دراز ہے؟ اس کا کوئی آشنا نہیں گویا چشم بصیرت و بصارت چندھیا جاتی ہیں۔ الغرض سیاروں ستاروں کی تعداد اور ان کے مابین فاصلے دونوں شمار نہیں کئے جاسکتے اور ان کی پیمائش ممکن ہے ان سے کما حقہ آگاہی تو ایک الگ مسئلہ ہے تادم تحریر بڑے سے بڑا ریاضی دان' سائنس دان یا ماہر اجرام فلکی اس وسیع و عریض کائنات کا مرکز معلوم کرنے یا حدود تعین کرنے کا دعویٰ نہیں کرسکا۔ اس کے برعکس چشم قطبیت نے آج سے دس صدیاں پیشتر نعرۂ مستانہ بلند کیا۔

"نظرت الی بلا داللہ جمعا"
کخردلۃ علی حکم اتصال

(بلاد رب العزت' "کائنات" میری نظر میں' ہتھیلی پر رائی کے دانے کی مانند ہے۔ "خردل" عربی زبان میں رائی کے دانے کو کہتے ہیں) یہی روحانی آنکھ کا کمال ہے کہ جہاں مادی وسائل سے لیس آنکھ' عاجز آجائے' اس کی کارکردگی کا آغاز ہو جاتا ہے۔ تصرف بعد از وصال کے لئے ایسی ہی کسی آنکھ کی اشد ضرورت تھی جو پوری کائنات کا احاطہ کرسکے اور یہ چشم بصیرت و بصارت حضور پاکؐ کے طفیل غوث الثقلین کو نصیب ہوئی۔ اس تصرف کے وسائل البتہ الگ الگ نوعیت کے رہے ہیں۔ پہلا وسیلہ تو آپ کی تعلیم تھی جس نے امت مسلمہ کی افق پر چھائی ہوئی ادبار کی پہلی گھٹا ختم کی' یعنی حکومت باطنیہ کا جنازہ نکلا اور نور الدین زنگی افق اسلام پر طلوع ہوا۔ پھر صلاح الدین ایوبی نے یورپ کی متحدہ طاقتوں کو شکست دے کر بیت المقدس آزاد کرا لیا۔ عروج ایوبی سے ملت اسلامیہ کا مرکز مضبوط ہوگیا۔ ان ہی ایام میں غزنویوں کے انتشار میں سے خاندان غوری نمودار ہوا

جس نے برصغیر میں مسلم حکومت کے قیام کی داغ بیل ڈالی اس میں غوث پاک کے قریبی عزیز اور فیض یافتہ خواجہ غریب نواز معین الدین چشتیؒ کا دست مبارک بھی کار فرما تھا۔ پھر آپ ہی کے خلفاء شاگردان رشید مشائخ چشت اور سہروردی بزرگان بہاالدین ذکریا' شاہ صدر الدین عارف' شاہ رکن عالم ملتانی' مخدوم جہانیاں جہاں گشت' لعل شہباز قلندر سندھی اور غوث الثقلین کے روشن کیے ہوئے دوسرے چراغوں نے پورے برصغیر کو بقعہ نور بنا دیا۔

کرہ ارض کا گوشہ گوشہ کیوں منور نہ ہو جاتا امت مسلمہ میں اس منفرد شان و شوکت والا ولی اللہ پہلے پیدا ہی کب ہوا تھا۔ آپ کی ولادت باسعادت کے متعلق پیش گویوں کا ذکر کیا جاچکا ہے حد یہ ہے کہ حضرت شیخ سے دو سو برس پیشتر جنید بغدادیؒ نے تو اس قدر وضاحت سے بتا دیا کہ چشم بصیرت حیران رہ جاتی ہے۔ درس گاہ علوم ظاہری کے عین سامنے جنید بغدادی اپنی خانقاہ میں تشریف فرما تھے۔ مراقبے کی غواصی میں سے اچانک ابھرے اور فرمانے لگے۔ مجھے عالم غیب سے اطلاع ملی ہے کہ پانچویں صدی ہجری میں جیلان کے اندر سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد اطہار میں سے غوث الاعظم پیدا ہوں گے' ان کا نام "عبدالقادر" ہوگا اور لقب "محی الدین" رسول اکرمؐ کی اولاد میں سے ائمہ کرام اور اصحاب کرام کے علاوہ انہیں اولین و آخرین زمانہ کے "ہر ولی کی گردن پر میرا قدم ہے" کہنے کا حق ہوگا۔ بحث و تمحیص یا مناظروں کا انعقاد غوث الاعظم کے مقام و مرتبے کے منافی باتیں تھیں مگر جب آپ نے معروضی حالات کو سنوارنے کا بیڑہ اٹھایا تو ہر وعظ فراست کی منہ بولتی تصویر ہوا کرتا تھا' جس میں ہر معترض کی تسلی و تشفی ہو جاتی۔ کسی کو سوال کرنے کی جرات ہوتی نہ احتیاج۔

ایک عرصے سے شریعت اور طریقت میں اختلاف چلا آرہا تھا اور مرور زمانہ کے ساتھ اختلاف کی یہ خلیج وسیع سے وسیع تر ہوتی چلی جارہی تھی۔ علوم ظاہری کی تکمیل کے بعد آپ امام وقت کا دعویٰ بھی کرسکتے تھے کہ مسائل فقہ پر جتنی گہری نگاہ آپ کی تھی اس دور میں کسی کو نصیب نہ تھی۔ آپ کی رائے حرف آخر سمجھی جانے لگی تھی مگر اس کے باوجود آپ نے حنبلی مسلک کے مطابق فتوے دیے اور اسی مسلک کی ترویج و ترقی میں کوشاں رہے۔ دنیا جانتی ہے کہ یہ مسلک احکام شرعی کی اتباع میں سخت ترین رویوں کا حامل ہے۔ اس کی اساس ہی روایت پر استوار ہوتی ہے گویا عقل کے مقید علمائے سو کی یہ ضد تھی۔ اس طرح جب آپ نے حنبلی مسلک کی اتباع کرتے ہوئے طریقت کو اوڑھنا بچھونا بنا لیا اور سرعام قال سے "حال" کا مظاہرہ کرتے ہوئے سامعین و حاضرین کو تڑپا تڑپا دیا تو شریعت و طریقت کے مابین اختلاف خود بخود ختم ہوگیا۔ غوث الاعظم نے ثابت کر دیا کہ مذہبی شعور نابالغ رہ جائے تو شریعت و طریقت میں اختلاف جنم لیتا ہے۔ یہ شعور بلوغت کے بلند مقام پر ہو تو دونوں میں کوئی فرق نہیں رہتا۔

شریعت و طریقت کے حسین امتزاج کے علاوہ آپ نے عقل پرست معتزلہ فرقے کا ناطقہ بند کر دیا۔ خلق قرآن کا مسئلہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم ہوگیا۔ وعظ شریعت کا متن تھا۔ قرآن کلام الٰہی ہے جو صفت خداوندی کے زمرے میں آتا ہے۔ فانی ذات کی ہر صفت فانی ہو سکتی ہے۔ غیر فانی اور قیوم (ذات جو اپنے سہارے پر قائم ہو) کی ہر صفت بھی غیر فانی ہوگی لہٰذا قرآن کبھی نہیں مٹ سکتا۔

شیعت و رافضیت کے دلائل کو رد کرنے کے لئے آپ کا نجیب الطرفین سید ہونا ہی کافی تھا۔ کیوں کہ ان کے ہاں سیاسی و روحانی پیشوائی کا حق صرف اسی خاندان کو ہے جس کے آپ چشم و چراغ تھے۔ کسی کو جرات نہ

تھی کہ آپ کی موجودگی میں امامت کا دعویٰ کر سکے- کوئی مدمقابل تھا ہی نہیں- علم و فضل' زہد و تقویٰ اصل و نسل ہر لحاظ سے آپ بلند و بالا تھے- آپ کا سب سے بڑا کارنامہ سلسلہ قادریہ کا اجرا گردانا جا سکتا ہے جو تصرف بعد از وصال کا ذریعہ بنا-

فتنہ تاتار جس نے ۶۱۵ھ سے ۶۵۶ھ تک اسلامی سلطنت' تہذیب و ثقافت کی اینٹ سے اینٹ بجا دی سلسلہ قادریہ ہی کی مساعی جمیلہ سے نیست و نابود ہوا- یہ داستان حیرت انگیز افسانے سے کم دلچسپ نہیں- دنیا اس حقیقت سے آشنا ہے کہ دست تاتار امت مسلمہ کی شہہ رگ تک پہنچ چکا تھا (اس کی تفصیل میں جانا موضوع سے ناانصافی والی بات ہوگی) کہ ایک خراسانی بزرگ صرف فیض غوث الاعظم سے مسلح ہو کر بھیڑیوں کے بھٹ میں جا گھسے- سلسلہ قادریہ کے اس بزرگ کو اشارہ غیبی ہوا تھا یا نہیں یہ ایک الگ مسئلہ ہے- کتنی عجیب اور حیرت انگیز بات ہے کہ تموجن (چنگیز خاں) کی اولاد جس نے کرہ ارض کے مسلم جغرافیے کا حلیہ بگاڑ دیا - ملکوں کی سرحدوں کو روند کر انسانی کھوپڑیوں کے بلند و بالا مینار تعمیر کیے اور تاریخ انسانی کو انوکھی "تخریب" سے روشناس کرایا- ایسی تخریب جو کبھی چشم فلک نے دیکھی نہ سنی' وہی اولاد ایک نہتے درویش کے سامنے بے بس ہو گئی- یہ درویش جب ہلاکو خاں کے بیٹے تگودار خاں سے "مذاکرات" کرنے پہنچا تو وہ شکار کھیل کر واپس آ رہا تھا- خون بہانے کی جانے کیسی ہوس تھی جو اس نسل کی گھٹی میں پڑ چکی تھی اور اب وہ جانے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی- بہرحال تگودار خاں اپنے محل کے سامنے ایک مرنجا مرنج درویش کو دیکھ کر بڑا حیران ہوا-

"درویش ایک بات تو بتا" اس نے تمسخرانہ لہجے میں پوچھا "یہ تمہاری داڑھی کے بال بہتر ہیں یا میرے کتے کی دم؟" بڑا عجیب سوال تھا مگر طاقت کا ہر اوٹ پٹانگ سوال بھی درست اور مناسب ہوا کرتا ہے-

"میں بھی اپنے مالک کے در کا کتا ہوں" درویش نے جواب دیا "اگر میں اپنی جاں نثاری اور وفاداری سے مالک کو خوش کر دوں تو یقیناً میری داڑھی کے بال آپ کے کتے کی دم سے اچھے ہیں ورنہ' ان سے کتے کی دم بہتر ہے-"

"وہ کیسے؟" تگودار خاں اپنے واہیات سوال کا اتنا معقول جواب سن کر قدرے حیران ہوا- "آپ کا کتا آپ کے لئے شکار کی خدمت سرانجام دیتا ہے جو وفاداری و جاں نثاری کی پہلی سیڑھی ہے- یہ دو وفاؤں کا مقابلہ ہے اور ظاہر ہے جیت اسی کی ہوگی جو معیار میں اعلیٰ مقدار میں زیادہ ہوگی- "درویش کا یہ جواب تگودار خاں کی سوچ کے عین مطابق تھا یہ منفرد قسم کی گفتگو اسے بڑی اچھی لگی لہٰذا درویش اس کا مہمان بن گیا- اس کے بعد ہر چیز خود بخود ہوتی چلی گئی- اولاد چنگیز کے پاس وحشت و بربریت تو بے شک وافر مقدار میں تھی مگر نہ طریقے سلیقے کی سوچ تھی نہ ڈھنگ کا ضابطہ حیات کھوکھلی رسمیں اور بے بنیاد توہمات کے سہارے کوئی قوم آخر کتنا عرصہ بام عروج پر رہ سکتی ہے- دیوار وحشت و بربریت نے مسمار ہونا تھا اور وہ ہو کر رہی- تگودار بزرگ کی باتیں سنتا تو اسے منفرد قسم کا سکون محسوس ہوتا- جیسے پاگلوں کے شور میں کوئی سریلہ نغمہ سماعت میں رس گھولنے لگے اور آخر کار اس کے دل نے' درپردہ حقیقت کا اعتراف کر لیا اور خراسانی قادریہ سلسلے کے دست حق شناس پر اس نے اسلام قبول کر لیا-

"میری قوم کے سر سے ابھی وحشت و بربریت کا بھوت نہیں اترا" تگودار نے اپنی فراست سے کام لیتے ہوئے کہا "میں نے اپنی مسلمانی کا اعلان کیا تو بنا بنایا کھیل بگڑ جائے گا لہٰذا بہتر ہے' آپ وقتی طور پر منظر سے غائب

ہو جائیں اور مجھے ان وحشیوں کو رام کرنے کا موقع دیں- میں رفتہ رفتہ اپنی قوم کو نیا مذہب اختیار کرنے کے لئے ذہنی طور پر تیار کر لوں گا" تگودار خاں کی یہ بات مبنی برحقیقت تھی لہٰذا درویش واپس خراسان آ گیا اور وقت کا انتظار کرنے لگا- مشیت ایزدی کے تحت وہ خراسانی بزرگ سفر آخرت اختیار کر گئے مگر اپنے بیٹے کو اس ادھورے کام کی ذمہ داری سونپ گئے- باپ کی وصیت کے مطابق درویش کا صاحب زادہ تگودار خاں کے دربار میں حاضر ہوا-

"قوم کی اکثریت میری ہم خیال ہو چکی ہے مگر ایک طاقتور سردار آمادہ نہیں ہو رہا" تگودار خاں نے اپنی تشکیک کا اظہار کیا: "اس کے پاس افرادی قوت کی کمی نہیں لہٰذا زبردستی کی گئی تو خانہ جنگی چھڑ سکتی ہے-"

"آپ اس سردار سے میری ملاقات کا بندوبست کریں" درویش نے کہا "اللہ کارساز ہے-" تگودار خاں نے ضدی سردار کو طلب کیا- درویش نے بطریق احسن گفتگو کا آغاز کیا مگر وہ سردار ہتھے سے اکھڑ گیا- "دیکھئے جناب میں جنگجو قسم کا انسان ہوں اور صرف طاقت پر ایمان رکھتا ہوں کیونکہ طاقت ہی سب سے بڑی سچائی ہے-" سردار نے دو ٹوک فیصلہ سنا دیا- "آپ میرے ایک سپاہی سے جنگ کریں اگر آپ غالب آ گئے تو میں آپ کا دین قبول کر لوں گا-"

"میں ہرگز اس کی اجازت نہیں دے سکتا-" تگودار خاں نے اس کی سخت مخالفت کی مگر عجیب بات یہ ہوئی کہ درویش نے ضدی سردار کا چیلنج قبول کر لیا اور ایک طاقتور سپاہی سے مقابلے کا اعلان ہو گیا- تگودار خاں کا کہنا تھا کہ ناتجربہ کار درویش کا ایک جنگجو سے مقابلہ قتل عمد کے برابر ہے مگر ضدی سردار کا استدلال بھی کچھ کم نہ تھا- "یہ مقابلہ ہو کر رہے گا' درویش کی موت' دوسرے دخل در معقولات کرنے والوں کے لیے درس عبرت ہوگی اور اس کا ایک فائدہ یہ بھی ہوگا کہ آئندہ ہمارا "خان" ایرے غیرے لوگوں کی باتوں میں آنے سے گریز کرے گا-"

مقابلے والے دن ہزارہا تماشائی یہ "طرفہ تماشا" دیکھنے اکٹھے ہو گئے- ایک طرف وحشی قوی ہیکل جنگ جو انسان تھا تو دوسری طرف میدان میں اترنے والا ایک مرنجا مرنج قسم کا درویش- کوئی تمسخر اڑا رہا تھا کوئی قہقہے لگا رہا تھا- دونوں حریف آمنے سامنے ہوئے (اسے سوا یا ڈیڑھ حریف کہنا زیادہ مناسب ہوگا) پھر ایک عجیب بات ہوئی چشم فلک حیران ہوئی تو تماشائی حیران و ششدر رہ گئے- درویش نے پوری قوت سے آگے بڑھ کر صرف ایک طمانچہ حریف کے منہ پر مارا- حریف کا نہ صرف جبڑا ٹیڑھا ہو گیا بلکہ وہ اپنی تمام تر وحشت و بربریت کے ساتھ زمیں بوس ہو گیا- مقابلے کے منصف نے دیکھا تو تاتاری جنگ جو کی کھوپڑی چٹخ چکی تھی- جانے اس طمانچے کے پیچھے کون سی قوت کارفرما تھی- یہ سزا تھی یا عذاب الٰہی- تاتاری بے شک وحشی قوم تھی مگر طاقت کے قانون کا احترام کرنا جانتی تھی- درویش کی فتح کا اعلان ہوا تو تاتاری پہلوانوں نے درویش کو اپنے کاندھوں پر اٹھا کر جلوس نکالنے کی ضد کی- ادھر ضدی سردار نے حسب وعدہ دست فقیر کو بوسہ دے کر اپنی شکست کا اعتراف کیا اور اس کے ساتھ ہی قبول اسلام کا اعلان بھی کر دیا- اب تگودار خان کو بھی اخفائے راز کی چنداں ضرورت نہ تھی لہٰذا اس نے بھی سرعام اپنی قلبی کیفیت کا اظہار کیا اور اپنا نام "احمد خان" رکھا- کتب تاریخ میں ۱۲۸۱ء سے ۱۲۸۴ء تک تگودار خان کی بجائے احمد خان مرقوم ہے-

سلاطین مصر سے احمد خان کے تعلقات خوش گوار ہوتے ہوتے رہ گئے- تاتاری جرنیل اتنی بڑی تبدیلی کو

اتنی جلد ہضم نہ کر سکے۔ انہوں نے چنگیزی دستور کو نظر انداز کرتے ہوئے اپنے ہی سردار کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیا۔ احمد خان نامساعد حالات کے باوجود میدان میں ڈٹ گیا۔ اب اس کی جنگ صرف کشت و خون بہانے یا تسکین ہوس کے لیے نہ تھی' اس کے سامنے ایک عظیم مقصد تھا یا شاید وہ اپنے گناہوں کا کفارہ ادا کر رہا تھا۔ ہلاکو خاں نے جس امت مسلمہ کی شہہ رگ پر وار کیا اس کا اپنا بیٹا اسی امت کے ناموس پر کٹ مرا۔ احمد خان نے جام شہادت نوش فرمایا۔ یہ غوث الثقلین کا روحانی فیض تھا کہ وقت کی تیز ترین تلوار' سچائی کے تحفظ کے لیے بے نیام ہوئی۔ احمد خان کی شہادت سے تاتاریوں میں تبلیغ اسلام کی رفتار قدرے سست ضرور ہوئی مگر بنیاد ہل چکی تھی۔ ظلم کی دیوار کو زمیں بوس ہونا تھا اور وہ ہو کر رہی۔ ہلاکو خاں کا چچازاد بھائی "برکہ خان" ایک اور درویش بے ریا شیخ شمس الدین باخوریؒ کے دست حق پرست پر مشرف بہ اسلام ہوا۔ رہی سہی کسر احمد خان کی نسل سے "غزنی محمود" نے حلقہ بگوش اسلام ہو کر پوری کر دی۔ غزنی محمود میں چیتے کی برق رفتاری اور شیر ببر کا حوصلہ تھا۔ مومنانہ فراست شامل حال ہوئی تو وہ دو دھاری تلوار بن گیا۔ حسب توقع سرداروں نے علم بغاوت بلند کیا مگر اس نے تمام سرکشوں کو سختی سے کچل کے رکھ دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ تقریباً تمام تاتاری قبائل اس کے جھنڈے تلے جمع ہونے لگے رفتہ رفتہ نئے ضابطہ حیات سے متعارف ہوئے تو پھر اسی کے ہو کر رہ گئے اور ان کے سینے نور ایمان سے منور ہو گئے۔ غوث الثقلین شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے تصرف بعد از وصال کی اس سے زیادہ روشن مثال اور کیا ہو سکتی ہے کہ

"پاسبان مل گئے کعبے کو صنم خانے سے"

اے اللہ! ہمارے اعضاء کو اپنی بندگی اور قلوب کو اپنی معرفت میں قائم رکھ اور عمر بھر رات اور دن غرض ہر لمحہ اپنی ہی ذات میں مشغول رکھ۔ نیک بندے جو پہلے ہو گزرے ہیں ان کے مراتب کے ساتھ ہمارے مراتب مساوی کر دے اور جو کچھ ان کو عنایت فرمایا ہے ہمیں بھی عنایت فرما۔ جیسے ان کے مفاد کا خیال رکھا ہے ہمارے مفاد کا بھی خیال رکھ۔

ایک صالح انسان شام کو کسی مسجد میں بھوکا بیٹھا ہوا اپنے دل میں خیال کر رہا تھا کہ کیا ہی اچھا ہوتا اگر اسے "اسم اعظم" آتا۔ اچانک دو شخص آئے اور اس کے پہلو میں بیٹھ گئے ایک نے دوسرے سے کہا کہ تو اسم اعظم سیکھنا چاہتا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ ہاں پہلے نے کہا کہ اللہ کہو اس صالح شخص نے یہ الفاظ سن کر دل میں کہا کہ وہ تو اللہ کہتا ہی ہے اس پر آنے والے نے کہا کہ اس طرح کہنا مفید نہیں بلکہ جب اللہ کہے تو اس وقت دل میں کسی غیر کا خیال تک نہ ہونا چاہیے' پھر وہ دونوں آسمان کی طرف چڑھ گئے۔

اگر کوئی دوست بے تکلفی کے ساتھ تمہارے کسی مال کا خواستگار ہو تو خندہ پیشانی سے اس کی درخواست کو پورا کرو' اور اس کا احسان مانو کہ اس نے بے تکلفی اور حاجت روائی کے قابل تمہیں سمجھا۔ جہاں تک ممکن ہو کسی سے کوئی چیز بھی عاریتاً نہ مانگو اور اگر تم سے کوئی لے لے تو واپسی کا مطالبہ نہ کرو کیونکہ اپنی ضرورت پورا کرنے کے لیے ہی تو اس نے وہ مانگی تھی۔ عاریتاً مانگی ہوئی چیز کا واپس مانگنا شان عزم کے مناسب نہیں جس طرح شرع میں ہدیہ اور ہبہ کی ہوئی چیز کا واپس لینا اچھا نہیں۔

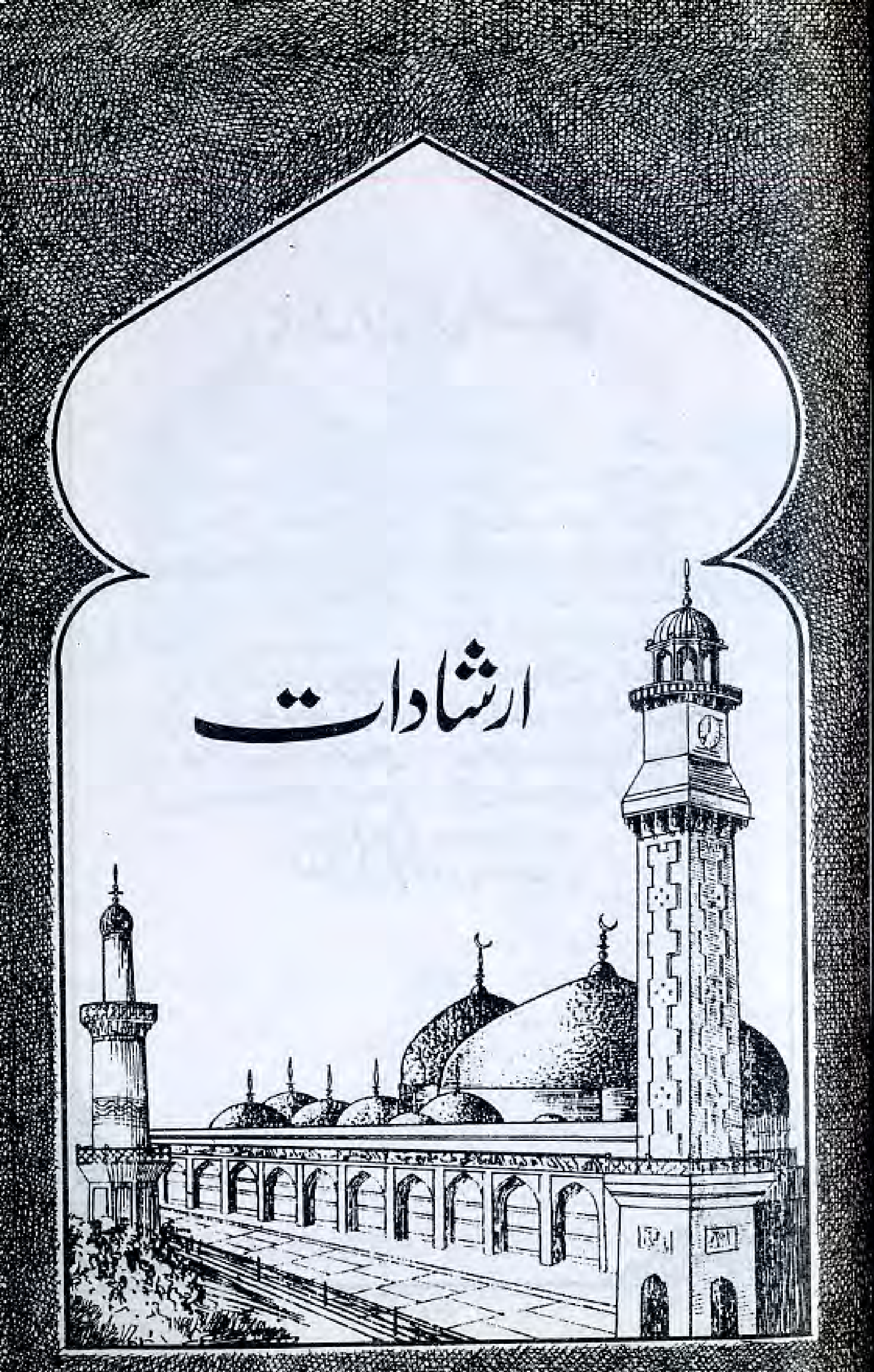

چوراں نوں توں قطب بنایا

واہ وا میراں شاہ شہاں دا سید دو ہیں جہانی
نانک دادک وتوں اُچا، سُچّا حسبوں نسبوں
آل نبیؐ، اولاد علیؓ دی صورت شکل اُنہاندی
نے برساں دے موئے جوائے، مُکتے نیر وگائے
غوثاں قطباں دے سر میراں قدم مبارک دھریا
لکھاں خیر تساڈے لیندے بن منگتے، بن لوڑے
چوراں نوں توں قطب بنایا، مَیں بھی چور اُچکاں
عرض کراں شرمندہ تھیواں کیہ مَیں کراں گنکارا
مت کوئی سخن اَن بھانا نکلے، عاجز مُفت مروّاں
مَیں بے جانا، اوگنہار الائق نہیں جمالاں

غوث الاعظمؓ پیر پیراں دا ہے محبوب ربانی
بنیاں نالوں گھٹ نہ رہیا ہر صفتوں، ہر وسبوں
نام لیاں لکھ پاپ نہ رہندے، میل اندر دی جاندی
کھچّے رُوح فرشتیاں ہتھوں، لکھے لیکھ مٹائے
جو دربار اُنہاں دے آیا، خالی بھانڈا بھریا
دین دُنی سبھو ہتھ تساڈے کوئی نہ ٹھاکے ہوڑے
جس در جاواں دھکّے کھاواں، ہِک تیرا در مکّاں
مُنہ میرا کد عرضاں لائق، ناقص عقل بے چارا
دھرو قدم میرے سر حضرت! سدا سُکھالا تھیواں
تینوں سبھ توفیقاں حضرت! نیک کرو بد حالاں

مت کوئی گل اوتی نکلے، رد ہو ویں اُس بابوں
بخشش منگ محمد بخشا بے پرواہ جنابوں

(حضرت میاں محمد بخشؒ)

سُنہرے الفاظ
راشد عزیز وارثی

اقوال کے اندر روشنی کا سمندر

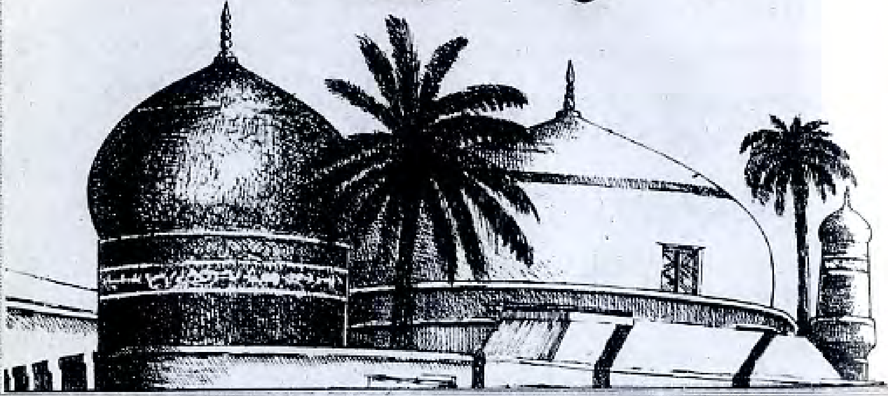

☆- اے عزیزو! تم سے اکثر کہا جاتا ہے، لیکن تم نہیں سنتے۔ اگر سنتے ہو تو سمجھتے نہیں۔ اگر کچھ سمجھ لیتے ہو تو عمل نہیں کرتے اور عمل بھی کرلو تو اکثر اعمال ایسے ہوتے ہیں جن میں "اخلاص" کا نام تک نہیں ہوتا۔
☆- اول اپنے نفس کو نصیحت کر۔ اس کے بعد دوسرے کے نفس کو نصیحت کر۔
☆- ایسی بات کا دعویٰ نہ کر جو تجھ مین نہ ہو۔
☆- ایمان مجموعہ ہے قول اور عمل کا۔
☆- قول صورت ہے اور عمل اس کی روح۔
☆- قرآن و سنت کی کسوٹی پر بات کو پرکھ۔
☆- گردن جھکا پھر توبہ کر۔ اس کے بعد علم سیکھ، عمل کر اور اخلاص پیدا کر۔ اگر یہ نہ ہوا تو کبھی ہدایت نہ پائے گا۔
☆- اے عمل کرنے والے! اخلاص حاصل کر ورنہ فضول مشقت مت اٹھا۔
☆- کوشش تو کر۔ مدد کرنا اللہ کا کام ہے۔
☆- علم زندگی ہے اور جہالت موت۔
☆- جو شخص اپنے علم پر عمل کرتا ہے خدا تعالیٰ اس کے علم کو وسیع کرتا ہے اور علم لدنی جو اسے حاصل نہیں ہوتا عطا کرتا ہے۔
☆- تصوف یہ ہے کہ صوفی دنیا سے قطع تعلق کرکے مخلوق خدا کی خدمت کرے۔

☆- مشائخ کی صحبت دنیا کے لئے نہیں بلکہ آخرت کے لئے کی جاتی ہے۔

☆- اس کی صحبت اختیار کر جو تیرے نفس کے جہاد پر تیری اعانت کرے۔

☆- جب تو جاہل' منافق اور بندۂ حرص و ہوا شیخ کی صحبت اختیار کرے گا تو وہ تیرے مقابلے پر تیرے نفس کا مددگار بنے گا۔

☆- خدا خود تقدیر کا مختار ہے کوئی اس میں دخل دینے کی طاقت نہیں رکھتا۔ نہ کسی کی یہ مجال ہے کہ اس پر زور دے کر مقدر بدلوا دے۔ جس کا یہ عقیدہ ہے وہ گمراہ ہے۔

☆- اللہ کے سوا کسی پر بھروسہ نہ کرو۔

☆- جلوت میں مراقبہ کرنا منافقوں کا کام ہے۔

☆- خدا نے اشیا کی حقیقت کا علم تم سے چھپا لیا ہے' اس لئے کوئی چیز تمہیں اچھی لگے یا نہ لگے اس کے خلاف نہ کہو۔

☆- امتحان ضروری ہے۔ خصوصاً دعویٰ کرنے والوں کا کہ اگر آزمائش نہ ہوتی تو بہتیری مخلوق ولی ہونے کا دعویٰ کرنے لگتی۔

☆- بندۂ مومن دنیا میں مسافر ہے۔ زاہد خشک آخرت میں مسافر ہے اور عارف (صوفی) جملہ ماسویٰ اللہ میں مسافر ہے۔

☆- جس پیر میں یہ پانچ وصف نہ ہوں وہ رجال ہے پیر نہیں ہے۔ ایک تو یہ کہ پیر ظاہری شریعت کا عالم ہو۔ دوسرے علم حقیقت جانتا ہو۔ تیسرے اپنے پاس آنے والوں کے ساتھ عمدگی اور خندہ پیشانی سے برتاؤ کرتا ہو چوتھے غربا اور بے حیثیت آدمیوں کے ساتھ قولاً" اور فعلاً" عاجزی اور انکسار سے پیش آتا ہو۔ پانچویں یہ کہ مسافروں کو کھانا کھلاتا ہو اور خود ریا' حسد' طمع' خود بینی' غفلت اور عیش طلبی سے پاک ہو۔

☆- دولت مندوں کے ساتھ وقار اور خودداری سے ملو اور درویشوں کے ساتھ عاجزی اور انکسار سے پیش آؤ۔

☆- جلوت و خلوت میں حق تعالیٰ کی طرف دھیان اختیار کر۔

☆- دنیا ایک محدود وقت تک ہے اور آخرت غیر متناہی مدت تک۔

☆- دنیا ایک بازار ہے جو عنقریب بند ہو جائے گا۔

☆- تم نفس کی خواہش پوری کرنے میں لگے ہو اور وہ تمہیں برباد کرنے میں مصروف ہے۔

☆- غصہ جب اللہ واسطے ہو تو محمود ہے اور جب غیر اللہ کیلئے ہو تو مذموم۔

☆- حسن خلق یہ ہے کہ تم پر جفائے خلق اثر نہ کرے۔

☆- جب تک نفس اصحاب کہف کے کتے کی طرح رضا کے دروازے پر نہ بیٹھ جائے اس وقت تک دل میں صفائی پیدا نہیں ہو سکتی۔

☆- قلب اور ہیبت کے درمیان سے حجاب اٹھ جاتا ہے تو حیا پیدا ہوتی ہے۔

☆- شاکر وہ ہے جو موجود پر شکر کرے۔

☆- خالق کا شکوہ مخلوق سے مت کر کہ اس کے سوا دوسرا تو کچھ بھی نہیں کر سکتا۔

☆- تمہارا مرض تو گناہ ہے اور اس کی دوا توبہ ہے۔

☆- حسد کرنا ایمان کے ضعیف ہونے کی علامت ہے اور یہ تمہیں اپنے خالق و مالک کی نظروں سے گرا دے گا اور تم کو اس کے قہر و غضب کا نشانہ بنا دے گا۔

☆- عافیت اسی میں ہے کہ عافیت کی طلب چھوٹ جائے اور تونگری یہی ہے کہ تونگری کی طلب ترک ہو جائے اور دوا یہی ہے کہ دوا کی طلب جاتی رہے۔

☆- پانچ وقت نماز کی پابندی کرو اور اپنی ہر نماز اس طرح ادا کرو کہ گویا یہ تمہاری زندگی کی آخری نماز ہے۔

☆- جو آدمی بیداری کے بجائے نیند کو اختیار کرتا ہے وہ نہایت ناقص اور ادنیٰ چیز کو پسند کر رہا ہے اور چونکہ نیند موت کی بہن ہے اس لئے گویا وہ شخص اپنی ضرورتوں اور مصلحتوں میں موت اور غفلت کا خواہش مند ہے۔ اسی لئے خدا تعالیٰ نیند سے ماورا ہے کیونکہ وہ تمام نقائص سے پاک ہے ملائکہ بھی قرب خداوندی کے باعث نیند سے دور ہیں۔ یہی حال جنت کے باسیوں کا ہے۔

☆- صبر کا تکیہ رکھ کر' موافقت کا پٹکا باندھ کر' کشائش کے انتظار میں عبادت کرتا ہوا تقدیر کے پرنالہ کے نیچے سو۔ جب تو ایسا ہو جائے گا تو مالک تقدیر اپنے فضل و انعامات تجھ پر اتنے برسائے گا جنکی طلب اور تمنا بھی تو اچھی طرح نہ کر سکتا۔

☆- نہ کسی سے محبت کرنے میں جلدی کر نہ نفرت کرنے میں۔

☆- محبت محبوب سے خواہ ظاہر ہو خواہ باطن--- ہر حال میں خلوص نیت رکھنے کا نام ہے۔

☆- محبت بجز محبوب کے سب سے آنکھیں بند کر لینے کا نام ہے۔

☆- محبوب کے دیکھنے کے اشتیاق میں اپنی جان کو بیچ ڈال---- واللہ اپنے نفس کو ایک نظر محبوب کے عوض بیچنے والا ناکام نہیں ہوتا۔

☆- عاشق محبت کے نشے میں ایسے مست ہوتے ہیں کہ انہیں بجز مشاہدۂ محبوب کے کبھی ہوش نہیں آتا۔ وہ ایسے مریض ہیں کہ بغیر دیدار محبوب صحت نہیں پاتے۔

☆- جو شخص محبت میں سچا ہوتا ہے وہ بجز محبوب کے کسی دوسرے کے پاس کھڑا بھی نہیں ہوتا۔

☆- دنیا سے آخرت کی طرف رجوع کرنا سہل ہے مگر مجاز سے حقیقت کی طرف رجوع کرنا مشکل اور خلق کو چھوڑ کر حق سے محبت اس سے بھی زیادہ مشکل ہے اور صبر مع اللہ سب سے زیادہ مشکل ہے۔

☆- ہر شخص کے پاس ایک ہی تو قلب ہے۔ پھر اس سے دنیا اور آخرت دونوں کے ساتھ کس طرح محبت کر سکتا ہے؟ خالق اور مخلوق اس میں ایک جگہ کیسے جمع ہو سکتے ہیں؟

☆- بلا سے مت بھاگ کہ وہ بلا جو صبر کے ساتھ ہو ہر قسم کی بھلائی کی بنیاد ہے۔ نبوت' رسالت' ولایت' معرفت اور محبت سب کی بنیاد بلا ہی ہے۔ پس جب تو نے بلا پر صبر نہ کیا تو تیرے لئے بنیاد نہ رہی اور بنیاد کے بغیر تعمیر کو پائیداری نہیں۔

☆- جس کو خلوت میں تقویٰ حاصل نہ ہو اور حق تعالیٰ کی محبت کا دعویٰ کرے' وہ جھوٹا ہے۔

☆- جو شخص مال و ملک خرچ کئے بغیر جنت کی محبت کا دعویٰ کرے وہ جھوٹا ہے۔

☆- دنیا نفوس کی معشوقہ ہے' آخرت قلوب کی محبوبہ ہے۔ اور حق تعالیٰ باطن اور اسرار کا محبوب ہے۔

☆- جس طرح لوہا دیر تک آگ میں پڑا رہنے سے آگ کی صورت اختیار کرلیتا ہے اسی طرح انسان "محبت الٰہی" میں جل کر قرب الٰہی حاصل کرلیتا ہے۔

☆- بہترین شوق وہ ہے جو مشاہدے سے پیدا ہو اور ملاقات سے ست نہ پڑ جائے' دیکھنے سے ساکن نہ ہو اور قریب ہے چلا نہ جائے' محبت سے زائل نہ ہو بلکہ جوں جوں ملاقات بڑھتی جائے شوق بھی بڑھتا جائے۔

☆- شرک محض صنم پرستی ہی کا نام نہیں بلکہ اپنی خواہش نفس کی پیروی کرنا یا دنیا کی کسی بھی چیز کے ساتھ عشق کی کیفیت سے منسلک ہو جانا صریحاً شرک ہے۔

☆- خدا کے سوا ہر شے غیر خدا ہے اور ہر غیر خدا کی خواہش شرک کہلائے گی۔ اس سے پرہیز کرو۔

☆- قرب الٰہی پانے کے لئے ابتدا زہد و ورع اور تقویٰ و پرہیزگاری ہے اور انتہا رضا و تسلیم اور توکل ہے۔

☆- خدا کے بجائے نفس پر اعتماد کرنا شرک ہے۔

☆- وفا حقوق الٰہی کی رعایت اور قولاً" وفعلاً" اس کے حدود کی حفاظت اور ظاہراً و باطناً" اس کی رضامندی کی طرف رجوع کرنے کا نام ہے۔

☆- اللہ کا سب سے زیادہ دوست وہ ہے جو خلق خدا کو نفع پہنچائے۔

☆- احتساب نفس اور مجاہدہ کرنے والے اولوالعزم سالکوں کے لئے دس خصوصی ہدایات ہیں:

۱- عمداً" یا سہواً" جھوٹی یا سچی کسی طرح کی بھی خدا کی قسم نہ کھائے۔

۲- جھوٹ نہ بولے' خواہ مذاق میں ہی کیوں نہ ہو۔

۳- کسی سے وعدہ کرلے تو اسے وفا کرے ورنہ وعدہ ہی نہ کرے۔

۴- مخلوق میں سے کسی چیز پر لعنت نہ کرے نہ کسی کو کوئی تکلیف پہنچائے۔

۵- کسی کے لئے بھی بددعا نہ کرے اگرچہ اس پر ظلم ہی کیا گیا ہو۔

۶- اہل قبلہ میں سے کسی پر یقین کے ساتھ کفر' شرک یا نفاق کی گواہی نہ دے۔

۷- اپنے ظاہر و باطن کو گناہ کی چیزیں دیکھنے سے محفوظ رکھے اور اپنے اعضا و جوارح کو معاصی سے بچائے رکھے۔

۸- مخلوق کے کسی چھوٹے یا بڑے پر اپنا بوجھ ڈالنے سے احتراز کرے۔

۹- کسی انسان سے حرص و طمع نہ رکھے۔

۱۰- ہمیشہ تواضع سے کام لے۔

☆- ہر پرندہ بولتا ہے لیکن اس کا کوئی عمل نہیں ہوتا۔ شکرہ (باز) بولتا نہیں ہے بلکہ عمل کرکے دکھاتا ہے۔ (عمل سے مراد شکار ہے) یہی وجہ ہے کہ بادشاہوں کا ہاتھ اس کی جگہ ہوتی ہے۔

☆- جب تم یہ مشاہدہ کرنے لگو کہ ہر شے خدا ہی کی جانب سے ہوتی ہے اور وہی اعمال صالح کی توفیق عطا فرماتا ہے جس میں کہ تمہارے نفس کو قطعاً دخل نہیں ہوتا تو یہ سمجھ لو کہ تم نے خود کو تکبر سے محفوظ کرلیا۔

☆- اے عالم! اپنے علم کو دنیا داروں کی صحبت سے آلودہ نہ کر۔

☆- تمہارے سب سے بڑے دشمن تمہارے ہمنشین ہیں (ع صحبت صالح ترا طالح کند)

☆- لوگو! خدا تعالیٰ سے اتنا تو شرماؤ جتنا تم اپنے نیکوکار پڑوسی سے شرماتے ہو۔

☆- پیٹ بھرنے کے لیے روٹی' بدن ڈھانپنے کے لیے کپڑا' رہائش کے لیے گھر اور بیوی ـــــــ یہ دنیا نہیں ہیں۔ دنیا تو یہ ہے کہ دنیا کی طرف منہ اور خدا تعالیٰ کی طرف پشت ہو۔

☆- اگر تو مخلوق کے ساتھ ادب نہیں کرتا تو خالق کے ساتھ تیرا ادب کا دعویٰ غلط ہے۔

☆- دین کی اصل عقل' عقل کی اصل علم اور علم کی اصل صبر ہے۔

☆- اپنی روزی کا بوجھ کسی پر نہ ڈالو کہ اس صورت میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ پوری طرح نہ ادا ہو سکے گا۔

☆- فروتنی اور انکسار کو اپنا شعار بناؤ۔

☆- بیکار آدمی زمین پر بار ہوتا ہے۔

☆- سب سے اچھی زندگی دوسروں کے کام آتا ہے۔

☆- خوش رہنا چاہتے ہو تو دوسروں کو خوش رکھنے کی کوشش کرو۔

☆- اپنے عیوب کا جائزہ لینا' ان پر محاسبہ کرنا' نفس کی فالتو خواہشوں کو حقیر جاننا ہی حسن خلق ہے۔

☆- صداقت اور راست بازی کا شیوہ اختیار کرو اگر یہ وصف نہ ہوتے تو کسی کو بھی قرب باری تعالیٰ حاصل نہ ہوتا۔

☆- اتباع شریعت کی تبلیغ میرے نزدیک خلوت خانوں کی بہت سی عبادتوں سے بہتر ہے۔

☆- رزق حلال کھاؤ کہ اس سے دل میں روشنی پیدا ہوتی ہے۔

جس نے مصیبت پر صبر و تحمل سے کام نہ لیا' جس نے نعمائے الٰہی پر شکر ادا نہ کیا اس کا ایمان ناقص ہے۔

☆- تقدیر الٰہی کو اپنے نفس کا عذر نہ بناؤ کہ اسے بہانہ قرار دے کر عمل چھوڑ دو۔ تقدیر کو عذر بنانا کاہلوں کا شیوہ ہے۔ تقدیر کا عذر' آفات' مصائب میں ہوا کرتا ہے (اعمال و احکام میں نہیں)

☆- دنیا' ساری حکمت و عمل ہے نتیجہ اور صلہ' سبب اور عمل پر موقوف ہے اور آخرت ساری کی ساری قدرت ہے کہ وہاں ہر شے کا وجود بلا سبب ہو گا لہٰذا اس دار حکمت میں عمل نہ چھوڑ اور دار قدرت میں خدا کی قدرت کو عاجز نہ سمجھ ـــ دنیا میں خدا تعالیٰ کی حکمت کے تقاضوں پر عمل کرو۔ اور قدرت پر ایسا بھروسہ نہ کرو کہ بلا عمل ہی جنت کے متوقع رہو۔

☆- صبر کو اپنا شعار بناؤ۔ یہ دنیا تمام تر آفات کا مجموعہ ہے۔

☆- رضائے خالق کے خواہش مند! مخلوق کی ایذا دہی پر صبر کر۔

☆- مستحق سائل کو خدا کا ہدیہ سمجھ جو بندے کی طرف بھیجا گیا ہے۔

☆- ایمان اصل' اور اعمال فرع ہیں۔ ایمان میں شرک سے اور اعمال میں معصیت سے بچو۔

☆- جسے کوئی تکلیف نہ پہنچے کہنا چاہیئے اس میں کوئی خوبی نہیں۔

☆- کوشش کرو کہ تمہارا کلام جواباً ہو۔ گفتگو کا آغاز تمہاری طرف سے نہ ہو۔

☆- دوسروں سے متعلق حسن ظن سے کام لو لیکن اپنے نفس کی طرف سے بدظن رہو۔

سب سے بدتر دشمن' تمہارے برے ہم نشین ہیں۔

☆- جب کوئی شخص تم سے کسی کی طرف سے رنجیدہ بات کہے تو اسے جھڑک دو کہ تو تو اس سے بھی برا ہے

اس نے میرے پیچھے مجھے برا کہا تو میرے منہ پر کہتا ہے۔

☆- جو مصیبت میں صبرو تحمل سے کام لیتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کی بے حساب مدد فرماتا ہے۔

☆- خالق کا شکوہ مخلوق سے نہ کرو۔ کرو تو خالق ہی سے کرو۔

☆- گناہ بیماری ہے۔ توبہ وندامت اس کا علاج۔

☆- غیبت نیکیوں کو ایسے کھاتی ہے جیسے لکڑی کو آگ بھسم کردیتی ہے۔ جھوٹی قسموں سے بچو کہ وہ تمہارے آباد گھروں کو ویران اور برکتوں کو زائل کرتی ہیں۔

☆- ہمت والا وہ ہے جو اپنے نفس سے دنیا کی محبت خارج کردے۔

☆- بعض وقت اللہ تعالیٰ کا بندے کی درخواست کا قبول نہ کرنا' بندے پر شفقت ہی کی وجہ سے ہوتا ہے۔

☆- علم کا حصول' اس پر عمل اور دوسروں کو بھی سکھانا یہ سب خوبیوں کا مجموعہ ہے۔

☆- غفلت کی علامت اہل غفلت کی صحبت ہے۔

☆- نفس جب کدورتوں سے پاک ہو جاتا ہے تو احکام شرعیہ کی پابندی اس پر آسان ہو جاتی ہے۔

☆- جو شخص بغیر تحصیل علمی کے گوشہ نشین اور مشغول ہو جاتا ہے وہ اپنی بے علمی سے اپنے کاموں کو سدھارنے کے بجائے اور بگاڑ لیتا ہے۔

☆- دنیا کا نفع تو کچھ بھی نہیں سب دھوکا ہی دھوکا ہے۔

☆- صبر یہ ہے کہ بندہ مصیبت اور بلا میں ثابت قدم رہے اور صدق نیت اور خوشی دلی سے احکام الٰہی کی تعمیل کرتا رہے۔

☆- مومن رزق حلال کے لیے سعی کرتا ہے' قسمت پر بھروسہ کرکے اپنے کو معطل نہیں کردیتا۔

☆- فرائض کے بعد غریبوں اور مہمانوں کی ضیافت اور عام و خاص سب سے اچھے اخلاق سے پیش آنا سب سے بہتر کام ہیں۔

☆- جس نے سوال کیا اس نے گویا اپنی آبرو گنوائی۔

☆- حسن خلق یہ ہے کہ تم جفائے خلق کا اثر نہ قبول کرو۔

☆- میانہ روی میں آدھی روزی اور حسن خلق میں آدھا دین ہے۔

☆- اس سے کیا حاصل کہ تمہاری زبان فصیح اور دل نادان ہے۔

☆- خلوت میں خاموش رہنا مردانگی نہیں جلوت میں خاموش رہو تو ایک بات ہے۔

☆- جو اپنے نفس کی تربیت نہ کرسکا وہ دوسرے کی تربیت کیا کرے گا۔

☆- مخلوق کی طرف منہ کرنا گویا حق تعالیٰ کی طرف پیٹھ کرنا ہے۔

☆- ہنسنے والوں کے ساتھ ہنسو مت البتہ رونے والوں کے ساتھ رولو۔

★ جو خلق کے ساتھ خلیق ہو وہ خالق سے نزدیک تر ہے۔

★ خالق کے ساتھ ادب کا دعویٰ صحیح نہیں جب تک تم مخلوق کے ادب کا حق نہیں ادا کرتے۔

★ قول بمنزلہ جسد ہے اور عمل اس کی روح۔

★ ہماری غیبت کرنے والے ہماری فلاح کے موجب ہیں کہ وہ اپنے اعمال حسنہ ہماری طرف منتقل کر رہے ہیں۔

کپڑوں سے میل اور دِلوں سے گناہ دھو ڈالو

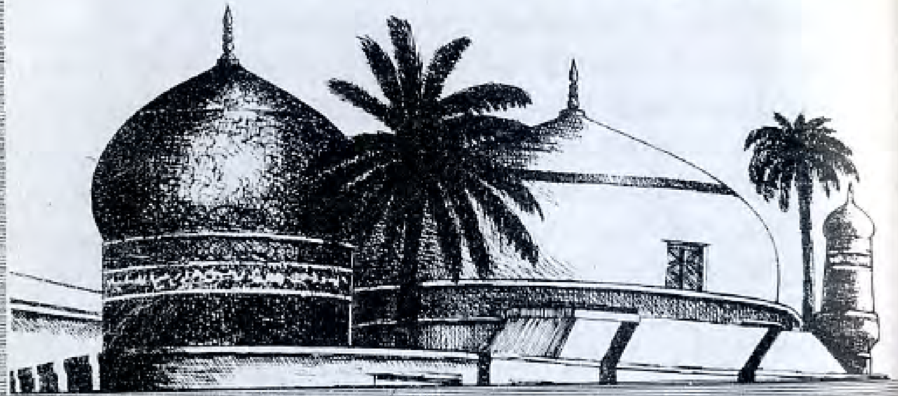

اپنے آپ کو حسد سے بچاؤ۔ وہ برا ساتھی ہے۔ یہ حسد ہی تھا' جس نے ابلیس کا گھر برباد کیا' اس کو ہلاک کیا اور اس کو دوزخی بنایا اور اس کو خدائے بزرگ و برتر اور اس کے فرشتوں اور اس کے نبیوں اور اس کی مخلوق کا ملعون بنایا۔ کسی سمجھدار آدمی کے لیے حسد کرنا کس طرح جائز ہو سکتا ہے۔ جبکہ اس نے ارشاد سن لیا۔ "ہم نے دنیا کی زندگی میں ان کی روزی ان میں بانٹ دی ہے یا وہ لوگوں پر اس چیز سے حسد کرتے ہیں جو اللہ نے ان کو اپنی مہربانی سے دی۔"

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "حسد نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جس طرح آگ خشک لکڑیوں کو کھا جاتی ہے۔"

اے صاحبزادے! حسد کے بارے میں علماء ربانی کا فرمان کس قدر انصاف کرنے والا ہے کہ بندہ حسد اپنے ساتھی ہی سے شروع کرتا ہے۔ پس اسی کو مارتا ہے اور حسد کرنے والا پناہ بہ خدائے بزرگ و برتر۔ خدا کے ساتھ اس کے فعل پر اور اس کی تخلیق پر اور اس کی تقسیم پر بھی جھگڑا کرتا ہے۔

بلاشبہ میں اپنی بات میں تم سے اور تمہارے گھروں کے مال و اسباب اور تمہارے تحفوں سے بے نیاز ہوں۔ چنانچہ جب تک میں اس امر پر قائم رہوں گا انشاء اللہ میری بات سے تم کو فائدہ پہنچے گا۔ جب تک بات کرنے والے کی نظر تمہاری روٹیوں' کپڑوں اور جیبوں پر رہے گی تمہیں اس کی بات سے فائدہ نہ ہوگا۔ جب تک وہ تمہارے (چولہے کے) دھوئیں اور تمہارے کوچہ کو تاکتا رہے گا تمہیں اس کی بات سے فائدہ نہ پہنچے گا۔ اس کی بات ایسا چھلکا ہوگی جس میں مغز نہیں' ایسی ہڈی ہوگی جس پر گوشت نہیں۔ تلخی ہوگی۔ بلا مٹھاس صورت ہوگی۔ بلا معنی۔ طمع کرنے والے کی بات حرص اور رورعایت سے خالی نہیں ہوتی۔ اس کو ڈر کی وجہ سے مخالفت

پر قدرت نہیں ہوتی۔ طمع کرنے والا طمع کے حروف کی طرح خالی ہے۔ "طمع" کے حروف "ط" اور "م" اور "ع" سب کے سب نقطوں سے خالی ہیں۔

غلطی کی تلافی کرلو

اے اللہ کے بندو! سچے بنو۔ یقیناً" فلاح پاؤ گے۔ سچا (اللہ کی بندگی سے) پھرا نہیں کرتا۔ اللہ کو ایک کہنے میں سچا ہونے والا اپنے نفس جو اس کا شیطان ہے کی بات پر (اللہ کے دروازہ سے) لوٹا نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور نیکیوں کی محبت میں سچا ہوتا ہے۔ سچا ملامت پر کان نہیں دھرتا اور نہ یہ اس کے کان میں سماتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کریمؐ اور اس کے بندوں میں سے نیکیوں سے پکی محبت میں سچا کسی منافق ملعون ومبغوض کی بکواس پر اپنے کام سے باز نہیں آتا۔ سچا (اپنے دوست اور دشمن کو) پہچانتا ہے اور جھوٹا نہیں پہچانتا۔ سچے کی ہمت آسمان تک بلند ہوتی ہے۔ کسی کی ایسی ویسی بات کو خاطر میں نہیں لاتا۔ بلاشبہ خدائے بزرگ و برتر کو اپنی بات پر قدرت ہے۔ جب تجھ سے کوئی کام لینا چاہے گا تجھے اس کے قابل بنا دے گا۔ اے عالم! اگر تیرے پاس علم کے پھل اور اس کی برکت سے کچھ ہوتا تو نفس کے مزوں اور لذتوں کی خاطر بادشاہوں کے دروازوں کی طرف کبھی نہ دوڑتا۔ عالم کے وہ پاؤں ہی نہیں ہوتے جن سے لوگوں کے دروازوں کی طرف دوڑے اور زاہد کے وہ ہاتھ ہی نہیں ہوتے جن سے لوگوں کا مال لے۔ اور محب کی وہ آنکھیں ہی نہیں ہوتیں جن سے محبوب کے سوا کسی کو دیکھے اور سچا اگر ساری مخلوق سے بھی ملے تو اسے ان کی طرف نگاہ کرنا جائز نہیں چونکہ اس کے لئے محبوب کے سوا کسی پر نظر کرنا حلال ہی نہیں۔ نہ اس کے سر کی آنکھوں میں دنیا بڑی معلوم ہوتی ہے اور نہ اس کے سر کی آنکھوں میں آخرت بڑی ہوتی ہے اور نہ اس کے سر کی آنکھوں میں اللہ کے سوا کوئی بڑا نظر آتا ہے۔

اے صاحبزادے! منافق کی پہچان اس کی زبان اور سر سے ہوتی ہے اور سچے کی پہچان اس کے دل سے ہوتی ہے اور اس کے باطن کا بھید خدائے بزرگ و برتر کے دروازہ پر ہوتا ہے اور باطن اللہ کے حضور دروازہ پر کھڑا چیختا رہتا ہے۔ حتیٰ کہ اندر داخل ہوجاتا ہے۔ خدا کی قسم! تم بہرحال جھوٹے ہو۔ خدائے بزرگ برتر کے دروازے کی راہ تم خود نہیں جانتے دوسرے کو کس طرح بتاؤ گے۔ اور تم خود اندھے ہو۔ اپنے سوا کسی اور کی لاٹھی کس طرح تھامو گے۔ تمہاری خواہش اور تمہاری طبیعت اور تمہاری اپنے نفس کی پیروی اور تمہاری اپنی دنیا۔ اپنی ریاست اور اپنی لذتوں کی محبت نے تمہیں اندھا کر رکھا ہے۔ تمہاری خرابی ہو تمہیں دنیا میں رہنا محبوب ہے مگر تمہارے کوئی چیز ہاتھ نہ آئے گی۔ اپنی دکان پر اپنی نماز کو کب ترجیح دو گے؟ آخرت کو اپنی دنیا پر کب مقدم رکھو گے؟ اپنے خالق کو اپنی مخلوق پر کب مقدم رکھو گے اور اپنے نفس کی بجائے سائل کو کب ترجیح دو گے؟ خدائے بزرگ و برتر کے حکم کو اور اس کی منع کی ہوئی چیز سے رکنے کو اور اس پر جو مصیبتیں آتی ہیں ان پر صبر کو اپنی خواہش اور عادت پر کب ترجیح دو گے؟ لوگوں کا کہنا ماننے کی بجائے اس کا کہا ماننے کو کب مقدم رکھو گے؟ عقل سیکھو۔ تم ہوس میں پھنسے ہو' ایسے باطل کی جس میں حق نہیں۔ ایسے ظاہر کی جس میں باطن نہیں۔ ایسے علانیہ کی جس میں سر نہیں۔ جب تک گناہ ظاہر جسم پر ہیں میری طرف قدم بڑھاؤ اس سے پہلے کہ وہ تمہارے دل تک پہنچ جائیں۔ پھر تم اصرار کرو اور اصرار میں مشغول رہو تو کافر بنو۔ غلطی کی تلافی کرلو۔ تھوڑی

(زندگی یا تکلیف) سے بڑی (زندگی یا تکلیف) کو محفوظ کرلو۔ جب تک رسی کے دونوں کنارے تمہارے ہاتھوں میں ہیں تلافی کرلو۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہے جیسے اس نے کوئی گناہ کیا ہی نہیں اگرچہ ستر مرتبہ دن میں پھر کرے۔ جب تم نے رسول کریمؐ سے سن لیا اور ان کی بات پر عمل کیا اور آپ کے اصحاب کی پیروی کرکے آپ کے ساتھ بہتر برتاؤ کیا تو تمہارے دل کو تمہارے خدائے بزرگ و برتر کے سامنے کریں گے اور ان کا کلام تمہیں سنوائیں گے جس کی طاعت اور عبودیت اللہ کی خاطر ثابت ہوجاتی ہے وہ اللہ کی کلام سننے پر قادر ہوجاتا ہے۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ان پر اور تمام نبیوں پر درود و رحمت ہو' اپنی قوم کے پاس آئے۔ ان کے پاس توریت تھی جس میں امر اور نہی تھی۔ لوگوں نے کہا' ہم اسے قبول نہ کریں گے جب تک ہم اللہ کا چہرہ نہ دیکھ لیں اور اس کا کلام نہ سن لیں۔ آپ نے ان سے فرمایا' اپنی ذات کو تو اس نے مجھے بھی نہیں دکھایا پھر تمہیں کیسے دکھا دوں۔ اس پر وہ کہنے لگے کہ جب آپ نہ اس کا منہ دکھائیں اور نہ اس کا کلام سنوائیں ہم اس کی بات کیسے مان لیں۔ تب خدائے بزرگ و برتر نے موسیٰ اور ہمارے نبیؐ ان پر درود و رحمت ہو کو وحی کی کہ ان کو کہہ دیجئے کہ اگر ان کا میرا کلام سننے کا ارادہ ہے تو تین دن روزے رکھیں جب چوتھا روز ہو خوب نہائیں اور پاک کپڑے پہنیں۔ پھر ان کو لے کر آجاؤ۔ تاکہ میرا کلام سنیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے ان کو اس بات کی خبر کردی۔ پس انہوں نے ایسا ہی کیا۔ پھر پہاڑی کے اس مقام پر آئے جہاں وہ (موسیٰ علیہ السلام) اپنے خدائے بزرگ و برتر سے باتیں کیا کرتے تھے۔ اور انہوں نے اپنی قوم کے عالموں اور پرہیز گاروں میں سے ستر آدمی لیے۔ جب حق تعالیٰ ان سے مخاطب ہوئے تو سب کے سب بے ہوش ہو کر مرگئے۔ موسیٰ' ہمارے نبی اور ان پر درود و رحمت ہو اکیلے رہ گئے اور رو کر عرض کی اے پروردگار! آپ نے میری امت کے بہترین لوگوں کو مار دیا۔ اللہ کو ان کے رونے پر رحم آیا تو انہیں اللہ نے زندہ کردیا وہ اپنے پاؤں پر اٹھ کھڑے ہوئے اور کہا' موسیٰ علیہ السلام' ہمیں اللہ تعالیٰ کا کلام سننے کی طاقت نہیں آپ ہی ہمارے اور ان کے درمیان واسطہ بنیے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ موسیٰ علیہ السلام سے کلام کرتے اور موسیٰ علیہ السلام ان کو سناتے اور ان کے لیے دہراتے جاتے تھے۔ موسیٰ علیہ السلام محض اپنے ایمان کی قوت اور اپنی طاقت اور اپنی عبودیت کے ثابت ہونے کی بناء پر اللہ تعالیٰ کا کلام سننے پر قادر ہوئے اور وہ لوگ محض اپنے ایمان کی کمزوری کی بناء پر اللہ تعالیٰ کا کلام سننے پر قادر نہ ہوسکے۔ پس اگر وہ توریت میں آئے ہوئے اللہ کے احکام کو قبول کرلیتے اور امر و نہی میں اطاعت کرتے اور ادب کرتے اور جو کیا اس کے کہنے کی جرات اور تحریک نہ کرتے تو خدائے بزرگ و برتر کا کلام سننے پر قادر ہوجاتے۔

اپنے مولیٰ کی اطاعت میں ہر طرح کوشش کرو۔ اور کوشش کرو کہ تم نہ دینے والے کو دو اور توڑنے والے سے جوڑو۔ اپنے پر ظلم کرنے والے کو معاف کردو اور کوشش کرو کہ تمہارا بدن بندوں کے ساتھ ہو اور تمہارا دل بندوں کے پروردگار کے ساتھ ہو۔ اور کوشش کرو کہ سچے بنو' جھوٹے نہ بنو۔ اور کوشش کرو' اخلاص برتو' نفاق نہ برتو۔ لقمان حکیم اپنے بیٹے سے کہا کرتے تھے اے بیٹے! لوگوں سے دکھاوا نہ کرو کہ کہیں خدائے بزرگ و برتر سے۔ ایک بدکار دل سے نہ ملو کہ تمہاری خرابی ہو۔ دو منہ' دو زبانوں اور دو کانوں والے مت بنو کہ اس کے سامنے کچھ اور اس کے سامنے کچھ۔ میں مسلط ہوا ہوں ہر جھوٹے منافق دجال پر۔ مسلط ہوا ہوں' خدائے بزرگ و برتر کے ہر نافرمان پر' جن میں سب سے بڑا ابلیس ہے اور سب سے چھوٹا بداعمال۔ میری جنگ ہے تم سے اور ہر

گمراہ ہے۔ گمراہ کنندہ اور باطل کی طرف دعوت دینے والے سے۔ ان پر لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم سے مدد لیتا ہوں۔ نفاق تمہارے دل پر جم گیا ہے۔ تمہیں اسلام' توبہ اور زنار (کفر) توڑنے کی ضرورت ہے۔ عقل سیکھو۔ جب تمہارے دل سے غبار چھٹ جائے گا تو دیکھو گے اور تھوڑی دیر بعد تمہیں خبر ہو جائے گی۔ جس نے میری بات سنی اور اس پر عمل کیا اور اخلاص برتا وہ مقربین میں سے بنا۔ تمہاری خرابی ہو' اللہ کی محبت کا دعویٰ کرتے ہو اور اپنے دلوں سے اس کے سوا اوروں کی طرف متوجہ ہوتے ہو۔ مجنوں کو جب لیلیٰ سے سچی محبت ہو گئی تو اس کا دل لیلیٰ کے سوا کسی کو قبول نہ کرتا تھا۔ ایک دن لوگوں کے پاس سے گزر ہوا تو انہوں نے پوچھا' کہاں سے آئے ہو؟ کہا' لیلیٰ کے پاس سے۔ کہاں کا ارادہ ہے؟ بولا' لیلیٰ کی طرف کا۔

اپنے مال سے کمائی کرو۔ تم جھوٹ نہ بولو۔ تمہارے دو دل نہیں بلکہ ایک ہی ہے۔ جس چیز سے بھی بھر جائے گا پھر اس میں دوسری نہیں سما سکتی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:۔ ہم نے کسی شخص کے سینہ میں دو دل نہیں رکھے۔ جس دل میں خالق کی محبت ہو گی صحیح نہیں ہو گا کہ اس میں دنیا اور آخرت ہو۔ اللہ سے ناآشنا رہنا نفاق برپا کرتا ہے۔ اور اس سے آشنا ایسا نہیں کرتا۔ احمق خدائے بزرگ و برتر کی نافرمانی کرتا ہے اور عاقل اس کی اطاعت کرتا ہے۔ بغض رکھنے والا نافرمانی اور محبت رکھنے والا اطاعت کرتا ہے۔ دنیا اکٹھی کرنے کی حرص کرنے والا دکھاوا کرتا اور نفاق برتا کرتا ہے اور کوتاہ امید ایسا نہیں کرتا۔ موت کو بھلا دینے والا دکھاوا کرتا ہے اور یاد رکھنے والا دکھاوا نہیں کیا کرتا۔ غافل دکھاوا کرتا ہے اور بیدار دکھاوا نہیں کرتا ہے۔ اولیاء اللہ کو (غیبی فرشتہ) متنبہ کرتا اور (غیبی) معلم تعلیم دیتا رہتا ہے' اور حق تعالیٰ سے وسائل علم ان کے لیے مہیا فرما دیتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مومن اگر پہاڑ کی چوٹی پر بھی ہو گا تو اللہ اس پر (غیبی) عالم متعین فرمائے گا جو اس کو (مرضیات الٰہیہ کی) تعلیم دیتا رہے گا۔ نیکوں کی باتیں مستعار لے کر ان پر اپنا دعویٰ کر کے باتیں نہ کیا کرو۔ مانگی چیز چھپا نہیں کرتی۔ اپنے مال سے کمائی کرو۔ مانگی چیز سے نہیں۔ اپنے ہاتھ سے کپاس کاشت کرو' اسے اپنے ہاتھ سے پانی دو اور اس کی اپنی کوشش سے پرورش کرو۔ پھر اس کو بن لو' سی لو اور پہن لو۔ دوسروں کی ملک اور دوسروں کے کپڑوں پر مت اتراؤ۔ جب دوسروں کا کلام لے کر بات کرو گے اور اس کو اپنا بتاؤ گے تو نیکوں کے دل تم سے نفرت کریں گے۔ جب تجھے فعل نصیب نہیں تو قول بھی تیرے مناسب نہیں۔ ظاہر ہے حکم کا تعلق عمل سے ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اپنے اعمال کی وجہ سے جنت میں داخل ہو جاؤ۔

اپنے نفس کے واعظ بنو

اے صاحبزادے! فرشتے حرص اور طمع اور لایعنی قسم کی بہت سی باتوں کے لکھنے کے سوا کسی بات سے نہیں اکتاتے۔ بلکہ جس کا دل حق تعالیٰ سے ڈرتا ہے تو لامحالہ اس کے ہاتھ پاؤں بھی ڈرنے لگتے ہیں۔ اس کا دل اس کے ذرے بجھ جاتا ہے تو پاؤں بھی وہی تاثر لیتے ہیں۔ چنانچہ فرشتے راحت و اکرام میں رہتے ہیں۔ تمہاری باتیں ایک پر دوسری گناہوں کے ڈھیر ہیں۔ جن کی عاقبت بھی مہمل ہے۔ تم یہ جانے بغیر باتیں کیے جاتے ہو کہ فائدہ مند ہوں گی یا نقصان دہ۔ موت سے خبردار رہو تمہارے لیے موت سے فرار نہیں۔ تم جس کہنے سننے اور لایعنی کاموں میں لگے ہو انہیں چھوڑ دو۔ اپنی لمبی لمبی امیدوں کو کوتاہ کرو اور حرص کو کم کرو۔ اس واسطے کہ عنقریب

تمہیں مرنا ہے۔ بہت دفعہ ایسا ہو سکتا ہے کہ تمہیں یہیں بیٹھے بیٹھے موت آ جاتی ہے۔ یہاں تک تو اپنے پاؤں پر چل کر آئے تھے اب تمہارے گھر کی طرف جنازہ اٹھایا جاتا ہے۔ صحیح ایمان والا اپنی جان سے بدلہ لے کر اطمینان حاصل کرتا ہے۔ جب اس کی جان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو اسے کہتا ہے' میں نے تو تجھے نصیحت کی مگر تم نے قبول ہی نہ کی۔ او نہ جاننے والی' او نہ ماننے والی' او اللہ کی دشمن! میں نے تجھے اس چیز سے ڈرایا تو تھا۔ جو کوئی اپنے نفس سے باز پرس' کھود کرید اور خیر خواہی نہیں کرتا کبھی فلاح نہیں پاتا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اپنے نفس کا خود واعظ نہ بنے اس کو کسی واعظ کا واعظ نفع نہیں دیتا۔ جو فلاح چاہے' اپنے نفس کو نصیحت کرے۔ اس کو توبہ سکھائے اور مجاہدہ کرائے۔ زہد یہ ہے کہ پہلے حرام چیزوں کو چھوڑے۔ پھر خدشہ والی چیزوں کو چھوڑے۔ پھر مباح چیزوں کو چھوڑے۔ پھر ہر حالت میں خالص حلال چیزوں کو بھی چھوڑ دے۔ غرض کوئی چیز نہ رہے' جسے چھوڑ نہ دے۔ حقیقی زہد یہ ہے۔ دنیا چھوڑے' آخرت چھوڑے' خواہشات و لذات چھوڑے۔ غرض کوئی چیز نہ رہے جسے چھوڑ نہ دے۔ حالات و درجات۔ کرامات اور مقامات طلب کرنا چھوڑے اور خالق کائنات کے سوا ہر چیز کو چھوڑے۔ حتیٰ کہ خالق بزرگ و برتر کے سوا کوئی نہ رہے۔ جو ہماری منت ہی اور غایت مقصود ہے۔ اسی کی طرف پھر جانے میں سارے کام درست ہیں۔ باتیں کرنے والوں میں سے کوئی اپنے دل سے بات کرتا ہے۔ کوئی اپنے باطن سے بات کرتا ہے اور ان میں سے کوئی اپنے نفس اور اس کی خواہش اور اس کے شیطان کی بات کرتا ہے۔ ایمان والے کی یہ عادت ہوتی ہے کہ پہلے سوچتا ہے پھر بات کرتا ہے۔ نفاق والا پہلے بات کرتا ہے پھر سوچتا ہے۔ مومن کی زبان اس کی عقل اور دل کے پیچھے (ماتحت) ہوتی ہے۔ اور منافق کی زبان اس کی عقل اور دل کے آگے۔ اے ہمارے اللہ! ہمیں ایمان والوں میں کر اور نفاق والوں میں نہ کر اور ہمیں دنیا میں نیکی دے اور آخرت میں نیکی دے اور آگ کے عذاب سے بچا۔

مومن کی فراست سے ڈرو

جب دل کتاب و سنت پر عمل کرتا ہے تو نزدیکی حاصل ہوتی ہے۔ جب نزدیکی حاصل ہوتی ہے تو بندہ فائدہ اور نقصان کو اور خدائے بزرگ و برتر کے لیے اور اس کے ماسوا کے لیے اور حق کے لیے اور باطل کے لیے کیے کام کو جان اور دیکھ لیتا ہے۔ جب مومن کے لیے نور ہوتا ہے جس سے دیکھتا ہے تو صدیق مقرب کا کیا پوچھنا مومن کے لیے ایک نور ہوتا ہے جس سے وہ دیکھتا ہے اور اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مومن کی فراست سے ڈرو اس واسطے کہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔ عارف مقرب کو بھی ایک نور عطا ہوتا ہے جس میں وہ اپنے قدرے بزرگ و برتر سے اپنے نزدیکی کو دیکھتا ہے اور خدائے بزرگ و برتر کو اپنے دل سے دیکھتا ہے۔ سو فرشتوں کی روحوں اور نبیوں کی روحوں صدیقین کے دلوں اور ان کی روحوں اور ان کے حالات اور مقامات کو دیکھتا ہے اور یہ سب چیزیں اس کے دل کے درمیان اور باطن کی پاکیزگی میں ہوتی ہیں اور وہ ہمیشہ اپنے پروردگار کے ساتھ فرحت میں ہوتا ہے اور یہ ایک واسطہ ہے جو اس سے کہتا ہے اور مخلوق میں بکھیر دیتا ہے۔ بعض ان دونوں میں زبان اور دل دونوں کے فصیح ہوتے ہیں اور بعض ان میں دل کے فصیح مگر زبان کے لکنت والے ہوتے ہیں اور منافق زبان کا فصیح اور دل کا گونگا ہوتا ہے۔

اس کا سارا علم زبان میں ہوتا ہے۔ اور اس لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سب سے زیادہ جس کا

مجھے اپنی امت کے بارے میں ڈر ہے' زبان کا فصیح منافق ہے۔

تھوڑے پر قناعت کرو

اے صاحبزادے! جب تم میرے پاس آؤ تو اپنے عمل اور نفس سے نظر اٹھا کر آیا کرو۔ نادار مفلس آیا کرو۔ جب تم اپنے عمل اور نفس کو دیکھتے ہوئے آؤ گے تو اس (نعمت) سے محروم رہو گے جس کی طرف میں اشارہ کر رہا ہوں۔ تمہاری خرابی ہو۔ مجھ سے اس لیے بغض رکھتے ہو کہ میں حق بات کہتا ہوں اور تمہاری حقیقت کھول دیتا ہوں۔ مجھ سے تو دشمنی میں بغض رکھتا ہے اور مجھ سے وہی ناواقف ہے جو خدائے بزرگ و برتر سے ناواقف' زیادہ بات اور تھوڑا عمل کرنے والا ہو۔ اور مجھ سے وہی محبت کرے گا جو خدائے بزرگ و برتر سے واقف' بہت عمل کرنے والا اور تھوڑی بات کرنے والا ہو۔ مخلص مجھ سے محبت کرتا ہے اور منافق مجھ سے بغض رکھتا ہے۔ سنی مجھ سے محبت کرتا ہے اور بدعتی مجھ سے بغض رکھتا ہے۔ اگر تم مجھ سے محبت کرو گے تو اس کا سارا فائدہ تمہیں ہی پہنچے گا اور اگر تم مجھ سے بغض رکھو گے تو اس کا سارا نقصان تمہیں ہی پہنچے گا۔ میں تو لوگوں کی تعریف اور برائی کو کچھ بھی نہیں جانتا۔ زمین کی سطح پر کوئی نہیں جس سے میں ڈروں یا کوئی امید رکھوں۔ جنوں' انسانوں' حیوانوں' زمین پر رینگنے والوں اور پیدا ہونے والی کسی بھی چیز سے ماسوائے اللہ تعالیٰ کے میں نہیں ڈرتا۔ اللہ جتنا مجھے اطمینان دلاتا ہے اتنا ہی ڈر بڑھتا ہے کیونکہ وہ جو چاہے کر ڈالے۔ جو کرے اس سے کوئی پوچھ نہیں اور باقی سب سے پوچھ ہونی ہے۔

اے صاحبزادے! اپنے بدن کے کپڑے دھونے میں نہ لگے رہو۔ کہ تمہارے دل کے کپڑے میلے کچیلے پڑے رہیں۔ پہلے دل کو دھوؤ۔ پھر کپڑوں کو دھوؤ۔ دونوں کی دھلائی اور پاکی اکٹھی کرو۔ اپنے کپڑوں کی میل دھوؤ اور اپنے دل کو گناہوں سے دھوؤ۔ کسی بھی چیز سے دھوکا نہ کھاؤ اور مغرور نہ ہو چونکہ تمہارا پروردگار جو چاہے کر سکتا ہے۔ کسی بزرگ سے نقل ہے کہ وہ اپنے ایک دینی بھائی سے ملنے گیا اور کہا۔ اے بھائی۔ آؤ۔ ہم اپنے متعلق علم الٰہی پر روویں۔ (کہ نہ معلوم ہمارے خاتمہ کے متعلق کیا طے فرمایا ہے) اس بزرگ نے کتنی اچھی بات کہی۔ حقیقت میں وہ عارف اللہ تھے۔ اور انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد سنا تھا کہ تم میں سے ایک جنتیوں کے سے عمل کرتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کے اور جنت کے درمیان صرف ایک دو ہاتھ کا فاصلہ ہے (یعنی مرنے میں)۔ کہ تقدیر کا لکھا غلبہ کرتا ہے اور وہ جہنمیوں (یعنی کفر) کا عمل کر بیٹھتا ہے جس کی وجہ سے دوزخ میں چلا جاتا ہے۔ اسی طرح ایک جہنمیوں کے کام کرتا رہتا ہے۔ حتیٰ کہ اس کے اور آگ کے درمیان صرف ایک دو ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے کہ تقدیر کا لکھا غلبہ کرتا ہے اور وہ جنتیوں کے عمل کرتا ہے اور اس کی وجہ سے وہ جنت میں چلا جاتا ہے۔ (الحدیث) تمہارے بارے میں اللہ کا علم اس وقت ظاہر ہو سکتا ہے جب تم اپنے پورے دل اور اپنی پوری ہمت سے اس کی طرف رجوع کرو۔ اور اس کی رحمت کے دروازہ کو لازم پکڑ لو۔ اپنے اور اپنی لذتوں کے درمیان ایک لوہے کی دیوار کھڑی کر دو۔ اور قبر اور موت کو اپنے سر کی آنکھوں اور اپنے دل کے پیش نظر رکھو اور خیال رکھو کہ خدائے بزرگ و برتر کی نظریں تمہاری طرف ہیں اور وہ تمہیں جانتے ہیں اور تمہارے پاس موجود ہیں۔ اور فقر کو امارت سمجھو اور افلاس پر راضی رہو۔ اور (اللہ کی) حدود کی حفاظت کے

ساتھ تھوڑے پر قناعت کرو اور یہی شریعت کے حکموں کی تعمیل ہے۔ اور منع کی ہوئی چیزوں سے رک جانا ہے۔

آقا کے سامنے اختیار اور ارادہ نہیں ہوتا

جو بھی تقدیر سے تم پر وارد ہو۔ اس پر صبر کرو۔ جب تم اس پر قائم ہو جاؤ گے تو اپنے پروردگار سے ملو گے اور اپنے باطن سے حضوری پاؤ گے۔ اس وقت تم پر ایسی چیزیں کھلیں گی جن کو تم یقین کی نگاہ سے دیکھو گے اور صبر کرو گے۔ جیسا امیر المومنین حضرت علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ' نے فرمایا کہ اگر (غیب کا) پردہ اٹھا دیا جائے تو میرے یقین میں اضافہ ہو گا (یعنی چھپی چیزوں کا جو یقین اس وقت حاصل ہے وہ مشاہدہ کے یقین سے کم نہیں ہے)۔

کسی شخص نے پوچھا۔ آپ نے اپنے پروردگار کو دیکھا ہے؟۔ فرمایا۔ میں ایسے پروردگار کی پرستش ہی کرنے والا نہیں ہوں جس کو میں نے دیکھا نہ ہو۔ کسی بزرگ سے پوچھا گیا کہ آپ نے اپنے پروردگار کو دیکھا ہے؟۔ کہا اگر اس کو نہ دیکھتا تو کبھی کا پاش پاش ہو جاتا۔ اگر کوئی کہے۔ اس کو دیکھنے کی کیا صورت ہے تو میں کہوں گا کہ جب بندہ کے دل سے خلق نکل جاتی ہے اور حق تعالیٰ کے سوا باقی کچھ نہیں رہتا تو جس طرح چاہتا ہے۔ دکھاتا ہے اور نزدیک کرتا ہے۔ باطن سے ایسے ہی دیکھتا ہے جیسے ظاہر سے۔ اور ایسے دیکھتا ہے جیسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شب معراج میں دیکھا۔ (اگرچہ دونوں کے دیکھنے میں بہت فرق ہے مگر نوعیت ایک ہے)۔ جس طرح وہ چاہتے ہیں اپنے آپ کو اس بندہ کو دکھاتے ہیں۔ نزدیک کرتے ہیں۔ اس سے نیند کی حالت میں بات کرتے ہیں اور کبھی بیداری میں بھی اس کے دل اور باطن سے بات کرتے ہیں۔ کبھی اس کے وجود کو قبض کر لیتے ہیں۔ تو اللہ کو اس کی شان ظاہری پر دیکھتا ہے اور ایک دوسرے معنی بھی دیتا ہے جس سے اس کی صفات' اس کی کرامات' اس کے فضل و احسان اور اس کے لطف و کرم کو دیکھتا ہے۔ اس کے حسن سلوک اور آغوش حفاظت کو دیکھتا ہے۔ جس کی عبودیت ثابت ہو جاتی ہے۔ یہ نہیں کہتا کہ مجھے خود کو دکھا۔ مجھے (فلاں چیز) دے۔ فنا اور مستغرق ہو جاتا ہے۔ اس لیے بعض بزرگ جو اس درجہ کو پہنچ گئے تھے' کہتے تھے مجھ پر میری طرف سے ہے ہی کیا۔ کیا اچھی بات کہی جس نے کہا' میں اس کا بندہ ہوں اور بندہ کو آقا کے سامنے اختیار اور ارادہ نہیں ہوتا۔ ایک شخص نے ایک غلام خریدا اور یہ غلام دیندار اور نیک تھا۔ پھر (گھر پہنچ کر) پوچھا۔ اے غلام! کیا چیز کھانا چاہتے ہو؟ اس نے کہا جو کھلا دو۔ پھر کہا' کون سا کام کرنا پسند کرتے ہو؟ کہا۔ جس کا آپ حکم فرمائیں۔ تو وہ شخص رو پڑا اور کہنے لگا' خوش خبری ہو تمہیں۔ اگر میں اپنے پروردگار کے ساتھ ایسے ہوتا جیسے تم میرے ساتھ ہو۔ تو غلام نے کہا۔ اے میرے آقا! کیا غلام کو آقا کے سامنے ارادہ اور اختیار ہوتا ہے؟ کہنے لگا۔ تم اللہ کے لیے آزاد ہو۔ اور میں چاہتا ہوں کہ تم میرے پاس رہو۔ تاکہ میں اپنی جان اور مال سے تمہاری خدمت کروں۔ بے شک جو اللہ کو پہچان لیتا ہے اس کے لیے ارادہ اور اختیار باقی نہیں رہتا۔ اور یہی کہتا ہے کہ مجھ پر میری طرف سے ہے ہی کیا۔ اپنے کاموں میں اور اپنے سوا اوروں کے کاموں میں تقدیر سے نہیں لڑتا۔

توبہ کے ذریعے صلح کرو

اے اعتراض کرنے والو۔ اے لڑنے جھگڑنے والو۔ اے بے ادبو۔ سنو اور مجھ سے سنو کیونکہ میں اس گروہ

میں سے ہوں جنہوں نے انبیاء سے ادب سیکھا ہے۔ ان کی پیروی کرنے والوں اور ان کی سیرت کو بلند کرنے والوں میں سے ہوں۔ جس کتاب اور سنت کی موافقت کا حکم کرتا ہوں۔ پھر ہر اس (ولی کامل کی موافقت کا) جس کو ایسا دل ملا ہے جس کو اللہ سے نزدیکی حاصل ہے اور اس پر میرے کیے (بے ادبی اور تقدیر سے جھگڑا) کا اندیشہ نہیں۔ ایسے اللہ کے بندے شاذو نادر ہی ہوتے ہیں جو مخلوق خدا سے بے رغبتی اختیار کرتے ہیں اور قرآن پڑھنے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام پڑھنے سے جی لگاتے ہیں۔ تولا محالہ ان کے دل اللہ تعالیٰ سے لو لگانے والے اور نزدیکی والے ان کا عمل ہوگا اور اس کا پتہ ان کا علم۔ سارے اعمال اچھی اور بری صورتیں قبول کریں گے۔ پرہیز گاری کی کنجی توبہ کرنا اور اس پر قائم رہنا ہے اور خدائے بزرگ و برتر سے نزدیکی کی کنجی ہے اور توبہ ہی بھلائی کی اصل اور فرع ہے۔ اسی واسطے بزرگوں نے اس سے کسی بھی طرح کاہلی نہیں برتی۔ اے (خدا سے) پیٹھ پھیرنے والو! توبہ کرو۔ اے نافرمانو! اپنے پروردگار سے توبہ کے ذریعہ صلح کرو۔ یہ دل خدائے بزرگ و برتر کے قابل نہ ہوگا جبکہ اس میں ذرہ بھر بھی دنیا اور مخلوق میں سے کسی ایک کا طمع موجود ہو۔ پس اگر تم اسے صحیح کرنا چاہتے ہو تو ان دونوں چیزوں کو اپنے دلوں سے نکال باہر کرو اور اس سے تمہارا نقصان نہ ہوگا۔ کیونکہ جب تم واصل باللہ ہو جاؤ گے تو تمہارے پاس دنیا اور مخلوق (دونوں خود خادم بن کر) آئیں گے اور تم اللہ کے ساتھ اس کے دروازہ پر ہوگے۔ یہ آزمودہ چیز ہے۔ دنیا سے کنارا کرنے والے اور اسے چھوڑنے والے اور پرہیز گار سب آزما چکے ہیں۔

اے صاحبزادے! تمہارے لیے نیک عمل، نماز، روزہ، حج اور زکواۃ میں خدائے بزرگ و برتر کے لیے اخلاص لازم ہے۔ اس تک پہنچنے سے پہلے اس سے عہد لے لو۔ یہ عہد کیا ہے؟ یہی اخلاص، توحید، اہل سنت والجماعت (کے عقائد) اور صبر و شکر، تسلیم (و رضا بخدا) اور مخلوق کو چھوڑنا اور (محض) اس کو ڈھونڈنا اور دوسروں سے منہ پھرنا اور اپنے دل اور باطن سے خدا کی طرف منہ کرنا۔ پس (اگر تم ان باتوں کے پابند ہو جاؤ تو عہد کے مطابق حق تعالیٰ) لامحالہ تمہیں دنیا میں نزدیکی عطا کریں گے اور سب سے بے نیازی اور اپنی محبت اور اپنا شوق اور آخرت میں تمہیں اپنی نزدیکی اور اپنی نعمت سے وہ چیزیں دیں گے جن کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا اور نہ کسی کان نے سنا اور نہ کسی انسان کے دل پر گزریں۔ اس لیے اپنے پروردگار سے تعلق قائم کرو۔ پھر جب شیطان تمہارے پاس آئے۔ تمہیں پھرائے اور تمہیں بدلے تو تم اللہ سے فریاد کرو۔ جیسے تم سے پہلے لوگ فریاد کرتے رہے۔ اپنا عمل سنوارو۔ پھر اپنے پروردگار سے حسن ظن رکھو۔ اس سے حسن ظن اس کا کہا ماننے کے ساتھ رکھو۔ وہ تمہارے بہت سے کام سنوار دے گا۔ خدائے بزرگ و برتر سے اور اس کے نبیوں سے اور اس کے رسولوں سے اور اس کے بندوں سے حسن ظن رکھو اس میں بڑی بھلائی ہے۔

ذکر کی مجلسوں میں بیٹھو

اے صاحبزادے! تو صوفی ہونے کا دعویٰ کرتا ہے اور تو گندلا ہے۔ صوفی وہ ہے جس نے اللہ کی کتاب اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی پیروی کر کے اپنے باطن اور ظاہر کو (ہر میل کچیل سے) صاف کر لیا۔ انہی دو چیزوں سے صفائی بڑھے گی اور وہ اپنے وجود کے سمندر سے نکلے گا اور اپنے ارادہ اور اختیار کو چھوڑے گا۔ جس

کا دل صاف ہو جاتا ہے اس کے اور اس کے خدائے بزرگ و برتر کے درمیان نبی کریم صلی اللہ علیہ (اس طرح) سفیر بن جاتے ہیں جس طرح (ان کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان) وحی حق کے سلسلہ میں جبریل علیہ اسلام تھے۔ اور یہ، ہر قول اور فعل میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی سے ہوتی ہے۔ جب بندہ کا دل صاف ہو جاتا ہے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتا ہے۔ کسی بات کا اس کو حکم فرماتے ہیں اور کسی چیز سے اس کو منع کرتے ہیں۔ وہ سارے کا سارا دل بن جاتا ہے اور جسم معزول ہو جاتا ہے۔ سرتاپا باطن ہو جاتا ہے، بلا ظاہر اور صفا بلا کدورت سب کا دل سے نکال دینا گڑے پہاڑوں کا اکھاڑنا ہے۔ جس کے لیے مجاہدوں کے کدالوں، مصائب و آفات پر صبر و تحمل اور آفات و بلیات کو زائل کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔

خبردار! ایسی چیز نہ طلب کرو۔ جو تمہارے ہاتھ نہ پڑے۔ خوشخبری ہو تمہارے لیے کہ تم سیاہ و سفید (احکام شریعت) پر عمل کر لو اور (سچے) مسلمان بن جاؤ۔ خوشخبری ہو تمہارے لیے کہ قیامت کے دن مسلمانوں کی جماعت میں آجاؤ اور کافروں کی ٹولی میں نہ رہو۔ خوشخبری ہو تمہارے لیے کہ جنت کی زمین اور اس کے دروازہ پر بیٹھنا مل جائے اور جہنم والوں میں نہ ہو۔ تواضع کرو، تکبر نہ کرو، تواضع بلند کرتی ہے اور تکبر پست کرتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے اللہ تعالیٰ کے لیے تواضع کی، اللہ تعالیٰ اسے بلند کریں گے۔ اللہ کے ایسے بندے (اب بھی) موجود ہیں جو پہاڑوں کے برابر نیک اعمال کرتے ہیں۔ ایسے اعمال جیسے کہ پہلوں نے کیے اور خدائے بزرگ و برتر کے سامنے تواضع کرتے اور کہتے، ہمارا کوئی عمل نہیں جو ہمیں جنت میں داخل کر دے۔ اگر ہمیں جنت میں داخلہ مل گیا تو خدائے بزرگ و برتر کی رحمت سے، اور اگر ہمیں جنت میں داخل نہ فرمایا گیا تو یہ بھی اس کا عدل و انصاف (کہ فی الفور ہم اس کے قابل نہ تھے) وہ ہر وقت اس کے سامنے اخلاص کے پاؤں پر کھڑے رہتے ہیں (نیک اعمال سے خالی سمجھتے ہوئے اور اس کی نگاہ عفو و کرم کا انتظار کرتے ہوئے) توبہ کرو اور اپنی کوتاہی کو مان لو۔ توبہ اللہ تعالیٰ کی (دی ہوئی) زندگی ہے۔ اللہ زمین کو اس کے مردہ ہونے کے بعد بارش سے زندہ کرتا ہے اور دلوں کو موت کے بعد توبہ اور بیداری کے ساتھ زندہ کرتا ہے۔

اے نافرمانو! توبہ کرو۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامید نہ ہو اور اس کے فضل سے مایوس نہ ہو۔ اے مردہ دلو! ہمیشہ خدائے بزرگ و برتر کو یاد کرو اس کی کتاب کی تلاوت کرو۔ اس کے رسولؐ کی سنت کی پیروی کرو اور ذکر کی مجلسوں میں حاضر ہوتے رہو۔ یقیناً یہ چیز تمہارے دلوں کو اس طرح زندہ کر دے گی جیسے مردہ زمین کو بارش پڑنے سے زندگی مل جاتی ہے۔ ذکر کی ہمیشگی دنیا اور آخرت میں نجات کا سبب بنتی ہے۔ جب دل صحیح ہو جاتا ہے تو اس میں ذکر دائمی قائم ہو جاتا ہے۔ اس کے سارے دل اور اس کی اطراف میں لکھا جاتا ہے۔ چنانچہ اس کی آنکھیں سوتی ہیں اور اس کا دل اپنے خدائے بزرگ و برتر کو یاد کیا کرتا ہے۔ یہ اس کو اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے میراث میں ملتی ہے جو ہر وقت اللہ تعالیٰ کو یاد کیا کرتے تھے۔ ایک بزرگ کے پاس ایک تسبیح تھی۔ جس سے اللہ کا ذکر کیا کرتے تھے۔ ایک رات تسبیح پڑھتے پڑھتے سو گئے۔ مگر وہ ان کے ہاتھ میں رہی۔ اچانک (لوگوں نے دیکھا کہ) وہ ان کے ہاتھ میں چل رہی ہے۔ بغیر اس کے کہ وہ اسے چلائیں۔ اور ان کی زبان سے سبحان اللہ، سبحان اللہ نکل رہا ہے۔ اللہ والوں کا سونا اونگھ کے غلبہ سے ہوتا ہے اور ان میں بعض ایسے بھی ہیں کہ رات کے کچھ حصہ میں بہ تکلف سوتے ہیں تاکہ اس سے رات کے بقیہ حصہ میں جاگنے کے لیے مدد ملے۔ وہ نفس کو اس کا حق دیتے ہیں تاکہ اسے سکون ہو جائے۔ اور تکلیف نہ دے۔ ایک بزرگ کی تو یہ شان تھی کہ

رات میں نیند کو بلایا کرتے اور اس کا بلا ضرورت سامان کیا کرتے۔ کسی نے ان سے اس کی وجہ پوچھی تو کہا' مجھے خدائے بزرگ و برتر اپنا دیدار کراتے ہیں۔ سچ بات کہی' کیونکہ سچا خواب اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی ہوتا ہے۔ چنانچہ ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک سونے میں تھی خدائے بزرگ و برتر کے مقرب پر ہر وقت (اس کی حفاظت کے لیے) فرشتے مقرر ہوتے ہیں۔ اگر وہ سو جاتا ہے تو اس کے سر کے قریب اور پاؤں کے پاس بیٹھے رہتے ہیں اور اس کی آگے اور پیچھے سے حفاظت کرتے ہیں۔ شیطان ایک طرف رہتا ہے۔ مقرب کو اس کے پاس ہونے کا احساس بھی نہیں ہوتا۔ اللہ اس کی حفاظت کرتا ہے۔ وہ اللہ کی حفاظت میں سوتا اور اللہ کی حفاظت میں ہی جاگتا ہے۔ اس کی حرکت اور سکون اللہ کی حفاظت میں ہوتے ہیں۔ اے اللہ! ہم کو ہر حال میں اپنی حفاظت میں رکھ اور ہمیں دنیا اور آخرت میں نیکی دے اور آگ کے عذاب سے بچا۔

دل جب صحیح ہو جاتا ہے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے کہ آدمی کے اسلام کی خوبی یہ ہے کہ لایعنی کاموں (جن میں نہ دنیا کا فائدہ ہو نہ دین کا) کو چھوڑ دے لایعنی کاموں میں مشغول ہونا (دنیا) طلب کرنے والوں اور ہوس کرنے والوں کا (پیشہ) ہے۔ محروم وہ ہے جس نے وہ نہ کیا جس کا (اللہ تعالیٰ کی طرف سے) حکم کیا گیا تھا۔ یہی اصل محرومی' پوری بیزاری اور مکمل سقوط ہے۔ اے صاحبزادے! حکم کی تعمیل کرو۔ منع کی ہوئی چیز سے باز رہو اور (مشیت ایزدی) کی موافقت کرو پھر بلا چوں و چرا خود کو دست تقدیر کے حوالہ کر دو۔ یہ جانتے ہوئے کہ تمہارے خدائے بزرگ و برتر کی نظر خود تمہاری اپنی نظر سے بہتر ہے اس کی عطا پر قناعت کرو۔ اور اس پر شکر میں لگے رہو۔ اور اس سے زیادہ نہ طلب کرو۔ کیونکہ تم نہیں جانتے کہ تمہارے لیے خیریت کس چیز میں ہے۔ زہد' زاہدوں اور فرمانبرداروں کی راحت ہے۔ زہد کا بوجھ بدن پر اور معرفت کا دل پر ہوتا ہے اور قرب کا بوجھ باطن پر ہوتا ہے۔ زہد اختیار کرو قناعت کرو' شکر کرو اور اپنے خدائے بزرگ و برتر سے راضی رہو۔ اور اپنے نفس سے راضی نہ رہو۔ دوسروں کے ساتھ حسن ظن رکھو۔ دوسروں کا غم چھوڑو اور اپنے نفس کے ساتھ حسن ظن مت رکھو۔ لذتوں کو چھوڑ دو۔ اللہ اس کے ساتھ ہوتا ہے۔ بہت مجاہدوں اور ریاضتوں کے بعد رسائی ہوتی ہے اور جو اس مقام تک پہنچ جائے وہ زمین میں حق تعالیٰ کا نائب اور اس میں اس کا خلیفہ ہوتا ہے۔ یہ بھیدوں کا دروازہ ہے۔۔ اس کے پاس دلوں کے خزانوں کی کنجیاں ہیں جو حق تعالیٰ کے خزانے ہیں۔ یہ چیز مخلوق کی عقل سے بالا ہے۔ جو اس سے ظاہر ہوتا ہے' اس کے پہاڑ کا ایک ذرہ ہے اور اس کے سمندر کا ایک قطرہ ہے اور اس کی روشنی سے ایک چراغ ہے۔ اے میرے اللہ! میں آپ سے عذر کرتا ہوں۔ اور اس کی قدرت کہاں؟ لیکن جب میں اس درجہ تک پہنچ گیا تو تم سے غائب ہو جاتا ہوں۔ چنانچہ میرے دل کے مقابلہ میں کوئی چیز باقی نہیں رہتی جو اس کی طرف عذر کرے اور اس سے محفوظ رکھے۔ یہ دل جب صحیح ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے دروازہ پر اپنے پاؤں جما لیتا ہے تو تکوین کے صحرا اور اس کی دیواروں پر گر پڑتا ہے اور اس کے سمندر میں کبھی اپنے کلام سے ہوتا ہے اور کبھی اپنی ہمت سے اور کبھی اپنی نظر سے (یہ سب) اللہ تعالیٰ کا فعل ہو جاتا ہے اور وہ ایک طرف علیحدہ ہو جاتا ہے۔ اس کے بقایا کو وہ باقی رکھتا ہے۔ تم میں تھوڑے ہیں جو اس کی مانیں۔ اور تم سے اکثر اس کو ایمان سے جھٹلاتے ہیں۔ یہ ولایت ہے اور اس پر عمل کرنا منتہی ہے۔

حضرت محبوبِ سُبحانیؒ کے
عرفانی مکتوبات

شعاعِ نور
دِل کا سُرور

زاہد عامر مُنیر

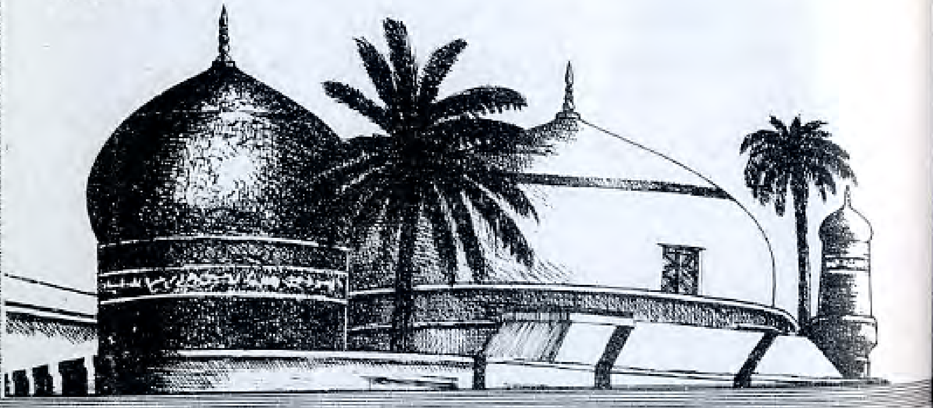

تاریخ اسلام اپنے اولین عہد کمال کے اختتام پر پانچویں صدی ہجری تک سیاسی و فکری ضعف و اضمحلال کی حدوں کو مس کرتی دکھائی دیتی ہے۔ خلق قرآن' اعتزال' فلاسفہ' الحادیوں اور باطنیوں کی موشگافیوں نے اہل اسلام کے دلوں میں تشکیک کی نقب لگا رکھی تھی۔ لیکن بمصداق۔

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغ مصطفوی سے شرار بو لہبی

ایسے میں فکری و علمی سطح پر جہاں غزالی جیسا مصلح سامنے آیا وہاں عملی کوتاہیوں کے ازالے کے لیے شیخ عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کی صورت میں رحمت الٰہی کا ظہور ہوا۔

شیخ نے اپنے مواعظ' تصنیفات اور عمر بھر کی مساعی جمیلہ کے ذریعے مسلم معاشرے کی بے عملی و کجروی کا علاج کیا۔ ان کی تصنیفات ایک خاص انداز اور اسلوب کی حامل ہیں' لیکن قدما کی تصانیف کے ان کی جانب انتساب میں صداقت و عدم صداقت کا جو سوال بالعموم قاری اور تصنیف کے درمیان حائل رہتا ہے' مکتوبات حضرت محبوب سبحانی بھی اس سے محفوظ نہیں تاہم ان کا انداز و اسلوب ان کے حضرت غوث الاعظم کی جانب

انتساب میں ایک گونہ اطمینان پیدا کر دیتا ہے۔

شیخ کے یہ مکتوبات نہایت دقیق عرفانی مباحث سے مملو ہیں لیکن کچھ تو مکاتیب کے عربی اسلوب اور کچھ ترجمے کے انغلاق کی وجہ سے رشتہ معانی جابجا ہاتھ سے چھوٹ جاتا ہے۔ اس لیے ہم نے ان کے مطالب کو عام قاری کے لیے سہل کر کے پیش کرنا چاہا ہے لیکن اس تسہیل سے یہ مراد نہیں کہ اس میں کوئی مشکل لفظ نہیں۔ بلکہ تسہیل' معانی کی تفہیم کے لیے کی گئی ہے نہ کہ الفاظ کی۔

جملوں کا گراں بار تسلسل توڑنے سے معانی ضبط ہو جانے کا اندیشہ تھا اس لیے ہم نے جملوں کی طوالت کو جابجا روا رکھا ہے۔ یہ مکاتیب دو سو پچھتر آیات قرآنی سے مزین ہیں۔ تسہیل کا تقاضا تھا کہ مفاہیم کو متن میں جذب کر دیا جائے کہ شیخ کا پیغام قرآن پاک ہی کا پیغام ہے اور ان کا انداز و اسلوب بھی قرآن کے اسلوب و انداز سے ہی ماخوذ ہے۔ تاہم بعض مقامات پر آیات قرآنی کا مکمل ترجمہ' عبارت کے تسلسل میں درج ہے۔ ایسے مقامات پر صراحت کے لیے واوین کا امتیاز پیدا کر دیا گیا ہے۔ بعض مقامات پر ترجمے کی عبارت کو واضح کرنے کی غرض سے ہم نے اپنی جانب سے چند الفاظ ایزاد کرنے کی ضرورت محسوس کی ہے۔ ایسے مقامات پر اضافی الفاظ کو قوسین میں محدود کر دیا ہے۔

ان وضاحتوں اور اپنی علمی کم مائیگی کے اعتراف کے ساتھ حضرت شیخ کے عرفانی خطوط کو سہل عبارات میں منتقل کر کے اہل نظر کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے۔ اللھم ارنا الحق ولیدی السبیل۔

پہلا خط

اے عزیز! جب اللہ تعالیٰ کے فضل سے چیزوں کی حقیقت ظاہر ہونے لگتی ہے اور اس کے کرم سے' اس حقیقت کو (اس کے) خاص بندے سمجھنے لگتے ہیں تو حقیقت کو پہچان لینے والوں کے سینوں میں شوق کا ایک بے پایاں طوفان اٹھ کھڑا ہوتا ہے۔

فکر اپنی تمام تر بلند پروازی کے باوجود اعتراف عجز کرتی ہے' عقل کو اپنی نارسائی کا احساس ہو جاتا ہے اور ارادے اپنی کم مائیگی کو پا لیتے ہیں تو بتائید ایزدی زبان سے دعا نکلتی ہے۔ "اے پروردگار مجھے مبارک منزل میں اتارنا۔ تو ہی سب سے اچھا منزل پر اتارنے والا ہے۔" پس جن لوگوں نے بھلائی کی انہیں قرب کے جام شیریں سے نوازا جاتا ہے۔ بلاشبہ یہ مقام بڑی بادشاہی' دولت سرمدی اور دوام کا مقام ہے۔

دوسرا خط

اے عزیز! اپنے باطن کے جوہر کو ریاضت اور خوف خدا کی تپش سے کندن بنا تاکہ حق تعالیٰ راہ راست کی طرف تیری راہنمائی کر سکے' تو جنت کا حق دار ہو سکے اور "دین خالص" کی دولت حاصل کر سکے اور ممکن ہے کہ تجھے بھی اس نور میں سے کچھ حصہ مل جائے جو اسلام کے لیے کشادہ کر دیے جانے والے سینوں سے مخصوص ہے اور ممکن ہے کہ تجھے بھی اپنی دعاؤں کے جواب میں آنے والی آواز سنائی دینے لگے اور تو دنیا کی پستیوں سے نکل کر

بہتر اور باقی رہنے والی آخرت کی بلندی کو پا لے' اور تجھے اپنے خالق کے اپنی شہ رگ سے بھی زیادہ نزدیک ہونے کا احساس ہو جائے تو شرک سے بچ جائے اور تجھے سلامت طبع حاصل ہو جائے اور وہ خاص علم جس سے پیدا ہونے والی نیکی تمہیں رحمت خداوندی کا مستحق بنا دے اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے تمہارا بھی فیض جاری ہو جائے اور تمہیں خوف اور غم سے نجات کی خوش خبری ملے اور جنت نعیم جس میں کہ تم حسب منشا زندگی گزار سکو گے۔

تیسرا خط

اے عزیز! قیامت کے دن سے ڈر اور علام الغیوب کا سامنا کرنے کی فکر کر' جانوروں کی طرح نفسانی لذتوں میں زندگی نہ گزار بلکہ یاد الٰہی میں اوقات عزیز کو صرف کر اور دل کی آنکھوں سے قیامت کے دن کا مشاہدہ کر شاید تو لطف الٰہی کا سزاوار ٹھہرے اور دنیاوی زندگی سے جو محض لہو و لعب ہے تیرا دل اٹھ جائے اور تو نیکی میں سبقت لے جانے والا بن کر تیزی سے بلند درجات کی طرف بڑھے تاکہ تجھے تائید الٰہی حاصل ہو اور تو نفس امارہ اور شیطان پر غالب آ جائے۔ تیرا طائر روح اپنی بلند پروازی سے قرب الٰہی کا ثمر حاصل کر لے۔ تجھے نورانی دماغ حاصل ہو اور آنکھوں کے سامنے سے تعینات کے پردے اٹھ جائیں اور تو بارگاہ صمدیت کے راز کو پا لے۔

چوتھا خط

اے عزیز! "کیا تم آخرت کو چھوڑ کر دنیاوی زندگی پر راضی ہو بیٹھے ہو" اور تمہیں نہیں معلوم کہ "جو شخص دنیا میں اندھا رہا اور وہ آخرت میں اندھا رہے گا اور کیا تجھے حساب کے قریب آ جانے کی خبر نہیں؟ کیا تو نہیں جانتا کہ جو زمانے کی کھیتی چاہتا ہے اللہ تعالیٰ اسے یہ دے ہی دیتے ہیں لیکن آخرت میں اسے کچھ نہیں ملتا۔ آخر تو کب تک غفلت کے جنگلوں میں بھٹکتا رہے گا۔ اب تجھے چاہیے کہ توبہ اختیار کر لے اللہ کی طرف جو زمین و آسمان کا پیدا کرنے والا ہے' وہ مہربان ذات "اپنے بندوں کی توبہ کو قبول اور ان کی برائیوں کو معاف کرتی ہے" تاکہ ذات باری کے نفیس راز تجھ پر منکشف ہوں اور عنایت الٰہی کا قاصد تیرے لیے اس کی محبت کی خوشخبری لائے۔ بے شک ایسی حالت میں بندوں کو خوف اور ڈر سے بری کر دیا جاتا ہے۔

پانچواں خط

اے عزیز! جب وجود میں پوشیدہ اسرار کو پہچان لیا جائے تو دل ہدایت کے نور سے منور ہو جاتا ہے۔ اس وقت عقل اور حقیقت کے درمیان حائل پردے اٹھ جاتے ہیں اور فہم انسانی عالم قدس کے انوار کو دیکھ کر ششدر رہ جاتی ہے اور فکر حیرت زدہ۔ غلبہ شوق راہ طلب میں "انس" کے مقام پر پہنچا دیتا ہے۔ "بے شک اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر فضل کرتا ہے اور انہیں اپنی معیت کی نعمت سے نوازتا ہے۔"

جب بندہ معیت کے راز سے واقف ہو جاتا ہے تو اپنی ہستی کو کم کر دیتا ہے اور نیستی کے دریا میں غوطہ لگا کر توحید کا موتی حاصل کر لیتا ہے لیکن اس راہ میں سالک کو کئی مرحلوں سے گزرنا ہوتا ہے۔ پھر جب وہ اپنے پروردگار سے بخشش کا طلب گار ہوتا ہے اور اپنی جان پر ظلم کا اعتراف کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی رحمت اسے

منجدھار سے نکال کر ساحل مراد تک پہنچا دیتی ہے اور تب اسے "فاوحی الی عبدہ مااوحی" (اور اس نے اپنے بندے کی طرف وحی بھیجی جو بھیجی) اور لقد رای من آیات ربہ الکبریٰ (بے شک اس نے اپنے پرودگار کی بڑی علامتیں دیکھی ہیں) کے معانی معلوم ہو جاتے ہیں۔

چھٹا خط

اے عزیز! جب اللہ تعالیٰ (اپنی رضائے خاص سے) کسی کو برگزیدہ کر دیتا ہے تو اس کا دل جذبات عنایت و ولایت سے بھر جاتا ہے اور وہ اپنی ریاضت سے نفس امارہ پر قابو پالیتا ہے اور مجاہدے کے ذریعے مرض و ہوس سے محفوظ رہتا ہے اور اپنی خواہشات پر اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کو فائق رکھتا ہے۔ وہ اپنے ارادے اور اختیار اور رسوم و عادات کو خشیت الٰہی کے جذبے پر قربان کر دیتا ہے اور اس کا ماضی (کا کردار) یکسر تبدیل ہو جاتا ہے۔ جب غیر اسلام کا اندیشہ اس کے دل سے نکل جاتا ہے اور عنایت پروردگار سے وہ ہدایت پالیتا ہے تو اس کی روح کا باغ سراسر معطر ہو جاتا ہے اور اس کے وجود کے انگ انگ پر ایمان لکھا جاتا ہے (پھر) جس دن زمین کی صورت بدل جائے گی اور پہاڑ بادلوں کی طرح اڑتے پھریں گے اور صور پھونکا جائے گا اس دن اس نور الٰہی کا راز ظاہر ہو گا' جس کے چمکنے سے تجلیوں کے آئینے دکھائی دینے لگتے ہیں۔ اس دن (اللہ کے برگزیدہ بندوں کو) "فزع اکبر" بھی غم زدہ نہیں کر سکے گا اور ان کے لیے عزت و احترام ہو گا اور بہشت کے دروازے کھول کر کہا جائے گا "تم پر سلام ہو تم مزے میں رہے اور اس میں ہمیشہ کے لیے داخل ہو جاؤ۔" اور وہ اس کے جواب میں کہیں گے "اللہ کا شکر ہے جس نے جو وعدہ ہم سے کیا تھا اسے سچ کر دکھایا ہمیں زمین کا وارث بنایا ہم جنت میں حسب منشا ٹھکانا بناتے ہیں۔ کام کرنے والوں کو کیا ہی عمدہ اجر ملتا ہے۔"

ساتواں خط

اے عزیز! دنیوی زندگی کے عالم غرور سے آگے نکل جا "کہیں ایسا نہ ہو کہ دنیوی زندگی تجھے دھوکے میں ڈال دے" اور اہل حضور کے مرتبوں کو یاد کر جن کے چہروں میں بہشت کی سی تر و تازگی ہو گی' اس سے تیری روح میں جنت نعیم کی خوشبو پہنچے گی۔ وہ لوگ (اہل حضور) جو مہر لگی ہوئی خالص شراب پیتے ہیں اگر اس جام جہاں نما کا ایک گھونٹ تیرے حلق میں ڈال دیں تو پروردگار کی طرف سے آنے والے حقائق کی باریکیاں تجھ پر منکشف ہو جائیں تو "اللہ کے سوا کسی اور کو نہ پکار (کہ اس کے سوا) تجھے (کسی سے) فائدہ پہنچ سکتا ہے نہ نقصان۔" پھر تو "میرے ان بندوں کو خوش خبری دے جو قول (ربانی) کو سنتے ہیں اور ان میں سے اچھے عمل کرتے ہیں۔" "اور جیسا تجھے حکم ہوا ہے اس پر قائم رہ۔" "اور اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لے۔" "اور جان لے کہ فتح صرف اللہ کی طرف سے ہوتی ہے۔"

(تجھے چاہیے کہ) خوف اور امید رحمت کے درمیان زندگی گزارے۔ پس جو شخص اللہ تعالیٰ کے دیدار کی امید کرتا ہے اسے نیک عمل کرنے چاہئیں کہ (یہاں جو کچھ) تم کرو گے اس کے عوض آخرت میں درجات (بلند) ملیں گے۔

پس جو اپنی نماز' عبادت اور مرنے جینے کو رضائے الٰہی کے لیے مخصوص کر دے اس نے اپنا وعدہ پورا کر دیا

اسے خوشخبری ہو کہ اس کے لیے خوان نعمت کشادہ کر دیا جائے گا اور وہ آخرت کے روز خوف اور غم سے آزاد ہو گا۔

آٹھواں خط

اے عزیز! جب دل میں (باری تعالیٰ سے) محبت کا جذبہ بیدار ہوتا ہے تو وعدۂ الست کی یاد تازہ ہو جاتی ہے اور اس وعدے کی یاد سے (جدائی کے احساس سے) دل میں افسوس کی کیفیت اور عجز و انکسار پیدا کر دیتی ہے پھر غم و اندوہ کی اس کیفیت پر صبر کی تلقین غالب آجاتی ہے (لیکن) جذبات شوق' وجود میں طوفان برپا کیے ہوتے ہیں۔ عقل کی نارسائی کا احساس پیدا ہوتا ہے اور روح ندامت کے سمندر میں ڈوب جاتی ہے۔ پھر آخرت کے طلب گاروں سے اللہ تعالیٰ کا آخرت کی کھیتی کو زیادہ کر دینے کا وعدہ پورا ہوتا ہے۔ صبر کرنے والوں کو ان کے صبر کا صلہ عطا ہوتا ہے اور نعمتوں کا ایسا سلسلہ جو خرچ کرنے سے کبھی ختم نہ ہو گا۔

نواں خط

اے عزیز! خواہشات کی پیروی راہ خدا سے گمراہ کر دیتی ہے' اور ایسے شخص کی ہم نشینی اختیار نہ کر جس کا دل یاد الٰہی سے غافل ہو۔ جو لوگ ذکر الٰہی سے غافل ہیں ان کے دل سخت ہو چکے ہیں۔ تو ان سخت دلوں کی صحبت سے ہاتھ اٹھا لے۔

قیامت کے آنے سے پہلے پہلے وقت ہے کہ اپنے دل میں خشیت الٰہی پیدا کر لو کہیں ایسا نہ ہو کہ تم شیطان کے دھوکے میں آجاؤ کیونکہ کسی کو بھی یوں ہی نہیں چھوڑ دیا جائے گا۔

(دنیا میں) "اللہ تعالیٰ کے ایسے بندے بھی ہیں جنہیں خرید و فروخت بھی ذکر الٰہی سے باز نہیں رکھتی۔" ایسے لوگوں کی جستجو کر اور سب کچھ چھوڑ کر کعبہ مقصود کی طرف سر کے بل چل۔

سب کچھ اللہ پر چھوڑ کر سچوں کے ساتھ ہو جا۔ دنیا کی پستی سے بلند ہو جا جس کی زینت میں مال اور اولاد (جیسی چیز میں بھی) مہلک آزمائشیں ہیں۔ بے شک یہ تیرے لیے نصیحت ہے۔ جب تو عجز و انکسار سے بارگاہ الٰہی میں سیدھی راہ دکھانے کی درخواست کرتا ہے تو تیری شنوائی ہوتی ہے۔ بے شک اللہ کے دوستوں کو ڈر اور غم سے آزاد کر دیا جاتا ہے اور انہیں فتح و نصرت سے نوازا جاتا ہے۔

وہ اپنی راہ میں کوشش کرنے والوں کو ان کی محنت کے معاوضے سے نوازتا ہے اور اس کے منادی کرنے والے تجلی الٰہی کی خبر دیتے ہیں "بے شک آنکھیں اس کا ادراک نہیں کر سکتیں لیکن وہ آنکھوں کا ادراک کر سکتا ہے۔"

دسواں خط

اے عزیز! جب تک اپنی کوتاہیوں کا شدید احساس بھیگی آنکھوں کے ساتھ جبین ناز کو خاک بسر نہیں کرے گا تمہیں حقیقی مسرت حاصل نہیں ہو گی۔ تمہاری امیدیں بر آئیں گی نہ تمہیں قرب کی نعمت سے سرفراز کیا جائے گا۔ تمہیں کمال حاصل ہو گا نہ تمہارا دل اپنے پروردگار کی طرف حقیقی رجوع کی لذت سے بہرہ یاب ہو گا۔

تم دنیا کے فوائد میں جو محض چند روزہ ہے اور تمہاری آزمائش کے لیے ہے، الجھے رہو گے اور پروردگار کی بے پایاں نعمتوں سے حظ اندوز نہیں ہو سکو گے۔

گیارہواں خط

اے عزیز! جب دل سے توحید کا نور پھوٹنے لگتا ہے اور عین الیقین کا درجہ حاصل ہو جاتا ہے تو وجود کی تاریکی روشنی میں بدل جاتی ہے اور شب و روز کی آمدورفت کا راز کھل جاتا ہے۔ "اللہ تعالیٰ مومنوں کا دوست ہے وہ انہیں (بے علمی کی) تاریکی سے نکال کر (علم کی) روشنی میں لاتا ہے لیکن شیطان، بیوی بچوں کی محبت اور خواہش کے ذریعے (اللہ کے بندوں کے دلوں میں) نقب لگاتا ہے پھر انسان بے چینی کے عالم میں دم گھٹنے اور زبان میں گرہ پڑ جانے کی شکایت کرتا ہے اور اپنے گناہوں کی معافی چاہتا ہے تو اللہ جس کے پاس غیب کے خزانوں کی کنجیاں ہیں، اس کا پیغام رساں فرشتہ اسے بے غم ہو جانے اور گھبراہٹ سے آزاد ہو جانے کی اور غلبہ کی بشارت دیتا ہے اور اس کی مدد کی جاتی ہے۔ اس کے درجات بلند کیے جاتے ہیں اور دشمنوں کے مقابلے پر اسے فتح و نصرت سے نوازا جاتا ہے۔ بلاشبہ "اللہ ملک کا مالک ہے جس چاہتا ہے ملک دیتا ہے۔" "تیرے ہی ہاتھ میں بھلائی ہے واقعی تو ہر چیز پر قادر ہے۔"

بارہواں خط

اے عزیز! مال اور اہل و عیال کے حصار سے باہر نکل اور کارزار حیات میں پیچھے رہ جانے والوں کی بجائے آگے بڑھ جانے والوں کے ساتھ چل۔ بلاشبہ "نیکیوں میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے والے لوگ ہی بارگاہ الٰہی کے مقرب ہیں۔" ایسے لوگوں کے لیے اللہ کے ہاں بڑا مرتبہ ہے۔ بلاشبہ اللہ اپنے بندوں پر بڑا مہربان اور رحیم ہے۔ جب تمہیں پروردگار کی طرف سے دل کی بصیرت حاصل ہو جائے تو بلا تاخیر سیدھے راستے پر سر کے بل گامزن ہو جاؤ۔ پس (اگر ایسا کرو گے تو تمہارے لیے) گھنے باغ ہیں جن کے تلے نہریں بہتی ہیں اور بخشش کے درجات میں عمدہ رزق ہے۔ پس جو اللہ سے اپنے کیے گئے وعدے کو پورا کرے اور (اپنی) پیاری چیزوں کو راہ خدا میں صرف کر دے اس کے لیے اجر عظیم ہے۔

تیرھواں خط

بھائی جان! جب زمین و آسمان کا نور (یعنی ذات باری تعالیٰ) دل میں سما جائے تو اس سے دل کا آئینہ نورانی ہو جاتا ہے بالکل ایسے ہی جیسے چراغ دان میں چراغ جل رہا ہو اور یہ نور حدود مکانی کا پابند نہیں ہوتا۔ اس سے فکر جلا پاتی ہے جیسے آسمان تاروں سے زینت پاتا ہے۔

حضوری کی کیفیت چاند کی طرح نور الٰہی کے افق سے طلوع ہوتی ہے اور اعلیٰ بروج میں عروج پاتی ہے (وہ لوگ جو) تھوڑی رات (نیند) لے کر جاگتے ہیں اور استغفار کرتے ہیں ان کی اللہ تعالیٰ اپنی مرضی سے نور کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ (بلاشبہ) "جسے اللہ چاہے وہی ہدایت پاتا ہے۔"

جس طرح سورج اور چاند اپنے اپنے مدار کے پابند ہیں (اسی طرح) ہدایت جسے دی جاتی ہے (اسی کو) ملتی ہے۔ اللہ تعالیٰ انسان کو سمجھانے کی خاطر مثالیں بیان فرماتا ہے۔ وہ تمام خبروں سے واقف ہے۔

چودھواں خط

اے عزیز! جب پہچان کا سفر مکمل ہوتا ہے اور محبت تکمیل کی راہ پاتی ہے تو رضائے الٰہی کے اتمام کا اعلان کر دیا جاتا ہے۔ پس "جس کا سینہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کے لیے کھول دیا ہے وہ اپنے پروردگار کی طرف سے نور پر ہے۔" اور ایسے ہی لوگوں کے لیے حق اور عین الیقین کے مدارج ہیں اور انہی کے لیے ارض و سما کے خزانوں کا راز منکشف کیا جاتا ہے اور زمین کا، جس میں مومنوں کے لیے نشانیاں ہیں۔ (صرف یہی نہیں بلکہ تمہارے اپنے وجود میں پوشیدہ نشانیوں سے بھی وہ تمہیں) باخبر کرتا ہے پھر تم جدھر رخ کرو اس طرف اللہ کا چہرہ ہے۔

(بے شک) اللہ اپنے بندوں پر مہربان ہے اور "وہ نیکوکاروں کے اجر کو ضائع نہیں کرتا۔" وہ ایمان لانے کے بعد نیک عمل کرنے والوں سے محبت کرتا ہے اور انہیں خوف اور غم سے آزاد کر دیتا ہے۔ انہیں پاکیزہ مقام عطا کرتا ہے۔ (ان پر) سلامتی بھیجتا ہے اور اپنی رضا و خوشنودی کا پرتو عطا کرتا ہے انہیں ایسی محبت عطا کی جاتی ہے جس میں وہ سب کچھ موجود ہے جو وہ چاہتے ہیں۔

پندرھواں خط

اے عزیز! قلب سلیم کو عبرت کے اسرار و رموز سے آگاہ ہونا چاہیے تاکہ انفس و آفاق میں پوشیدہ نشانیوں کو (بتائید ایزدی) پہچان سکے اور ان کی باریکیوں کا ادراک کر سکے۔ (کائنات کی) ہر شے اس کی حمد و تسبیح میں مشغول ہے اگرچہ تم اس تسبیح کو سوچ سمجھ نہیں سکتے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے قریب ہے۔ جب کوئی بندہ اسے پکارتا ہے تو وہ اس کی پکار کو سنتا ہے اور اس نے کوئی چیز بے فائدہ پیدا نہیں کی اور اسی کی طرف لوٹ کے جانا مقرر ہے۔"

حضرت سہل ابن عبداللہ تستری سے منقول ہے کہ ایک روز اہل بغداد کی نظر سے حضور غوث اعظم غائب ہو گئے۔ لوگوں نے آپ کو تلاش کیا اور دجلہ کی طرف گئے تو دیکھا کہ مچھلیاں بکثرت آپ کی طرف آکر آپ کو سلام کر رہی ہیں اور دست مبارک کو چوم رہی ہیں۔ اتنے میں نماز ظہر کا وقت ہو گیا اور بھاری جائے نماز تخت سلیمانی کی طرح ہوا میں معلق ہو کر بچھ گئی جو سبز رنگ کی تھی اور سونے اور چاندی کے تاروں سے مرصع تھی۔ اس کے اوپر دو سطریں لکھی تھیں۔ پہلی سطر میں الا ان اولیاء اللہ لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون اور دوسری سطر میں سلام علیک اہل البیت انہ حمید مجید لکھا ہوا تھا۔ اتنے میں بہت سے لوگ آئے جن کے چہروں سے وجاہت ٹپکتی تھی۔ حضور غوث اعظم نماز پڑھانے کے لئے آگے بڑھے۔ اس وقت عظمت و ہیبت کا عجیب سماں تھا۔ جب تسبیح پڑھتے تو ساتوں آسمانوں کے فرشتے بھی آپ کے ساتھ تسبیح پڑھتے۔ جب آپ سمع اللہ لمن حمدہ پڑھتے تو آپ کے لبوں سے سبز رنگ کا نور نکل کر آسمان کی طرف جاتا۔ جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو یہ دعا پڑھی۔ یعنی اے میرے پروردگار میں تیری درگاہ میں تیرے محبوب اور بہترین خلائق حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو وسیلہ بنا کر دعا کرتا ہوں کہ تو میرے مریدوں کی اور میرے مریدوں کے مریدوں کی جو کہ میری طرف منسوب ہوں روح قبض نہ فرما مگر توبہ پر۔ حضرت سہل فرماتے ہیں کہ ہم نے آپ کی دعا پر فرشتوں کے ایک بڑے گروہ کو آمین کہتے سنا۔ جب آپ دعا ختم کر چکے تو پھر ہم نے یہ ندا سنی کہ تم کو خوشخبری ہو کہ ہم نے تمہاری دعا قبول کر لی ہے۔

روشن اقتباسات

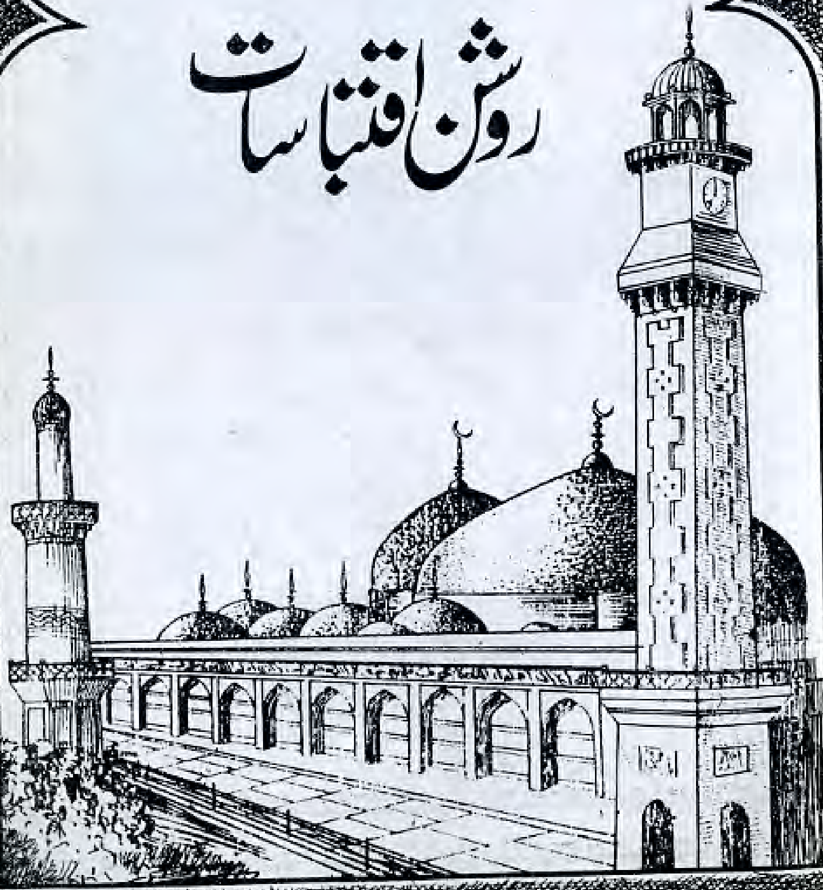

ولایت غوث اعظمؒ کی

نرالی ہے جہاں میں شان و شوکت غوثِ اعظمؒ کی
انوکھی بُرد باری اور قناعت غوثِ اعظمؒ کی

ملی ہے نسبتِ شبیرؓ و شبرؓ اُن کو ورثے میں
مُسلّم دونو جانب سے نجابت غوثِ اعظمؒ کی

امامِ عسکریؒ نے جُبّہ چھوڑا آپ کی خاطر
جُنیدِؒ باصفا نے دی بشارت غوثِ اعظمؒ کی

سبھی رہزن ہوئے تائب، ولایت مل گئی سب کو
جو دیکھی عہدِ طفلی میں صداقت غوثِ اعظمؒ کی

بنایا چور کو ابدال، روکا سیلِ دجلہ کو
ہوئی کس کس طرح ظاہر فضیلت غوثِ اعظمؒ کی

قدم سرکار کا ہے گردنِ اقطابِ عالم پر
رہے گی تا ابد جاری ولایت غوثِ اعظمؒ کی

کیا ہے دینِ حق زندہ، لقب پایا ہے محی الدیں
ہے سیمائے ابد پر نقش عظمت غوثِ اعظمؒ کی

مواعظ آپ کے شمشیرِ بُرّاں کفر کے حق میں
نہ رکھتی تھی جواب اپنا خطابت غوثِ اعظمؒ کی

مُریدی لاتخف کس نے کہا ہے؟ شاہِ جیلاںؒ نے
کلیدِ بخشش و رحمت ہے نسبت غوثِ اعظمؒ کی

رہا بیداریٔ شب کا مبارک سلسلہ برسوں
مثالِ روزِ روشن ہے ریاضت غوثِ اعظمؒ کی

تنِ اُمت میں پھونکی رُوحِ ایماں، رُوحِ اسلامی
یہی کیا کم ہے اے تائب! کرامت غوثِ اعظمؒ کی

(حفیظ تائب)

فتوح الغیب

من چہ گویم وصف آن عالی ہمم
آن فتوح الغیب را صاحب قلم
این کتاب ہے، نسخہ انسانیت
حرف حرفش سر تقویم امم
یک گل جاں بخش باشد، این کتاب
یا چراغ روشن بیت الحرام
راہرو تحقیق راہ راست را
بربلندی ہا نصب کردہ علم
مایہ انفاس عرفاں را امیں
جملہ احوال ایقاں را ارم
داروئے کامل فساد نفس را
راہبر کامل پئے اہل ہمم
چہ حقائق ہائے عالی در گرفت
زیں کتاب مختصر در حیرتم
از جمالش چشم من بینا شدہ
وز جلالش من سراپا سو ختم
انبیا وش بود، شیخ این نوشت
وضع دیں را کرد ہر سو محترم
این بصیرت راکہ مظہر رارسید
من بنام پاک او موزوں کنم

پروفیسر سید محمد کبیر احمد مظہر

شیخ کی تصنیفات
قلم کے معجزات

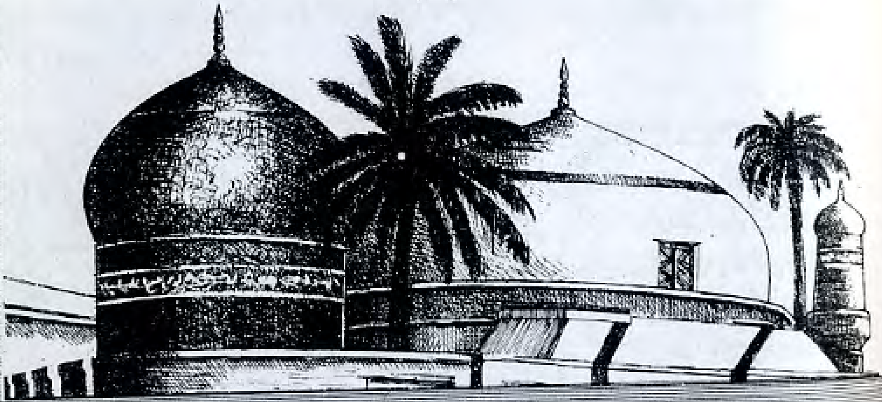

فتوح الغیب

آزمائش دل اور یقین کو قوی و مستحکم کردیتی ہے۔ ایمان اور صبر کو مضبوط اور نفس و خواہشات کو کمزور کرتی ہے کیونکہ جب تکلیف اور مصیبت کے وقت مومن سے صبر اور رضا و تسلیم اور اللہ تعالیٰ کے فعل پر شکر پایا جائے تو اللہ اس سے راضی ہو جاتا ہے اور مومن کو مدد اور عمل کی توفیق مزید حاصل ہوتی ہے۔

جب دل خواہشات میں سے کسی خواہش اور نفس کی لذتوں میں سے کسی لذت کے طلب کرنے میں حرکت کرتا ہے اور نفس کے مطلب پورا کرنے میں موافقت کرتا ہے اور نفس کے ساتھ دل کی یہ موافقت بلا اذن و حکم خداوندی ہوتی ہے تو اس سے یاد حق سے غفلت اور شرک و معصیت حاصل ہوتی ہے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ آزمائش اور رسوائی اور مخلوق و مسلط کردینے اور تکلیف و تشویش اور درد و بیماری کے ساتھ دل اور نفس کی مطلب برآری میں اس کی موافقت نہ کی۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اولیاء کو الہام کے ساتھ اور انبیاء و رسل کو وحی ظاہر کے ساتھ حکم نہ آجائے اور وحی و الہام کے منع و عطا پر عمل کیا جائے تو اللہ تعالیٰ قلب اور نفس کو رحمت، برکت، عافیت، رضا، نور، معرفت اور قرب و غنا سے نوازے گا اور تمام آفات سے سلامتی عطا فرمائے گا یہی بات سمجھ لے اور یاد رکھ اور نفس و خواہش کی جلد موافقت کرنے میں ضرور آزمائش سے بچ بلکہ اس میں توقف کر اور اذن مولیٰ کا منتظر رہ تاکہ تو دنیا و عقبیٰ میں سلامت رہے۔

مقسوم پر رضامندی

تھوڑی سی چیز سے خوش رہ! اور اس پر قناعت کر یہاں تک کہ نوشتہ تقدیر پورا ہو جائے' اور تو بلند اور نفیس مدارج پر پہنچا دیا جائے اور ان مقامات پر فائز ہونے کی تجھے مبارکباد دی جائے۔ پھر تجھے دینا و آخرت کی سختی' بد انجامی اور حد سے تجاوز کے بغیر اس حال میں باقی اور محفوظ رکھا جائے۔ اس کے بعد تجھے اس مقام سے ایسے مقام کی طرف ترقی دی جائے جو آنکھوں کے لیے ٹھنڈک اور خوشگواری کا باعث ہے اور یہ بات اچھی طرح سمجھ کہ طلب نہ کرنے کی وجہ سے تیری قسمت کے حصے سے تجھے ہرگز محروم نہیں کیا جائے گا اور اسی طرح جو چیز تیرے مقسوم میں نہیں ہے اسے طلب اور کوشش سے بھی تو حاصل نہیں کر سکتا اس لیے صبر کر' اور اپنی حالت پر راضی و ثابت رہ۔

منازل ایمان

اے تہی دست! اگر تجھ سے دنیا اور اہل دنیا نے منہ موڑ لیا ہے' اگر تو گمنام بھوکا اور پیاسا ہے' اگر تو برہنہ' تشنہ جگر اور ہر گوشہ زمین مسجد و ویرانے سے بھی دھتکارا ہوا ہے' اور اسی طرح اگر تو ہر دروازے پر لوٹایا ہوا ہر مراد سے بے نصیب' تمام خواہشات و عزائم سے شکستہ اور محروم ہے تو بھی یہ ہرگز نہ کہہ کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے محتاج اور تنگدست بنایا اور دنیا مجھ سے اٹھالی ہے اور مجھے اکیلا چھوڑ دیا ہے اور اس نے مجھے پریشان خاطری دی ہے اطمینان قلب نہیں دیا۔ اس نے مجھے رسوا کیا ہے دنیا میں سے گزارہ کے لائق بھی نہیں دیا اس نے مجھے گمنام بنایا اور اقران و اماثل میں رفعت و منزلت نہیں بخشی' دوسروں کو اس نے اپنی عظیم نعمتیں عطا فرمائی ہیں اور وہ رات دن اس کی نعمتوں میں محو ہیں۔ انہیں مجھ پر اور میرے ہمسایوں پر ترجیح ہے حالانکہ ہم دونوں ایمان دار مسلمان ہیں۔ ہماری والدہ حضرت حوا اور والد حضرت آدم علیہ السلام ہیں! تو نے کبھی اس بات پر غور کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تیرے ساتھ یہ معاملہ کیوں اختیار کیا ہے؟ اصل یہ ہے کہ تیری مٹی بے رنگ اور عمدہ ہے اور صبر و رضا' علم و یقین اور موافقت کی صورت میں رحمت الٰہی کی بارش تجھ پر مسلسل برسنے والی ہے اور تیرے پاس ایمان و توحید کی روشنیاں جمع ہونے والی ہیں۔ تیرے ایمان کا درخت اپنی بنیاد اور جڑ کے اعتبار سے مضبوط' قائم' ثمردار' بڑھنے والا گھنا اور بلند شاخوں والا ہے۔ اس میں ہر روز بالیدگی اور نمو ہے اسے پرورش کے لئے کسی کھاد وغیرہ کی ضرورت نہیں ہے۔

صبر و رضا حفظ حال' گمنامی اور خاموشی اختیار کر' پرہیز کر' اللہ سے ڈر! سرنگوں رہ سرنگوں! نظریں نیچی رکھ! حیا کر یہاں تک کہ نوشتہ تقدیر پورا ہو! اس وقت تیرا ہاتھ پکڑ کر تجھے پیشوا بنا دیا جائے گا' اور سختی و مشقت تجھ سے ہٹالی جائے گی۔ تجھے احسانات اور رحمت الٰہی کے کمالات کے سمندر میں غوطہ دیا جائے گا' وہاں سے نکال کر نور' اسرار الٰہی اور علوم و معرفت کی خلعتوں سے تجھے نوازا جائے گا' پھر تجھے بارگاہ قدس کا قرب بے پایاں نصیب ہوگا۔ تجھ سے جو بھی بات ہوگی الہام کے ذریعے ہوگی' تجھ پر عنایات ہوں گی' تو بے نیاز و دلیر بنا دیا جائے گا۔ تیرا مرتبہ بلند گردانا جائے گا۔

حقیقت خیر و شر

خیر و شر گویا ایک درخت کی دو شاخیں ہیں' ایک شاخ میں میٹھا پھل لگتا ہے اور دوسری میں کڑوا۔ پس تو ان

شہروں' ملکوں اور زمین کے حصوں کو چھوڑ دے جہاں جہاں اس درخت کے پھل بھیجے جاتے ہیں' ان سے اور وہاں کے لوگوں سے دور رہ! البتہ درخت کے قریب ہو کر اس کی حفاظت اور نگہبانی کی خدمت سرانجام دے' دونوں شاخوں' میووں اور آس پاس کو اچھی طرح پہچان کر میٹھی شاخ کی طرف ہو جا' اسی میں سے تجھے اپنی غذا مل جائے گی' دوسری ڈالی کی طرف آنے اور اس کے میوے کھانے سے بچ' کیونکہ اس کی تلخی تیری ہلاکت کا باعث بن جائے گی۔ اگر تو ہمیشہ اس پر کاربند رہا تو بے خوف مسرور' اور تمام آفتوں سے سلامت رہے گا۔ کڑوے پھل سے آفات اور طرح طرح کی بلائیں پیدا ہوتی ہیں' اور اگر تو اس درخت سے دور رہے اور ملکوں میں پریشان پھرے ایسی صورت میں تیرے سامنے ملے جلے میوے لائے جائیں اور دونوں میں کوئی امتیاز نہ ہو سکے تو ممکن ہے کہ تیرا ہاتھ کڑوے پر پڑ جائے اور اس میں سے کچھ چکھ لے۔ اس کی تلخی تیرے تالو' حلق' ناک اور دماغ میں سرایت کر جائے' پھر خون کی صورت میں تیرے جسم کی رگوں میں تحلیل ہو کر تجھے ہلاک کر دے۔ اس وقت منہ سے اس کا اگل دینا یا اس کا دھو لینا جسم سے اس کی تاثیر کو دفع کرنے کے سلسلے میں کچھ بھی فائدہ نہیں دے گا' اور اگر پہلے ہی تو نے میٹھا پھل کھا لیا اور اس کی شیرینی تمام بدن میں سرایت کر گئی اور تو نے اس سے فائدہ حاصل کر لیا اور خوش ہو گیا تو بھی تیرے لیے یہ کافی نہیں' بلکہ تجھے دوسرا پھل کھانے کی ضرورت پیش آئے گی اور وہی اندیشہ پیدا ہو جائے گا کہ ممکن ہے کہ تیرا ہاتھ کڑوے پھل پر پڑ جائے اور تیرے اندر وہ تلخی سرایت کر جائے۔ خلاصہ کلام یہ کہ درخت سے دوری اور پھل کی عدم معرفت میں کوئی بہتری اور بھلائی نہیں ہے اس کے قریب رہنے اور اس سے وابستہ رہنے میں ہی بھلائی اور خیر ہے' پس خیر و شر دونوں افعال الٰہی ہیں اور اللہ ہی ان دونوں کا خالق اور جاری کرنے والا ہے۔

احوال سالک

کیا تو راحت و سرور' آسودگی و مسرت' امن و سکون اور ناز و نعمت کا خواہاں ہے حالانکہ تو ابھی تک گداختگی' نفس کشی' خواہشات کے ختم کرنے اور دنیا و آخرت کی جزا و سزا سے بے فکری کی بھٹی میں ہے ابھی تک تیرے اندر ان کا اثر باقی ہے۔ اے جلد باز! ٹھہر ٹھہر کر آہستہ چل' اے منتظر! جب تک یہ موانعات زائل نہیں ہوتے راستہ بند ہے اور جب تک ان میں سے تیرے اندر کوئی ذرہ بھی باقی ہے تیری حیثیت غلام مکاتب کی ہے' چاہے صرف اس پر ایک درہم بھی باقی ہو۔ جب تک دنیا کی خواہشات' عزائم' اسباب' دنیا و آخرت میں بدلے کے سلسلے میں تیرے اندر ایک کھجور کی گٹھلی چوسنے اتنی لالچ بھی موجود ہے تو تو ابھی تک فنا کے دروازے پر ہے۔ انتظار کر! تاکہ فنا پوری طرح حاصل ہو جائے اور تجھے اس بھٹی سے نکالا جائے پھر تجھے آراستہ و پیراستہ کر کے خوشبو میں بسا کر بادشاہ حقیقی کے حضور پیش کیا جائے' اور وہاں تجھے اس طرح خطاب کیا جائے۔ "بے شک آج آپ ہمارے یہاں معزز معتمد ہیں۔"

محبت الٰہی کا مقام

تعجب ہے کہ اکثر کہتا ہے کہ میں جس چیز سے محبت کرتا ہوں' وہ عارضی ثابت ہوتی ہے' کیونکہ جلد ہی درمیان میں جدائی' موت یا عداوت کی دیوار حائل ہو جاتی ہے۔ اگر مال سے محبت ہو تو وہ بھی جلدی ضائع ہو جاتا

ہے یا گم ہو جاتا ہے۔ اے خدا کے محبوب اور منظور نظر! انعام یافتہ اور غیرت کردہ! کیا تجھے پتہ نہیں کہ اللہ نے تجھے اپنے لیے پیدا کیا ہے اور تو غیر کی طرف جا رہا ہے' کیا تو نے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد نہیں سنا: "اللہ ان کو اور وہ اللہ کو دوست رکھتے ہیں۔" دوسری جگہ فرمان ہے: "اور میں نے جن اور آدمی اتنے اس لیے بنائے ہیں کہ میری بندگی کریں۔"

کیا تو نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نہیں سنا کہ جب اللہ کسی بندے کو دوست بناتا ہے تو اسے آزمائش میں ڈال دیتا ہے۔ اگر وہ اس پر صبر اختیار کرے تو اللہ اس کی نگہبانی کرتا ہے۔ دریافت کیا گیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! نگہبانی کے کیا معنیٰ ہیں؟ فرمایا: اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے اس بندے کے دل سے مال اور اولاد کی محبت اٹھا لیتا ہے اور یہ اس لیے ہوتا ہے کہ اگر بندہ مال و اولاد کی محبت میں کھو جائے تو خالق حقیقی سے اس کی محبت بٹ جائے گی اور اس کے حصے بخرے ہو جائیں گے' اور اس کی محبت اللہ تعالیٰ اور اس کے غیر میں مشترک ہو جائے گی حالانکہ اللہ تعالیٰ اپنے ساتھ شراکت پسند نہیں فرماتا' وہ بڑا غیرت والا ہر شے پر قادر اور غالب ہے اپنے شریک کو ہلاک اور نیست کر دیتا ہے تاکہ اپنے بندے کے دل کو غیر کے دخل سے پاک کر کے صرف اپنے لیے خاص کر دے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ کا فرمان یحبھم ویحبونہ کا مظاہرہ ہوتا ہے اور بندے کا دل ہر قسم کے شریک' مال و اولادٗ' لذات و شہوات' طلب امارت و ریاست' منازل بہشت اور درجات و مقامات سے پاک ہو جاتا ہے۔ اس کے دل میں کوئی ارادہ اور تمنا باقی نہیں رہتی' اس وقت اس کی مثال اس برتن کی ہو جاتی ہے جس میں کوئی بہنے والی چیز نہیں ٹھہرتی' اس لیے کہ' دل کی یہ کیفیت اللہ تعالیٰ کے فعل سے واقع ہوئی ہو۔ اب اگر دل میں کوئی تمنا یا خواہش پیدا ہوگی تو غیرت الٰہی اپنے عمل سے اسے ختم کر دے گی' اور قلب کے گرد و جبروت اور ہیبت حق کے پردے لٹکا دیے جائیں گے' اور رعب و کبریائی کی خندقیں کھودی جائیں گی۔ اس وقت دل کی طرف کسی شے کا ارادہ نہیں پہنچ پائے گا چنانچہ یہی وہ مقام ہے جہاں بیوی' بچے' دوست کرامت' عبارات اور مال و اسباب میں سے کوئی چیز بھی دل پر اثر انداز نہیں ہو سکتی' کیونکہ یہ چیزیں قلب سے خارج ہیں' چنانچہ ایسی حالت میں اللہ تعالیٰ بھی غیرت نہیں کرتا' بلکہ یہ تمام چیزیں بندے کے لیے اللہ کی طرف سے عزت افزائی' لطف و نعمت اور اس کی طرف آنے والوں کے لیے باعث منفعت ہو جائیں گی' اسی وجہ سے اسے بزرگی و شرافت ملتی ہے اور اس کی رحمت و حفاظت سایہ کرتی ہے پھر وہ بندہ دنیا و آخرت میں ان کا نگہبان کوتوال' جائے پناہ اور شفیع ہو جائے گا۔

انسانی مدارج

لوگ چار قسم کے ہیں۔ ایک وہ جس کی نہ زبان ہے اور نہ دل' یہ عامی' ناتجربہ کار اور ذلیل شخص ہے۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک نہ وہ کسی شمار قطار میں ہے اور نہ اس میں کوئی بھلائی و بہتری ہے' اس کی مثال بھوسے کی ہے' ایسے لوگوں کوئی قدر و قیمت نہیں' ہاں البتہ اگر اللہ تعالیٰ ان پر اپنی رحمت کاملہ نازل فرما دے' ان کے قلوب کو اپنے ایمان کے نور سے منور کر دے' اور ان کے اعضا و جوارح کو اپنی بندگی کی سعادت ارزانی کرے' تو یہ الگ بات ہے تو اس گروہ میں ہونے سے بچ اور نہ ہی اپنے پاس انہیں پناہ دے' تو ان سے ڈر اور ان میں شامل نہ ہو' کیونکہ یہی وہ لوگ ہیں جو اللہ کے غیظ و غضب اور عذاب کا نشانہ ہیں' نار دوزخ کے مستحق اور اس کے باسی

ہیں۔ (نعوذ باللہ منھم) تو اللہ تعالیٰ کے علماء' نیکی سکھانے والے' دین کی رہنمائی کرنے والے' دین کی طرف لانے والے اور اس کے مبلغین کی پاکیزہ جماعت میں سے ہو جا' انہی لوگوں کی صحبت اختیار کر' اور ان کے قریب آ' لوگوں کو اللہ کی اطاعت کی دعوت دے اور انہیں خدا کی نافرمانی سے ڈرا! اس پر تجھے اللہ تعالیٰ کے ہاں تقرب حاصل ہوگا اور تجھے انبیاء و رسل کا ثواب عطا کیا جائے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ' سے ارشاد فرمایا کہ "اگر تیری تعلیم سے اللہ کسی ایک شخص کو بھی ہدایت نصیب فرما دے تو یہ بات تیرے لیے تمام دنیا سے افضل ہے۔" دوسرا شخص وہ ہے جس کی زبان تو ہے لیکن دل نہیں ہے۔ وہ دانائی اور حکمت کی باتیں کرتا ہے لیکن خود ان پر عمل نہیں کرتا' لوگوں کو اللہ کی طرف بلاتا ہے مگر خود اللہ سے دور بھاگتا ہے' دوسروں کے عیوب نکالتا رہتا ہے لیکن خود انہی عیوب میں مبتلا رہتا ہے۔ لوگوں پر اپنے زہد و اتقاء کا رعب ڈالتا ہے حالانکہ خود کبیرہ گناہوں کے ذریعے اللہ تعالیٰ کے ساتھ آمادۂ پیکار رہتا ہے۔ خصومت میں وہ انسان نما بھیڑیا ہوتا ہے' بلاشبہ یہی وہ شخص ہے جس سے ڈراتے ہوئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

"سب سے بڑی چیز جس سے میں اپنی امت کے لیے ڈرتا ہوں وہ علماء کی بے عملی ہے۔" ایسے شخص سے دور رہ! کہیں اس کی شیریں زبانی تجھے بہلا نہ لے اور تجھے اس کے گناہوں کی آگ جلا نہ ڈالے اور کہیں اس کے باطن کی گندگی تجھے ہلاک نہ کر ڈالے' تیسرا شخص وہ ہے جس کے پاس دل تو ہے مگر زبان نہیں' یہ مومن ہے اللہ نے اسے مخلوق سے چھپا کر اس پر اپنا پردہ ڈال دیا ہے۔ اسے اپنے عیوب پر بینا اور اس کا دل منور کر دیا ہے اسے لوگوں سے کثرت سے ملاقات کے معائب اور زیادہ گفتگو کی خرابیوں سے آگاہ کر دیا چنانچہ اس نے یقین کر لیا کہ خاموشی اور گوشہ نشینی میں سلامتی ہے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "جو خاموش رہا اس نے نجات پائی۔" اور اسی طرح آپ کا فرمان کا ہے کہ "عبادت کے دس اجزا ہیں' ان میں نو جز خاموشی میں ہیں۔ یہ شخص اللہ تعالیٰ کا دوست ہے' اور اس کے ساتھ ہی وہ محفوظ' سلامت' عقلمند' صاحب نعمت اور خدا کا ہمنشیں ہے۔ تمام بھلائیاں اسی کے پاس ہیں۔ ایسے شخص کی صحبت اختیار کر' اور اس کی مصاحبت' خدمت اور اس کی ضروریات و حوائج میں تعاون کے ذریعے اس کے ساتھ دوستی پیدا کر' جو چیز بھی اس کے آرام و سکون کا موجب ہو اس سے اس کی دل گیری کر ان شاء اللہ العزیز اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ تجھے اپنے قرب میں لے کر عزت بخشے گا' اور تجھے اپنے محبوب و مقرب بندوں میں شامل کر لے گا! چوتھا شخص وہ ہے جسے اعزاز و اکرام' کے ساتھ عالم ملکوت میں بلایا گیا جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے: "جس نے علم حاصل کیا اس پر عمل کیا اور دوسروں کو سکھایا' اسے ملکوت میں عزت کے ساتھ بلایا جائے گا۔"

یہی وہ شخص ہے جو ذات الٰہی اور اس کی آیات کا عارف ہے اور اس کا دل علوم الٰہی کا امین ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے ایسے اسرار و رموز سے آگاہی بخشی ہے جو صرف اسی کے لیے مختص ہیں' اسے برگزیدہ اور مقبول بنایا' مخلوق میں سے چن کر اسے ہدایت دی اور اپنی طرف راہ دی' اس کے سینہ کو اسرار و علوم کے اخذ و قبول کا سرچشمہ بنایا۔

کثرت دعا باعث رحمت ہے

یہ نہ کہہ کہ میں اللہ سے دعا نہیں کروں گا! کیونکہ جس چیز کے بارے میں سوال کروں گا اگر وہ میری قسمت

میں ہے تو خواہ سوال کروں یا نہ کروں' وہ مجھے مل جائے گی اور اگر سرے سے وہ چیز میری قسمت میں ہی نہیں تو وہ دعا سے بھی مجھے نہیں ملنے کی' بلکہ دنیا و آخرت کی ہر وہ بہتر چیز جس کی تجھے ضرورت ہے بشرطیکہ وہ حرام یا فساد کا موجب نہ ہو اللہ تعالیٰ سے طلب کر! کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تجھے سوال کرنے کا حکم اور اس کی ترغیب دی ہے' فرمایا:

"مجھ سے دعا کرو' میں قبول کروں گا۔"

دوسرے مقام پر فرمایا:

"اور اللہ سے اس کا فضل مانگو"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"قبولیت کا یقین رکھتے ہوئے اللہ سے دعا کرو۔"

ایک اور حدیث میں آپ کا فرمان ہے:

"دعا کے لیے بارگاہ خداوندی میں دست دعا دراز کرو۔"

ان کے علاوہ اور بھی اسی مضمون کی کئی احادیث ہیں' کبھی یہ خیال نہ کر کہ چونکہ میرا سوال شرف قبولیت حاصل نہیں کرتا اس لیے میں سوال بھی نہیں کروں گا بلکہ ہمیشہ اس سے مانگتا رہ! اس لیے کہ وہ چیز اگر تیرا مقسوم ہے تو تیری دعا کے بعد تجھے عطا کر دی جائے گی۔ اس وقت یہ عطا تیری توحید میں استقامت' مخلوق سے بے نیازی' ہر حال میں بارگاہ خداوندی کی طرف رجوع اور اسی ذات قدس سے تمام حاجات کی روائی کا باعث بن کر ایمان و یقین میں اضافہ کرے گی' اور اگر وہ چیز تیرا مقسوم نہیں ہے تو اس سے بے نیازی اور حالت فقر میں رضامندی کی دولت عطا کرے گا اور اگر محتاجی اور مرض ہے تو تجھے اس میں بھی خوش رکھے گا' اگر قرض ہے تو قرض خواہ کو سختی سے نرمی اختیار کرنے پر یا تیری سہولت تک تاخیر کرنے یا معاف کرنے یا کم کر دینے پر مائل کر دے گا۔ ہاں یہ بھی ہو سکتا ہے کہ دنیا میں تو قرض تجھ سے ساقط نہ کیا جائے' لیکن تیرا سوال پورا نہ ہونے کی بنا پر آخرت میں تجھے ثواب عظیم عطا کر دے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نہایت کریم' بے نیاز اور رحمت والا ہے۔ اپنے سائل کو دنیا و آخرت میں ناامید نہیں کرتا' اس کا فائدہ انسان کو ضرور پہنچتا ہے۔ دنیا میں لے چاہے عقبیٰ میں۔ حدیث میں آیا ہے کہ مومن قیامت کے روز اپنے نامہ اعمال میں ایسی نیکیاں دیکھے گا جنہیں اس نے دنیا میں کیا ہی نہیں تھا' بلکہ اسے ان کا علم تک نہ ہو گا' اس وقت اس سے پوچھا جائے گا کہ ان نیکیوں کے بارے میں تجھے کوئی علم ہے؟ تو وہ انکار کرے گا! چنانچہ اسے بتایا جائے گا کہ یہ نیکیاں تیری ان دعاؤں کا بدلہ ہیں جو دنیا میں تو مانگتا رہا ہے! خیال رہے کہ یہ نیکیاں کیوں بن جاتی ہیں؟ اس کی چند وجوہ ہیں۔ سوال میں بندہ اللہ کو یاد کرتا ہے' اس وقت خدا کی توحید کا تصور نکھر کر اس کے سامنے ہوتا ہے۔ بندہ اس وقت مستحق دعا کے حقوق کی ادائیگی کر کے ایک چیز کو اپنے دائرہ کار میں ادا کر رہا ہوتا ہے اور اپنی قوت و طاقت اور تکبر و بڑائی اور شرم کے مصنوعی پردوں سے نکل آتا ہے' یہ ساری باتیں نیک عمل ہیں جن کا اللہ کے ہاں اجر و ثواب ہے۔

فقر و تصوف جدوجہد کا نام ہے اس میں کسی بے ہودہ چیز کی آمیزش نہ کر! اللہ ہمیں اور تجھے اس کی توفیق ارزانی کرے۔ اے ولی! ہر حال میں تیرے لیے ذکر الٰہی لازم ہے کیونکہ ذکر تمام نیکیوں کا جامع ہے' اللہ کے عہد و پیمان کی رسی مضبوطی سے پکڑ! کیونکہ ہر ضرر رساں چیز کا دافع وہی ہے۔ تجھے قضا و قدر کے ہر فیصلے کے لیے تیار

رہنا چاہیے' کیونکہ یہ واقع ہو کر رہیں گے' اور واضح رہے کہ تیری تمام حرکات و سکنات کی پرسش ہو گی۔ لہٰذا وقت کی مناسبت سے اچھے سے اچھے امور کی بجا آوری میں مشغول رہ! اپنے اعضا و جوارح کو فضول کاموں سے بچا! اللہ و رسول اور حاکم (شرع) کی اطاعت کر! حاکم وقت کے حقوق کی نگہبانی کر! اور اپنے اس پر چھوڑ دے ان کا مطالبہ نہ کر! اور ہر حال میں اس کے لیے دعا کر۔

مسلمانوں کے بارے میں اپنی نیت صاف اور گمان نیک رکھ! اور ان کے لیے ہر ممکن بھلائی اور بہتری اختیار کر! اپنی رات اس حال میں نہ گزار کہ تیرے دل میں کسی کی برائی یا کینہ و دشمنی بھری ہوئی ہو' جو تجھ پر زیادتی کرے اس کے حق میں دعائے خیر کر! اپنا دھیان ہر آن اللہ کی طرف رکھ! رزق حلال فرض شریعت و طریقت ہے جس چیز کے متعلق تجھے علم نہیں وہ اس راہ کے علماء سے حاصل کر! اللہ سے حیا و شرم کر! اللہ کی صحبت اختیار کر! اور غیر اللہ سے صحبت الٰہی کی رعایت سے مل! اپنی صبح کا آغاز صدقہ و خیرات سے کر! اور اپنی ہر شام اس روز فوت ہونے والے مسلمان کی نماز جنازہ میں گزار' نماز مغرب کے بعد استخارہ ادا کر! اور صبح و شام سات مرتبہ اس دعا کا ورد رکھ:

اللھم اجرنا من النار

اور قرآن مجید کی یہ آیات اپنا وظیفہ بنا:

"اللہ ہی توفیق دینے والا اور مددگار ہے کیونکہ ساری قوت و طاقت خدائے بزرگ و برتر ہی کی ذات سے عطا ہوتی ہے۔"

اولیاء اللہ نباض فطرت ہیں

کبھی اللہ تعالیٰ اپنے ولی کو دوسروں کے عیوب' کذب' اقوال و افعال کے شرک' باطنی برائی اور نیت پر مطلع کر دیتا ہے اور وہ ولی اللہ اپنے رب' رسول اور دین کی وجہ سے غیرت کا مظاہرہ کرتے ہوئے سخت غضبناک ہو جاتا ہے' آخر اندرونی تکالیف اور بیماریوں کی موجودگی میں کسی طرح ظاہر حال کو دیکھ کر تندرستی و سلامتی کا حکم لگایا جا سکتا ہے؟ اور شرک کی موجودگی میں توحید کا بے بنیاد دعویٰ کیونکر صحیح ہو سکتا ہے۔ شرک کفر اور قرب خداوندی سے دوری کا باعث ہے' یہ تو شیطان لعین ایسے دشمن اور منافقوں کی صفت ہے جو ہمیشہ کے لیے دوزخ کے سب سے نچلے طبقے میں سڑتے رہیں گے' پھر اس کے بلند بانگ دعاوی' مقام صدیقیت پر فائز ہونے' مراد الٰہی ہونے' اور اس کی قدر و فعل میں فنائیت کا مرتبہ پانے والوں کی ہمسری کے جھوٹے دعووں کے سبب ولی کی زبان پر اس کے عیوب' افعال خبیثہ اور بے حیائی کا ذکر آ جاتا ہے' اور کبھی یہ ذکر غیرت کی وجہ سے اور بسا اوقات اس کے انکار اور نصیحت کے لیے ہوتا ہے اور کبھی اس کذاب اور جھوٹے مدعی پر فعل و ارادہ اور غضب الٰہی کی شدت کے غالب ہونے کی بنا پر ہوتا ہے' چنانچہ اس ولی اللہ کی طرف بعض لوگ غیبت کا انتساب کر دیتے ہیں۔ پھر کہتے ہیں کہ کیا ولی بھی غیبت کرتا ہے۔ حالانکہ اس کا کام غیبت سے روکنا ہے! کیا کسی ولی اللہ کے لیے مناسب ہے کہ وہ کسی حاضر یا غائب کو ایسی برائی کے ساتھ جو عام و خاص پر ظاہر نہیں' یاد کرے؟ خیال رہے کہ ان لوگوں کی یہ بات اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے ضمن میں آتی ہے:

"اور ان کا گناہ ان کے نفع سے بڑا ہے۔"

اگرچہ بظاہر یہ ایک ولی پر نکیر ہے' لیکن دراصل اللہ تعالیٰ کی ناراضی کا باعث اور اس پر اعتراض ہے' اور منکر کا حال حیرت کے سوا کچھ نہیں ہوتا' ان حالات میں منکر کے لیے سکوت اختیار کرنا' تسلیم کرنا اور شرع میں اس کی تاویل تلاش کرنا ضروری ہے نہ یہ کہ وہ جھوٹے دعاوی کے مدعی پر طعن کرنے والے ولی پر اعتراض کرکے بالواسطہ اللہ تعالیٰ پر معترض بن بیٹھے اور کبھی ولی کا کسی شخص کے بارے میں ایسا ذکر اس کی برائی کی بیخ کنی' توبہ کی طرف رغبت دلانے' اور اسے جہل و حیرت کی وادیوں سے نکالنے کے لیے ہوتا ہے اور یہ متکبر کے غرور اور سرکشی سے ہلاک ہونے والے کے فائدے اور نفع کے لیے اللہ کی طرف سے تنبیہہ ثابت ہوتی ہے' اور اللہ جسے چاہتا ہے راہ مستقیم کی طرف ہدایت کرتا ہے۔

حقیقت فقر و تصوف

میں تجھے وصیت کرتا ہوں کہ اللہ سے ڈر! اس کی فرمانبرداری اختیار کر! ظاہر شرع کی پابندی کر! سینے کو پاک اور چہرہ تروتازہ اور مسرور رکھ! ضروری امور بجا لا اور ضرر رساں باتوں سے پرہیز کر! فقر و فاقہ اور تکالیف برداشت کر! بزرگ کی عزت و احترام کا خیال رکھ! بھائیوں کے ساتھ حسن سلوک اور اپنے سے کم عمر والوں کے ساتھ خیر خواہی و نصیحت کے جذبے سے پیش آ! دنیوی امور میں جھگڑا اور لالچ چھوڑ دے اور قربانی و ایثار کا جذبہ اپنا! کسی بھی چیز کی ذخیرہ اندوزی سے بچ! جو لوگ گروہ اصفیاء سے دور ہیں ان کی صحبت و مجالست سے پرہیز کر! اور دین و دنیا کے امور میں تعاون کا جذبہ اختیار کر! اور فقر کی حقیقت یہ ہے کہ اپنے ہم مثل لوگوں کے سامنے دست ضرورت دراز نہ کرے اور تونگری کی اصلیت یہ ہے کہ اپنے ایسوں سے بے نیاز ہو جائے۔ تصوف خالی قیل و قال سے بلکہ بھوک اور نفس کی پسندیدہ اشیاء کے ترک کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔ فقیر کے ساتھ پہلے پہلے علم سے نہیں بلکہ نرمی و محبت سے پیش آنا چاہیے! کیونکہ علم اسے وحشت و نفرت دلائے گا اور نرمی محبت و الفت! واضح رہے کہ تصوف کی بنا آٹھ خصلتوں پر ہے۔ سخاوت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرح' رضا حضرت اسحٰق علیہ السلام کی طرح' صبر حضرت ایوب علیہ السلام کی طرح' مناجات حضرت زکریا علیہ السلام کی طرح' سیر و سفر حضرت یحییٰ علیہ السلام کی طرح' لباس صوف حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرح' سیاحت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرح' فقر ہمارے آقا و مولیٰ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح' ان سب پر سلام ہوں۔

زندگی جسے موت نہیں

ایک دن مجھے ایک امر نے تنگ کیا اور نفس اس کے دباؤ میں ہل گیا' آرام و سکون طلب کرنے اور اس تنگی سے پیچھا چھڑانے کی خواہش کرنے لگا' مجھے کہا گیا تو کیا چاہتا ہے؟ میں نے کہا ایسی موت چاہتا ہوں جس کے بعد زندگی نہ ہو' اور وہ کون سی زندگی ہے جس کے بعد موت نہ ہو' مجھے کہا گیا وہ کون سی موت ہے جس کے بعد زندگی' اور وہ کون سی زندگی ہے جس کے بعد موت نہیں۔ میں نے جواب دیا کہ وہ موت جس کے بعد زندگی نہیں اپنی ہم جنس مخلوق سے اس طرح مرجانا ہے کہ ان سے کسی قسم کے نفع و نقصان کا خیال نہ ہو' اور انسان دنیا و

آخرت میں اپنے ارادہ و خواہشات سے اس طرح نکل آئے گویا وہ ان کے لیے مرگیا ہے' رہی وہ زندگی جس میں موت نہیں تو یہ دائمی حیات ہے جس میں وجود تو باقی نہیں رہتا البتہ فضل خداوندی میں فنا ہو کر انسان حیات سرمدی حاصل کرلیتا ہے۔ فعل خداوندی میں فنائیت کی موت ہی درحقیقت زندگی ہے' جب سے میں نے ہوش سنبھالی ہے میری سب سے اہم خواہش اور تمنا یہی تھی۔

قبولیت دعا میں تاخیر کی حکمتیں

دعا کی قبولیت میں تاخیر پر اپنے پروردگار پر کیوں برہمی کا اظہار کرتا ہے؟ کہتا ہے کہ مخلوق سے سوال کرنا بھی حرام قرار دیا گیا ہے' اللہ سے سوال کرتا ہوں تو وہ قبول نہیں کرتا! ہم تجھ سے پوچھتے ہیں کہ تو آزاد ہے یا غلام؟ اگر کہے میں آزاد ہوں تو یہ کفر ہے! اور اگر کہے کہ میں غلام ہوں تو پھر اجابت دعا میں تاخیر کی وجہ سے اپنے مالک پر تہمت کیوں لگا رہا ہے؟ اس کا مقصد یہ ہے کہ تو نے اس کی رحمت اور حکمت جو تجھ سمیت ساری مخلوق پر جاری و ساری ہے اور اس کے لیے ان تمام کے احوال کے علم میں شک کیا ہے؟ دوسری صورت یہ ہے کہ تو اپنے مالک پر کسی قسم کی تہمت کا ارتکاب نہیں کررہا بلکہ اس تاخیر میں اس کی حکمت اور مصلحت کو مضمر سمجھ رہا ہے' تو تیرے لیے اس کا شکر واجب ہے' کیونکہ آخر اس تاخیر کے سبب اس نے تیرے حسب حال تجھ سے فساد دور کرکے نعمت اور بہتری پسند کی ہے' اس کے باوجود اگر تو اس پر تہمت لگا رہا ہے تو تو کافر ہے! کیونکہ اس اتہام کی وجہ سے تو نے اس کی طرف ظلم کی نسبت کی ہے' حالانکہ وہ اپنے بندوں پر ظالم ہے اور نہ ظلم کو پسند کرتا ہے بلکہ اللہ کے لیے ظلم کرنا محال ہے کیونکہ وہ تیرا اور تیرے علاوہ ہر شے کا مالک ہے اور مالک کو اختیار ہے کہ وہ جس طرح چاہے اپنی ملکیت میں تصرف کرے۔ اسے کسی صورت بھی ظلم نہیں کہا جاسکتا۔ الغرض ظالم وہ ہے جو دوسرے کی ملکیت میں اس کی اجازت کے بغیر تصرف کرے' لہٰذا اللہ تعالیٰ جو کچھ کرتا ہے اگرچہ وہ بظاہر تیری مصلحت' طبیعت اور خواہش نفس کے خلاف بھی کیوں نہیں تجھے اس پر برہمی اور چون و چرا کی اجازت نہیں ہے۔ صبر و شکر اور موافقت و رضا اختیار کر اور الزام تراشی' سرکشی' برہمی اور خواہش جو راہ خدا سے گمراہ کرتی ہے' سے کنارہ کشی کر! ہمیشہ دعا اور صدق دل سے التجا میں مصروف رہ! اللہ سے نیک گمان اور کشود کار کی امید رکھ! اس کا وعدہ سچا سمجھ اور اس سے شرم کر! اس کی تابعداری کر! اور اس کی توحید کی حفاظت کر' اس کے احکام کی بجا آوری میں جلدی کر! اور اس کی ممنوعات سے پرہیز کر! اور اس کی قدر و فعل کے جاری ہونے کے وقت اپنے آپ کو مردہ سمجھ اور اگر تہمت اور بدگمانی کے بغیر چارہ نہیں تو پھر نفس پر تہمت لگانا زیادہ مناسب ہے جو رب کا نافرمان اور برائی پر اکساتا ہے۔ اسی طرح پروردگار کی طرف ظلم کی نسبت کرنے سے نفس کے ساتھ ظلم کا انتساب کہیں زیادہ موزوں ہے۔ پھر ہر حال میں نفس کی تابعداری' دوستی اور اس کے قول و فعل پر راضی رہنے سے بچ! کیونکہ نفس اطاعت الٰہی کا مخالف اور خود تیرا دشمن ہے اور اللہ کے باغی اور تیرے دشمن شیطان مردود و ملعون کا خاص دوست' نائب و جاسوس ہے۔ اللہ سے ڈر! اللہ سے ڈر! اللہ سے ڈر! پرہیز کر! پرہیز کر! جلدی کر! جلدی کر! نفس پر تہمت دھر اور ظلم کی نسبت بھی اسی کی طرف کر' اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان یاد رکھ:

"اور اللہ تمہیں عذاب دے کر کیا کرے گا اگر تم حق مانو اور ایمان لاؤ۔"

الفتح الربانی

صاحبو! اللہ کے ہو جاؤ جیسا کہ نیک بندے اس کے ہو گئے تھے یہاں تک کہ اللہ تمہارا ہو جائے گا جیسا کہ ان کا ہو گیا تھا۔ اگر تم چاہتے ہو کہ حق تعالیٰ تمہارا ہو جائے تو اس کی اطاعت اور اس کے ساتھ صبر کرنے اور اس کے افعال پر جو تمہارے اور دوسروں کے اندر صادر ہوں راضی ہونے میں مشغول ہو جاؤ۔ وہ لوگ زاہد بنے تھے دنیا میں اور جو کچھ اپنا مقسوم انہوں نے لیا تھا تقویٰ اور پرہیزگاری کے ہاتھ سے لیا تھا۔ پھر وہ طالب آخرت بنے اور جو اس کے کام تھے وہ انہوں نے کئے کہ اپنے نفسوں کا کہنا نہ مانا اور اپنے رب عزوجل کی اطاعت کی اول اپنے آپ کو نصیحت کی اور اس کے بعد دوسروں کے ناصح بنے۔ اپنے نفس کو نصیحت کرو پھر بعد دوسرے کے نفس کو نصیحت کیجو خاص اپنے نفس کی اصلاح اپنے ذمہ لازم سمجھ اور جب تک تیرے اندر کچھ بھی اصلاح کی ضرورت باقی رہے۔ دوسروں کی طرف مت جھک تجھ پر افسوس ہے' کہ خود ڈوب رہا ہے پھر دوسرے کو کیونکر بچائے گا؟ تو خود اندھا ہے دوسرے کا ہاتھ کس طرح تھامے گا لوگوں کا ہاتھ وہی پکڑتا ہے جو سوانکھا ہو اور ان کو دریا سے وہی نکال سکتا ہے جو خوب تیرنا جانتا ہو۔ اللہ تعالیٰ تک لوگوں کو وہی نکال سکتا ہے جو خوب تیرنا جانتا ہو۔ اللہ تعالیٰ تک لوگوں کو وہی پہنچا سکتا ہے جو اس کی معرفت حاصل کر چکا ہو اور جو خود ہی اس سے جاہل ہے وہ کیونکر اس کا راستہ بتا سکتا ہے۔ اگر تو اس کو محبوب سمجھتا ہے۔ خاص اسی کے لئے عمل کرتا ہے صرف اسی سے ڈرتا ہے تو کسی دوسرے سے اللہ کے تصرفات میں کلام مت کر۔ یہ مضمون قلب سے تعلق رکھتا ہے نہ کہ زبان کی بک بک سے اور یہ خلوت میں ہوتا ہے نہ کہ جلوت میں۔ جبکہ توحید گھر کے دروازے پر ہو اور شرک گھر کے اندر تو یہی نفاق ہے۔ افسوس تجھ پر کہ تیری زبان تقویٰ پکارتی ہے اور تیرا دل فاجر بن رہا ہے۔ تیری زبان شکر کرتی ہے اور تیرا قلب اعتراض کر رہا ہے۔

جہنم کا خوف

جب تجھ کو کوئی مرض لاحق ہو تو صبر کے ہاتھ سے اسکا استقبال کرو۔ سکون سے رہ یہاں تک کہ اس کی دوا آجائے۔ پھر جب دوا آوے تو اس کا استقبال کر شکر کے ہاتھ سے کہ دنیا میں بھی تجھ کو عیش حاصل رہے گا۔ جہنم کا خوف مومنین کے کلیجے کاٹتا انکے چہروں کو زرد اور دل کو مخزون بناتا ہے اور جب یہ کیفیت قائم ہو جاتی ہو تو اللہ عزوجل ان کے قلوب پر اپنی رحمت اور لطف کا پانی چھڑکتا اور آخرت کا دروازہ کھول دیتا ہے۔ پس وہ وہاں کی جائے امن کو دیکھتے ہیں اور جب سکون پاتے ہیں اور کچھ مسرور ہوتے ہیں تو ان کے لئے جلال کا دروازہ کھول دیتا ہے۔ جو انکے قلوب اور باطن کو کاٹ ڈالتا ہے اور انکا خوف پہلے سے زیادہ سخت ہو جاتا ہے پھر جب یہ حالت کمال کو پہنچ جاتی ہے تو اب انکے واسطے جمال کا دروازہ کھول دیتا ہے۔ پس وہ ساکن بن جاتے اور بیدار ہو جاتے اور درجات میں جو اوپر تلے طبقات ہیں یکے بعد دیگرے قیام گزیں ہوتے ہیں۔

بصیرت سے کام لو

حق تعالیٰ کے نور سے قلب کو منور بنا اور اسی لئے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ

مومن کی فراست سے ڈرو کہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔ اے فاسق ڈر مومن سے اور اپنے معاصی کی گندگی میں لتھڑا ہوا اس کے پاس مت آ کیونکہ وہ اللہ عزوجل کے نور سے اس حالت کو دیکھتا ہے جس میں تو ملوث ہے وہ دیکھتا ہے تیرے شرک کو تیرے نفاق کو وہ دیکھتا ہے تیری اس حالت کو جو تیرے کپڑوں کے نیچے چھپی ہوئی ہے۔ دیکھتا ہے تیری فضیحت کن اور ہتک والی بداعمالیوں کو۔ جو شخص اہل فلاح کو دیکھتا نہیں وہ فلاح نہیں پاتا۔ تو بوالہوس ہے اور تیرا میل جول بھی بوالہوسوں کے ساتھ ہے (کسی شخص نے شیخ رحمتہ اللہ سے سوال کیا کہ یہ اندھاپن کب تک رہے گا تو آپ نے جواب دیا جب تک کہ تو کسی طبیب کے ہاتھ نہ پڑے اور اسکی چوکھٹ کو تکیہ نہ بنا لے کہ اس کے متعلق اچھے گمان رکھے اور اپنے قلب سے اس کے لئے تہمت کو نکال پھینکے۔ اپنے بال بچوں کو لے کر اس کے دروازہ پر جا بیٹھے اور اس کی دوا کی تلخی پر صبر کرے پس اس وقت تیری آنکھوں سے اندھاپن جاتا رہے گا۔)

دنیا اور آخرت کی بھلائی

اے امت محمد اللہ عزوجل کا شکر کرو کہ اس نے تم سے پہلے گزر جانے والے لوگوں کی نسبت تمہارے تھوڑے سے عمل پر اکتفا فرمایا تم (دنیا میں وجود کے اعتبار سے) سب کے بعد ہو اور (مرتبہ کے اعتبار سے) اول ہو گے۔ قیامت کے دن جو شخص تم میں تندرست ہے' تو اس جیسا کوئی تندرست نہیں۔ تم سردار ہو اور تمہارے سوا ساری امتیں رعیت ہیں' جب تک تو اپنے نفس اپنی خواہش اور اپنی طبیعت کے گھر میں بیٹھا رہے گا تندرست نہ بنے گا جب تک تو مخلوق سے جھگڑتا اور اس مال و متاع میں جو ان کے پاس ہے رغبت والا اور اپنی ریا و نفاق سے اس کے حصول کا خواہاں رہے گا تو تیرے لئے تندرستی نہیں اور جب تک تو حق تعالیٰ کے ماسوا پر دل سے اعتماد رکھے گا تو تیرے لئے تندرستی نہیں۔ اے میرے اللہ ہم کو صحت عطا فرما اپنے ساتھ رکھ کر اور دے ہم کو دنیا میں بھی بھلائی اور آخرت میں بھی اور بچا ہم کو دوزخ کے عذاب سے۔

بری صحبت سے بچو

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ عیش بس آخرت کا عیش ہے' اپنی آرزو کو کوتاہ کر کہ دنیا میں زہد حاصل ہو جائے گا کیونکہ سارا زہد آرزو کو کم کر لینا ہی ہے۔ برے ہم نشینوں کو چھوڑ اپنے اور ان کے درمیانی محبت کے علاقہ کو توڑ اپنے اور نیکو کاروں کے درمیان اس تعلق کو جوڑ۔ اگر قریبی رشتہ دار بھی منجملہ بدکار ہم نشینوں کے ہو تو اس سے الگ ہو جا اور دور والے سے دوستانہ کر بشرطیکہ وہ اچھا ہم نشین ہو جس سے تو دوستانہ کرے گا تیرے اور اس کے درمیان قرابت ہو جائے گی پس دیکھ لیا کر کہ کس شخص سے دوستانہ کرتا ہے بعض صلحا سے پوچھا گیا کہ قرابت کیا ہے تو فرمایا دوستانہ' جو تیرے حصہ میں لکھ دیا گیا اس کی طلب بھی چھوڑ اور جو نہیں لکھا گیا اس کی بھی طلب چھوڑ اس لئے کہ جو مقدر ہو چکا ہو اس کی طلب محض مشقت ہو (کہ بلا طلب بھی ضرور حاصل ہوتی ہے) اور جو مقدر نہیں اس کی طلب عذاب و رسوائی ہے (کہ فضول محنت بھی اٹھائی اور

حق تعالیٰ کو بھی ناراض کیا) اور اسی لئے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ یہ بھی بندہ پر اللہ کا عذاب ہے کہ جو چیز قسمت میں نہیں اس کا طالب ہو۔

قناعت اختیار کر

قناعت اختیار کر کیونکہ قناعت ایسا خزانہ ہے جو کبھی ختم نہ ہوگا۔ ایسی چیز کا طالب کیوں ہوتا ہے جو تیرے لئے مقدر نہیں اور جو تجھ کو کبھی ملے گی نہیں۔ روک لے اپنے نفس کو اور اسی موجود پر راضی اور اس کے ماسوا سے بے رغبت بن جا۔ اس پر جمارہ یہاں تک کہ تو اللہ عزوجل کی معرفت والا بن جائے پس اس وقت تو ہر شے سے بے نیاز ہو جائے گا۔ قلب تیرا اعتماد کرے گا اور باطن تیرا صاف ہوگا اور تیرا رب عزوجل تجھ کو تعلیم فرمائے گا۔ پس دنیا تیرے چہرے کی ظاہری آنکھوں میں حقیر بن جائے گی اور آخرت تیرے قلب کی دونوں آنکھوں میں حقیر دکھلائی دے گی اور ماسوئ اللہ تیرے باطن کی دونوں آنکھوں میں حقیر معلوم ہونگے۔

لوٹا دو جو کچھ لے چکے ہو

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے آپ نے فرمایا کہ جس کے لئے خیر کا کوئی دروازہ کھولا جائے تو اسے چاہیے کہ اس کو غنیمت سمجھے کیونکہ وہ نہیں جانتا کہ کب بند کر دیا جائے گا۔ صاحبو خوش ہو اور غنیمت سمجھو زندگی کے دروازہ کو جب تک کہ وہ کھلا ہوا ہے وہ عنقریب بند کر دیا جائے گا۔ غنیمت سمجھو نیکو کاریوں کو جب تک کہ تم ان کے کرنے پر قادر ہو۔ غنیمت سمجھو توبہ کے دروازہ کو اور اس میں داخل ہو جاؤ جب تک کہ وہ تمہارے لئے کھلا ہوا ہے۔ غنیمت سمجھو دعا کے دروازے کو کہ وہ تمہارے لیے کھلا ہوا ہے۔ غنیمت سمجھو اپنے دیندار بھائیوں کی روک ٹوک کے دروازے کو کہ وہ تمہارے لئے کھلا ہوا ہے ورنہ پھر کوئی بھی تم کو بداعمالیوں سے روکنے یا نصیحت کرنے والا نہیں) لوگو بنا لو جو کچھ توڑ چکے ہو' دھو لو جس کو نجس کر چکے ہو' سنوار لو جس کو بگاڑ چکے ہو' صاف کر لو جس کو مکدر کر چکے ہو اور لوٹا دو جو کچھ لے چکے ہو۔ اپنے فرار اور بھاگنے سے تائب ہو کر لوٹ آؤ اپنے مولیٰ عزوجل کی طرف۔

روز حشر کی کیفیت

دنیا و آخرت کے پروردگار سے تم غفلت میں پڑے ہوئے ہو گویا تم کو موت ہی نہ آئے گی۔ گویا قیامت کے دن محشر میں نہ لائے جاؤ گے۔ حق تعالیٰ کے حضور حساب نہ دو گے پلصراط عبور نہ کرو گے؟ یہ تو تمہاری حالتیں ہیں اور دعویٰ کرتے ہو اسلام اور ایمان کا۔ یہ قرآن اور علم تم پر حجت بنیں گے اگر تم نے ان پر عمل نہ کیا۔ جب تم علماء کے پاس آؤ اور جو وہ تم سے کہیں تم اس کو قبول نہ کرو تو یہ تمہارا ان کے پاس آنا تم پر حجت بنے گا (کہ اب سزا سے بچنے کے لئے کون سا عذر باقی رہا) اس کا گناہ تم پر ایسا ہی ہوگا جیسا کہ تم ملاقات کرتے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اور آپ کا کہنا نہ مانتے۔

قیامت کے دن حق تعالیٰ کے جلال و عظمت اور کبریائی و عدل کا خوف ساری مخلوق پر عام ہوگا۔ شاہان دنیا جاتے رہیں گے اور اسی کی بادشاہت باقی رہے گی۔ سب قیامت کے دن اس کی طرف لوٹ کر جائیں گے اور ظاہر

ہو جائیں گی اللہ والوں کی حکومت۔ ظاہر ہو جائے گی ان کی عزت ان کی تونگری اور جو کچھ حق تعالیٰ نے ان کا احترام فرمایا۔ آج بھی وہ کوتوال ہیں رعایا کے اور شہروں کے اور اوتاد (میخیں) ہیں زمین کی کہ ان کے سبب زمین قائم ہے۔ پس ان کو جو مخلوق کا سردار اور رئیس اور حق تعالیٰ کا نائب کہا جاتا ہے تو معنی کے اعتبار سے ہے نہ کہ صورت کے اعتبار سے۔ آج معنی ہیں اور کل (قیامت کے دن) صورت ہوگی (کہ ظالم بادشاہان دنیا آج صورۃ با عزت اور معنی ذلیل ہیں پس قیامت کو معنی صورت سے بدل کر ان کی ذلت و خواری کھل جائے گی اور اولیاء و اقطاب و ابدال آج صورۃ محکوم اور معنی حاکم و سردار ہیں۔ پس قیامت کے دن معنی اپنی صورت لے کر ان کی سیادت و شاہی مرتبہ کو کھول دیں گے) کافروں سے مباحثہ و مخاصمت کرنے والوں کی شجاعت اس میں ہے کہ ان سے ملیں اور جمے رہیں اور صالحین کی شجاعت اس میں ہے کہ اپنے نفس اپنی خواہشوں اپنی طبیعتوں شیطانوں اور بدہم نشینوں سے جو شیاطین الانس ہیں ملیں (اور متاثر نہ ہوں) اور خواص کی شجاعت دنیا و آخرت اور ماسوئ اللہ سے زہد اختیار کرنے میں ہے (کہ ایک لحظہ کے لئے بھی دوسری طرف رغبت نہ کریں)

منافقوں کو نصیحت

اے منافقو! اپنے نفاق سے توبہ کرو اور اپنے فرار سے واپس آؤ۔ کس طرح شیطان کو چھوڑتے ہو کہ وہ تم پر ہنسے اور اپنی جلن کی شفا پائے اگر تم نے نماز پڑھی روزہ رکھا تو مخلوق کے لئے نہ کہ خالق کے لئے اور اسی طرح صدقات و زکوٰۃ دی اور حج کیا تو مخلوق کے لئے (کہ لوگ حاجی و سخی سمجھیں) تم کام کرنے اور فضول مشقت اٹھانے والے ہو۔ عنقریب داخل ہو گے جلتی ہوئی آگ میں اگر توبہ و معذرت نہ کی۔ اپنے اوپر لازم سمجھو اتباع کو ایجاد و بدعات کے بغیر۔ لازم پکڑو سلف صالحین کے مذہب کو' چلو راہ مستقیم پر جس میں نہ تشبیہ ہو نہ تعطیل بلکہ اتباع ہو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی۔

اپنا مرتبہ پہچانو

ایک بزرگ نے فرمایا ہے کہ جس نے اپنے مرتبہ کو نہ پہچانا اس کو تقدیر اس کے مرتبہ کی پہچان کرائے گی (کہ غیبی مار پڑے گی اور ہوش ٹھکانے آجائیں گے) ایسی جگہ مت بیٹھ کہ جہاں سے اٹھا دیا جائے جب تم کسی گھر میں داخل ہو تو ایسی جگہ مت بیٹھو جہاں مالک مکان نے تم کو بٹھایا نہیں اس لئے کہ بلا اختیار کے وہاں سے اٹھا دیے جاؤ گے اور اگر تم اٹھنے سے انکار کرو گے تو جبرا" کھڑے کئے جاؤ گے اور ذلیل کر کے نکال باہر کر دیے جاؤ گے۔

مومن کی زندگی

مومن زاد راہ لیتا ہے اور کافر مزے اڑاتا ہے۔ مومن زاد راہ لیتا ہے کیونکہ وہ بر سر راہ ہے پس اپنے تھوڑے سے مال پر قناعت کرتا اور بڑا حصہ آخرت کی طرف آگے بھیج دیتا ہے۔ اپنے نفس کے لئے اسی قدر رہنے دیتا ہے جتنا سوار کا توشہ ہوتا ہے اور جس کو وہ اٹھا سکتا ہے اس کا سارا مال آخرت میں ہے اس کا سارا دل

اور ساری ہمت وہیں کے لیے ہے۔ اس کا دل دنیا سے ہٹ کر وہیں کا ہو رہتا ہے وہ اپنی ساری طاعتوں کو آخرت ہی کی طرف چلتا کر دیتا ہے نہ کہ دنیا اور اہل دنیا کی طرف۔ اگر اس کے پاس عمدہ کھانا ہوتا ہے تو اس کو ایثار کرتا ہے فقرا پر۔ وہ جانتا ہے کہ آخرت میں اس سے بہتر کھانے کو ملے گا۔ مومن عارف و عالم کی ہمت کا منتہیٰ' حق تعالیٰ کے قرب کا دروازہ ہے اور یہ کہ کسی طرح اس کا قلب آخرت سے قبل دنیا ہی میں وہاں تک پہنچ جائے۔ قلب کے قدموں اور باطن کی رفتار و سیر کی غایت حق تعالیٰ شانہ کا قرب ہے۔

صالحین کی خدمت میں رہو

اے مسکین تقدیر سے مناظرہ اور مخالفت مت کر ورنہ تباہ ہو جائے گا۔ مدار اس پر ہے کہ تو حق تعالیٰ کے افعال پر راضی ہو اور اپنے قلب کو مخلوق سے باہر نکال لے اور اس قلب سے خالق مخلوقات کے ساتھ ملاقات کرے۔ اگر تو حق تعالیٰ اور اس کے رسولوں اور نیک بندوں کی ہمیشہ تابعداری میں رہے گا تو حق تعالیٰ سے ملاقات کرے گا۔ اپنے قلب اپنے باطن اور اپنے اندرون سے۔ اگر تجھ سے ہو سکے کہ صالحین کی خدمت میں رہے تو ضرور ایسا کر کہ یہ تیرے لئے بدرجہا بہتر ہے۔ دنیا میں بھی آخرت میں بھی۔ اگر تو ساری دنیا کا بھی مالک ہو جائے مگر تیرا قلب اہل اللہ کے قلوب کی طرح نہ ہو تو گویا تو ایک ذرہ کا بھی مالک نہیں ہے۔ ہر وہ شخص جس کا قلب اللہ عزوجل کے لائق بن جاتا ہے اور اس کے ساتھ دنیا اور آخرت ہوتی ہے تو وہ حق تعالیٰ کے حکم سے عوام اور خواص میں حکومت کرتا ہے۔

غنیتہ الطالبین

حضرت منہالؒ بن عمرو اور حضرت براءؓ بن عازب کہتے ہیں۔ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک انصاری کے جنازہ میں گئے۔ قبرستان میں پہنچے تو اس وقت تک لحد تیار نہیں ہوئی تھی۔ حضورؐ بیٹھ گئے۔ ہم بھی گرداگرد بیٹھ گئے۔ حضور اقدسؐ کی ہیبت سے (ہم ایسے بے حس و حرکت بیٹھے تھے) کہ گویا ہمارے سروں پر پرندے بیٹھے تھے۔ حضور اقدسؐ اپنے ہاتھ کی لکڑی سے زمین کریدنے لگے۔ پھر سر اٹھا کر دو یا تین بار فرمایا۔ میں عذاب قبر سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں۔ پھر فرمایا جب مومن بندہ آخرت کی طرف منہ کئے دنیا سے قطع تعلق کی حالت میں ہوتا ہے تو گورے رنگ کے فرشتے اس پر اترتے ہیں۔ ان کے چہرے آفتاب کی مثل ہوتے ہیں۔ ان کے پاس جنت کا کفن اور جنت کی خوشبو ہوتی ہے۔ یہ فرشتے اس مومن سے بقدر انتہائے نگاہ فاصلے پر بیٹھتے ہیں۔ اس کے بعد موت کا فرشتہ اس کے سرہانے بیٹھ کر کہتا ہے۔ اے چین والے پاکیزہ نفس باہر نکل آ۔ اللہ کی (دی ہوئی) مغفرت اور خوشنودی کی طرف آ۔ روح اس طرح بہہ کر باہر آجاتی ہے' جیسے پانی کی بوند برتن سے (پھوٹ کر) باہر نکل آتی ہے۔ فوراً فرشتے اس کو لے لیتے ہیں اور پل بھر ملک الموت کے ہاتھ میں نہیں چھوڑتے اور لے کر اسی جنت والے کفن اور خوشبو میں لپیٹ دیتے ہیں اور مشک سے زیادہ پاکیزہ خوشبو اس سے نکلتی ہے۔ پھر اس کو لے کر اوپر کو چڑھتے ہیں۔ ملائکہ کے جس گروہ کی طرف سے ان کا گزر ہوتا ہے' سب کہتے ہیں' یہ خوشبو پاکیزہ کیسی ہے۔ روح کو لے جانے والے' مردہ کا سب سے اچھا نام لے کر کہتے ہیں کہ یہ فلاں بن فلاں ہے۔ پھر

آسمان دنیا تک اس کو لے کر پہنچتے اور (دروازہ) کھلواتے ہیں (دروازہ) کھول دیا جاتا ہے۔ فرشتے اس کا استقبال کرتے ہیں اور برابر والے بالائی آسمان تک اس کے ساتھ رہتے ہیں' یہاں تک کہ یونہی ساتویں آسمان تک پہنچایا جاتا ہے۔ اللہ فرماتا ہے۔ اس کی کتاب کا علیین میں اندراج کر لو اور زمین کی طرف دوبارہ لے جاؤ۔ ہم نے زمین سے ان کو پیدا کیا اور اسی میں لوٹائیں گے اور اسی سے دوبارہ برآمد کریں گے۔ چنانچہ روح کو دوبارہ جسم میں لوٹا دیا جاتا ہے اور دو فرشتے آکر اس سے کہتے ہیں۔ تیرا رب کون ہے؟ تیرا دین کیا ہے؟ وہ کہتا ہے میرا رب اللہ ہے' میرا دین اسلام ہے' دونوں فرشتے کہتے ہیں۔ تو اس شخص کے متعلق کیا کہتا ہے' جس کو تم لوگوں میں بھیجا گیا تھا۔ وہ کہتا ہے۔ وہ اللہ کے رسول تھے' حق بات لے کر ہمارے پاس آئے تھے۔ دونوں فرشتے کہتے ہیں کہ تجھے اس بات کا علم کیسے ہوا؟ وہ کہتا ہے' میں نے اللہ کی کتاب یعنی قرآن کو پڑھا۔ اس پر ایمان لایا اور اس کی تصدیق کی۔ اس وقت آسمان سے ایک پکارنے والا پکارتا ہے۔ میرے بندہ نے سچ کہا۔ اس کے لئے جنت کا بستر کر دو۔ اس کو جنت کا لباس پہنا دو۔ اس کے لئے جنت کا ایک دروازہ کھول دو۔ چنانچہ اس کو جنت کی ہوا اور خوشبو آنے لگتی ہے اور اس کی قبر جہاں تک نظر جاتی ہے کھول دی جاتی ہے۔ چنانچہ اور ایک خوبصورت مہکتی خوشبو والا آدمی اس کے پاس آکر کہتا ہے۔ اس مسرت آفریں چیز کی تجھے بشارت ہو' یہ وہی دن ہے جس کا تجھ سے وعدہ کیا جاتا تھا۔ وہ کہتا ہے تو کون ہے؟ آنے والا کہتا ہے' میں تیرا عمل صالح ہوں۔ اس وقت بندہ کہتا ہے پروردگار قیامت برپا کر دے۔

فقیر کی حالت وجد

اگر درویش کوئی آیت یا شعر سن کر (وجد میں آجائے) تو کسی کو اس کی مزاحمت کرنی ضروری نہیں (یعنی اس کو تھامنا پکڑنا لازم نہیں) بلکہ اس وقت اس کو اسی کے سپرد کر دیا جائے گا۔ اگر اس کو تھاما جائے تو تھامنے والے کے روکنے سے تھم جائے۔ اگر درویش کسی آیت یا شعر کی وجہ سے حرکت میں آجائے تو اس کو آزاد چھوڑ دینا ضروری ہے۔ حاضرین کو اگر اس کی حرکت بے جا معلوم ہو اور اس کی کوئی کوتاہی اور کمی (یعنی بناوٹ) نظر آئے تو برداشت کرنا اور پردہ رکھنا لازم ہے لیکن اگر وقت کا تقاضا ہو کہ درویش کو تنبیہہ کی جائے تو نرمی کے ساتھ تنبیہہ کرے یا صرف دل میں اس بات کو رکھا جائے زبان سے کچھ نہ کہا جائے۔ اس (شناخت) کے لئے قوت حال' صفا باطن' دقیق علم' اندرونی واقفیت' ادب کامل اور اچھی طرح سخت نگہداشت کی ضرورت ہے۔ اگر درویش وجد میں آکر خرقہ اتار دے تو چند صورتوں سے خالی نہیں یا وہ قوال کو دینا چاہتا ہے تو خرقہ قوال کا ہو جائے گا یا مجمع کے وسط میں پھینک دیا ہے تو اس کا اختیار خود اسی کو ہے۔ اس سے دریافت کیا جائے گا کہ خرقہ پھینکتے وقت آپ کا کیا ارادہ تھا اگر وہ جواب دے کہ میں نے درویشوں کو دینے کا ارادہ کیا تھا تو اس کی طرف سے درویشوں کو یہ عطیہ ہو جائے گا اور درویش بطور فتوح اس کے مالک ہو جائیں گے۔ وہ جیسا چاہیں کریں' اگر درویش جواب دے کہ شیخ نے اپنا خرقہ اتار پھینکا تھا میں نے بھی اس کی موافقت میں ایسا کیا تو یقیناً ایسا درویش بڑا ضعیف الحال اور خفیف الوجد ہے۔ خرقہ اتارنے میں موافقت تو اس شخص کے لئے زیبا ہے جو وجد اور حال میں بھی شیخ کی موافقت رکھتا ہو اور یہ بات بہت بعید ہے کہ دو آدمی ایک حال میں ہو جائیں۔ درویشوں میں جو یہ طریقہ جاری ہو گیا ہے اور رسم قائم ہو گئی ہے کہ دوسرے کی موافقت میں خرقہ اتار پھینکتے ہیں' اس کی کچھ اصل

نہیں ہے۔ اب جب کہ اپنے ضعف وجد کے باوجود اس درویش نے خرقہ پھینک دیا تو علم شریعت' طریقت اور حقیقت کی رو سے نہیں بلکہ رسم کا اقتضا ہے کہ اس خرقہ کا اختیار شیخ کو ہے۔ اگر پھینکنے والا درویش کہے کہ میں نے یہ فعل حاضرین کی موافقت میں کرنا چاہا تھا۔ تو یہ درویش اول الذکر درویش سے بھی زیادہ ضعیف الحال ہے کیونکہ حال اور وجد میں موافقت قوم کے ساتھ ہوتی تو فعل میں بھی موافقت کرنی مناسب تھی۔ ایسا اتفاق بہت کم (یعنی نہیں) ہوتا ہے کہ تمام قوم مشرب اور حال میں ایک جیسی ہو جائے۔ بہرحال اس وقت قوم کی طرف رجوع کیا جائے گا' جو ان کے خرقوں کا حکم ہو گا وہی اس خرقہ کا حکم ہو گا۔ اگر درویش کہے کہ میرا اس وقت کوئی ارادہ اور قصد ہی نہ تھا تو اس سے کہا جائے گا۔ اچھا اب اس کا اختیار تجھ کو ہے تو جو چاہے فیصلہ کر دے۔ نہ حاضرین میں سے کسی کو اختیار ہے نہ شیخ کو۔ اگر شیخ موجود ہو تو اس کو اختیار ہے کیونکہ یہ بات معلوم ہو گئی کہ مالک خرقہ نے خرقہ واقعی کسی کو دیا نہ تھا نہ اس کی کوئی نیت تھی۔ نہ اس کی (یعنی ایسی حالت میں مالک کے علاوہ کسی کو خرقہ دینے کی) طریقت میں کوئی اصل ہے۔ اگر درویش کہے کہ مقررہ طور پر تو میرا کچھ ارادہ نہ تھا۔ البتہ خرقہ اتار پھینکنے کا مجھے (غیبی) اشارہ ملا تھا تو درویش کے اس قول کی طریقت میں اصل ہے۔ اگر بادشاہ کسی کو خلعت پہنانے کا حکم دیتا ہے تو اس شخص پر لازم ہے کہ اپنا لباس اتار ڈالے اور خلعت پہن لے (گویا) اپنا لباس اتار دینے کا شاہی اشارہ ہوتا ہے۔ یہی حکم درویش کا ہے کہ اپنے خرقہ کو اتار پھینکے اور اللہ نے نور قرب اور لطف کا جو خلعت اس کو مرحمت فرمایا ہو اس کو پہن لے۔ صورت مذکورہ میں خرقہ کا اختیار شیخ کو ہے۔ اگر شیخ وہاں موجود ہو۔ ورنہ موجود درویشوں کو اختیار ہے کہ وہ صرف قوال کو دے دیں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ (صورت مذکورہ میں) مالک خرقہ درویش کو اپنے خرقہ کا اختیار ہے کسی دوسرے کو نہیں۔ کچھ دنیا دار حاضرین مجلس اس خرقہ کو اس لئے خرید لیتے ہیں کہ خرید کر مالک کو واپس کر دیں مگر طریقت میں اس کو قبول کرنا درویش کے لئے اچھا اور پسندیدہ فعل نہیں۔ ہاں اگر خریدنے والے میں جوانمردی اور درویشوں سے اس کو عقیدت ہو اور ان کے ساتھ سلوک کرنا چاہتا ہو تو خیر۔ حقیقت میں یہ ایک قسم کا معاوضہ اور لطیف سوال (کی شکل) ہے جو فقیر کے لئے بہت برا ہے۔ خرقہ کو اتار کر پھینک دینے سے تو اس نے اپنے وجد کی سچائی ظاہر کی تھی۔ اب واپس لے کر اپنی رسوائی اور تکذیب خود کرے گا۔ یہ فعل اچھا نہیں ہے۔ خرقہ اتار پھینکنے والے کے لئے دوبارہ اس کو قبول کرنا مناسب نہیں اگر یہ بات شیخ کے اشارہ سے ہو یا شیخ نے خرقہ قبول کرنے کا اس کا حکم دیا ہو۔ تو حکم شیخ کی تعمیل میں بظاہر لے لے اور بعد کو اتار کر کسی دوسرے کو دے دے۔

مسافرت کے آداب

ہر مسافر کا سفر سفر طاعت ہونا چاہیے۔ مثلاً حج یا روضۂ رسول اللہؐ کی زیارت یا کسی بزرگ کی زیارت یا ان مقامات مقدسہ میں سے کسی کی زیارت یا تحصیل علم یا تجارت کے لئے سفر مباح۔ مگر یہ سفر پانچوں عبادتوں کے مسائل سیکھنے کے بعد ہونا چاہیے۔ کیونکہ عبادات کا علم فرض ہے اور اس کے علاوہ دوسرا علم مباح ہے مگر مستحب ہے۔ بعض لوگ فرض کفایہ کہتے ہیں۔ سفر میں رفیقان سفر کے ساتھ خوش خلقی اور نرمی کا برتاؤ کرے کسی کی مخالفت نہ کرے۔ نہ کسی بات میں جھگڑا کرے۔ خود ساتھیوں کی خدمت کرتا رہے اور بغیر مجبوری کے کسی سے خدمت نہ لے۔ کوشش کرکے ہمیشہ سفر میں پاک رہے۔

آداب رفاقت میں یہ بات بھی ہے کہ ساتھی تھک جائے تو خود بھی ٹھہر جائے۔ اس کو پیاس لگے تو پانی پلائے۔ اگر وہ سختی کرے تو یہ اس کے ساتھ نرمی کرے۔ وہ ناراض ہو تو اس کو منالے اور سوتا ہو تو اس کی اور اس کے سامان کی حفاظت رکھے۔ خرچ راہ کم ہو تو اس کو اپنی ذات پر مقدم رکھے۔ اگر کوئی (مالی) کشائش ملے تو تنہا خود ہی سب نہ لے لے۔ اس کی بھی ہمدردی کرے۔ اس سے کوئی راز نہ چھپائے اس کا راز فاش نہ کرے اس کے پیٹھ پیچھے بھلائی کے ساتھ ہی اس کا تذکرہ کرے۔ اس کی غیبت میں اس کی غیبت رد کر دے۔ رفیقان سفر کے سامنے اس کی برائی نہ کرے۔ اس کی شکایت نہ کرے بلکہ اس کا ذکر اچھے الفاظ میں کرے۔ وہ مشورہ کا طالب ہو تو خیر خواہی کے ساتھ مشورہ دے۔ اس کا نام و نسب اور وطن دریافت کرلے خواہ یہ مرتبہ میں اس سے بہت ہی اونچا ہو۔

اگرچہ خود سب رفیقوں کا سردار ہو۔ مگر ظاہر سب سے یہی کرے کہ میں تمہارا تابع ہوں۔ جو لوگ اس کے تابع ہوں خیر خواہی کے طور پر ان کے عیوب سے ان کو واقف کر دے۔ ملامت اور تنبیہہ کا طرز نہ اختیار کرے۔

صوفی کون؟

متصوف کون ہے؟ صوفی کون ہے؟ پس متصوف وہ ہے جو کہ صوفی بننے کے لئے مشقت اٹھاتا ہے اور اتنی کوشش کرتا ہے کہ صوفی بن جائے' پس جب مشقت اٹھا چکتا ہے اور قوم کے طریقہ کا لبادہ اوڑھ لیتا ہے اور ان کی راہ اختیار کرلیتا ہے تو متصوف کہلاتا ہے۔ جس طرح سے قمیص پہننے والے کو کہا جاتا ہے کہ اس نے قمیص پہنی اور زرہ باندھنے والے کو کہا جاتا ہے کہ اس نے زرہ باندھی اور ان دونوں کو علی الترتیب صاحب قمیص اور صاحب زرہ پکارا جاتا ہے اور اسی طرح زہد اختیار کرنے والے کو متزہد کہتے ہیں اور جب وہ اپنے زہد میں انتہا کو پہنچ جاتا ہے کہ تمام اشیاء کو ہیچ سمجھنے لگتا ہے تو اس وقت وہ زاہد کہلاتا ہے۔ پھر اس کے سامنے بہت سی باتیں آتی ہیں۔ جن کو نہ وہ چاہتا ہے اور نہ نفرت کرتا ہے بلکہ ان میں خدا کے حکم کی پابندی کرتا ہے اور اس کے فعل کا منتظر رہتا ہے۔ پس اسی کو متصوف کہیں گے اور صوفی جب یہ وصف اپنے اندر پیدا کرلے۔ اس وقت صوفی' فوعل کے وزن پر' جو کہ مصافات سے مشتق ہے کہلائے گا۔ جس کے معنی یہ ہوں گے۔ ایک بندہ جس کو اللہ تعالیٰ نے صفائی (قلب) عنایت کی اسی لئے صوفی کہا جائے گا۔ جو نفس کی آفتوں اور اس کی بری صفتوں سے خالی ہو۔ نیک راہوں پر چلنے والا ہو۔ حقائق کو تھامنے والا ہو اور اپنے دل کو اور مخلوق کو ساکن محسوس کرنے والا ہو۔ اور کہا گیا ہے کہ متصوف خدا کے ساتھ صدق اور بندوں کے ساتھ اچھے اخلاق سے پیش آتا ہے۔ متصوف اور صوفی کے درمیان فرق یہ ہے کہ متصوف مبتدی ہوتا ہے اور صوفی منتہی' متصوف راہ سلوک کو طے کرنے والا ہوتا ہے اور صوفی وہ ہوتا ہے جو راہ طے کرچکا ہو اور مقصود حقیقی کو پہنچ چکا ہے۔ متصوف برداشت کرنے والا ہوتا ہے اور صوفی وہ ہوتا ہے جو سب کچھ برداشت کرچکا ہوتا ہے' متصوف پر ہر ہلکی اور بھاری چیز بار کر دی گئی ہے تاکہ اس کا نفس ٹوٹ جائے اور اس کی خواہش زائل ہو جائے اور اس کی آرزوئیں اور تمنائیں نابود ہو جائیں۔ اس طرح وہ صاف ہو جاتا ہے اور صوفی کہلاتا ہے۔ جو بھی یہ بوجھ اٹھا لیتا ہے پس وہ امانت خداوندی کا اٹھانے والا اور مشیت خداوندی کی گیند اور خدا کا تربیت یافتہ اور اس کے علوم و حکم کا سرچشمہ بن جاتا ہے۔

امن اور کامیابی کا گھر' اولیاء کا نگران اور ان کے لئے پناہ گاہ' جائے رجوع' قیام گاہ اور راحت و مسرت حاصل کرنے کی جگہ ہو جاتا ہے۔ تب وہ ہار کا' تاج کا موتی اور خدا نما ہو جاتا ہے اور مرید متصوف' اپنے نفس' اپنی خواہش' اپنے شیطان اور اپنے رب کی مخلوق اور اپنی دنیا و آخرت سے بیزار ہوتا ہے اور تمام دنیا اس کے افعال و اعمال سے وہ خدا کی عبادت کرتا ہے۔

خوف خدا

روایت میں آیا ہے کہ ابن سیرینؒ نماز کو کھڑے ہوتے تو اللہ کے خوف اور ڈر سے چہرے کا خون خشک ہو جاتا تھا۔ مسلم بن یسار نماز شروع کر دیتے تو پھر نماز میں ایسے مشغول ہوتے اور اللہ کا ایسا خوف طاری ہوتا کہ کسی چیز یا کسی آواز کی آہٹ بھی نہیں سنتے تھے۔ عامر بن قیس نے کہا تھا۔ نماز کے اندر دنیا کے معاملہ میں کسی قسم کا عذر کرنے سے دونوں شانوں کے درمیان خنجروں کا گھونپا جانا میرے نزدیک اچھا ہے۔ حضرت سعد بن معاذؓ نے فرمایا۔ میں نے کبھی کوئی نماز ایسی نہیں پڑھی کہ ختم کرنے سے پہلے دنیا کے کسی معاملہ کا کوئی خیال میرے دل میں آیا۔ مجاہد نے کہا حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نماز کو کھڑے ہوتے تو خشوع کی وجہ سے ایسے (سن) ہو جاتے گویا لکڑی (کا ستون) ہیں۔ وہب بن منبہ نماز کو کھڑے ہوتے تو معلوم ہوتا کہ وہ جہنم کو نظروں کے سامنے دیکھ رہے ہیں۔

عتبہ غلام نماز کو کھڑے ہوتے تو سردی کے موسم میں پسینہ بہنے لگتا۔ لوگوں نے وجہ دریافت کی تو فرمایا۔ اللہ کے سامنے (گناہوں پر) شرم آتی ہے۔ ایک بار مسلم بن یسار نماز پڑھ رہے تھے۔ اس وقت آپ ایک حجرہ میں تھے' مکان میں آگ لگ گئی۔ بصرہ والے گھبرا کر گھروں سے نکل آئے اور آگ بجھا دی لیکن مسلم کو اس ساری کارروائی کا اس وقت علم ہوا جب آپ نماز پڑھ چکے اور لوگ آگ بجھا چکے۔ کہتے ہیں کہ ایک بار آپ مسجد میں نماز پڑھ رہے تھے۔ مسجد کا ایک ستون آپ کے برابر گر پڑا (اور ایسی آواز ہوئی کہ) بازار والے گھبرا گئے' مگر آپ کو احساس بھی نہ ہوا' عمار بن زبیر نماز پڑھ رہے تھے۔ جوتیاں سامنے رکھی تھیں اور جوتی کا تسمہ نیا تھا۔ تسمہ پر آپ کی نظر پڑ گئی' نماز سے فارغ ہو کر جوتی کو پھینک دیا اور مرتے دم تک پھر کبھی جوتیاں نہیں پہنیں۔

ربیع بن خثیم نفل پڑھ رہے تھے۔ سامنے بیس ہزار درہم کا گھوڑا بندھا تھا۔ چور آیا اور گھوڑا کھول کر لے گیا۔ صبح کو لوگ اظہار ہمدردی کرنے آئے آپ نے فرمایا میں چور کو کھولتے دیکھ رہا تھا لیکن ایسے کام میں مشغول تھا جو گھوڑے سے مجھے زیادہ پیارا تھا۔ کچھ دن گزرے کہ گھوڑا خود آپ کے سامنے آکر کھڑا ہو گیا۔ روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہؐ سرخ دھاری کی سیاہ چادر پہنے نماز پڑھ رہے تھے۔ جب سلام پھیرا تو فرمایا اس دھاری نے نماز کی طرف سے مجھے دوسری طرف لگا دیا۔

تقویٰ کی چند مثالیں

حضرت ابن سیرینؒ نے چالیس مٹکے گھی خریدا' غلام نے کسی مٹکے میں سے کوئی مردہ چوہا نکالا؟ ابن سیرین نے پوچھا کس مٹکے میں سے نکلا؟ غلام نے کہا معلوم نہیں۔ آپ نے تمام گھی پھینک دیا۔

ایک امام کا فتویٰ منقول ہے کہ قرضدار کے درخت کے سایہ میں بھی نہ بیٹھے کیونکہ حدیث میں آیا ہے کہ جو قرض نفع کو کھینچ کر لائے وہ سود ہے۔ کہا گیا ہے کہ ایک بار جنگل میں بایزید بسطامی نے کسی رفیق کے ساتھ اپنا

کپڑا دھویا۔ رفیق نے کہا کپڑا انگور کی بیل پر لٹکا دیجئے' فرمایا' ہم لوگوں کی دیوار میں میخ نہیں گاڑتے۔ ساتھی نے کہا درخت سے لٹکا دیجئے' فرمایا نہیں اس سے ٹہنیاں ٹوٹ جائیں گی۔ ساتھی نے کہا اذخر (ایک قسم کی گھاس) پر پھیلا دیجئے' فرمایا یہ چوپایوں کا چارہ ہے ہم جانوروں سے اس کو نہیں چھپا سکتے۔ آخر آپ نے اپنی پشت پر کپڑا ڈال لیا اور سورج کی طرف پشت کر کے کھڑے ہو گئے۔ جب کپڑے کا بالائی رخ سوکھ گیا تو الٹ دیا اور اس طرح دوسرا رخ بھی خشک ہو گیا۔

ابراہیم بن ادہم نے فرمایا ایک رات میں صخرہ بیت المقدس کے نیچے رہا۔ کچھ رات گئے دو فرشتے اترے اور ایک نے دوسرے سے کہا یہاں کون ہے؟ اس نے جواب دیا ابراہیم بن ادہم ہے۔ پہلے نے کہا' یہ وہی شخص ہے جس کے مراتب میں سے اللہ نے ایک درجہ گرا دیا ہے۔ دوسرے نے کہا اس کی کیا وجہ ہوئی؟ پہلا بولا۔ ابراہیم نے بصرہ میں کچھ چھوارے خریدے تھے اور سبزی فروش کے چھواروں میں سے ایک چھوارہ ابراہیم کے چھواروں میں گر گیا (اور ابراہیم کو اس کا علم بھی نہیں ہوا) ابراہیم نے فرمایا میں بیت المقدس سے بصرہ کو چل دیا اور اسی آدمی سے چھوارے خریدے اور اپنے چھواروں میں سے ایک چھوارہ اس کے چھواروں میں ڈال دیا اور بیت المقدس کو لوٹ آیا اور صخرہ کے نیچے رات کو سو گیا۔ کچھ رات گئے دونوں فرشتے آسمان سے اترے اور ایک نے دوسرے سے کہا یہاں کون ہے؟ دوسرے نے جواب دیا ابراہیم بن ادہم ہے۔ پہلے نے کہا وہی شخص جس نے (پرائی) چیز کو اس کی جگہ پر لوٹا دیا اور اس کا درجہ اونچا کر دیا گیا۔

اکثر مورخین نے جناب غوث اعظم کی کرامتوں کا ذکر کیا ہے۔ علامہ ذہبی نے کئی معتبر روایتیں ان کے تکلم علی الخواطر یعنی Thought Reading کی دی ہیں۔ شیخ عزالدین بن عبدالسلام کہتے ہیں۔ کسی بزرگ کی کرامتیں سوائے شیخ عبدالقادر کے ہمارے پاس تواتر کے ساتھ نہیں پہنچیں۔ پنجاب کا بچہ بچہ ان کی کرامتوں کے ذکر سے مانوس ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی زندگی ہی میں آپ کے داعیوں کے ہاتھ پر یمن' شام اور مصر میں لوگ قادری طریقہ میں داخل ہوئے۔ مغرب' سوڈان' روم اور ہند اور پنجاب میں صدیوں سے لوگ آپ سے عقیدت رکھتے آئے ہیں اور نذریں نیازیں دیتے ہیں۔ خواص پنجاب میں شیخ داؤد کرمانی شیر گڑھی' شاہ ابوالمعالی' حضرت میاں میر' شیخ ملا شاہ' نوشاہ گنج بخش اور ان کے متبعین شاہ عنایت لاہوری اور میر بلھے شاہ قصوری بہت سے گیلانی اور بہت سے اور بزرگ قادری طریقے کے پیرو تھے اور اس ملک اور ہندوستان اور مغرب کے بہت سے لوگ آپ کے روضہ کی زیارت کے لئے بغداد جاتے ہیں۔ یہ روضہ ۹۴۱ھ (۱۵۳۵ء) میں ترکیہ کے سلطانی سلیمان عثمانی نے بنوایا۔ اس پر نہایت خوبصورت کاشی کار گنبد ہے اور اس کے پاس ہی مسجد ہے اور اس کا پست سفید گنبد بھی عظیم الشان اور وسیع ہے۔ بیگم بھوپال نے یہاں ایک گھنٹہ گھر بھی بنوایا ہے۔ جناب غوث اعظم کی درگاہ شریف کے ساتھ بہت سے اوقاف ہیں جن میں اراضیات' باغات اور گاؤں شامل ہیں۔ جناب غوث اعظم کے وصال کے بعد آپ کا مدرسہ آپ کے صاحبزادہ کے اور ان کے بعد ان کے بیٹے عبدالسلام کے اور ان کے بعد ان کے عم زاد بھائی قاضی القضاۃ نصر بن عبدالرزاق کے سپرد ہوا تھا مگر مدرسہ اور رباط دونوں کو غالباً ۶۵۶ھ (۱۲۵۸ء) کے حملہ مغول میں نقصان پہنچا۔ موجودہ عمارات سلطان سلیمان کے زمانے کی ہیں۔

تیرے نقشِ پا کی مہک

ہیں تیری ذات سے وابستہ سلسلے کیا کیا
دل و نگاہ کے روشن ہیں قافلے کیا کیا
تری رسائی میں آواز اُڑتے لمحوں کی
تری نظر میں ہیں قسمت کے فیصلے کیا کیا
ہیں ایک رَو میں بشر مختلف زمانوں کے
مسافراں رہِ بغداد میں ملے کیا کیا
خوشا وہ ارضِ فلک مرتبت کہ جس کے لئے
رواں دواں ہیں عقیدت کے قافلے کیا کیا
وجود اُجال گئی تیرے نقشِ پا کی مہک
گلابِ نورِ شبِ ذات میں کھلے کیا کیا
ہیں مدح گو ترے اپنے ہنر سے شرمندہ
نہ کچھ کہا گیا، کہنے کو لب ہلے کیا کیا
مشاہدات نہ یاد تیری مجلس کی
ہوئے ہیں طے تری نسبت سے فاصلے کیا کیا
نہ منقبت ترے شایانِ شاں ہوئی کوئی
رہے ہیں اپنے ہنر سے ہمیں گلے کیا کیا
ہوا ہے تازہ و شاداب خاکدانِ ریاض
ترے سحابِ عطا سے گہر ملے کیا کیا

ریاض مجید

مقبولیت کے اسباب

مذاکرہ

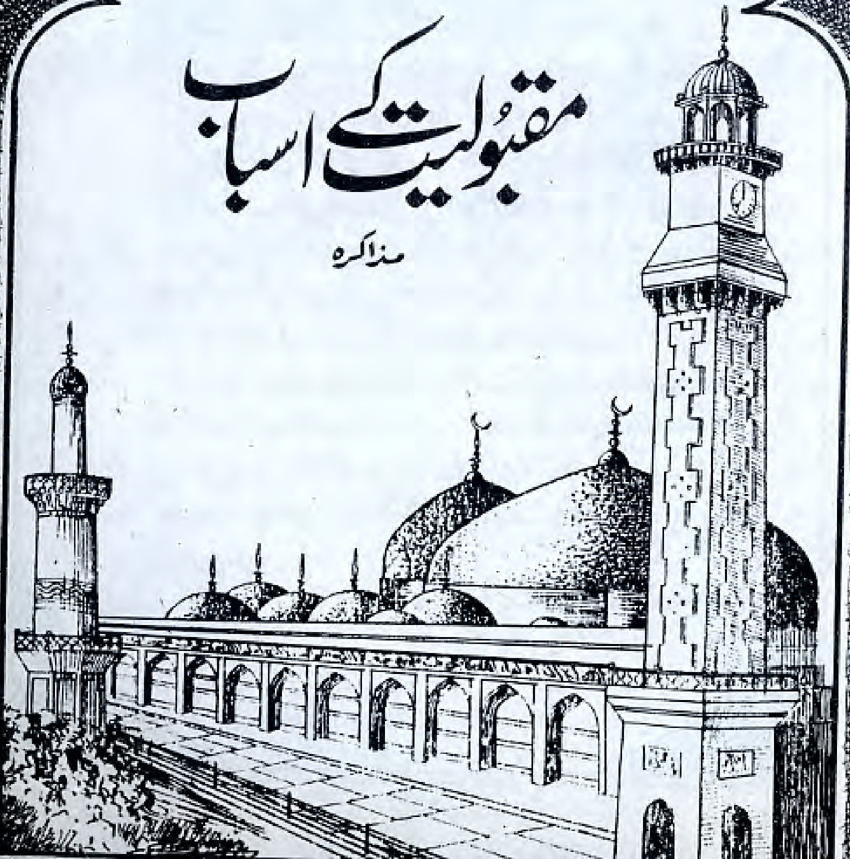

میرِ بغداد

نورِ نظرِ حیدرؓ و شاہِ زمنی　　محبوبِ تاجدارِ مکّی مدنی
لختِ جگرِ فاطمہؓ اے حضرتِ غوثؓ　　سروِ چمنستانِ حُسین و حَسنیؓ

ترجمہ۔ اے غوثِ پاکؓ! آپ مکّی مدنی تاجدار کے محبوب، حضرت علی کرّم اللہ وجہہٗ کے نورِ نظر، سیّدہ زہرا سلام اللہ علیہا کے لختِ جگر، گلزارِ حسنین علیہما الرّضوان کے سرو اور شاہِ زمن ہیں۔

در کسوتِ خسروی فقیر آمدہ ای　　سرخیلِ مشائخِ کبیر آمدہ ای
عبدالقادر! بحقِ جدّ الحسنینؓ　　دستم بر گیر! دستگیر آمدہ ای

ترجمہ۔ اے غوثِ پاکؓ! آپ مشائخِ عظام کے سردار اور لباسِ شاہی میں پیشوائے فقر ہیں؛ جدِّ حسنینؓ کے صدقے میری دستگیری فرمائیں کہ آپ کا لقب دستگیر ہے۔

چوں موجِ قبولِ ازلی می آید　　سالک، بہ درِ غوثِ جلیؓ می آید
آں تاجورِ فقر و امیرِ بغداد　　از گلشنِ او بُوئے علیؓ می آید

ترجمہ۔ جب ازلی قبولیت کی لہر موافقت میں اُٹھتی ہے تو اُس وقت خوش نصیب) سالک کو حضرت غوثِ اعظم قدس سرّہٗ کی بارگاہ میں رسائی میسّر آجاتی ہے۔ آپؓ فقر کے تاجدار اور شہنشاہِ بغداد ہیں، آپ کے گُل کدہ سے بُوئے علیؓ آتی ہے۔

ہستم سگِ آستانِ عبدالقادرؓ　　قسمت زدہ ام زخوانِ عبدالقادرؓ
گُفتا قدمم بہ گردنِ اقطاب است　　سُبحان اللہ! شانِ عبدالقادرؓ

ترجمہ۔ مَیں آستانِ غوثِ پاکؓ کا سگ اور آپؓ کے خوانِ کرم کا زلّہ خوار (بچا کُھچا کھانے والا) ہُوں۔ سُبحان اللہ! زہے شان و شوکت! آپؓ کا ارشادِ مبارک ہے کہ میرا قدم تمام اقطابِ زمانہ کی گردن پر ہے۔

سید نصیر الدین نصیر گیلانی (گولڑہ شریف)

شیخ کی ریاضت

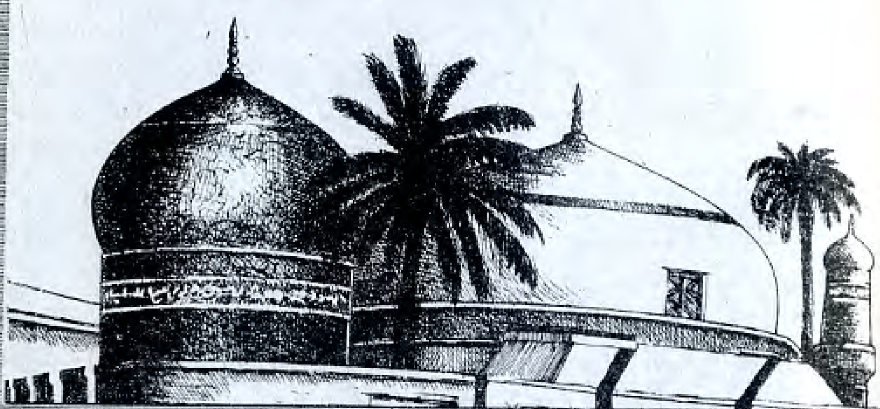

مولانا سعید الرحمٰن علوی

ادارہ قومی ڈائجسٹ، بہت سے مفید نمبر شائع کرنے کے بعد حضرت الشیخ عبدالقادر گیلانی قدس سرہ کے حالات و تعلیمات کے حوالے سے ایک خصوصی اشاعت کا مبارک عزم لے کر سامنے آیا ہے۔ ان سطور کے بے علم راقم سے بھی تقاضا ہوا۔ اس قسم کے موضوعات کبھی میری دلچسپی کا باعث نہیں رہے، تاہم اخلاص و محبت سے سامنے آنے والی خواہش کو نظرانداز کرنا بھی مشکل تھا، پھر سوچا اسی بہانے اس مردِ عظیم و جلیل کے متعلق کچھ پڑھنے کا موقعہ مل جائے گا جسے جنوبی ایشیا کے مسلمانوں کا بڑا حصہ بڑی اہمیت دیتا اور ان کی بڑی تعظیم بجالاتا ہے۔ شیخ گرامی کے حالات و تعلیمات کے حوالے سے کتابوں کی تلاش کے لئے بہت خاک چھانی۔ اسے میری بدنصیبی کہیں کہ بہت ہی کم چیزیں میسر آئیں۔ لاہور جو لائبریریوں کا شہر ہے اور جہاں اہل علم کے سائے ہمیشہ گھرے رہے، اس شہر میں بھی خاطر خواہ کامیابی نہ ہوئی۔ ایک لائبریری سے عربی زبان کی ایک مختصر سی کتاب نظر پڑی۔ خوشی ہوئی لیکن کھول کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ کسی "علم سے کورے عقیدت مند" نے "کرامات" جمع کر دی ہیں۔ بہرحال غور طلب بات یہی ہے کہ شیخ کی اس عظیم شہرت کے باوجود ان کے حوالہ سے تحریری سرمایہ نہ ہونے کے برابر ہے۔

حضرت شیخ سکہ بند حنبلی تھے۔ امام اہلسنّت حضرت الشیخ احمد بن حنبلؒ جیسے مجاہد عالم، محدث اور فقیہہ کے پیروکار، لیکن ان کے عقیدت مندوں کا زیادہ حلقہ اس خطہ میں ہے جہاں حضرت الامام ابو حنیفہؒ کے فقہی

متبعین کی کثرت ہے۔ شیخ گیلانی کی دو معروف کتابوں میں سے ایک یعنی "غنیتہ الطالبین" میں حضرت الامام ابو حنیفہ قدس سرہ کے متعلق ایسی رائے کا اظہار کیا گیا ہے جس سے دل پر چوٹ لگتی ہے۔ کتاب میں اہل بدعت (گمراہ طبقات) اور "تہتر فرقوں" کے ضمن میں "مرجیہ" کا تذکرہ ہے "مرجیہ" کون ہیں؟ شیخ فرماتے ہیں:

"اس گروہ کے لوگوں کا عقیدہ ہے کہ اگر کوئی آدمی ایک دفعہ "لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ" پڑھ لے اور اس کے بعد ساری عمر گناہ کرے تو پھر بھی وہ دوزخ میں نہیں جائے گا' اور ان کا مقولہ ہے کہ ایمان ایک قول ہے اور اس میں عمل اور احکام شریعت داخل نہیں اور وہ قول صرف کلمہ توحید کا کہنا ہے اور اسی قدر ایمان ہے' اور آدمیوں کا جو ایمان ہے اس میں کمی زیادتی نہیں ہوتی اور ان کا ایمان اور فرشتوں کا ایمان ایک ہے۔ اس میں کوئی کمی بیشی نہیں اور ایمان میں کوئی استثنا بھی نہیں ہے۔ اگر کوئی آدمی زبان سے اقرار کرے اور عمل نہ کرے تو وہ مومن ہوتا ہے" (ص ۱۹۲ اردو ترجمہ مطبوعہ لاہور ۱۳۹۴ھ)

انہوں نے اسی صفحہ پر مرجیہ کے بارہ فرقوں میں "حنفیہ" کا بھی ذکر کر کے حد کر دی۔ کسی قسم کی تفصیل کے بغیر اتنی بڑی بات حیران کن ہے' ایمان کے ساتھ اعمال صالحہ کی نسبت کیا ہے؟ ایمان میں اضافہ یا کمی کی حقیقت کیا ہے؟ یہ علم کلام کے بہت نازک اور پیچیدہ مسائل ہیں۔ ان پر تفصیلی گفتگو کا موقع نہیں' تاہم یہ کہے بغیر چارہ نہیں کہ حضرت الشیخ کا حضرت الامام ابو حنیفہ اور ان کے متبعین کے متعلق اس قسم کا تاثر دینا بہت ہی حیرانی کا باعث ہے جو ایسے اولوالعزم بزرگوں کی شان کے لائق نہیں اس کے باوجود جنوبی ایشیا بالخصوص پاکستان اور ہندوستان کی غالب حنفی آبادی کا ان کو اپنے سر آنکھوں پر بٹھانا احناف کی وسعت قلبی کی دلیل ہے----- شیخ نے غنیہ میں تسلیم کیا ہے کہ "مرجیہ میں حنفیہ سے مراد وہ لوگ ہیں جو امام ابو حنیفہ کے پیروکار ہیں۔ ان کا خیال یہ ہے کہ ایمان نام ہے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی معرفت و اقرار کا' اور اس بات کا کہ جو ان کی طرف سے آیا"----- اس عبارت پر حضرت مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا:

"یاد رہے کہ مرجیہ میں حنفیہ کا ذکر اس طبقہ (حنفیہ) کے مسلمہ مذہب کے خلاف ہے۔ وہ مسلمہ مذہب جو اس طبقہ کی کتب میں لکھا ہے' ہو سکتا ہے کہ بعض بد عقیدہ لوگوں نے امام ابو حنیفہ اور ان کے متبعین کے خلاف یہ بات شیخ کی کتاب میں مندرج کر دی ہو" (غنیہ کا فارسی ترجمہ از ملا سیالکوٹی مطبوعہ دہلی ۱۳۰۰ھ ص ۲۲۷ تا ۲۳۰ کا خلاصہ)

بہرحال مولانا سیالکوٹی نے ایک توجیہ کے ذریعہ شیخ کا دفاع کرنے کا اچھا فرض سرانجام دیا۔ یہ بات بہرحال طے ہے کہ اسلاف کی کتابوں میں گڑبڑ بہت ہوئی اور بہت سے بدعتی فرقوں نے باقاعدہ منصوبہ بندی سے یہ کام کیا۔

ہم نے عرض کیا کہ حضرت الشیخ کو شہرت عامہ نصیب ہوئی' بہت سے لوگ انہیں پیران پیر' پیر پیران' بڑے پیر صاحب اور ایسے ہی القابات سے یاد کرتے ہیں جو مخلوق میں ان کی قبولیت عامہ کی دلیل ہے۔ ان کی نسبت سے "گیارھویں" کی ایک رسم بھی ہمارے دیار میں بہت عام ہے۔ اس کی تفصیلات کی ضرورت نہیں کہ اکثر حضرات اس سے واقف ہیں' تاہم اس کی ایک توجیہ اور سامنے آئی جو دور طالب علمی میں اپنے ایک محترم اور صاحب نظر استاد سے سنی۔ ان کا فرمانا تھا اور بالکل صحیح کہ حضرت الشیخ کا دور ایسا تھا کہ چاروں طرف شیعہ برادری کا زور تھا۔ حکومتی سطح پر بھی اس کے گہرے اثرات تھے۔ اس برادری کے جو معتقدات و نظریات ہیں ان سے ہمیں

سروکار نہیں "کل حزب بمالدیھم فرحون" کے مصداق ہر شخص اور طبقہ اپنی سوچ اور طریقے پر مطمئن ہے' تاہم اکثر ایام اور علی الخصوص محرم کے دس ایام میں حضرت خاتم النبیین والمعصومین محمد عربی صلوات اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تربیت یافتہ جماعت کے اکثر و بیشتر افراد و اصحاب کے خلاف اس برادری کے منفی جذبات ہمیشہ ہی وجہ اضطراب ثابت ہوتے ہیں۔ اس زمانہ میں تو اس "بدعت سینہ" کا ارتکاب سرکاری سطح پر اور سرکاری سرپرستی میں ہوتا۔ حضرت الشیخ کو اللہ تعالیٰ نے وعظ و تذکیر کا بڑا ملکہ عطا فرمایا تھا۔ ایک کامیاب ترین واعظ و مذکر کی حیثیت سے ان کی شہرت دور دور تھی اور لوگ بڑی تعداد میں ان کی مجلس وعظ میں شرکت کرتے۔ ان کے وعظ جیسے موثر ہوتے اس کا اندازہ "الفتح الربانی" سے آسانی سے ہو جاتا ہے جو آپ کے مواعظ کا مجموعہ ہے' حضرت الشیخ گیارھویں محرم کو "فضائل و مناقب صحابہ" پر مجلس وعظ منعقد فرماتے اور کہنے والے کے بقول دس دن کے منفی اثرات دھل جاتے' شیخ کی نسبت سے یہی گیارھویں کی مجلس تھی جسے "بندگان ہوس" نے کچھ سے کچھ بنا دیا اور اب اس نے خاصی شرمناک شکل اختیار کر لی ہے۔

شیعہ برادری کے حوالے سے حضرت الشیخ کے نظریات جو کچھ تھے ان کا تذکرہ ہو جائے تو حرج نہیں کہ یہ ایک علمی امانت ہے۔ ابھی ان کی کتاب "غنیتہ الطالبین" کا ذکر آیا تھا---- اس میں حضرت فرماتے ہیں:

"اور روافض کے تمام فرقوں اور گروہوں کا اس پر اتفاق ہے کہ ان کا مسئلہ امامت از روئے عقل بھی ثابت ہے اور امام کا تعین اللہ تعالیٰ کے صریح حکم سے ہوتا ہے اور یہ کہ امام ہر طرح کی آفات سے اور غلطی اور بھول چوک سے بھی معصوم ہوتے ہیں----- اور ان حضرات کے انہی عقائد میں سے یہ بھی ہے کہ وہ حضرت علیؓ وسلام اللہ تعالیٰ علیہ کو تمام صحابہ کرام سے افضل مانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ رسول اللہؐ کے بعد کے لئے ان کو اللہ تعالیٰ اور رسول کی طرف سے صراحت کے ساتھ امام بنا دیا گیا تھا اور وہ بیزاری کا اظہار کرتے ہیں۔ حضرت ابوبکرو حضرت عمر اور ان کے علاوہ تمام ہی صحابہ کرامؓ سے' سوائے گنتی کے چند حضرات کے' اور ان کے گمراہانہ اور اسلام سوز عقائد میں سے یہ عقیدہ بھی ہے کہ رسولؐ کی وفات کے بعد حضرت علی کو امام و خلیفہ نہ ماننے اور نہ بنانے کی وجہ سے رسولؐ کی ساری امت مرتد ہو گئی سوائے چھ آدمیوں کے اور وہ چھ یہ ہیں علی' عمار' مقداد بن الاسود' سلمان فارسی اور دو اور آدمی (بس یہ چھ ہی مسلمان رہے باقی سب مرتد ہو گئے) ان کا ایک فاسد عقیدہ "عقیدہ رجعت" بھی ہے---- اور ان کا ایک عقیدہ یہ بھی ہے کہ امام کو دنیا اور دین کی تمام چیزوں کا علم ہوتا ہے' یہاں تک کہ دنیا بھر کے سنگ ریزوں اور کنکریوں اور بارش کے قطروں اور درختوں کے پتوں کی تعداد کا بھی ان کو علم ہوتا ہے اور اماموں کے ہاتھ پر انبیاء علیہم السلام کی طرح معجزات بھی ظاہر ہوتے ہیں" (غنیتہ عربی ایڈیشن ص ۱۵۶-۱۵۷)

شیخ مزید فرماتے ہیں:

"اور یہودیوں نے تورات میں تحریف کی' ایسے ہی ان حضرات نے قرآن کو محرف کیا' کیونکہ انہوں نے دعویٰ کیا کہ قرآن میں تغیر و تبدل کیا گیا ہے اور اس کی ترتیب میں الٹ پلٹ کیا گیا ہے اور وہ جیسا نازل ہوا تھا اس کو بدل دیا گیا ہے اور وہ اس طرح پڑھا جاتا ہے جو رسولؐ سے ثابت نہیں اور اس میں کمی بھی کی گئی اور اضافہ بھی کیا گیا" (غنیتہ عربی ایڈیشن ص ۱۶۲)

اس قسم کے افکار و نظریات جب کہیں نظر آئیں اور شیخ عبدالقادر جیسے "صوفی منش حضرات" بھی سختی اور

شدت کا رویہ اختیار کریں تو اسے سوائے "دینی غیرت" اور کس چیز کا نام دیا جا سکتا ہے؟ بلا شبہ یہ ان کی دینی غیرت ہے جس کی وجہ سے انہوں نے اس قسم کے افراد سے "سماجی بائیکاٹ" کا سخت ترین فتویٰ دیا ----- یاد رہے کہ غیرت و حمیت دین اسلام کا وہ عظیم سرمایہ اور متاع ہے کہ اس کے بغیر دین کا تصور ہی محال ہے۔ اس کائنات کے سب سے بڑے اور سچے انسان محمد عربی صلوات اللہ تعالیٰ علیہ وسلامہ نے اس حقیقت کی طرف اس طرح توجہ دلائی:

"میں تم سب سے زیادہ غیرت مند ہوں اور میرا رب مجھ سے بھی بڑھ کر غیرت مند ہے"

کسی معاشرے کے افراد سے غیرت کا رخصت ہو جانا اس معاشرے کی روحانی موت ہوتی ہے---- غیرت نام تھا جس کا گئی تیمور کے گھر سے۔ بات حضرت الشیخ کی "مروجہ گیارہویں" کی تھی اس ضمن میں یہ تفصیلات سامنے آ گئیں۔ امید کرتا ہوں کہ برادران دین اس سے حظ محسوس کریں گے۔

OOOOOO

حضرت الشیخ کے متعلق جو حالات سامنے آئے ہیں ان کے مطابق ان کی ولادت کا سال ۴۷۰ھ مطابق ۱۰۷۷ء یا ۱۰۷۸ء ہے جبکہ وفات کا سانحہ ۱۰ ربیع الآخر ۵۶۱ھ مطابق ۱۱ اپریل ۱۱۶۶ء کو پیش آیا۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اس کائنات رنگ و بو میں قمری حساب سے ۹۱ سال اور شمسی حساب سے ۸۹ سال تشریف فرما رہے جو بڑی معقول عمر ہے۔ اگر تعلیم و تربیت کے بیس برس بھی نکال دیے جائیں تو انہوں نے گویا ستر برس کے قریب تعلیم و تزکیہ کے میدان میں خدمت سرانجام دی---- جزاہ اللہ تعالیٰ احسن الجزاء دائرۃ المعارف جامعہ پنجاب لاہور کے مقالہ نگار کے مطابق:

"ان کے حالات زندگی پر مخصوص رسائل لکھنے والے (عقیدت مند) مصنفین انہیں اسلام کا سب سے بڑا ولی خیال کرتے ہیں۔ انکی زندگی اور سرگرمیوں کے بارے میں ان مصنفوں کے بیانات تاریخی سے زیادہ اخلاقی اور تبلیغی نوعیت کے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ یہ تحریریں ان کی زندگی کے تاریخی حالات کی فراہمی میں زیادہ مدد نہیں دیتیں" (ج ۱۲ ص ۹۲۴ مطبوعہ ۱۹۷۳ لاہور)

اسی مقالہ نگار کے مطابق "ابن تغری بردی" نے ان کے مولد یعنی جائے ولادت کا نام "جیل" لکھا جو واسط و بغداد کے درمیان ایک گاؤں ہے۔ باقی تمام ماخذ اس بات پر متفق ہیں کہ جناب محترم "عجمی الاصل" اور بحیرہ خزر کے جنوبی صوبے جیلان کے ایک مقام "نیف" کے رہنے والے تھے---- ۱۸ برس کی عمر میں تکمیل علم کی غرض سے بغداد میں جو تشریف لائے تو اسی شہر کے ہو کر رہ گئے (ص ۹۲۴ ج ۱۲) ان کے اساتذہ کے متعلق بہت سی تفصیلات سے قطع نظر جو نام بہت نمایاں ہیں ان میں التبریزی (وفات ۵۰۲ھ) ابوالوفاء بن عقیل (وفات ۵۱۳ھ) قاضی ابوالسعد المبارک المخرمی اور ابو محمد جعفر السراج (وفات ۵۰۰ھ) جیسے حضرات شامل ہیں۔ رحمھم اللہ تعالیٰ۔ تصوف، جس کی نسبت سے ان کا نام نمایاں اور بلند ہوا---- جس کے متعلق ہم آئندہ سطور میں کچھ عرض کریں گے---- اس میں ان کی عقیدت کا رشتہ "الشیخ ابوالخیر حماد الدباس" رحمہ اللہ تعالیٰ (وفات ۵۲۳ھ) سے ملتا ہے۔ دائرہ المعارف کے مقالہ نگار کے بقول الشیخ ابوالخیر صاحب تصنیف بزرگ تو نہ تھے لیکن بعض بندے ایسے ہوتے ہیں جو کاغذی کتابوں کے بجائے بندے تیار کرتے ہیں---- معروف ہندی بزرگ اور نقشبندی سلسلہ کے شیخ حضرت مرزا مظہر جانجاناں شہید رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اسی نسبت سے فرمایا تھا:

"اللہ تعالیٰ نے مجھ سے میری کارکردگی کے متعلق پوچھا تو قاضی "ثناء اللہ پانی پتی (رحمۃ اللہ تعالیٰ) کو پیش کر دوں گا-----!" قاضی صاحب معروف عالم تفسیر "مظہری" کے فاضل مولف ہیں، بلاشبہ یہ تفسیر ہمارے سرمایہ علمی میں نمایاں مقام کی حامل ہے اس کا اردو ترجمہ وقت کے اجل علماء نے کیا اور ابتدا میں ہندوستان کے دارالحکومت دہلی کے معروف ادارہ "ندوۃ المصنفین" سے شائع ہوا۔ پاکستان کے نامور عالم مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی قدس سرہ کی معروف تفسیر "معارف القرآن" کا سب سے بڑا ماخذ تفسیر مظہری ہے------

اسی طرح الشیخ ابوالخیر ہرچند کہ صاحب تصنیف و صاحب کتاب بزرگ نہیں لیکن شیخ عبدالقادر جیسی نامور شخصیت ان کی تربیت کی مرہون منت ہے۔ معروف مورخ ابن الاثیر نے الشیخ ابوالخیر کے متعلق لکھا:

"ان کا تقشف، زہد اور اتقا مسلم تھا اور وہ اپنے مریدوں سے سخت ریاضت کراتے (ج ۱۰ ص ۲۷۴) انہی مرد طریقت نے شیخ عبدالقادر کو "خرقہ خلافت" عطا فرمایا جو روحانیت کی تکمیل کی علامت شمار ہوتا------

دائرہ المعارف کے مقالہ نگار کے بقول ۵۲۱ھ مطابق ۱۱۲۷ء میں پچاس برس کی عمر میں پہلی بار وعظ کہا، جس کا مطلب یہ ہے کہ ان کی دعوت و تبلیغ کی عمر ۴۰ برس سے زائد ہے۔ سوانح نگار کہتے ہیں کہ ان کے وعظ کا چرچا بہت جلد دور دور تک پھیل گیا اور اس میدان میں اللہ تعالیٰ نے انہیں بڑی کامیابی سے نوازا۔ اس قصہ کے چھ سال بعد ان کے شیخ کا مدرسہ ان کے سپرد کر دیا گیا۔ آپ نے اہل ثروت کے مالی تعاون اور غربا کی جسمانی مشقت سے اس کی توسیع کا اہتمام کیا۔ کہا جاتا ہے کہ اس مدرسہ میں ان کے مشاغل افتاء اور درس تھے اور سب سے بڑھ کر وعظ و تبلیغ۔ شیخ کی سیرت و سوانح کے حوالہ سے پہلی کتاب ان کے ایک سو سال بعد لکھی گئی یعنی "بہجتہ الاسرار" جسے امام ذہبی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے ناقابل اعتماد قرار دے کر مسترد کر دیا ہے۔ اتفاق کی بات یہ ہے کہ یہی کتاب بعد کے جملہ مصنفین کا ماخذ ہے۔ اس کتاب میں حضرت والا کو "ولی کامل" قرار دیا گیا ہے۔ حضرت الشیخ کا اپنا ایک جملہ اس سلسلہ میں بڑا معروف ہے جس میں ولایت کا سب سے بڑا درجہ حاصل کرنے کا دعویٰ ہے۔ یہ جملہ ایسا ہے جو ہمیشہ ہی ان کی شخصیت کے ساتھ مربوط رہا---- وہ ہے

"قدمی ھذہ علی رقبتہ کل ولی اللہ"

(میرا یہ قدم ہر ولی اللہ کی گردن پر ہے)

کوئی بھی محتاط اور دین دار آدمی ایسی بات نہیں کر سکتا۔ دین تو عاجزی، تواضع اور انکسار کا نام ہے۔ زہد و اتقا اور صوفیانہ مسلک بجائے خود اس قسم کی تعلی کی نفی کرتا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ یاران طریقت نے بفحوائے "پیران نمی پرند مریداں می پرانند" یہ جملہ حضرت الشیخ کے گلے مڑھ دیا ہے۔ بہت سے حضرات نے روایتی انداز سے این و آن کا راستہ اختیار کر کے اس جملہ کی تاویلات و توجیہات پیش کی ہیں لیکن ایک محقق اور مخلص انسان کے نزدیک ایسا محض تکلف ہے اور اس قسم کے تعلقات سے بہتر ہے کہ اس قسم کے اقوال و کلمات کی نفی کر دی جائے کیونکہ کوئی بڑے سے بڑا انسان بھی اپنی تمام تر عظمت کے باوجود معصوم نہیں ہوتا۔ حضرت الشیخ کے نام "القصیدیتہ الغوثیہ" کے عنوان سے جو نظم منسوب ہے اس کے متعلق دائرہ المعارف کے مقالہ نگار کا کہنا ہے:

"اس نظم میں جس کا لب و لہجہ ان کی مصدقہ تحریرات سے جداگانہ ہے، (اس میں) ان کے "سر" کا ذکر ہے، جسے آگ کو بجھانے، مردوں کو زندہ کرنے، پہاڑوں کو ریزہ ریزہ کرنے اور سمندروں کو خشک کرنے کی طاقت

حاصل ہے اور اس میں ان کے مرتبے کی بلندی کو ظاہر کیا گیا ہے، شیخ عبدالقادر میں خدا کی ناقابل تصور اور ناقابل فہم شان جلوہ گر ہے۔ شیر خواری کے زمانے سے لے کر جب انہوں نے اپنی والدہ کا دودھ پینے سے انکار کر کے ماہ رمضان کے شروع ہونے کی خبر دی، ان کی زندگی مسلسل کرامات و خوارق عادات کا سلسلہ ہے۔ ان کی شکل و صورت ان کا علم، ان کی طاقت سب میں خرق عادت مضمر ہے، وہ دور، کے گنہ گاروں کو سزا دیتے ہیں اور معجزانہ طریق سے مظلوموں کی امداد کرتے ہیں، پانی پر چلتے اور ہوا میں اڑتے ہیں۔ ان کے لئے کوئی بات غیر ممکن نہیں ان کی مجالس میں فرشتے اور جن "ساکنان عالم خفی" حاضری دیتے ہیں بلکہ خود نبی اکرمؐ تشریف لا کر اپنے استحسان کا اظہار فرماتے ہیں (ص ۹۲۷ ج ۱۲) فاضل مقالہ نگار بین السطور جس چیز کا ماتم کر رہے ہیں اس پر توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ "یاران طریقت" جب بات بنانے پر آتے ہیں تو الامان الامان کی صدا کے بغیر چارہ نہیں ہوتا۔

آج بھی بہت سے بے توفیق واعظوں کی زبان سے آپ ایسے قصے سنیں گے کہ توبہ بھلی---- مثلاً یہ تو اپنی سنی بات ہے کہ سفر معراج میں ایک مرحلہ پر حضور اقدسؐ کی ذات گرامی کو سہارے کی ضرورت پڑی تو یہ فرض شیخ عبدالقادر نے پورا کیا اور یہ بات ایک ثقہ دوست نے سنائی کہ ایک "خطیب لبیب" جمعہ کے دن مسجد پر وعظ کے دوران حضرت کے دھوبی کا ذکر کر رہے تھے کہ اس کی موت کے بعد اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ فرشتے قبر میں سوال و جواب کے لئے آئے تو دھوبی صاحب نے یہ کہہ کر انہیں حیرت میں ڈال دیا کہ وہ کچھ نہیں جانتا وہ تو شیخ کا دھوبی ہے اور سامعین اس وقت اور بھی اضطراب و پریشانی کا شکار ہو گئے جب خطیب صاحب نے انکشاف کیا کہ فرشتے بارگاہ رب العزت میں گئے اور سارا ماجرا کہہ سنایا تو اللہ رب العزت نے بھی گویا فرشتوں کو ڈانٹ دیا کہ تم اس کے پاس گئے کیوں؟ امام ولی اللہ دھلوی کے نامور پوتے مجاہد فی سبیل اللہ مولانا محمد اسماعیل شہید کے حوالہ سے دو ایک ایسی روایتوں کا انکشاف ہوا کہ وہ جون جولائی کی گرمی میں دہلی کی مسجد کے صحن پر دوپہر کو چلتے، کہ آنے والے وقت کی سختیاں برداشت کرنا آسان ہوں---- اللہ تعالیٰ بھلا کرے مولانا غلام رسول مہر مرحوم کا جنہوں نے حضرت الامیر سید احمد بریلوی قدس سرہ اور ان کے اعوان و انصار اور ان کے جہادی سفر کی محققانہ تاریخ لکھی---- مولانا نے دلائل سے ثابت کیا کہ مولانا اسماعیل کے حوالے سے ان کہانیوں کی کوئی حقیقت نہیں اور ان کی عظمت کا راز ان کے کردار میں مضمر ہے اور اس ایثار و قربانی میں، جو ان کی ذات سے وابستہ ہے اور بقول حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری رحمتہ اللہ تعالیٰ، جس کا مظاہرہ اس سطح پر دور صحابہ کے بعد نظر نہیں آتا۔ دائرۃ المعارف کے فاضل مقالہ نگار، پتے کی بات کہتے ہیں:

حضرت الشیخ عبدالرحمن بن علی (ابن الجوزی وفات ۵۹۷ھ) اپنے سامعین کو تلقین کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اپنے مطالعے کو صرف دینی ماخذ اور متعلقہ ادب ہی تک محدود نہ رکھیں بلکہ اخلاقی اور ادب آموز کتابیں بھی پڑھیں---- اس کی وجہ یہ ہے کہ بقول مقالہ نگار---- کہ انہیں عقلیت کے خطرے کا پورا پورا احساس تھا۔ ابن الجوزی جیسے متین اور باوقار حنبلی بزرگ کے سامنے ماضی کے متقی اور مثالی اشخاص کے حالات تھے۔ شیخ عبدالقادر کے متعلق جو ادب شائع ہو چکا ہے وہ ایسے شخص کی زندگی پیش نہیں کرتا جس کی دوسرے لوگ پیروی کر سکیں۔ اس ادب کا موضوع تخن الوہیت کو محسوس وجود کی شکل میں اس کا ناقابل تصور اور معجزانہ صفات کے ساتھ پیش کرتا ہے۔ ولی کو اس صورت حال میں، جس میں دین کے تقاضوں کو پورا نہیں کیا جا سکتا بظاہر ایک ایسی ہستی کا تشخص بنا دیا گیا ہے جو انسانی کوشش سے ناقابل حصول ہے۔ ولی مطالبات نہیں کرتا یعنی

کچھ مانگتا نہیں (حالانکہ مانگنا ہی انسانیت و ولایت کی معراج ہے اور صرف اللہ تعالیٰ سے) بلکہ ان لوگوں کو برکت دیتا ہے جو خفی عبادت کرتے ہیں (سوال یہ ہے کہ پاپائیت اس کے سوا کیا ہے؟) اس اعتبار سے شیخ عبدالقادر اسلام میں معروف ترین وسائل میں سے ایک وسیلہ ارتباط بن گئے (ص ۹۲۷-۲۸- ج ۱۲) ظاہر ہے کہ اسلام کی بے لاگ تعلیم اس قسم کے تصورات کی مطلق اجازت نہیں دیتی، لیکن اس میں اللہ نہ کرے قصور حضرت الشیخ کا نہیں، قصور ان پاپیوں کا ہے جنہوں نے دین اسلام کے چشمہ صافی کو گدلایا اور قرآن و سنت کے شفاف ماخذ ہائے دین کو نظر انداز کر کے قصہ کہانیوں پر قناعت کر لی۔

اس قسم کی کرامات، مکاشفات اور کہانیاں تفنن طبع کے لئے گھڑے گئے وہ افسانے ہیں جن کا شکار آج بھی بہت سے لوگ ہیں۔ اہل لاہور نے چند سال قبل مجلس اقبال میں فرزند اقبال اور ایک دبنگ مولوی صاحب سے اقبال کے متعلق جو کہانیاں سنیں تو سامعین محو حیرت ہو گئے۔ دبنگ مولوی صاحب کا معاملہ تو یہ تھا کہ ایسی باتیں ہی ان کا ذوق ہے لیکن سامعین محو حیرت فرزند اقبال پر تھے جو تمام تر روشن خیالی کے باوصف اپنے بابا کو "پیر طریقت" ثابت کر رہے تھے، اللہ تعالیٰ بھلا کرے اس مجلس کے صدر مرحوم جسٹس درانی کا کہ انہوں نے خطبہ صدارت کے دوران ان تقریروں پر عملی تنقید کر کے ان جھوٹے غباروں سے ہوا نکال دی، حالت یہ ہے کہ بڑے لوگوں کے متعلق ہربات دھڑلے سے کہہ دی جاتی ہے اور سوچنے والے نہیں سوچتے کہ کوئی کتنا ہی بڑا ہو، ہے اللہ کا بندہ اور اس کی بارگاہ کا فقیر و محتاج۔

شہر علم لاہور میں آسودہ خواب حضرت علی ہجویری رحمتہ اللہ تعالیٰ خدمت دین و علم کے جذبہ سے لاہور آئے، انہیں "داتا گنج بخش" اور ایسے ہی ناموں سے یاد کیا جاتا ہے حالانکہ وہ خود ان باتوں سے سختی سے روکتے ہیں۔ پاکستان کی شرعی کورٹ کے اعلیٰ جج کی سرپرستی میں چلنے والے ایک تجارتی کتب خانہ سے حضرت کی کتاب "کشف الاسرار" چھپی، جس میں شیخ اپنے آپ کو اپنے نام "علی" سے مخاطب کر کے فرماتے ہیں کہ لوگ تجھے گنج بخش وغیرہ کہتے ہیں حالانکہ یہ ذات محض اللہ تعالیٰ کی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ شیخ حقیقی اولاد سے محروم تھے، جو قدرت کی طرف سے تازیانہ ہے ان کندہ ناتراش واعظوں اور عقل سے عاری عقیدت مندوں کے لئے جو ایسے حضرات کے لئے القابات گھڑتے وقت کچھ نہیں سوچتے، کاش ہمارا عقیدہ توحید خالص و شفاف ہوتا تو ہم احتیاط برتتے۔ شیخ کی کتاب "کشف المحجوب" کو ایک "مکمل شیخ" قرار دینے والے اسی کو پڑھ لیتے، ہم تو اس کتاب کا صحیح نسخہ کا اہتمام نہ کر سکے، اس کا بھی اہتمام کیا تو ایک "کافر فرنگی" نے جو چھپا "دھریہ روس" کے ایک شہر سے، ہمارا کام بس کہانیاں گھڑنا اور افسانے تراشنا ہے کہ سید ہجویری نے گوالے سے دودھ مانگا، اس کے انکار سے اس کے جانور کے تھنوں سے خون آنے لگا---- فیاللعجب---- اللہ تعالیٰ کے مخلص بندے ایسے ہی مختم مزاج ہوئے ہیں؟ اور انہیں ایسے ہی اختیار حاصل ہوتے ہیں---- انا للہ وانا الیہ راجعون

ع یہ مسلماں ہیں جنہیں دیکھ کے شرمائیں یہود

یہی المیہ حضرت الشیخ جیلان کا ہے انہیں "غوث اعظم" ---- دستگیر، اور کیا کیا کہا جاتا ہے حالانکہ یہ سب خصائص اللہ رب العزت کے ہیں، کوئی دوسرا ان میں شریک ہے نہ سہیم، ان کے کامیاب ترین اور موثر ترین مواعظ کے مجموعہ "الفتح الربانی" کو پڑھ لیا جاتا جن کا اردو ترجمہ ایک بہت ہی ذمہ دار اور ذی علم شخصیت نے کیا تو لوگ اس قسم کی بے راہ روی کا شکار نہ ہوتے---- یہاں تو اعلیٰ عدالتیں اپنے بے توفیق اہلکاروں کے سبب

گیارہویں کو بند ہوتی ہیں----- فیاللعجب- آج کی گیارہویں یہ ہے کہ پورے بازار میں دودھ کی شکل دیکھنے کو نہ ملے' خالص دودھ "امت محمدیہ کے احبار و رہبان" کی پیٹ پوجا کے لئے وقف ہو کر رہ جائے باقی سارا سال دودھ اور پانی کی لگ بھگ نصف نصف آمیزش سے گوالے جو کچھ بیچتے ہیں اس پر کبھی کسی نے تنقید کی نہ شرم دلائی' الٹا سرٹیفکیٹ بانٹے جاتے ہیں کہ اس خاص تاریخ کو "خالص دودھ کا نذرانہ" تمام گناہ اور پاپ دھونے کا باعث بنے گا-----؟

ان کی معروف کتاب "الغنیتہ" کے متعلق دائرہ المعارف کے مقالہ نگار کا کہنا ہے:

"اس میں ان کی حیثیت ایک معلم دینیات کی ہے- اس کتاب کے شروع میں ایک سنی مسلمان کے اخلاقی اور معاشرتی فرائض کی وضاحت کی گئی ہے (بہتر معاشرتی ہے) ازاں بعد اس میں حنبلی مسلک کے ایک رسالے کی صورت میں وہ معلومات درج کی گئی ہیں جن کا حاصل کرنا ہر مومن کے لئے ضروری ہے- اس میں اسلام کے تہتر فرقوں کی ایک مجمل سی تشریح بھی شامل ہے اور آخر میں تصوف کے مخصوص طریقے کا ذکر کیا گیا ہے- غالی حنبلی ان مخصوص فرائض کو جنہیں صوفیہ نے اپنے آپ پر لازم گردان لیا ہے' محل نظر قرار دیتے ہیں' امام ابن تیمیہؒ کے نزدیک بعض ایام کی مخصوص اجتماعی دعائیں جو غنیہ میں مکی کی "قوت القلوب" سے لے کر درج کی گئی ہیں- اس وقت محل اعتراض بن جاتی ہیں جب وہ شرعی فریضے کی حیثیت اختیار کر لیں' لیکن احکام شرعیہ کے ساتھ تصادم جیسا کہ ابن الجوزی نے "تلبیس ابلیس" میں اپنے زمانے کے صوفیوں کے ہاں بیان کیا ہے' شیخ کی تحریروں میں نظر نہیں آتا- نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام کے سامنے' جیسا کہ وہ قرآن و سنت میں آیا ہے' چوں و چرا کے بغیر سر تسلیم خم کر دینا ہی کسی صوفی کے اس دعوئی کو خارج از بحث کر دیتا ہے کہ اسے مستقل وحی و الہام کے ذریعے سے پیغام ملتا ہے- اعمال نافلہ (جن کا صوفیا کے نزدیک بہت اہتمام ہوتا ہے) کی بجا آوری کا مطلب یہ ہے کہ احکام الٰہی کے مطالبات (فرائض) کو اس سے پہلے ادا کیا جا چکا ہے (اس کتاب میں) اگرچہ مجاہدات اور ریاضات کی ممانعت نہیں کی گئی' تاہم ان کی اجازت بعض شرائط کے ساتھ ہی دی گئی ہے- استغراق پیدا کرنے والے مشاغل کی تحدید ان فرائض کی بجا آوری سے ہوتی ہے جو اہل و عیال اور معاشرے کی طرف سے انسان پر عائد ہوتے ہیں (ج ۱۲ ص ۹۲۶) حضرت الشیخ کے مواعظ کا مجموعہ "الفتح الربانی" کے نام سے شائع شدہ موجود ہے- ۶۲ خطبات پر مشتمل یہ مجموعہ عربی میں قاہرہ مصر سے ۱۳۰۲ھ میں شائع ہوا' اس کا اردو ترجمہ ہمارے یہاں عام ملتا ہے- ان خطبات میں جناب موصوف نے لوگوں کو "ولی کامل" کی طرف بالعموم توجہ دلائی ہے- ان خطبات کی زبان سادہ اور عام فہم ہے کیونکہ ان کے مخاطب صوفیا ہی نہیں عام انسان تھے- سادہ زبان میں اخلاقی نصائح کا بہت اہتمام کیا گیا ہے---- شیخ نے جس "تصوف" کی تعلیم دی وہ کیا ہے؟ دائرۃ المعارف کے مقالہ نگار کا کہنا ہے:

"انہوں نے جس تصوف کی تعلیم دی وہ نفس و ہوی کے خلاف جہاد کرنے پر مشتمل ہے' جو جہاد بالسیف سے (جو کفار کے مقابلے میں ہوتا ہے) افضل اور اکبر ہے اور اسی طرح شرک خفی پر' یعنی اپنے نفس کے بت کی پرستش پر' نیز جملہ مخلوقات کے اصنام پر غلبہ حاصل کرنے اور ہر خیر و شر میں اللہ تعالیٰ کی رضا کو کار فرما دیکھنے اور اس کی شریعت کے مطابق اس کی رضا کے سامنے سر تسلیم خم کر دینے کا نام ہے (ج ۱۲ ص ۹۲۷)

افسوس یہ ہے کہ شیخ کی سیدھی سادی تعلیم کے برعکس یاران طریقت نے کہانیوں کا بازار گرم کیا اس سلسلہ

میں ان کے پہلے سوانح نگار "الشطنوفی" کی کتاب "بہجتہ الاسرار" کا تذکرہ آچکا جو ان سے سو سال بعد لکھی گئی اور جسے امام ذہبی جیسے صاحب نظر مورخ نے ناقابل اعتماد قرار دیا- اس کتاب میں انہیں افضل و اعظم ولی ظاہر کیا گیا اور ولی کامل کی ایک ایسی تصویر پیش کی گئی جس کے نمونے کی پیروی ممکن نہیں' گویا ولی کامل وہ ہوتا ہے جو اپنے زہد و اتقا کی پیداوار ہو اور جس نے اپنے مثالی تصور کو عملی صورت دینے کی امید ترک کر دی ہو---- سوال یہ ہے کہ ایسی ولایت ایسی بزرگی اور ایسی شیخیت کس کام کی' جس کا ہر معاملہ لوگوں کے سر سے گزر جائے' ولایت قرآن کریم کے نقطہ نظر سے اس چیز کا نام ہے کہ تعلق مع اللہ کے ساتھ ساتھ تعلق مع المخلوق کا سلسلہ بھی قائم رہے تاکہ ختم نبوت کے بعد صالحین امت کا ایسا گروہ دنیا میں موجود رہے جس کے عمل و کردار پر بڑی حد تک نبوت کی چھاپ ہو اور ان کے اعمال و افعال میں قرآن و سنت کی روح جھلکتی نظر آئے اور لوگ باگ ان سے عملی استفادہ کر سکیں----- قرآن عزیز نے ابتدائی سورہ "الفاتحہ" میں جو دعا سکھلائی وہ ہے "صراط مستقیم کی طلب"---- لوگوں پر لازم ہے کہ وہ اس کی "طلب" سے کبھی غافل نہ ہوں---- بہت سی نعمتیں مل جاتی ہیں' اس کے بعد ان کی "حفاظت" کا مسئلہ ہوتا ہے----- "ہدایت" اور "صراط مستقیم" ایسی ہی نعمت ہے- آل عمران کی آیت ۸ میں کائنات کے خالق اور رب نے بندوں کو اسی طرف توجہ دلائی کہ برابر اپنے رب سے فریاد کرتے رہو کہ ہدایت بخشنے والے اور صراط مستقیم دکھلانے والے ہمیں گمراہی اور کجی سے بچانا---- تو الفاتحہ کی آیت ۵ میں "صراط مستقیم" کی جس طلب کا ذکر ہے اس کی عملی شکل کے لئے آیت چھ میں "منعم علیہم طبقات" کی راہ کا ذکر ہے کہ ان کی راہ ہی "صراط مستقیم" ہے اور اسی کی طلب کے لئے انسان کو ہر وقت اپنے رب سے فریاد کرتے رہنا چاہیے---- یہ "منعم علیہم" طبقات و گروہ کون ہیں؟ اس کو انسان کی دانش کے سپرد کرنے کی بجائے خود اللہ تعالیٰ نے بتلایا کہ وہ طبقات چار ہیں- انبیا علیہم السلام---- حضرات صدیقین---- شہداء اور صالحین (النساء آیت ۶۹)

مولانا ابوالکلام آزاد خلد آشیانی نے اپنی معرکتہ الاراء قرآنی خدمت---- ترجمان القرآن---- میں اس آیت کا ترجمہ اس طرح کیا:

"اور جس کسی نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کی تو بلاشبہ وہ ان لوگوں کا ساتھی ہوا جن پر خدا نے انعام کیا ہے اور وہ نبی ہیں' صدیق ہیں' شہید ہیں اور تمام نیک اور راست باز انسان ہیں اور (جس کسی کے ساتھی ایسے لوگ ہوں تو) ایسے ساتھی کیا ہی اچھے ساتھی ہیں"---- مطبوعہ دہلی ۱۹۸۹ء ساہتیہ اکیڈمی---- (ج ۲ ص ۴۸۶)

ان چار گروہوں کی ذرا سی وضاحت!

"انبیا سے مقصود خدا کی سچائی کے وہ تمام پیغام بر ہیں جو مختلف عہدوں اور مختلف قوموں میں پیدا ہوئے اور جنہوں نے نوع انسانی کو خدا پرستی اور نیک عملی کی راہ دکھائی-"

"صدیق اسے کہتے ہیں جس میں سچائی کی روح غالب ہو یعنی ایسا انسان جو سچائی سے فطری مناسبت رکھتا ہو اور اسے دیکھتے ہی پہچان لیتا اور قبول کر لیتا ہے-"

"شہید کے معنی ہیں گواہی دینے والا' یعنی ایسا انسان جو اپنے قول و عمل سے سچائی کا اعلان کرنے والا ہو اور دنیا میں اس کے لئے شہادت و محبت قائم کر دے-"

"صالحین سے مقصود وہ تمام انسان ہیں جو اپنے اعتقاد و عمل میں نیک اور راست باز ہوں۔"

سورہ فاتحہ میں "صراط الذین انعمت علیھم" سے مقصود انہی گروہوں کی راہ ہے۔" (ج ۲ ص ۴۸۷) اس کا مفہوم بڑا واضح ہے کہ راہ کے رہنما کے حساب سے سب سے بڑھ کر تو معاملہ انبیاء علیھم السلام کا ہے جو اپنی قوموں اور امتوں کو محض بتلاتے ہی نہیں بلکہ دکھلاتے بھی ہیں---- اسی پس منظر میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام (الممتحنہ: ۴) اور حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم (الاحزاب: ۲۱) کے "اسوہ حسنہ" کا ذکر کیا۔ رہ گئے دوسرے طبقات تو الممتحنہ والی آیت اور اس سورہ کی آیت ۶ میں اس کا بھی واضح اشارہ ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ "والذین معہ" (آیت نمبر ۴) کا ذکر ہی تو آیت نمبر ۶ میں "لقد کان لکم فیھم اسوۃ حسنہ" کا ارشاد ہے۔ پھر حضور اقدس محمد عربی صلوات اللہ تعالیٰ علیہ وسلامہ کی ختم نبوت کے پیش نظر باقی طبقات اور گروہوں کی عملی رہنمائی اور ضروری ہو جاتی ہے اسی لئے النساء کی محولہ بالا آیت میں اس نعمت کا اظہار کر دیا گیا تاکہ راستہ کے راہی کسی دور میں عملی رہنمائی سے محروم نہ ہوں---- حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرات صحابہ کرام کے حوالہ سے "ما انا علیہ واصحابی" کی جس مثالی راہ کا ذکر کیا' وہ بڑی اہم ہے کہ حضرات صحابہ میں صدیقیت' شہادت اور صالحیت کی ہر سہ صفات و خصائص موجود تھیں۔ ان کے بعد کسی طبقہ یا گروہ کا اس طرح ہمہ صفت موصوف ہونا تو شاید قدرت کی سنت کے مطابق نہ ہو لیکن خیر و صلاحیت اور صالحیت کے شرف سے مشرف بہت سے ہوئے اب بھی ہیں اور یہ بجائے خود اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے۔ ان حضرات گرامی کو جن میں ایک شیخ عبدالقادر بھی شامل ہیں---- اسی حوالہ سے دیکھنا چاہیے کہ اصل ضرورت اسی کی ہے کہ یہ حضرات رہنمائی کے منصب پر فائز ہوں نہ کہ انہیں ایسا بنا دیا جائے کہ ان کو پڑھ کر آدمی سر پیٹنے لگے اور کہنے لگے

ع کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی۔

یاد آیا کہ مرحوم مسعود کھدر پوش' بڑے دبدبہ والے سرکاری افسر تھے۔ حضرت مولانا احمد علی لاہوری اور مولانا غلام مرشد جیسے اصحاب علم اور خادمان قرآن کی حسن تربیت نے مسعود صاحب کے اندر کے انسان کو بیدار کر دیا تھا' اسی اندرونی انسانیت نے ان سے ہاری رپورٹ پر ایک زبردست اختلافی نوٹ لکھوا دیا' جس کی اہمیت کا اس وقت مسلم لیگی اکابر نے احساس کر لیا ہوتا تو پاکستان کے بہت سے مسئلے حل ہو چکے ہوتے' لیکن اس اختلافی نوٹ کو اس طرح چھپایا گیا جیسے کوئی گنہگار خاتون اپنے ناجائز بچے کو چھپاتی ہے---- ایوبی مارشل لا سے قبل کی حکومت کا یہی المیہ تھا---- بہرحال ون یونٹ کے زمانہ میں مرحوم محکمہ اوقاف کے کرتا دھرتا تھے۔ اسی دوران ۱۹۶۵ء کی جنگ کا مرحلہ آیا۔ وہ جنگ جیتی گئی یا ہاری گئی اس بحث سے قطع نظر تاثر جیتنے کا ہی تھا---- اس "جیت" کے پیش نظر "یوم تشکر" کا اہتمام کیا۔ واعظان بے توفیق کے طبقہ نے اور جائے جلسہ قرار پائی مخدوم ہجویری کی خانقاہ---- مٹی کی مورتیوں اور ڈھیروں کو خدا کہنے والے اعلیٰ سرکاری افسروں کو کس طرح نظر انداز کرتے؟---- مسعود صاحب سے گزارش کی گئی کہ وہ مہمان خصوصی کی حیثیت سے تشریف لائیں' مرحوم آ گئے' کہتے کہ چاندنیاں اور گاؤ تکیے---- ساتھ ہی خوشبو کا وافر انتظام---- سرمہ و کاجل سے مرصع نورانی صورتیں اور تقریریں یہ کہ ہندوستانی بم داتا صاحب پکڑ کر راوی میں سا، تے---- داتا حضور نے لاہور بچا لیا---- مسعود صاحب کو دیر تک یہ ہفوات سننا پڑیں۔ اب جو اٹھے تو انہوں نے عوام کے بجائے

"خواص" کو آڑے ہاتھوں لیا۔ سیرت نبوی کے حوالہ سے پوچھا کہ کیا پیغمبر اسلام کا درجہ حضور داتا سے بھی معاذ اللہ کم تھا کہ آپ کے وجود مقدس کے باوصف احد اور حنین میں وقتی ہزیمت ہوئی---- پھر یہ کہ حکومتیں کتنی احمق ہیں کہ بلاوجہ دفاع پر اربوں روپیہ لٹا رہی ہیں۔ دفاع کا سارا کام انہی بندگان خدا کے سپرد کر دینا چاہیے---- مسعود صاحب نے خواص کو لتاڑا کہ تم غیر شعوری طور پر دشمن کے ایجنٹ کا کردار ادا کر کے قوم کو دفاع سے غافل کرنا چاہتے ہو اور باور کرانا چاہتے ہو کہ بس داتا صاحب موجود ہیں' مزید کسی اہتمام کی ضرورت نہیں---- اور یہ بھی تو ہے کہ ہندوستان میں تو بہت داتا صاحبان ہیں' انہوں نے اس اسلامی مملکت (پاکستان) کی خاطر بم وہیں کیوں نہ روک لئے----؟ مرحوم کی گفتگو ٹھیٹھ پنجابی میں تھی---- وقفہ وقفہ سے دائیں بائیں بیٹھے خواص کی طرف متوجہ ہو کر "الیس منکم رجل رشید" کا قرآنی ٹکڑا پڑھ کر اس کا پنجابی ترجمہ جو کرتے تو یاران طریقت افسری کے ڈر سے واہ واہ کہتے۔ ترجمہ تھا---- تہاڈے وچ کوئی بندے دا پتر نئیں؟

مسعود صاحب کی اس تقریر کے سبب مسجد میں ان کے خلاف یاران طریقت حرکت میں آئے اور ان کے نعرہ مستانہ "الارض للہ" سے خار کھانے والی نیم مذہبی سیاسی جماعت---- جماعت اسلامی---- نے بھی یاران طریقت کا ساتھ دیا۔ روایات گھڑنے اور افسانہ تراشی کی بات آئی تو خود شیخ عبدالقادر جیلانی کے متعلق بھی سن لیں۔ پنجاب میں سکھ گردی کے دور میں سکھ افواج گوجرانوالہ میں چٹھہ حضرات سے نبرد آزما تھیں تو حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی سکھوں کی ہمنوائی میں لڑ رہے تھے---- "دیمہ خدا" کے مولف (اے آر شبلی) کی روایت ہے:

"---- رنجیت سنگھ نے رسول نگر پر حملہ کر دیا وہ چاہتا تھا کہ چٹھوں کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا جائے۔ چٹھے بے جگری سے لڑے لیکن سکھ فوج کے سامنے ان کی کچھ پیش نہ گئی کہتے ہیں کہ پیروں اور ولیوں نے بھی اس موقعہ پر چٹھوں کا ساتھ دینے سے انکار کر دیا۔ چٹھوں نے اپنے گاؤں کے ایک پیر کو دعا کے لئے کہا تو اس نے جواب دیا "تمہاری امداد میرے اختیار سے باہر ہے' پیران پیر (شیخ عبدالقادر) خود سبز چولہ پہن کر سکھوں کے شانہ بشانہ تمہارے خلاف لڑ رہے ہیں۔ (ص ۲۷ اشاعت لاہور ۱۹۹۳ء)

اس بے توفیق پیر نے حضرت الشیخ کو سکھوں کے شانہ بشانہ نہ کھڑا کر دیا کیوں----؟ چٹھے ہرچند گنہگار ہوں گے لیکن تھے تو مسلمان---- شیخ ان گنہگار مسلمانوں کو چھوڑ کر ظالم سکھوں کے ساتھی کیوں بنے؟---- افسوس کہ مسلمانوں کی جہالت اور توہم پرستی نے یہ حال کر دیا ورنہ چٹھوں پر لازم تھا کہ ایسے بے توفیق پیر کو سب سے پہلے بم کا گولہ مار کر اگلی دنیا میں بھیجتے تاکہ ایسے پیران تسمہ پا سے امت محفوظ ہو جاتی۔

سیدھے سادے شریف انسانوں' قرآن و سنت کے سچے خادموں' دین کے داعیوں اور مبلغوں کو مافوق الفطرت قرار دے کر ان کے حوالے سے کہانیاں گھڑی گئیں' افسانے تراشے گئے' اس کی جڑ بنیاد کیا ہے؟ کہا جاتا ہے کہ تصوف----؟ صورت حال یہ ہے کہ ایک طبقہ تصوف کے حوالہ سے انتہائی الرجک ہے' اس کے نزدیک تصوف' ایک عجمی سازش اور دین اسلام کے بالمقابل ایک متوازی دین ہے۔ اس طبقہ و گروہ کے نزدیک اس قسم کی کہانیاں اور افسانوں کی وجہ ہی یہ ہے---- اس ضمن میں خود حضرت الشیخ عبدالقادر جیلانی کے محترم استاد شیخ ابن عقیل کا نام نمایاں ہے جنہوں نے تصوف کی افادیت اور ضرورت سے صاف انکار کر دیا (دائرہ

المعارف ج ۱۲ ص ۹۲۵) لیکن ایک طبقہ بہرحال ایسا ہے اور بڑی تعداد میں جو تصوف کی حقیقت کا معترف ہے--- قرآن مجید نے حضور سرور کائنات ﷺ کی بعثت کے لئے سیدنا ابراہیم علیہ اسلام کی جس دعا کا تذکرہ کیا' اس میں حضورؐ کے فرائض کے حوالہ سے "تزکیہ" کا ذکر ہے۔ (البقرہ: ۱۲۹) اور اللہ تعالیٰ نے سورہ بقرہ: ۱۵۱' آل عمران: ۱۶۴' اور الجمعہ: ۲ میں فرائض نبوت کے ضمن میں "تزکیہ" کا لفظ آیا۔ تزکیہ نام ہے اصلاح باطن کا' یعنی اس کا کہ آدمی کا دل ہر اس چیز سے پاک ہو جائے جو قرآن و سنت کی تعلیمات کے منافی ہو----- ہندوستان کے نامور محدث' فقیہہ اور ربانی عالم مولانا رشید احمد گنگوہی نے اس تزکیہ (تصوف) کا ترجمہ کیا' "تصحیح نیت"--- اور مولانا احمد علی لاہوری کے شیخ و مربی حضرت مولانا غلام محمد دین پوری نے بھی قریب قریب ایسی ہی بات کی۔ جبکہ ہندوستان ہی کے معروف عالم ربانی' محدث اور فقیہ النفس عالم مولانا سید حسین احمد مدنی نے تصوف و بیعت کے حوالہ سے اپنے مکتوب میں مفصل بحث کی اور بتلایا کہ صوفیا جس "بیعت طریقت" کا اہتمام کرتے ہیں اس کا ثبوت قرآن مجید کی سورہ الممتحنہ کی آیت کے علاوہ پیغبر اسلام کے عمل سے ثابت ہے----- اہل علم کے نزدیک قرآن کی اصطلاح "تزکیہ" اور حدیث جبریل کی اصطلاح "احسان" کو ہی "تصوف" کہا جاتا ہے۔ اصلاح باطن اور تصحیح نیت کے لئے قرآن و سنت کی اصطلاحات کے بجائے تصوف کی اصطلاح کیوں اور کب اختیار کی گئی----- یہ بجائے خود معمہ ہے اور حیرت زا'

دائرۃ المعارف کے مقالہ نگار نے "تصوف" پر جو مقالہ سپرد قلم کیا اس کے مطابق:

"الصوفی کو لقب کے طور پر تاریخ میں پہلے پہل آٹھویں صدی کے نصف آخر میں کوفے کے ایک شیعہ کیمیا گر جابر بن حیان کے نام کے ساتھ' جو زہد میں ایک مسلک خاص رکھتا تھا استعمال کیا گیا----- نیز ایک نامور صوفی ابو ہاشم کوفی کے نام کے ساتھ"------ (ج ۶ ص ۴۱۹)

"جاحظ کے مطابق تقریباً اسی زمانے میں اس کا استعمال نیم شیعی مسلمانوں کی ایک جماعت صوفیہ کے لئے ہوا تھا۔ جو کوفے میں پیدا ہوئی اور جس کا آخری امام "عبدک الصوفی" تھا' یہ شخص نبات خور' تارک اللحم اور خلافت میں "حق ارث" (وراثتی خلافت) کا قائل تھا اور تقریباً ۸۲۵ء میں بغداد میں فوت ہوا" (ج ۶ ص ۴۱۹)

مقالہ نگار نے اس اصطلاح کا نصیب بڑا شاندار بتایا کہ پچاس سال کے اندر یہ اصطلاح تمام عراقی متصوفین کے لئے استعمال ہونے لگی اور دو صدی بعد صوفیہ کی اصطلاح جملہ مسلمان متصوفین کے لئے استعمال ہونے لگی (ایضاً") اس تفصیل کو دیکھ کر بات کی تہہ تک پہنچنا آسان ہے کہ وہ کونسا ہاتھ ہے جس نے تزکیہ و احسان کی قرآنی اور حدیثی اصطلاح کو ترک کرکے ایک نئی اصطلاح وضع کی----- یہی وہ پس منظر ہے جس کے پیش نظر ایک طبقہ تصوف سے الرجک ہے------ مرحوم پروفیسر یوسف سلیم چشتی کی معروف کتاب "تاریخ تصوف" کی ایک لمبی داستان ہے۔ اس کتاب کو جو بہت ہی فاضلانہ تھی محکمہ اوقاف کے شعبہ مطبوعات نے شائع کیا۔ ابتدا میں لاہور کے ثقہ علماء کی ایک جماعت نے اس کا مسودہ دیکھا اور علماء میں دیوبندی' بریلوی اور اہل حدیث اسکول کے حضرات شامل تھے۔ یہی کتاب ہے جسے چند سال بعد ایک خاص طبقہ کی ہنگامہ آرائی کے سبب ضبط کیا گیا۔ ضبطی کے اس حکم کو احقر نے چند رفقا سمیت ہائی کورٹ میں اپنے فاضل دوست ارشاد احمد قریشی کی وساطت سے چیلنج کیا۔ ہائی کورٹ کے فاضل سینئر جج جناب مجدد مرزا نے لگ بھگ دو سال بعد حکومتی حکم کو کالعدم قرار دیا----- لطف یہ ہے کہ کتاب کا ایک اہم باب "تصوف میں غیر اسلامی نظریات کی آمیزش" کو

ابتدا ہی میں محکمہ اوقاف نے الگ کر دیا تھا۔ اس حصہ کو ڈاکٹر اسرار احمد نے اپنے ادارہ سے شائع کیا----- پروفیسر صاحب مرحوم و مغفور کی کتاب کو دیکھ کر مولانا امین احسن اصلاحی جیسے بزرگ نے بھی تصوف کے حوالہ سے اپنی رائے کو بدلا بدلا محسوس کیا۔ بہرحال اس کتاب اور خاص طور پر اس کے الگ باب کے مطالعہ سے بہت سے حقائق کا انکشاف ہو سکتا ہے اور اندازہ ہو جاتا ہے کہ کس "دست خاص" نے تزکیہ و احسان سے تصوف کا سفر اختیار کیا اور پھر تصوف کے نام پر چیستان کا اہتمام کیا' اسی چیستان نے چنگے بھلے انسانوں کو پانی میں رہنے والی مچھلیاں اور ہواؤں میں اڑنے والے پرندے بنا دیا----- ان حضرات کی کتابوں میں تحریف کی گئی اور ان سے منسوب وہ روایات سامنے لائی گئیں کہ حضرت امام مسلم رحمتہ اللہ تعالیٰ جیسے محدث کبیر کو اپنی کتاب کے مقدمہ میں کہنا پڑا کہ روایت حدیث کے باب میں صوفیا سے بڑھ کر کوئی جھوٹا نہیں----- بات سیدھی ہے کہ تصوف نام ہے اصلاح باطن اور تصحیح نیت کا------ اور اس کے لئے اعلیٰ و ارفع اصطلاح تزکیہ اور احسان ہے' ایک مزکی' محسن (صوفی) حقیقت میں قرآن و سنت کا عالم اور سنت نبوی و آثار صحابہ کا متبع ہوتا ہے اور یہی اصل دین ہے۔

شیخ مکرم کس قسم کے تصوف اور طریقت کے علمبردار تھے اس سلسلہ میں دائرہ المعارف کے مقالہ نگار کا کہنا ہے:

"شیخ عبدالقادر نے فنی اور اصطلاحی پیچیدگیوں سے ہٹ کر تصوف کو واضح اور سادہ اسلوب دیا۔ ان کی تالیفات اس اعتبار سے صوفیانہ ادب میں بڑا اہم مقام رکھتی ہیں۔ انہوں نے تصوف کی زبان کو بھی عام فہم بنایا اور تصوف کے ساتھ وابستگی کے دروازے بھی عام آدمی کے لئے کھول دیے۔ بہ حیثیت صوفی مبلغ کے شیخ نے چالیس برس تک لوگوں میں وعظ و تلقین کا کام کرکے عملاً ثابت کر دیا کہ تصوف و طریقت پر محض اہل خلوت کی اجارہ داری نہیں۔ شیخ عبدالقادر تصوف میں پر اسرار رمزیت (جو باطنیہ یا غیر متشرع متصوفین کو تقویت پہنچاتی تھی) کے خلاف تھے وہ طریقت کو شریعت کے ساتھ ہم آہنگ اور کھلی شاہراہ کی طرح' کشادہ دیکھنا چاہتے تھے---- شیخ نے بیعت اور خانقاہی تربیت کے طریقوں کو بھی مرکز توجہ بنایا' بیعت کا طریق' اہل ارشاد میں پہلے سے مروج تھا لیکن شیخ نے اسے وسعت اور تازگی بھی دی اور نظم و ضبط بھی بخشا۔ شیخ کی زندگی میں ان کا جاری کردہ طریقہ قادریہ لاکھوں نفوس کو فیض یاب کر چکا تھا ان کے وصال کے بعد ان کے خلفا اور قادری خانقاہوں کا سلسلہ نہ صرف عالم اسلام میں اصلاح و ارشاد کی ایک وسیع تحریک کی صورت اختیار کر گیا بلکہ غیر مسلموں میں اشاعت اسلام کا ایک موثر ذریعہ بھی ثابت ہوا (ج ۱۲ ص ۴-۹۳۳) تصوف کے یوں تو متعدد سلاسل تھے اور ہیں لیکن چار سلاسل بہت معروف ہیں میری مراد نقشبندی' چشتی' قادری اور سہروردی سے ہے۔ ایک رائے کے مطابق نقشبندی سلسلہ کے جد اعلیٰ سیدنا و مخدومنا حضرت الامام ابوبکر صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں تو باقی تینوں سلاسل کے جد اعلیٰ حضرت الامام سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ! دوسری رائے کے مطابق نقشبندی سلسلہ کے جد اعلیٰ بھی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں---- بہرحال حضرت الشیخ عبدالقادر رحمتہ اللہ تعالیٰ کا مقام قادری سلسلہ میں بڑا نمایاں ہے بلکہ کہنا چاہیے کہ "قادریت" کی نسبت ہی ان کی وجہ سے معروف ہوئی۔ جیسے نقشبندیت کی نسبت حضرت المخدوم بہاء الدین' چشتیت کی نسبت حضرت خواجہ معین الدین اور سہروردیت کی نسبت حضرت الشیخ شہاب الدین----- رحمتہ اللہ تعالیٰ---- کی وجہ سے معروف و مشہور ہوئیں۔

حضرت الشیخ جیلانی قدس سرہ کی تصانیف میں سے غنیتہ الطالبین کی ایک عبارت کے متعلق معروف عالم مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی کے حوالہ سے گزرا کہ وہ عبارت الحاقی ہے، شیخ کے بعد کسی بدعتی اور مفسد نے ان کی کتاب میں اسے شامل کرا دیا۔ اس قسم کی عبارات اس کتاب میں اور بھی ہیں جو بہرطور مشکوک ہیں۔

ایک مقام اردو ایڈیشن کے ص ۲۰۲ پر ہے، جس کا مفہوم یہ ہے کہ شیطان نے اپنے فتنہ سے رسول مقبولؐ کی قرات میں طاغوتوں اور بتوں کا ذکر ڈال دیا------ یہ وہ خوفناک بات ہے جس کی بنیاد پر ملعون رشدی نے رسوائے زمانہ کتاب لکھی۔ افسوس یہ ہے کہ بہت سے مفسرین نے بے احتیاطی سے اس روایت کو اپنی کتابوں میں شامل کر دیا۔ سورہ النجم میں کفار کے بتوں لات، عزیٰ اور منات کا ذکر ہے عربی ایڈیشن کے ص ۹۵، ۹۶ پر اس قصہ کی تفصیلات درج ہیں------ خلاصہ یہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قرات شروع کی، جہاں تینوں بتوں کا ذکر ہوا وہاں معاذ اللہ تعالیٰ پیغمبر اسلام کی زبان سے ایسے الفاظ نکلے جس سے بتوں کے لئے نرم رویہ کا اظہار ہوتا------ چنانچہ سورہ کے اختتام پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ کیا تو مسلمانوں اور کافروں دونوں نے ہی سجدہ کیا، مسلمان اس لئے خوش تھے کہ کفار و مشرکین نے ایمان و یقین کے بغیر سجدہ کیا اور مشرکین اس لئے خوش تھے کہ محمد نے (معاذ اللہ تعالیٰ) اپنے دین کو چھوڑ کر اپنی قوم کے دین کو اپنا لیا۔ جیسا کہ ہم نے عرض کیا ملعون سلمان رشدی نے جو رسوائے زمانہ کتاب لکھی اس کی بنیاد اس نے اسی قسم کی روایات کو بنایا۔

رشدی کی کتاب کا انتہائی عالمانہ، فاضلانہ اور باوقار جواب حال ہی میں سامنے آیا اس جوابی کتاب کا نام "محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن" ہے---- اس کے مصنف ڈاکٹر رفیق زکریا ہیں، خلیق انجم کے بقول "رشدی کے ناول سے ڈاکٹر رفیق زکریا کو اتنی ہی ذہنی تکلیف ہوئی جتنی سب مسلمانوں کو ہوئی لیکن زکریا صاحب کا رد عمل دوسروں سے مختلف تھا۔ انہوں نے سلمان رشدی کی واہیات تحریر کا جواب غم و غصے سے نہیں بلکہ ایک مفکر، مدبر، فلسفی، ماہر سیاسیات، ماہر اسلامیات اور دانشور کی حیثیت سے دیا" (ص ۷ مطبوعہ لاہور ۱۹۹۴ء) بی بی سی کا اس کتاب کے حوالہ سے تبصرہ یہ تھا:

"زکریا صاحب کی یہ کتاب رشدی کی یاوہ گوئی کا ایسا منطقی اور مدلل جواب ہے کہ اگر رشدی کی کتاب کے چھپنے کے فوراً بعد ہی یہ چھپ جاتی تو شاید وہ ہنگامے نہ ہوتے جو ہوئے۔" (ص ۸-۹)

بمبئی سے لے کر برطانیہ اور امریکہ کے اعلیٰ تعلیمی اداروں سے امتیازی حیثیت سے ہر امتحان پاس کرنے والے رفیق زکریا ہندوستان کے صوبہ مہاراشٹر کے ایم ایل اے ۱۹۶۰ء میں ہوئے۔ اس صوبہ کے ۱۵ سال وزیر رہے پھر پارلیمنٹ کے رکن ہوئے، جہاں ان کی ذہانت اور معاملہ فہمی کے سبب انہیں کانگریس پارلیمانی پارٹی کا ڈپٹی لیڈر بنا دیا گیا پھر وہ وزیراعظم کے خصوصی سفیر کی حیثیت سے مسلم ممالک اور یو این او میں نمائندگی کرتے رہے۔ اس وقت ان کی نگرانی میں ۱۲---- اعلیٰ تعلیم کے ادارے مصروف کار ہیں تو وہ خود بیس برس سے علی گڑھ کے چانسلر ہیں۔ رشدی کے ناول کی بنیاد وضعی روایت پر انہوں نے بہت تفصیل سے بحث کی اور بتلایا کہ ابن اسحاق کا نیہ گھڑا ہوا افسانہ ہے جس کے پیغمبر کی تلاوت کے درمیان ایسے الفاظ شامل کرائے جو معاذ اللہ تعالیٰ عقیدہ توحید کے منافی تھے۔ امام مالک جیسے محدث اور فقیہ ابن اسحاق کو شیطان اور دوسرے علماء جھوٹا اور کذاب کہتے ہیں۔ افسوس کہ ابن اسحاق کی اس خرافاتی کہانی کو واقدی، ابن مسعود اور طبری نے اپنی کتابوں میں شامل کر لیا اور پھر اور بھی بہت سے لوگوں نے غیر محتاط انداز اختیار کیا۔ مورخ ابن خلدون نے ان لوگوں پر شدید تنقید کی

اور سب سے بڑھ کر واقدی کو مجرم گردانا------ شائقین ص ۴۸ سے ۵۶ تک کا حصہ ملاحظہ فرمائیں۔ رفیق زکریا صاحب نے مولانا مودودی کی تفہیم القرآن کے حوالہ سے ان روایات کا بوداپن واضح کیا۔ مولانا مودودی نے بعض مسلم مورخین اور مبصرین کی کور باطنی کا ذکر کیا جو مشکوک کہانیوں کے حوالہ سے اپنی کتابوں کا پیٹ بھرتے رہے (از ص ۵۶ تا ۶۰) بہرحال رفیق زکریا صاحب کی کتاب کا یہ باب بڑا وقیع ہے۔ انہوں نے فرض ادا کیا---- جزاہ اللہ تعالیٰ---- سوچیں کہ پیغمبر اسلام تلاوت کریں اور ان کی قرات میں معاملہ خلط ملط ہو جائے، زبان لڑکھڑا جائے، جنہوں نے یہ لکھا، انہیں احساس نہ ہوا کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں۔ اے کاش آسمان کا کوئی ٹکڑا گر جاتا اور زمین پھٹ جاتی---- فیاحسرتا، "غنیہ" میں یہ روایت کیسے آئی؟ شیخ سے لغزش ہوئی یا یہ بھی کسی "دست خاص" کی کرم فرمائی ہے؟ اس کا فیصلہ کون کرے۔

سورہ الحج کی آیت ۵۲ جس کی نسبت سے یاروں نے اس روایت کو گھڑ کر محمد عربی کی عصمت کو داغدار کرنا چاہا اس کے متعلق دبستان فراہی کے گل سرسبد مولانا امین احسن اصلاحی نے جو لکھا وہ قابل توجہ ہے------ مولانا کے نزدیک اس آیت میں قرات کا سرے سے مفہوم ہی نہیں بلکہ عربی کے محاورہ کے مطابق "کسی شے کے بطریق محبت حصول کی طلب اور اس طلب اور جو وال ہو" اس کے لئے یہ لفظ بولا جاتا ہے---- (تدبر قرآن ج ۴ ص ۴۰۵)---- سچ یہ ہے کہ اہل تصوف کی تصنیفات، تالیفات اور نوشتوں نے اسی لئے بے اعتباری کی فضا قائم کی، ہم شیخ کے معاملہ میں کسی قسم کی بدگمانی سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتے ہیں، تاہم اتنی بات ضرور عرض کریں گے کہ ان بندگان حق آگاہ کے معاملہ میں احتیاط سے قدم بڑھایا جائے اور بنیاد قرآن و سنت کو بنایا جائے کہ ایک مسلمان کے لئے اصل سرمایہ وہی ہے۔

پروفیسر ڈاکٹر طاہر القادری

دنیائے ولایت میں سیدنا عبدالقادر جیلانی غوث الاعظمؒ کا نام و مقام کسی صاحب نظر سے پوشیدہ نہیں۔ تمام اہل کشف اور صاحبان بصیرت اولیائے کرام کا اس امر پر اتفاق ہے کہ انبیاء کرام صحابہ عظام اور اہل بیت پاک کو چھوڑ کر جتنے بھی اولیاء، عرفاء و صلحاء اور مقربین حق متقدمین و متاخرین میں گزرے ہیں ان میں میر میراں شہ بغدادؒ کا مقام سب سے بلند و ارفع ہے۔ بلاشبہ مجاہدہ و مشاہدہ کے اعتبار سے آپ ولایت کے بلند ترین منصب پر فائز ہیں۔ اس پر حضرت غوث الاعظمؒ کا خود اپنا قول جو انہوں نے ایک مجلس وعظ میں دوران خطاب ارشاد فرمایا، دلالت کرتا ہے: "میرا یہ قدم اللہ کے ہر ولی کی گردن پر ہے۔"

روایات میں مذکور ہے کہ جس مجلس میں آپ نے یہ ارشاد فرمایا اس وقت اس میں ستر سے زیادہ عالی پایہ اولیاء ظاہراً موجود تھے۔ ان پر مستزاد قریب و بعید ہزاروں اولیاء نے عالم کشف میں روحانی طور پر اس فرمودہ غوثؒ کو سنا اور اپنی گردنیں وہیں خم کر دیں۔ بعض کتب میں درج ہے کہ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ جو رشتے میں آپ کے خالہ زاد بھائی لگتے تھے اس وقت ایک پہاڑ کے دامن میں مصروف عبادت تھے۔ انہوں نے کشفاً یہ ارشاد سن کر اپنی گردن اتنی جھکائی کہ سر خم ہو کر زمین کو چھونے لگا۔ انہوں نے حضرت غوث الاعظمؒ کے قول کی تائید ان الفاظ سے کی: "آپ کے قدم میری آنکھوں اور سر پر۔"

حضور غوث پاکؒ پر خواجہ چشتؒ کی اس تواضع و خاکساری کے احوال منکشف ہو گئے۔ آپ نے ایک مجلس وعظ کے دوران اس کا تذکرہ کرتے ہوئے اعلان کر دیا کہ ہم انہیں اس کے صلے میں کشور ہند کی ولایت عطا کرتے ہیں۔ اسی سبب برصغیر پاک و ہند کے معتدبہ اولیاء کرام سلسلہ چشتیہ سے مستفیض ہوئے۔

حضرت خواجہ شیخ شہاب الدین سہروردیؒ جن کا شمار اکابر اولیاء میں ہوتا ہے اس وقت عین عنفوان شباب میں تھے۔ انہیں معقولات و منقولات، منطق اور تمام متداول علوم پر ید طولیٰ حاصل تھا۔ وہ اپنے چچا حضرت شیخ نجیب الدین سہروردیؒ کے ہمراہ بارگاہ غوث پاکؒ میں حاضر ہوئے۔ چچا نے اپنے نوجوان بھتیجے کو حضرت کی خدمت میں پیش کرتے ہوئے کہا کہ اس نے تمام علوم ظاہری میں دسترس حاصل کر لی ہے، آپ اسے علوم باطنی میں سے بھی اس کا حصہ عطا کر دیجئے۔ حضرت نے امتحان کے طور پر ان سے منطق اور علم النحو کے بارے میں چند سوالات پوچھے جن کے انہوں نے ٹھیک ٹھیک جواب دے دیے۔ آپ نے باطنی توجہ فرماتے ہوئے اپنا ہاتھ ان کے سینے پر رکھا اور ان سوالات کا ایک مرتبہ پھر جواب دریافت فرمایا تو سینے کی تختی سے علوم ظاہری کے تمام نقش صاف ہو چکے تھے اور انہیں کچھ بھی نہ یاد تھا۔ آپ نے دوبارہ توجہ فرمائی تو وہ سینہ علوم ظاہری و باطنی کا خزینہ بن گیا۔

حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ جن کا ذکر اوپر ہو چکا ہے اپنے شیخ خواجہ عثمان ہارونیؒ کے ایماء پر اور ایک روایت کے مطابق خود آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روحانی اشارے کی تعمیل میں حضرت غوث الاعظمؒ کی بارگاہ عالیہ میں حاضر ہوئے اور آپ سے براہ راست روحانی کسب فیض کیا۔

بعض کتب میں مذکور ہے کہ سلسلہ نقشبندیہ کے بانی حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبندیؒ جن کا زمانہ حضرت غوث پاکؒ سے ڈیڑھ صدی بعد کا ہے، کو بھی فیض ولایت کا بہرہ وافر ان کی ولادت سے قبل ہی عالم ارواح میں ارزانی فرما دیا گیا۔ آپ سے ایک مجلس وعظ کے دوران یہ ارشاد منسوب ہے کہ بخارا میں ایک مرد کامل اللہ کا ولی پیدا ہونے والا ہے جو ولایت میں بلند رتبے کا حامل ہو گا۔ ہم اس کے فیض کی امانت اسے روحانی طور پر منتقل کرتے ہیں۔ ڈیڑھ سو سال بعد جب حضرت خواجہ بہاؤالدین نقشبندیؒ متولد ہوئے اور مرتبہ ولایت کو پہنچے تو ایک روز وہ سیدنا غوث الاعظمؒ کی توجہات و اشارات سے عالم کشف میں آپ کی طرف متوجہ ہوئے اور "الغیاث الغیاث" کا نعرہ لگاتے ہوئے ان پر غنودگی کی کیفیت طاری ہو گئی جس کے دوران بارگاہ غوثیت سے انہیں روحانی فیوضات و درجات عطا کر دیے گئے۔

ان روحانی تصرفات و کمالات سے یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ علو مرتبت کے لحاظ سے اولیاء کاملین میں حضرت غوث الاعظمؒ کو وہ ممتاز و منفرد مقام حاصل ہے کہ ان کا روحانی فیض تمام سلاسل طریقت میں بالواسطہ یا بلاواسطہ جاری و ساری ہے۔ گویا اولیاء و مشائخ کا کوئی سلسلہ اور طریق ایسا نہیں جو ان کے روحانی استمداد کے دائرے سے باہر ہو۔ یہاں یہ نکتہ ذہن نشین رہے کہ تمام روحانی فیضان کا اصل سرچشمہ و منبع حضور ختمی مرتبت علیہ الصلواۃ والسلام کی ذات گرامی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح پاک سے جملہ اولیاء و صلحاء کو درجہ بدرجہ فیض نصیب ہوتا ہے۔ یہ فیض انہیں دو طریقوں سے حاصل ہوتا ہے۔ ایک بطریق نبوت اور دوسرا بطریق ولایت۔ اس ضمن میں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی علیہ الرحمہ فیض نبوت کے باب میں ان دو طریقوں کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں کہ شیخین کریمین حضرت صدیق اکبرؓ اور حضرت عمر فاروقؓ دونوں نے حضور صلی اللہ

علیہ وسلم سے بطریق نبوت فیض حاصل کیا جبکہ حضرت علی شیر خدا کرم اللہ وجہ نے آپؐ سے بطریق ولایت اکتساب فیض کیا۔ اسی بناء پر مجاذیب جن پر جذب اور سکر و مستی کی حالت غالب رہتی ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہ کی طرف اپنے بلند مراتب و درجات کے لیے متوجہ رہتے ہیں جبکہ وہ جو اہل صحو اور اہل سلوک ہیں اور جنہیں ولایت میں بطریق نبوت فیض مل رہا ہے، اپنے بلند روحانی درجات و کمالات کی آبیاری شیخین کریمینؓ کی توجہات سے کرتے ہیں۔ اس لیے ان کی توجہ زیادہ تر خلق خدا کی طرف مرتکز ہوتی ہے اور ان کا میلان طبع اور رجحان بیش از بیش مخلوق کی اصلاح کی طرف ہوتا ہے۔ طریق نبوت سے فیض پانے والے یہ اولیاء عظام سنت انبیاء کے امین ہیں اور من الخالق الی الخلق کے مصداق ان کا منصب اور کام دعوت و ارشاد کے ذریعے مخلوق کے احوال و معاملات کی اصلاح و تطہیر ہے۔ اس کے برعکس بطریق ولایت فیض یاب گروہ اپنی توجہ خالق کی طرف مرکوز رکھتا ہے اور اس کے پیش نظر مخلوق سے کٹ کر محض اپنے آپ کو باکمال بنانا ہے۔

وہ ذات جس میں طریق نبوت اور طریق ولایت دونوں کے فیوض اور مراتب و درجات روحانیت مجتمع ہو کر منتہائے کمال پر پہنچ گئے، شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی ذات مقدسہ ہے۔ آپ کے اندر ملہمیت، قطبیت اور مجددیت کی شانیں ترقی کر کے غوثیت کے پیکر میں جلوہ گر ہو گئیں۔ آپ کی ولایت درجہ بہ درجہ بلندیوں کی انتہا تک پرواز کر کے غوثیت کبریٰ کے مقام پر فائز ہو گئی اور ابدالاباد تک آپ غوث الاعظم کے لقب سے ملقب ہوئے۔ یوں تو بے شمار غوث آئے اور آتے رہیں گے لیکن کوئی غوثیت عظمیٰ کے مقام تک نہیں پہنچ سکا۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اور حضرت مجدد الف ثانیؒ اور حتیٰ کہ شاہ اسماعیل دہلوی نے اپنی کتاب "صراط مستقیم" میں لکھا ہے کہ آج کسی بھی ولی کو ولایت اور کسی بھی قطب کو قطبیت، بالواسطہ یا بلاواسطہ طور پر حضرت غوث الاعظمؒ کے روحانی فیض کے بغیر نہیں مل سکتی۔ کوئی بھی ولی جو رتبہ ولایت سے بہرہ ور ہوتا ہے اس میں سیدنا غوث الاعظمؒ کی روحانی توجہ شامل ہوتی ہے یا اسے یہ مقام حضرت علی کرم اللہ وجہ، کی روحانی نسبت سے ملتا ہے۔ لیکن یہ ممکن ہی نہیں کہ اس کے ساتھ بالواسطہ یا بلاواسطہ حضرت غوث الثقلینؒ کے روحانی فیض کا عمل دخل نہ ہو۔

حضور غوث پاکؒ کو ولایت میں غوثیت کبریٰ کا جو مقام عطا ہوا اس میں آپ سے جتنی کرامتیں صادر ہوئیں ان میں سے بیشتر آپ کے مقام محبوبیت کی آئینہ دار ہیں۔ دیگر اولیاء سے صادر ہونے والی کرامتوں میں وہ رنگ ڈھنگ اور انداز نظر نہیں آتے جو حضرت غوث الاعظمؒ کا طرہ امتیاز ہیں۔ ان میں خدا کی ذات پر ان کے توکل اور اعتماد کا خاص رنگ نظر آتا ہے۔ مشتے نمونہ از خروارے کے طور پر ہم یہاں چند ایک کرامتوں کا ذکر کریں گے۔

۱۔ حضرت غوث الاعظمؒ کے دوران خطاب ہزاروں افراد کا جم غفیر ہے کہ یکایک موسلا دھار بارش شروع ہو جاتی ہے جس سے لوگ منتشر ہونے لگتے ہیں۔ آپ اپنا چہرہ اقدس آسمان کی طرف اٹھا کر عرض کرتے ہیں: "بار الٰہا! میں تیرے بندوں کو تیری خاطر جمع کرتا ہوں اور تو انہیں منتشر کر دیتا ہے۔" آپ کا اتنا فرمانے کی دیر تھی کہ بادل چھٹ گئے اور بارش کا سلسلہ وہیں رک گیا۔ اس کلام سے آپ کے مقام محبوبیت کا پتہ چلتا ہے۔

۲۔ آپ ایک بہت بڑے اجتماع سے خطاب فرما رہے ہیں کہ ناگاہ ایک چیل زور زور سے اپنے پروں کو پھڑ پھڑانے اور چیخنے چلانے لگی۔ لوگوں کی توجہ ادھر بٹ گئی اور آپ کا دھیان بھی اس طرف ہو گیا۔ اس دخل در معقولات سے آپ کی طبع مبارک مکدر ہو گئی اور بے ساختہ غیر ارادی طور پر آپ کی زبان سے یہ کلمہ نکل گیا"

بالک قطع اللہ اولمط" اسی لمحے اس چیل کی گردن کٹ کر زمین پر گر پڑی۔ خطاب ختم ہوگیا اور آپ فارغ ہو کر نکلے تو زمین پر مرا ہوا جانور پایا۔ آپ فرمانے لگے یہ مردہ جانور یہاں کیسے آگیا؟ لوگوں نے عرض کیا کہ دوران خطاب آپ کی زبان سے یہ کلمات نکل گئے تھے جو اس کی موت کا باعث بن گئے۔ آپ نے اسے ٹھوکر ماری اور فرمایا: "ہمیں تیرا مارنا مقصود نہ تھا۔ اٹھ زندہ ہو جا اور اڑ جا۔" یہ کہنے کی دیر تھی کہ وہ چیل زندہ ہو کر اڑ گئی۔

حضرت غوث الاعظمؒ کو بارگاہ حق سے محبوبیت کا وہ مقام عطا ہوا کہ آپ فرماتے ہیں: "میری دعا سے تقدیر مبرم بھی ٹل جاتی ہے۔"

بقول اقبالؒ ؎

نگاہ مرد مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں
جو ہو ذوق یقیں پیدا تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں

تقدیر کی دو قسمیں ہیں۔ تقدیر معلق اور تقدیر مبرم۔ تقدیر معلق تو دعا اور صدقے سے بدل جاتی ہے لیکن جہاں تک تقدیر مبرم یا قضائے مبرم کا تعلق ہے وہ چونکہ لوح محفوظ پر لکھ دی جاتی ہے' اس لیے اس کا بدلنا امر محال ہے۔ لیکن حضرت غوث اعظمؒ کی دعا سے تقدیر مبرم کا ٹل جانا صرف آپ ہی کی امتیازی خصوصیت ہے۔

اس ضمن میں حضرت مجدد الف ثانیؒ کا ایک واقعہ جسے حضرت مجددؒ کے علاوہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے بھی بیان کیا ہے' نقل کرنا خالی از فائدہ نہ ہوگا۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ کے دو صاحبزادے اپنے وقت کے بہت بڑے فاضل اور متبحر عالم شیخ محمد طاہر لاہوریؒ سے درس لیتے تھے۔ ایک دن حضرت مجدد الف ثانیؒ نے عالم کشف میں دیکھا کہ طاہر لاہوری شقی ہیں۔ حضرت نے باتوں باتوں میں اس کا تذکرہ اپنے بیٹوں سے کر دیا جو یہ سن کر پریشان ہوگئے۔ اس دن ان کے استاد پڑھانے آئے تو یہ پریشانی ان کے چہروں سے مترشح تھی۔ استاد نے سبب پوچھا تو انہوں نے اپنے والد گرامی کے حوالے سے وہ شقاوت والی بات کہہ دی۔ قدرتی طور پر ان کو بھی پریشانی ہوئی اور اپنے شاگردوں سے کہنے لگے آپ کے والد گرامی بلند پایہ ولی اللہ ہیں' جس خدا نے انہیں میری شقاوت سے آگاہ فرمایا ہے وہ ان کی دعا سے اسے سعادت میں بھی بدل سکتا ہے۔ بچے استاد کی شفقت اور احسان سے زیر بار ہو کر اپنے والد کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مچل گئے کہ ہمارے استاد کے حق میں دعا کریں۔ حضرت مجددؒ نے بچوں کے اصرار پر دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے تو لوح محفوظ پر درج شیخ طاہر لاہوریؒ کی شقاوت کے احوال منکشف ہوگئے۔ انہوں نے دعا کی تو جواب آیا کہ شیخ طاہر لاہوری کی تقدیر مبرم بدلی نہیں جا سکتی۔ حضرت مجدد فرماتے ہیں کہ میں تذبذب میں تھا کہ مجھے حضرت غوث الاعظمؒ کا وہ قول یاد آگیا کہ میری دعا سے قضائے مبرم بھی بدلی جا سکتی ہے۔ میں نے پھر ہاتھ اٹھائے اور عرض کیا: "بار خدایا میں تجھے تیرے عبدالقادرؒ کا واسطہ دیتا ہوں کہ شیخ طاہر لاہوری کی تقدیر بدل ڈال۔" حضرت غوث الاعظمؒ کے واسطے سے شیخ طاہر لاہوری کی شقاوت جو تقدیر مبرم تھی سعادت میں بدل گئی۔

حضرت غوث الاعظمؒ کو جو منفرد و یکتا مقام محبوبیت حاصل تھا اس کی تصدیق خود آپ کے اس ارشاد سے ہوتی ہے: "میں لوح محفوظ میں دیکھ لیتا ہوں کہ میرے کسی مرید' معتقد اور متبع کا نام اشقیاء میں تو نہیں لکھا گیا۔ اگر کسی کا نام لکھا ہوتا ہے تو میں بارگاہ حق میں التجا کر کے اس کی تقدیر کو بدلوا دیتا ہوں۔" اللہ اللہ! حضرت غوث الاعظمؒ کا مقام محبوبیت کہ چٹائی پر بیٹھے ہوئے ہیں لیکن نگاہیں لوح محفوظ پر جمی ہوئی ہیں۔

حضرت غوث الاعظمؒ کے بلند و ارفع درجات پر متعدد واقعات شاہد ہیں۔ یہاں بر سبیل تذکرہ صرف دو کا ذکر کیا جاتا ہے: حضرتؒ بغداد میں تازہ تازہ وارد ہوئے ہیں۔ آپ کی جوانی کا زمانہ ہے لیکن مجاہدے کی منزلیں طے کر کے وہ اس مقام تک پہنچ گئے ہیں کہ بغداد کے گلی کوچوں میں اس مرد حق کا چرچا ہر طرف پھیل گیا ہے اور ہر سمت اس کی شہرت کی دھوم مچ گئی۔ کسی نے ایک بہت بڑے صاحب دل اور معمر بزرگ سے اس بات کا ذکر کیا اور پوچھا کہ بغداد میں نووارد نوجوان عبدالقادر کی شہرت کا سبب کیا ہے۔ وہ فرمانے لگے تو اس دنیا میں ان کی شہرت کی بات کرتا ہے میں نے مراقبے کے عالم میں دیکھا ہے کہ زمین سے کہیں زیادہ ان کے چرچے آسمانوں میں ہیں۔ یہ اس لیے ہے کہ اللہ کا جو بندہ اس کا محبوب بن جاتا ہے عالم ارضی و عالم سماوی میں اس کی یاد کے ترانے گونجنے لگتے ہیں۔ اس پر حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ایک حدیث بھی دلالت کرتی ہے کہ اللہ رب العزت اپنے اس بندے کے بارے میں جبرائیل سے فرماتے ہیں: "انی احب فلانا واحبہ ثم ینادی فی السماء ثم یوضع بہ القبول فی الارض" اور اس پر یہ ارشاد قرآنی بھی دلالت کرتا ہے: "فاذ کرونی اذ کر کم واشکر ولی ولا تکفرون"

اگرچہ حضرت غوث الاعظمؒ کو بارگاہ صمدیت سے پیدائش کے ساتھ ہی ولایت عطا فرما دی گئی تھی تاہم ایک عرصہ تک اس کیفیت کو چشم عالم سے پوشیدہ رکھا گیا۔ کسی نے ایک دفعہ آپ سے پوچھا: حضرت آپ کو اپنے ولی ہونے کے بارے میں کب خبر ہوئی تو فرمایا کہ اگرچہ آثار تو پہلے ہی موجود تھے لیکن اس وقت میری عمر دس برس تھی جب مجھے پتہ چلا کہ اللہ جل مجدہ نے مجھے مرتبہ ولایت سے نوازا ہے۔ میں اپنے ہم عمر بچوں کے ساتھ مکتب جاتا تو میرے گرد حفاظت کے لیے فرشتے مامور ہوتے جن کی آوازیں میں اپنے کانوں سے سنتا کہ وہ لوگوں سے کہہ رہے ہوتے کہ ہٹ جاؤ اللہ کے ولی کو بیٹھنے کی جگہ دو۔ آپ فرماتے ہیں کہ بارہا ایسا ہوا کہ میرے دل میں بچوں کے ساتھ کھیلنے کی رغبت پیدا ہوئی اور میں نے کھیل کود کی طرف مائل ہونا چاہا کہ میرے کانوں کو یہ غیبی آواز سنائی دی۔ عبدالقادر! ادھر مت جاؤ تو اس مقصد کے لیے پیدا نہیں کیا گیا۔ مجھے یہ پتہ نہ چلتا تھا کہ آواز کہاں سے آتی ہے لیکن جب میں دس سال کا ہوا تو یہ عقدہ کھلا کہ غیبی فرشتے میرے ارد گرد رہتے ہیں۔

حضرت غوث الاعظمؒ اٹھارہ برس کی عمر تک اپنے گاؤں میں رہے پھر آپ کے والد ماجد کا انتقال ہوگیا تو آپ کی تعلیم و تربیت کی ذمہ داری آپ کی والدہ محترمہ نے سنبھال لی' جو ایک بلند پایا ولیہ اور عارفہ کاملہ تھیں۔ آپ کے بچپن کے احوال میں مذکور ہے کہ جب آپ کو قرآن پاک کی تعلیم کے لیے استاد کے پاس لے جایا گیا تو اس نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھا تو آپ نے فر فر قرآن کی تلاوت شروع کر دی۔ استاد نے کہا: بیٹے! میں نے ابھی آپ کو بسم اللہ نہیں پڑھائی اور آپ آگے پڑھتے جا رہے ہیں۔ آپ نے یہ کب سے پڑھا ہے؟ آپ فرمانے لگے: جب میں اپنی ماں کے پیٹ میں تھا اور میری ماں گھر کا کام کاج کرتے ہوئے قرآن پاک کی تلاوت کیا کرتی تھی تو میں بطن مادر میں تلاوت سن کر یاد کر لیا کرتا تھا۔ یہ کوئی انہونی بات نہیں۔ حق یہ ہے کہ ایسے اولیاء کرام ہوئے ہیں جن کی طیب اور سعید روحوں کو اس دنیائے آب و گل میں منتقل ہونے سے پہلے خمستان ازل سے علم و معرفت کے جام پلا دیے جاتے ہیں۔

عمر عزیز کے اٹھارہ سال بیت جانے کے بعد آپ اپنے گاؤں سے بغداد تشریف لے آئے اور مزید تعلیم اور ریاضت و مجاہدہ کی منزلیں سر کرتے رہے۔ بغداد میں آپ شیخ حماد دباسؒ کے حلقہ وعظ میں بیٹھنے لگے اور ان کی

صحبت علمی اور نسبت سے طلب علم اور اکتساب فیض روحانی کے اعلیٰ مدارج طے کر لیے۔ شیخ حمادؒ کے علاوہ آپ نے شیخ ابو زکریا تبریزیؒ سے بھی فیض حاصل کیا۔ ان اساتذہ کے علاوہ آپ کو عالم ارواح سے بھی علوم و معارف کے گنج ہائے گراں مایہ عطا کیے گئے۔ آپ کا یہ دور سخت مجاہدے اور ریاضت و مشقت سے عبارت تھا۔ آپ خود فرماتے ہیں کہ میں نے پچیس برس بغداد کے گرد و نواح کے جنگلوں میں طالب علمی کی زندگی کے بعد مجاہدہ کیا اور اس مجاہدے کے دوران کئی بار ایسا ہوا کہ تین تین دن سے چالیس چالیس دن تک بغیر کھائے پیے زندگی بسر کرتا رہا۔ بسا اوقات کمزور اور نڈھال ہونے کی وجہ سے غشی کی حالت طاری ہو جاتی۔ ایک دفعہ لوگ مجھے ایک طبیب کے پاس لے گئے جس نے مجھے مردہ کہہ دیا اور مجھے تجہیز و تکفین کے لیے لے جانے والے تھے کہ مجھے ہوش آگیا۔ آپ کے مجاہدے کا یہ عالم تھا کہ آپ نے چالیس برس تک عشاء کی نماز کے وضو سے نماز فجر ادا کی۔ حضرت شیخ ابوالفتح اس امر کی تائید میں فرماتے ہیں کہ میں نے چالیس برس تک شیخ عبدالقادر کو دیکھا کہ عشاء کی نماز کے بعد اپنی عبادت گاہ میں تشریف لے جاتے اور رات اللہ کی یاد میں بسر کر کے صبح اسی وضو سے فجر کی نماز ادا کرتے۔ جن کی جسمانی طہارت کا یہ حال تھا کہ چالیس برس راتیں اور دن وضو کے ساتھ گزارے ان کی روحانی طہارت و عفت کا کیا عالم ہو گا۔

آپ نے پندرہ برس تک یہ معمول رکھا کہ نماز عشاء کے بعد اپنے خلوت کدے میں جاتے اور صبح کی نماز سے قبل ہر رات ایک قرآن مجید ختم فرما لیتے۔ گیارہ برس آپ نے بغداد شہر سے باہر ایک برج میں خلوت گزینی اور مراقبے کی حالت میں گزارے۔ اس نسبت سے اس برج کا نام "برج عجمی" پڑ گیا۔

متداول اور مروجہ علوم کی تحصیل اور تعلیم و تربیت کی تکمیل کے بعد حضرت غوث پاکؒ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی تعمیل میں مسند رشد و ہدایت پر فائز ہوئے۔ حکم ہوا کہ اے عبدالقادرؒ اب جب کہ تیری ذات کی روحانی تکمیل ہو چکی اب تو خلق خدا کی اصلاح کا بیڑا اٹھا۔ آپ فرماتے ہیں کہ میں یہ سوچ کر اس بار گراں کو اٹھنے میں متامل تھا کہ اگر میں عامتہ الناس کی طرف متوجہ ہو گیا تو میرا دھیان اپنے حال کی طرف سے ہٹ جائے گا اور طویل مجاہدے اور ریاضت کے بعد جو مقام حاصل کیا ہے شاید اس کی حفاظت میں کچھ کمی رہ جائے۔ میں اس بارے میں متردد تھا کہ اللہ رب العزت نے ستر مرتبہ مجھ سے وعدہ فرمایا: اے عبدالقادرؒ تو خلق خدا کے حال کو سنوارنے میں لگا رہ۔ ہم تیرے حال کی خود حفاظت کریں گے۔ چنانچہ خدائے جل مجدہ' کے اس وعدے کے بعد میں نے خلق خدا کی اصلاح احوال کا بیڑہ اٹھا لیا۔ جیسے ہی میں مخلوق کے معاملات کی طرف متوجہ ہوا حضور صلی اللہ علیہ وسلم روحانی طور پر تشریف لائے اور فرمایا: عبدالقادر! خدائے عز و جل نے علم و معرفت کے خزینے تجھے عطا کر دیے ہیں۔ اب تو رشد و ہدایت اور وعظ و نصیحت کے سلسلے کا آغاز کر دے اور گم کردہ راہ لوگوں کی اصلاح کا کام شروع کر دے۔ میں نے عرض کیا: حضورؐ میں ایک عجمی ہوں اور شہر بغداد میں بڑے بڑے اجل فقہا' علماء اور خطباء موجود ہیں۔ میں ان کے سامنے کیسے کلام کروں؟ حضرت غوث پاکؒ فرماتے ہیں کہ یکایک میں نے کیا دیکھا کہ نور کا ایک ہیولا ظاہر ہوا جس کے جلو میں آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم جلوہ گر ہوئے اور آپ کے پیچھے حضرت علی شیر خدا کرم اللہ وجہ تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عبدالقادر! میں تجھے خطابت کا فن سکھانے آیا ہوں۔ آپؐ نے مجھے منہ کھولنے کا حکم دیا میں نے منہ کھولا اور آپؐ نے سات مرتبہ کچھ پڑھ کر اپنا لعاب دہن میرے منہ میں ڈال دیا۔ پھر شیر خدا حضرت علی کرم اللہ وجہ نے مجھے منہ کھولنے کے

لیے کہا اور چھ مرتبہ اپنا لعاب دہن میرے منہ میں ڈالا۔ معاً مجھے خیال آیا کہ وہ بھی سات مرتبہ ڈالتے کہ انہوں نے فرمایا: نہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی برابری سوء ادب ہو گی۔

حضرت غوثؒ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد جب میں نے خطابت کے لیے زبان کھولی تو بغداد کے فصیح البیان خطباء میرا انداز بیان اور رنگ ڈھنگ دیکھ کر دنگ رہ گئے۔ میرے حلقہ وعظ میں ستر ہزار تک افراد آنے لگے جبکہ اس سے پہلے کیفیت یہ تھی کہ مٹھی بھر لوگ تقریر سننے کے لیے آتے تھے۔ رفتہ رفتہ صورت حال یہ ہو گئی کہ جگہ تنگ پڑنے لگی اور جائے تنگ است و مردماں بسیار والا معاملہ پیش آنے لگا۔ آپ کا حلقہ وعظ و ارشاد شہر سے باہر ہوتا تھا جس میں لوگوں کے جم غفیر کے علاوہ ملائکہ' جنات اور اولیاء کرام کی ارواح بھی مشرق سے لے کر غرب تک شرکت کرنے آتی تھیں۔

آپ کے صاحبزادے بیان فرماتے ہیں کہ ایک مجلس وعظ میں آپ خطاب فرما رہے تھے کہ میں نے اپنا چہرہ آسمان کی طرف کیا۔ یکایک میرے منہ سے ایک چیخ نکلی اور میں بے ہوش ہو گیا۔ جب ہوش میں آیا تو ابا جان نے دریافت فرمایا: بیٹا کیا معاملہ تھا؟ میں نے عرض کیا: حضرت! آپ کے خطاب کے دوران میں نے غیبی آوازیں سنیں۔ آسمان کی طرف نظر اٹھائی تو دیکھا کہ سارا آسمان فرشتوں' جنات اور اولیاء کرام کی ارواح طیبات سے پٹا پڑا ہے۔

حضرت خضر علیہ السلام بھی آپ کی مجلس وعظ میں آپ کا خطاب سننے کے لیے تشریف لاتے تھے۔ آپ کی معجز بیانی اور خطابت کی اثر پذیری کا یہ حال تھا کہ کئی بار مجلس وعظ سے جنازے اٹھے۔ لوگ وجد میں آ کر اپنا گریبان پھاڑ ڈالتے اور عجیب کیفیات جذب و مستی کے مناظر دیکھنے میں آتے۔

حضرت غوث الاعظمؒ کے روحانی کمالات و تصرفات اس درجہ کے تھے کہ امت مسلمہ اور پہلی امتوں کا کوئی مرد کامل اور ولی ان کی ہمسری کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔

یوں تو عالم اسلام میں ہر دور میں عظیم المرتبت مصلح اور مجدد ہوئے جنہوں نے مصلحانہ اور مجددانہ کاوشوں سے دین کے عروق مردہ میں زندگی کی لہر دوڑا دی لیکن ان میں "محی الدین" کا لقب کسی کو عطا نہ ہوا۔ اس کا پس منظر بیان کرتے ہوئے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ فرماتے ہیں کہ ۵۱۱ھ میں ایک جمعہ کے دن وہ کسی جگہ جا رہے تھے کہ راستے میں ایک نہایت کمزور' نحیف و بیمار اور لاغر شخص پڑا ہوا دیکھا۔ وہ عرض کرنے لگا۔ حضرت مجھے اٹھا کر کھڑا کر دیں۔ میں نے اس کا بازو پکڑا اور سہارا دے کر اسے کھڑا کر دیا۔ میں نے دیکھا کہ کھڑے ہوتے ہی اس کے چہرے پر سرخی آ گئی۔ اس کی بیماری صحت و تندرستی میں بدل گئی اور وہ چست و توانا ہو گیا۔ میں نے پوچھا: تو کون ہے اور یہ کیا ماجرا ہے؟ کہنے لگا کہ میں آپ کے نانا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا دین ہوں جس پر دگرگوں احوال ملت کی وجہ سے مردنی طاری ہو چکی تھی۔ اب آپ کے سبب اللہ نے مجھے زندہ اور توانا کر دیا ہے۔ آپ پر محی الدین کا لقب اس لیے راست آتا ہے کہ جس دور میں آپ پیدا ہوئے لوگوں کے اخلاق بالکل تباہ ہو چکے تھے اور تمام دینی اور روحانی اقدار روبہ زوال و انحطاط تھیں۔ عالم اسلام میں ہر طرف انتشار و افتراق تھا اور ہر شعبہ زندگی بگاڑ کا شکار تھا۔ امت مسلمہ انتہائی زبوں حالی میں مبتلا تھی۔ ایسے میں آپ نے اپنے اعجاز مسیحائی سے دین کو زندہ کرنے کا محیر العقول کارنامہ سرانجام دیا۔ آپ فرماتے ہیں کہ جب جمعہ کی نماز کے بعد میں نے مسجد سے باہر قدم رکھا تو ہر کس و ناکس مجھے محی الدین کہہ کر پکارنے لگا۔ آپ کے محی الدین ہونے کی دلیل

اس سے بڑی کیا ہوگی کہ آپ کو اپنی زندگی میں ہی اس لقب سے پکارا جانے لگا۔

مولانا محمد اسحاق بھٹی

جن نفوس قدسیہ نے گلستان تصوف کی آب یاری کی اور زہد و عبادت میں مرتبہ بلند پر فائز ہوئے ان میں شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کا اسم گرامی خاص طور سے قابل ذکر ہے۔ وہ فقہی مسلک کے اعتبار سے حنبلی تھے اور حضرت امام احمد بن حنبل رحمتہ اللہ علیہ کے مقلد و متبع تھے۔ صوفیائے کرام اور مشائخ عظام کی جماعت میں انہوں نے بڑی شہرت پائی اور تمام اطراف عالم میں ان کا نام پہنچا۔ جہان تصوف ہمیشہ سے آباد ہے اور اس کی رعنائی و دلکشی کا ایک خاص رنگ ہے۔ اب تک اس راہ پر بے شمار لوگ گامزن ہوئے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ شیخ عبدالقادر جیلانی کو اس طائفہ مقدسہ میں اتنی شہرت کیوں حاصل ہوئی کون سے اوصاف ان میں پنہاں تھے جن کی وجہ سے وہ اتنے نامور ہوئے کہ کوئی ان کا مقابلہ نہ کر سکا؟

آیئے آج کی مجلس میں اختصار کے ساتھ اس سوال کا جواب دینے کی کوشش کرتے ہیں۔

حضرت شیخ کی بہت زیادہ شہرت و ناموری کی متعدد وجوہ ہیں۔

تمام مروجہ علوم کے لیے انہوں نے اپنے عہد کے مشاہیر اساتذہ کے سامنے زانوئے شاگردی تہہ کیا تھا اور قرآن، حدیث، فقہ ادبیات، منطق وغیرہ اصناف علم پر انہیں مجتہدانہ عبور حاصل تھا۔ پھر انہوں نے خود مسند تدریس آراستہ کی اور ہزاروں طلبا نے ان سے استفادہ کیا۔ آگے چل کر ان طلبا نے مختلف مقامات پر درس و تدریس کے جھنڈے گاڑے اور وہ جہاں جہاں گئے، اپنے گرامی قدر استاد کے واقعات اپنے ساتھ لے کر گئے جو انہوں نے فرط جذبات میں ڈوب کر بیان کیے اور ان کے فضل و کمال کی فراوانیوں کا تذکرہ کیا۔ اس طرح ان کی وجہ سے دور دراز علاقوں تک ان کی شہرت کے قافلے پہنچے اور ان کی تدریسی و تعلیمی سرگرمیوں کی تشہیر ہوئی۔

وہ بہت بڑے واعظ اور مبلغ تھے۔ بغداد کے جس مدرسے سے وہ منسلک تھے، اس میں روزانہ وعظ فرماتے تھے، جس میں ہزاروں افراد شریک ہوتے تھے۔ وعظ خالص کتاب و سنت کے مسائل پر مشتمل ہوتا تھا جونہی وعظ کا آغاز ہوتا، لوگ کاغذ قلم پکڑ کر بیٹھ جاتے اور جو کچھ وہ ارشاد فرماتے، اسے ضبط تحریر میں لے آتے۔ اس طرح بہت جلد ان کے ارشادات و ملفوظات دور دور تک پھیل جاتے اور استفادہ کرنے والوں کا حلقہ وسیع سے وسیع تر ہوتا جاتا۔

☆ --- زہد و عبادت اور تقویٰ و تدین میں ان کا مرتبہ بہت بلند تھا اور لوگ ان کی نیکی اور عمل و کردار کی رفعت سے انتہائی متاثر ہوتے تھے۔ گھروں، مجلسوں، محلوں اور مختلف مقامات میں اس کا تذکرہ ہوتا تھا، جس کے باعث ان کے دوائرہ اثر میں وسعت ہوتی تھی۔

☆ --- وہ نہایت منکسر، متواضع اور مہمان نواز تھے۔ ہر ایک سے خندہ پیشانی سے ملتے اور سب کی بات نہایت تحمل اور اطمینان سے سنتے، جس سے لوگ اثر پذیر ہوتے اور پھر ان کی نرمی اور انکسار کے واقعات کا سلسلہ آگے چلتا جو ان کی شہرت و ناموری کا باعث بنا۔

☆ --- وہ بہ درجہ غایت قانع اور متوکل علی اللہ تھے، کسی سے کوئی چیز نہ لیتے تھے، بالخصوص ارباب اقتدار سے دور رہتے تھے۔ ان کی اس ادائے بے نیازی نے بڑا کام کیا اور تمام حلقوں میں ان کے حدود و احترام میں بے پناہ

اضافہ ہوا۔

☆ --- انہوں نے مبلغین دین کی ایک مضبوط جماعت تیار کر رکھی تھی جو اس دور کے بڑے بڑے علما و واعظین پر محیط تھی۔ اس جماعت کے لوگ مختلف علاقوں اور شہروں میں جا کر اللہ کے دین کی تبلیغ کرتے تھے۔ تبلیغ و اشاعت دین کی ان مساعی میں اللہ نے بڑی برکت پیدا کی اور اس سے شیخ کی قدر و منزلت کو بے حد وسعت حاصل ہوئی۔

☆ --- حضرت شیخ کا فقہی سلسلہ امام احمد بن حنبل سے وابستہ تھا اور امام احمد کو چار مشہور عباسی حکمرانوں سے واسطہ پڑا تھا۔ مامون الرشید، معتصم باللہ اور واثق باللہ نے مسئلہ خلق قرآن کے سلسلے میں ان کو شدید سزاؤں سے دوچار کیا تھا، اور ان کے بعد متوکل علی اللہ نے ان کو تکریم و تعظیم کا مستحق گردانا اور انہیں مال و دولت سے نوازنا چاہا تھا، لیکن امام نے نہ پہلے تین حکمرانوں کے تشدد کے سامنے جھکنا گوارا کیا اور نہ ان کی غیرت نے چوتھے کے عطا و بخشش کو کوئی اہمیت دی۔ یہی حال شیخ عبدالقادر جیلانی کا تھا۔ انہیں اصحاب اقتدار کے جو رو جفا اور ابتلا و آزمائش کا نشانہ بننے سے تو اللہ نے محفوظ رکھا، لیکن اس عہد کے حکمرانوں کے دل میں ان کے لیے جو انتہائی احترام و اکرام کا جذبہ پایا جاتا تھا اس سے وہ سخت پریشان تھے۔ خلیفہ وقت اور اس کے وزراء و امرا ان کے درس میں حاضری دیتے اور ان کے مواعظ سے مستفید ہوتے تھے، اور پھر ان کے اور ان کے طلبا کے لیے مال و دولت کی پیش کش کرتے تھے لیکن شیخ کسی صورت میں بھی ان کی پیش کش قبول کرنے کے لیے تیار نہ تھے نہ وہ حکمرانوں سے ملنا پسند کرتے تھے اور نہ ان کے مال و دولت سے اپنے آپ کو ملوث کرنا انہیں منظور تھا۔ اصحاب حکومت سے یہ بعد اور استغنا و بے نیازی لوگوں کو متاثر کرتی اور ان کے احترام میں اضافے کا موجب بنتی تھی۔

☆ --- وہ سرخیل صوفیاں اور چمنستان تصوف کے گل سرسبد تھے۔ ورع و تقویٰ ان کا پیشہ اور ذکر الٰہی ان کا شیوہ تھا۔ ان عالی مرتبت لوگوں کو کشوف و کرامات سے کوئی واسطہ نہیں ہوتا۔ یہ اپنے آپ کو خادم دین قرار دیتے ہیں اور یہی ان کا شب و روز کا مشغلہ ہوتا ہے۔ ان کا دھیان ہر آن اسی طرف رہتا ہے کہ کہیں ترک فرائض نہ ہو جائے، ادائے سنت میں کسی موقعے پر تساہل نہ برتا جائے، نوافل و مستحبات کو ادا کرنے میں سستی نہ پیدا ہو جائے، ان کے عمل و قول سے کسی کو تکلیف نہ پہنچے، لوگوں کی اصلاح و تربیت کے سلسلے میں کہیں لغزش کے مرتکب نہ ہو جائیں۔ یہی تصوف کا سب سے بڑا ستون ہے، جسے صوفیا ہر صورت میں قائم رکھنا چاہتے ہیں اور اس کے بارے میں اللہ کے دربار میں سوال ہوگا، حضرت شیخ بھی اسی پر عامل تھے اور لوگوں کو اسی کی تلقین فرماتے تھے انہی اوصاف کی بنا پر اللہ نے ان کو ہر حلقے میں پذیرائی بخشی اور چار دانگ عالم میں ان کی شہرت کے علم لہرائے۔

☆ --- ان کے زمانے میں اہل اسلام میں بہت سے علوم معرض وجود میں آگئے تھے اور مسلمانوں میں متعدد فرقے پیدا ہو گئے تھے۔ مثلاً جہمیہ، مرجیہ، جبائیہ، معمریہ، کعبیہ، قدریہ، کرامیہ، ہشامیہ، معتزلہ، مقاتلیہ، نجاریہ، سالمیہ وغیرہ۔ زیادہ تر علمائے کرام انہی فرقوں کی ایجاد کردہ اصطلاحوں میں بات کرتے تھے۔ حضرت شیخ ان فرقوں اور جماعتوں کے مسلمات و معتقدات کی تمام تفصیلات سے باخبر تھے، لیکن انہوں نے اپنے غور و فکر کے دامن کو ان فرقوں میں الجھنے نہیں دیا، انہوں نے اپنے مواعظ و درس میں خالص توحید کو مرکز التفات ٹھہرائے

رکھا اور اسی توحید کی نشرو اشاعت کو ضرور قرار دیا جس کی قرآن و حدیث میں وضاحت کی گئی ہے اور جس کی اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) نے لوگوں کو تعلیم دی ہے۔

یہ وہ توحید ہے جو نہایت سادہ' آسان اور قلب و ذہن میں اترنے والی ہے۔ اس کو سمجھنے میں کہیں مشکل پیش نہیں آتی اور کسی مقام پر فکر انسانی ٹھوکر نہیں کھاتا۔ اللہ کی رضا کو پالینے کا اور اس کے احکام کے مطابق اپنی زندگیوں کو ڈھالنے کا یہی اصل ذریعہ ہے۔ شیخ اس کی وضاحت فرماتے تھے تو لوگ اس پر عمل کے لیے بے تاب ہو ہو جاتے تھے۔ جو شخص ایک مرتبہ کسی موضوع سے متعلق ان کا موعظ حسنہ سن جاتا تھا' وہ دوسری اور تیسری مرتبہ سننے کا بھی شائق رہتا تھا۔

☆ --- بے شمار بدعات اس عہد کے معاشرے میں نفوذ کر گئی تھیں' شیخ جیلانی رحمتہ اللہ علیہ زوردار اور موثر الفاظ میں اس کی تردید فرماتے تھے' جو قباحتیں بدعات سے وابستہ ہیں' ان کی جن الفاظ میں صراحت کرتے تھے' وہ سامعین کے دل میں گھر کرتے جاتے تھے۔ اس ضمن کی تفصیلات کے لیے ان کی بے نظیر تصنیف "غنیتہ الطالبین" کا مطالعہ کرنا چاہیے۔ اس کتاب کا مطالعہ دل کو روشنی بخشتا اور ذہن کو نئی سے نئی کیفیات سے روشناس کراتا ہے۔

غنیتہ الطالبین شیخ کی نہایت جامع کتاب ہے' جس میں اسلام کے احکام و اوامر کے تمام پہلوؤں کو انتہائی عمدگی اور خوب صورتی سے ضبط تحریر میں لایا گیا ہے۔ نماز' روزہ' حج' زکواۃ اور پھر نماز کی تمام اقسام جمعہ' عید' تراویح' اشراق' تہجد وغیرہ کا پوری تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے۔ حج بیت اللہ کے بھی سب احکام کی تصریح کی گئی ہے۔

علاوہ ازیں عام معاشرتی مسائل' باہم میل جول کے آداب' ایک دوسرے سے شفقت و مہربانی سے پیش آنے کے احکام' بہن بھائیوں' اجنبیوں' یتیموں' مسکینوں' فقیروں' تنگ دستوں اور معاشرے کے بڑے چھوٹے لوگوں سے تعلقات و مراسم قائم کرنے اور قائم رکھنے کے بارے میں ضروری ہدایات بڑی وضاحت کے ساتھ اس کتاب میں مرقوم ہیں۔

وہ تاریخی واقعات جو لوگوں کی اصلاح کا باعث بنتے ہیں اور جن سے حالات کے دھارے انسانی فلاح و بہبود کا رخ کرتے ہیں' اس کتاب کی زینت ہیں۔ غرض یہ کتاب بوقلموں مضامین کا دل نواز اور روح پرور مجموعہ ہے اور اس سے لوگوں نے بہت استفادہ کیا ہے اور کر رہے ہیں۔

شیطان کن طریقوں اور سمتوں سے لوگوں پر حملہ آور ہوتا اور انہیں غلط راہ پر لگانے کی سعی کرتا ہے' برائی کو کسی طرح خوب صورتی کے قالب میں ڈھالنا اور نیکی کو کسی قدر مشکل اسلوب میں بدل کر انسان کے سامنے پیش کرتا ہے' اس کی پوری تفصیل احاطہ کتابت میں لائی گئی ہے۔ بلاشبہ انسان گناہ گار اور معصیت کی طرف لپکتا ہے' لیکن اللہ تعالیٰ نے اسے معاصی و گناہ اور خطا و نسیان سے محفوظ رہنے کے طریقے بھی بتائے ہیں' نیز بیان فرمایا ہے کہ در توبہ ہر وقت کھلا ہے۔ اگر انسان توبہ کرلے اور اللہ سے طالب عفو ہو جائے تو گناہوں پر خط تنسیخ کھینچ دیا جاتا ہے اور اس کے سامنے اللہ اپنی رحمت کے کواڑ کھول دیتا ہے۔ کتاب میں اس نوع کی بے شمار باتیں بیان کی گئی ہیں۔ اس کتاب نے شیخ کی تعلیمات کو پھیلانے اور عام کرنے میں بنیادی کردار ادا کیا اور ان کے اسلوب تبلیغ اور نہج تفہیم کی بہترین الفاظ میں صراحت فرمائی۔

کتاب کیا ہے' گنجینۂ ہدایت اور خزینہ معلومات ہے۔ اس قسم کی کتاب کوئی بہت بڑا صوفی' بہت پڑھا لکھا اور بہت صالح و متقی آدمی ہی لکھ سکتا ہے' اور یہ سعادت محبوب سبحانی قطب ربانی شیخ عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ کے حصے میں آئی کہ انہوں نے خلق خدا کی رہنمائی کے لیے یہ عظیم خدمت سرانجام دی۔

اس کتاب کی عظمت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ اس میں شیخ نے ارکان اسلام کے تمام گوشوں کو نہایت نکھار کر پیش کیا ہے اور کتاب و سنت میں اس اساسی موضوع سے متعلق جو کچھ بیان کیا گیا ہے' اس کی انتہائی دل نشین انداز میں وضاحت کی ہے۔ جن امور کو حرز جان بنانا اور "قولاً" و "عملاً" بنائے اسلام قرار دینا قرآن و حدیث کی رو سے فرض ٹھہرایا گیا ہے کتاب میں ان کو شیخ نے اپنے اسلوب خاص سے منقح و مصرح کر دیا ہے۔ کتاب کی افادیت اتنی ہمہ گیر ہے اور اس کے مندرجات و محتویات اس درجے پر تاثیر ہیں کہ ہماری رائے میں اس کے عربی متن کو دینی مدارس کے نصاب تعلیم میں داخل کرنا چاہیے اور اس کو "سبقاً سبقاً" طلبا کو پڑھانا چاہیے تاکہ ان کو شیخ کی علمی عظمت کا بھی علم ہوسکے اور ان کے ذہن میں اسلامی احکام و اوامر بھی اچھی طرح راسخ ہو جائیں اور غلط و صحیح میں جو بنیادی فرق ہے' اس کے درمیان امتیاز کیا جاسکے --- بے شک شیخ کو مقام شہرت کے فرازوں تک پہنچانے میں اس کتاب کا بہت بڑا حصہ ہے۔

مضامین کی گہما گہمی' واقعات کی رنگا رنگی' مسائل کی بوقلمونی' دلائل کی پختگی' زبان کے خلوص اور طرز کلام کی روانی سے قاری بجا طور پر محسوس کرتا ہے کہ

آئی ہے ندی فراز کوہ سے گاتی ہوئی

شیخ عبدالقادر جیلانی ۴۷۰ ھ کو پیدا ہوئے اور ۵۶۱ ھ کو فوت ہوئے۔ سن عیسوی کے رو سے ان کا سال ولادت ۱۰۷۷ء اور تاریخ وفات ۱۱ اپریل ۱۱۶۶ء ہے۔ اس حساب سے انہوں نے کم و بیش نوے برس عمر پائی۔ اب ان کے سانحہ ارتحال پر آٹھ سو پچیس برس سے زیادہ عرصہ بیت چکا ہے۔ جب کہ غنیتہ الطالبین کی تصنیف پر اس سے بھی زیادہ مدت گزر چکی ہے اور اس وقت سے اب تک لوگ مسلسل اس کے محتویات سے استفادہ کر رہے ہیں۔ لیکن اب سننے میں آیا ہے کہ سوا آٹھ سو سال کے بعد کچھ لوگوں پر یہ انکشاف ہوا ہے کہ یہ کتاب حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ کی تصنیف نہیں ہے اور ان کی طرف اس کا انتساب غلط ہے۔ معلوم نہیں' اس انکشاف کا پس منظر کیا ہے اور وہ کیوں اسے حضرت شیخ کی تصنیف قرار دینے پر آمادہ نہیں۔ کیا اس کی وجہ یہ تو نہیں کہ اس میں اللہ اور اس کے رسول (علیہ الصلواۃ والسلام) کے احکام بیان کیے گئے ہیں؟ صحابہ کرام کے ارشادات گرامی معرض تسوید میں لائے گئے ہیں اور آئمہ عظام کے اقوال و فرامین کی توضیح و تبیین فرمائی گئی ہے؟

واقعہ یہ ہے کہ اپنے موضوع کی یہ نہایت صاف ستھری کتاب ہے۔ اس میں نہ تو ایسی کرامات سے تعرض کیا گیا ہے جو کبھی عالم ظہور میں نہیں آئیں اور جنہیں عقل سلیم ماننے سے ابا کرتی ہے اور نہ اس میں اس قسم کی حکایات درج کی گئی ہیں جن کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔

مدت ہوئی تحقیق اپنا فرض ادا کرچکی اور تاریخ یہ فیصلہ دے چکی کہ یہ کتاب حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ کی تصنیف ہے۔ اس ضمن میں ان اسلاف کی بات مانی جائے گی جو شیخ کے ہم عصر یا ان کے قریب العہد تھے' اخلاف کی مصلحتوں کو اس ضمن میں درخور اعتنا نہیں قرار دیا جائے گا۔

شیخ بلاشبہ صاحب کرامات تھے اور ان کو اللہ نے جس عظیم ترین کرامت سے نوازا تھا وہ مردہ دلوں کے لیے ان کی مسیحائی تھی۔ ان کا قلب ہر آن متوجہ الی اللہ رہتا تھا اور ان کی زبان قول حق کے باب میں انتہائی پر تاثیر تھی۔ ان کی وجہ سے لاکھوں انسانوں کو ایمانی زندگی عطا ہوئی اور ان کا وجود اشاعت اسلام کے لیے بہت بڑی نعمت ثابت ہوا۔ جو دل سے اسلام سے خالی ہو چکے تھے اور جن ذہنوں نے قبرستان کی حیثیت اختیار کر لی تھی، حضرت شیخ کے اعلاء کلمتہ اللہ نے ان میں ایمان کی روح پھونک دی اور ان کو روحانیت کے ولولہ تازہ سے مالا مال کر دیا۔

ان کے ہر وعظ میں کتنے ہی یہودی اور عیسائی قبول اسلام کا شرف حاصل کرتے۔ چور اور ڈاکو اپنے افعال بد سے تائب ہوتے اور غلط امور کے ارتکاب سے کنارہ کش رہنے کا عہد کرتے۔ فاسق و فاجر لوگ فسق و فجور سے دامن کشاں ہونے کا اعلان کرتے۔ یہ بہت بڑی کرامت تھی جو اللہ نے ان کو عطا فرمائی۔ یہ ہے شیخ کی بے پناہ شہرت کا مختصر جائزہ۔

محمد موسیٰ امرتسری

حضرت غوث الثقلین کا ارشاد گرامی ہے "میرا قدم تمام اولیا اللہ کی گردنوں پر ہے۔" اس الہامی کلام کی تمام اولیائے وقت نے پر زور تائید فرمائی اور اکثر علما و اولیا امت نے اس امر پر اتفاق کیا کہ حضرت غوث اعظمؒ حضرات صحابہ کرام اور آئمہ اہل بیت کے سوا سب زمانوں کے اولیا کرام کے سردار ہیں۔ معاصرین، اولین اور آخرین سب کے سب آپ سے فیض یافتہ ہیں اور آپ ہی کے تابع ہیں۔ امام اہل سنت حضرت مولانا شاہ احمد رضا بریلوی قدس سرہ کا مسلک بھی یہی ہے۔

بعض حضرات نے حضور غوث پاک کی صرف اپنے زمانے کے اولیا پر فضیلت مانی ہے اور بعض نے معاصرین و آخرین پر آپ کا تفوق تسلیم کیا ہے مگر اولین پر نہیں--- حضرت محمد فاضل کلانوری نے رسالہ "رموز ثمرید" یعنی شرح قصیدہ غوثیہ کے دیباچہ میں حسب ذیل عبارت نقل کی ہے:

"حضرت شاہ حبیب اللہ چشتی، جن کے کمالات کا حال کتاب "ماثر الکرام" وغیرہ سے ظاہر ہے، مناقب الاولیا میں فرماتے ہیں:

"مشہور یہ ہے کہ اس سے تمام زمانوں کے اولیا مراد ہیں لیکن شیخ احمد نقشبندی (مجدد الف ثانیؒ) نے فرمایا ہے کہ یہ حکم اس عہد کے اولیا کے لیے مخصوص ہے اور پہلے اور بعد کے اولیا اس سے خارج ہیں جیسا کہ جناب شیخ حماد کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا قدم اس وقت کے تمام اولیا کی گردنوں پر ہوگا، اور غوث بغدادی کے کلام سے بھی یہی پتہ چلتا ہے۔

یہ فقیر (حبیب اللہ چشتی) کہتا ہے کہ جب غوث اعظم اللہ کی طرف سے یہ کلام کہنے پر مامور ہوئے اور آپ نے یہ ارشاد فرمایا، اس وقت سے جو شخص بھی زمرہ اولیاء میں داخل ہے، اس حکم کے ذیل میں آجاتا ہے۔ اس کلام کی عمومیت اور کلیت بھی یہی ظاہر کرتی ہے۔ جب کوئی امر الٰہی کلی الفاظ میں صادر ہوا اور اس کو منسوخ کرنے والا اور کوئی حکم ظاہر نہ ہوا، تو اس کا وقت دائمی ہے، جب تک کہ ولایت باقی ہے۔ جیسا کہ بحیرا راہب

وغیرہ نے پیغمبر خدا کی رفعت شان کی خبر دی ہے کہ آپ کے دور میں کفر ذلیل ہوگا اور دوسرے مذاہب منسوخ ہو جائیں گے۔ اس سے مراد کوئی ایک مخصوص وقت نہیں ہے، بلکہ یہ حکم، امر الٰہی کے نزول سے لے کر قیامت تک کے لیے ہے۔ اور اگر بالفرض، اس سے مراد صرف اسی دور کے اولیا لیے جائیں تو بھی یقینی ہے کہ اس دور کے اولیا بعد کے اولیا کے پیر و مرشد تھے، جب پیروں نے اطاعت اختیار کی اور گردن جھکا دی تو مریدین تو بطریق اولیٰ مطیع ہو گئے۔ باوجودیکہ شیخ حماد وغیرہ کا کلام پہلے اور بعد کے لوگوں کی نفی پر دلالت نہیں کرتا، کلام الٰہی کا ناسخ نہیں ہو سکتا۔

حضرت شاہ حبیب اللہ رحمت اللہ علیہ نے حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ کا جو یہ قول نقل کیا ہے کہ "یہ حکم صرف اس دور کے اولیا کے لیے مخصوص ہے۔ پہلے اور بعد کے اولیا اس حکم سے خارج ہیں۔" اس سلسلے میں یہ عرض کرنا ضروری ہے کہ امام ربانیؒ نے آخری ایام میں اس باب میں جو کچھ ارشاد فرمایا ہے وہ اس قول کا ناسخ ہے۔ حضرت شیخ مجدد نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں حضرت غوث اعظم کی افضلیت کو بیان کیا ہے اور اپنے آپ کو ان کا نائب لکھا ہے، لہٰذا حضرت مجدد الف ثانیؒ کے ایک سابق قول کو پیش کرنا اور زیر بحث لانا غیر مناسب ہے لہٰذا اس مقام پر یہ قول الٰہی سمجھا جائے جو ایسا عقیدہ رکھتے ہیں۔ اب آپ حضرت شیخ مجدد کی وہ نورانی تحریر ملاحظہ کیجئے جس میں حضرت غوث اعظم کی افضلیت ہر عہد میں تسلیم کی گئی ہے۔

"وہ راستے جو اللہ تعالیٰ کی طرف پہنچانے والے ہیں، دو ہیں۔ ایک وہ راہ ہے جو قرب نبوت سے تعلق رکھتی ہے علیٰ اربابہا اصلوٰۃ والسلام اور اصل الاصل تک پہنچانے والی ہے۔ اس راہ سے واصل ہونے والے اصل میں تو انبیا ہیں اور ان کے صحابہ اور باقی امتوں میں سے جس کو بھی اس دولت سے نوازیں گرچہ وہ تھوڑے ہوتے ہیں بلکہ بہت ہی تھوڑے اور اس راہ میں توسط و حیلولت نہیں ہے، جو بھی ان واصلین میں سے فیض حاصل کرتا ہے وہ بغیر کسی وسیلے کے اصل سے حاصل کرتا ہے اور کوئی بھی دوسرے کی راہ میں حائل نہیں ہوتا اور ایک وہ راہ ہے جو قرب ولایت سے تعلق رکھتی ہے، اقطاب و اوتاد اور بدلا و نجبا اور عام اولیا اللہ اسی راہ سے واصل ہیں اور راہ سلوک اسی راہ سے عبارت ہے بلکہ جذبہ متعارفہ بھی اسی میں داخل ہے اور اس راہ میں توسط و حیلولت ثابت ہے اور اس راہ کے واصلین کے پیشواؤں، سرداروں اور ان کے بزرگوں کے منبع فیض حضرت علیؓ ہیں اور یہ عظیم الشان منصب ان سے تعلق رکھتا ہے۔ اس راہ میں گویا رسول اللہ کے دونوں قدم مبارک حضرت علیؓ کے مبارک سر پر ہیں اور حضرت فاطمہ اور حضرت حسن و حسین اس مقام میں ان کے ساتھ شریک ہیں۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ حضرت امیر اپنی جسدی پیدائش سے پہلے بھی اس مقام کے ملجا و ماویٰ تھے جیسا کہ آپ جسدی پیدائش کے بعد ہیں اور جس کو بھی فیض و ہدایت اس راہ سے پہنچی ان کے ذریعے سے پہنچی کیونکہ وہ اس راہ کے آخری نقطہ کے نزدیک ہیں اور اس مقام کا مرکز ان ہی سے تعلق رکھتا ہے اور جب حضرت امیر کا دور ختم ہوا تو یہ عظیم القدر منصب بالترتیب حضرات حسنین کے سپرد ہوا اور ان کے بعد وہی منصب آئمہ اثنا عشریہ میں سے ہر ایک کو ترتیب وار اور تفصیل سے مقرر ہوا اور ان بزرگواروں کے زمانہ میں اور اسی طرح ان کے انتقال کے بعد جس کو بھی فیض اور ہدایت ملی ان بزرگواروں کے ذریعہ اور حیلولت سے ملی اگرچہ وہ اقطاب و نجبائے وقت ہی کیوں نہ ہوں اور سب کے ملجا و ماویٰ یہی بزرگ ہیں کیونکہ اطراف کو اپنے مرکز کے ساتھ الحاق کرنا لازمی ہے یعنی اس کے بغیر چارہ نہیں یہاں تک کہ نوبت حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ تک پہنچی اور جب ان بزرگوار تک

نوبت پہنچی تو منصب مذکور آپ کے سپرد ہوا اور آئمہ مذکورین اور حضرت شیخ کے درمیان کوئی بھی اس مرکز پر مشہود نہیں ہوا اور اس راہ میں فیوض و برکات کا وصول جس کو بھی ہو' خواہ وہ اقطاب و نجبا ہوں آپ کے واسطہ ہی سے مفہوم ہوتا ہے کیونکہ یہ مرکز ان کے علاوہ اور کسی کو میسر نہیں ہوا یہی وجہ ہے کہ آپ نے فرمایا ہے:

"پہلے لوگوں کے سورج غروب ہو گئے اور ہمارا سورج ہمیشہ بلندی کے کناروں پر رہے گا اور وہ کبھی غروب نہ ہوگا۔"

شمس سے مراد فیضان ہدایت و ارشاد کا آفتاب ہے اور اس کے غروب ہونے کا مطلب فیضان مذکور کا عدم ہے اور جب حضرت شیخ کے وجود سے وہ معاملہ جو پہلے لوگوں سے تعلق رکھتا تھا مقرر ہوا اور رشد و ہدایت کے وصول کا واسطہ ہوئے جیساکہ ان سے پہلے کے بزرگ تھے اور پھر یہ بھی ہے کہ جب تک فیض کے توسط کا معاملہ قائم ہے ان ہی کے وسیلہ سے ہے تو لازماً درست ہوا کہ ان کا سورج کبھی غروب نہیں ہوگا۔ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ اپنے رسالہ "مکاشفات غیبیہ" میں تحریر فرماتے ہیں:

"معلوم ہونا چاہیے کہ "افراد" کا لقب رکھنے والے ان بزرگواروں میں سے واصلان ذات کی تعداد بہت ہی قلیل ہے۔ اکابر صحابہ اور اہل بیت میں سے بارہ اماموں کو یہ مقام حاصل ہے اور اکابر اولیا اللہ میں سے غوث الثقلین' قطب ربانی' محی الدین شیخ عبدالقادر جیلانی اس دولت عظمیٰ سے سرفراز ہوئے ہیں۔ اس مقام میں آپ کو وہ خصوصی شان حاصل ہے' جس سے دوسرے اولیا کو بہت ہی کم حصہ نصیب ہوا ہے۔ یہی امتیازی فضیلت آپ کا علو مرتبت کا باعث بنی ہے۔ آپ نے فرمایا ہے: "قدمی هذه علی رقبة کل ولی الله" اگرچہ دوسرے اولیا کے فضائل و کرامات بھی بہت ہیں' لیکن اس خصوصیت کے ساتھ شیخ عبدالقادر جیلانی کا قرب سب سے زیادہ ہے' اور عروج کی اس کیفیت میں کوئی آپ کو نہیں پہنچ پاتا۔ اس سلسلے میں آپ اکابر صحابہ اور بارہ اماموں کے ساتھ شامل ہیں۔"

سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ کے فاضل اجل بزرگ حضرت شاہ فقیر اللہ علوی شکارپوری نے افضلیت غوث پاکؒ پر نہایت شرح و بسط سے روشنی ڈالی ہے' کوئی پہلو تشنہ نہیں چھوڑا۔ اختتام بحث پر رقم فرماتے ہیں۔

"یہ کشفی اور قطعی حکم ثابت ہوگیا۔ جان لینا چاہیے کہ آپ کا قدم مبارک اول و آخر تمام اولیا کی گردنوں پر ثابت ہے۔"

حضرت شیخ مجدد کے منقولہ الصدر مکتوب شریف پر اکثر علما و مشائخ پر توجہ نہیں کی لہٰذا اولیا متقدمین و متاخرین پر حضرت غوث اعظمؒ کی فضیلت کے بارے میں مشوش رہے۔ الحاج محمد عارف رضوی ضیائی بیان کرتے ہیں کہ سیدی حضرت مولانا ضیاء الدین احمد صاحب قادری رضوی مہاجر مدنی نے دو تین مرتبہ بیان فرمایا کہ پنجاب کے ایک مشہور نقشبندی بزرگ نے مجھے کہا کہ ہم اولیا متقدمین و متاخرین پر حضرت غوث اعظم کی فضیلت نہیں مانتے۔ اس پر میں (حضرت مدنی) نے حضرت مجدد کا یہ مکتوب ان پیر صاحب کو پڑھوایا تو فرمانے لگے کہ پورے کہ پورے ستر سال سے میں غلط خیال میں مبتلا رہا مگر اب میں آپ کے سامنے توبہ کرتا ہوں۔ حضرت مجدد نے جو فرمایا ہے وہ حق ہے۔" ان پیر صاحب کا رجوع فرمالینا ان کی عظمت کی دلیل ہے۔

اس مکتوب شریف کا مطالعہ نہ کرنے کی وجہ سے بعض لوگ اس سوء ظنی میں بھی مبتلا رہے کہ حضرت مجدد نے حضرت غوث اعظم کی افضلیت (در ہمہ عصر) کو کبھی تسلیم نہیں کیا تھا جیساکہ شاہ حبیب اللہ چشتی کی اس تحریر

سے ظاہر ہے جو ابتدا میں درج ہو چکی ہے۔ مقام حیرت ہے کہ یہ مکتوب ان فضلا کی نظر سے کیوں اوجھل رہا۔

سلسلہ نقشبندیہ کے سرخیل حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ نے اس سلسلہ میں متعدد بزرگوں کے کشف نقل فرمائے ہیں۔ ان میں سے ایک بزرگ کی کشفی شہادت درج ذیل ہے:

"جس وقت حضور غوث پاکؒ نے یہ ارشاد فرمایا کہ میرا قدم تمام اولیا اللہ کی گردن پر ہے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ کی جانب سے ان کے دل پر ایک تجلی ہوئی اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ملائکہ مقربین کی ایک جماعت کے ہاتھ ان کے پاس ایک خلعت آئی جو اولیا متقدمین و متاخرین کی موجودگی میں انہیں پہنائی گئی۔ زندہ اولیا تو اپنے اجسام کے ساتھ حاضر تھے اور جو وصال پا چکے تھے ان کی ارواح موجود تھیں اور اس وقت ملائکہ اور رجال غیب نے اس مجلس کو گھیرے میں لیا ہوا تھا اور ہوا میں صف بستہ کھڑے تھے اس وقت روئے زمین کا کوئی ایسا ولی نہ تھا جس نے اپنی گردن کو نہ جھکا دیا ہو' مگر ایک عجمی نے تواضع سے کام نہ لیا تو اس کا حال محو ہوگیا یعنی اس کی ولادیت سلب ہو گئی۔"

حضرت خلیفہ بن موسیٰ نہر ملکی قدس سرہ کا ایک خواب حضور غوث الثقلین کی جلالت شان کی زبردست دلیل ہے۔ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور پر نور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا تو عرض کی کہ شیخ عبدالقادر جیلانی فرماتے ہیں کہ میرا قدم ہر ولی کی گردن پر ہے۔ جواب میں حضور نبی کریمؐ نے ارشاد فرمایا: "شیخ عبدالقادر نے سچ کہا ہے اور وہ کیوں نہ سچ کہیں کہ خود قطب ہیں اور میں ان کا نگہبان ہوں۔ یاد رہے کہ انبیا کرام اور اولیائے عظام کے رویا بیداری حکم رکھتے ہیں۔ حضرت شاہ فقیر اللہ علوی شکارپوری لکھتے ہیں:

"صاحبان عرفان و اتقان پر مخفی نہیں ہے کہ انبیا اور اولیا کے خواب بھی بیداری کا حکم رکھتے ہیں۔ اگر انہیں خواب میں کسی چیز کا حکم ہو تو اس کی تعمیل ان پر واجب ہوتی ہے' اور اگر انہیں خواب میں کسی چیز سے روک دیا جائے تو ان پر اس سے اجتناب لازم ہو جاتا ہے جیساکہ ان کی شرح احوال سے ظاہر ہے۔"

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے سلسلہ عالیہ قادریہ اور حضرت غوث اعظم کی فضیلت کو اپنے مخصوص انداز میں بیان فرمایا ہے:

"اولیائے امت اور ارباب سلاسل میں سے راہ جذب کی تکمیل کے بعد جو اس نسبت (اویسیہ) کی طرف سب سے زیادہ مائل اور اس مرتبہ پر بدرجہ اتم فائز ہوئے ہیں وہ حضرت شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی ہیں۔ اسی لیے (مشائخ) نے کہا ہے کہ وہ اپنی قبر میں زندوں کی طرح تصرف فرماتے ہیں۔" حضرت شاہ ولی اللہ "تفہیمات" میں لکھتے ہیں:

"سلسلہ قادریہ نقشبندیہ اور چشتیہ کی الگ الگ خاصیت سمجھی گئی ہے۔ سلسلہ قادریہ میں اگرچہ تعلیم بہ ظاہر شیخ ہی سے ہوتی ہے تاہم یہ سلسلہ طریقہ اویسیہ روحانیہ کا مظہر ہے۔ اس سلسلہ میں مشائخ کے ساتھ تعلق اور مشائخ کی توجہ طالب کی طرف اس قدر ہوتی ہے کہ دوسرے سلاسل میں نہیں پائی جاتی اور یہ امر ظاہر و عیاں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کو عالم میں اثر و نفوذ کا ایک خاص مقام حاصل ہے اس لیے کہ انہیں وصال کے بعد ملا اعلیٰ کی ہیئت حاصل ہو گئی ہے اور ان میں وہ وجود منعکس ہو گیا ہے جو تمام عالم میں جاری و ساری ہے لہٰذا ان کے طریقے (سلسلہ قادریہ) میں بھی ایک خاص روح اور زندگی پیدا ہو گئی ہے۔"

شاہ فقیر اللہ علوی نقشبندی شکارپوری سلسلہ قادریہ اور قادریوں کی فضیلت و افضلیت بیان کرتے ہوئے

مریدان سلسلہ قادریہ اور دیگر سلاسل میں منسلک لوگوں کے لیے نہایت مفید ہدایت لکھ گئے ہیں فرماتے ہیں:

"خلاصہ یہ کہ سلسلہ قادریہ کو سب سلسلوں پر فضیلت حاصل ہے اور اس سلسلے کے مریدین دیگر سلاسل کے مریدین پر فوقیت رکھتے ہیں اس لیے کہ تابع کی فضیلت متبوع کے سبب ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہے: "تم بہتر ہو ان سب امتوں میں جو لوگوں میں ظاہر ہوئیں۔" سلسلہ قادریہ کے مرید کے لیے نامناسب ہے کہ وہ کسی اور سلسلہ کے پیر سے روحانی استفادہ کرے اس لیے کہ تمام سلاسل کے مشائخ حضور غوث پاک کے وسیلے سے فیضیاب ہوتے ہیں اور اول و آخر ان ہی کے طفیل ان پر در معرفت وا ہوتا ہے' اگرچہ وہ اقطاب و نجبا وقت ہوں۔ ہاں دیگر سلاسل کے لوگوں کا سلسلہ قادریہ کے مشائخ سے استفادہ ان کے لیے فیض کی زیادتی کا موجب ہوتا ہے۔

مولانا قاری شاہ محمد سلیمان پھلواری چشتی قادری فرماتے ہیں:

اے عزیز! تم سیرو تاریخ اولیا اس زمانے تک کی پڑھ جاؤ' دیکھو گے کتنے طریقے پیدا ہوئے۔ پھر ان کا زور شور ہوا مگر ظاہر میں اب اس کا اجرا مسدود ہو گیا۔ بخلاف ہمارے طریقہ شیخ عبدالقادرؒ کے کہ وہ تمام طرق اولیا میں سما گیا اور ہر طریقے میں اس کی زندگی اور ہر شجرے میں اس کی تازگی ہے۔ ہندوستان ہی کے موجودہ طرق و سلاسل کو دیکھ لو۔ کوئی طریقہ اس کی آمیزش (فیض) سے خالی نہیں۔"

شیر ربانی حضرت میاں شیر محمد شرقپوریؒ یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیاء اللہ کا وظیفہ پڑھا کرتے تھے اور ان کی مسجد کی محراب میں بھی یہ مبارک جملہ لکھا ہوا تھا۔ آپ کے ایک مرید مولوی حکیم مظفر حسین قریشی فاروقی (ضلع گوجرانوالہ) نے اس سلسلے میں اپنے ایک مکتوب میں اپنے خدشات کا اظہار کیا تو حضرت میاں صاحب نے جو مختصر جواب دیا وہ قابل توجہ ہے:

"ہر حال شکر اور ذکر' فکر' عبرت ضروری ہے۔ سو آج کل محال ہے' اس وسوسے (یا شیخ عبدالقادر شیاء اللہ کے بارے میں خدشہ) میں پڑنا زیبا نہیں' غریب تو پڑھا کرتے ہیں' بلکہ کل ولی اللہ سے امداد لینا جائز ہے۔ آپ کا دل چاہے تو خیر پڑھا کریں۔ حضرت میراں محی الدین حضرت شیخ عبدالقادرؒ عجیب طرز کی توحید میں فنا تھے۔ اس لیے جو لوگ ان کو یاد کرتے ہیں ان کو خداوند کریم کی محبت کامل ہو جاتی ہے۔ اخیر سب کا رجوع رب کریم کی جانب ہے۔ آپ کا وجود غیر خدا سے نہیں بنا ہے۔ اس کا ثبوت قادری قلندروں سے لیں۔ اگر کوئی نہ پڑھے تو خیر' خداوند کریم کی سنت جاری ہے۔ ہر ایک کو ایک کام سپرد کیا ہے جیسا ہر ایک چیز سے کام لیا جاتا ہے ویسا یہی ہے۔"

حضرت غوث الثقلینؒ کی ایسی ذات گرامی ہے کہ ان کی بارگاہ اقدس کی ادنیٰ سی گستاخی بھی موجب خسران ہے۔ اکابر اولیا اللہ سید الانبیا صلی اللہ علیہ وسلم کے اسی لاڈلے فرزند کا غایت درجہ ادب کرتے ہیں اور جو اس بارگاہ عالی کے مودب نہیں ہیں' انہیں روحانیت سے کوئی علاقہ نہیں اور دین و دنیا کے سخت گھاٹے میں ہیں۔ بارگاہ غوثیت ماب کی بے ادبی کے انجام کے سلسلے میں سلطان المشائخ حضرت خواجہ خواجگاں سید نظام الدین اولیا محبوب الٰہی کی ایک روایت ملاحظہ ہو:

"ایک شخص حضرت شیخ عبدالقادر گیلانی قدس سرہ العزیز کی خانقاہ میں آیا۔ اس نے ایک آدمی کو دیکھا کہ وہ خانقاہ کے دروازے پر پڑا ہے اور اس کے ہاتھ پاؤں ٹوٹے ہوئے اور خراب حالت میں ہیں۔ آنے والا شخص حضرت شیخ عبدالقادر گیلانی کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے دروازے پر پڑے ہوئے اس آدمی کا ذکر کیا اور

حضرت شیخ سے دعا کی درخواست کی۔ حضرت شیخ نے فرمایا: خاموش رہو' اس نے بے ادبی کی ہے۔ آنے والے شخص نے پوچھا کہ حضرت! اس نے کیا بے ادبی کی ہے؟ حضرت شیخ نے فرمایا کہ وہ ابدال میں ہے۔ کل اس قوت پرواز کے مطابق کہ ابدال کو بخشی گئی ہے' وہ اپنے دو ساتھیوں کی معیت میں ہوا میں اڑ رہا تھا۔ جب وہ تینوں اس خانقاہ کے قریب پہنچے تو اس کا ایک ساتھی اڑتے ہوئے خانقاہ سے ایک طرف ہٹ گیا اور ادب کے طور پر خانقاہ کی دائیں جانب سے نکل گیا۔ اس کا دوسرا ساتھی بھی اڑتا ہوا خانقاہ کی جانب سے نکل گیا۔ اس نے بے ادبی سے خانقاہ کے اوپر سے گزرنا چاہا لہٰذا نیچے گر گیا۔"

"حضرت غوث الثقلین کی رفعت وعظمت اور ان کے سلسلہ عالیہ کی فضیلت و افضلیت اکابر اولیا کے کلام سے اس لیے واضح کی گئی ہے کہ قارئین کرام پر واضح ہو کر قصیدہ شریف جس عظیم و جلیل بزرگ اور سروز اولیا کا کلام ہے وہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کا لاڈلا بیٹا اور نائب ہے اور سرکار دو جہاں سید انس و جاں اس کے ہر دم محافظ و نگہبان ہیں لہٰذا اس کا کہا اللہ کا کہا ہے۔

گفتہ او گفتہ اللہ بود
گرچہ زحلقوم عبداللہ بود

قصیدہ خمریہ یعنی غوثیہ کے بارے میں بعض حضرات نے یہ کہا ہے کہ یہ حالت سکر کا کلام ہے۔ مگر پنجاب کے مایہ ناز عالم اور مشہور ولی اللہ حضرت ابوالفرح محمد فاضل الدین قادری بٹالویؒ نے قصیدہ غوثیہ کی لاجواب و بے مثال عربی شرح "بیان الاسرار" میں بڑی صراحت کے ساتھ لکھا ہے:

"قصیدہ غوثیہ کلام صحو ہے اور اس میں سکر کا شائبہ تک نہیں ہے۔" اعلیٰ حضرت فاضل بریلویؒ بھی آپ کے کلام کو سکر سے پاک سمجھتے ہیں۔ فرماتے ہیں:

"رب عزوجل نے حضورؓ کو شطحیات سکر سے محفوظ رکھا اور حضور کے اقوال و افعال و احوال و اعمال سب کو احیائے ملت و اقتضائے سنت کا مرتبہ بخشا۔ نہیں کہتے جب تک کہلوائے نہ جائیں اور نہیں کرتے جب تک اذن نہ پائیں۔"

قصیدہ غوثیہ کی حضور غوث پاک سے نسبت کے بارے میں بعض کو رباطن لوگوں نے شک کا اظہار کیا ہے اور بعض نے اپنی جہالت کی بنا پر اس کی عربی پر اعتراضات کیے ہیں۔ ان اعتراضات کے مسکت جوابات اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے رسالہ الزمۃ القمریہ میں دیے ہیں۔ محققین یہ علمی رسالہ ملاحظہ فرمائیں۔ اس قصیدہ مبارکہ کی نسبت کے بارے میں حضرت مولانا محمد اعظم قادری نوشاہیؒ کی تحریر نہایت دلچسپ ہے:

"بعض لوگ جب کسی کلام کے معنی نہ سمجھ سکتے ہوں تو وہ اس کے کلام نہ ہونے کی کوشش کرتے ہیں اور اس کا ثبوت مانگتے ہیں۔ ایسے آدمیوں کا کیا کیا جائے--- ثبوت نسبتی دو طرح پر ہے:

۱۔ کوئی اپنا کلام ہونے کا دعویٰ کرے۔

۲۔ کئی سو سال سے راسخین اور صادقین بلا خلاف اس کلام کو کسی بزرگ کی طرف منسوب کرتے چلے آئے ہوں۔

پروفیسر سید کبیر احمد مظہر

برصغیر اور عالم اسلام میں حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی غیر معمولی مقبولیت کا پہلا سبب ان کی فکر راسخ اور قوت اور حقانیت کا' اور پھر اس حوالے سے ان کتابوں کا کثرت سے مطالعہ ہے۔ خصوصاً فتوح الغیب' غنیتہ الطالبین' سرالاسرار اور الفتح الربانی۔ ان تصانیف نے ان کے فکر راسخ کی قوت اور پیغام کی حقانیت کو نہایت پر تاثیر انداز میں پیش کرنے میں نہایت اساسی اور ہمہ گیر کردار ادا کیا ہے۔ ان کے مطالعہ سے جہاں حضرت غوث اعظم کی شخصیت قطعی طور پر غیر متنازعہ نظر آتی ہے' وہاں ان کا ہر لفظ اور ہر فقرہ دلوں اور روحوں کو جذب کرتا معلوم ہوتا ہے۔ حالانکہ اس میں ڈانٹ اور ڈپٹ اور زجر و توبیخ کا عنصر ہر جگہ غالب ہے۔ جبکہ حال یہ ہے کہ عوام الناس ڈانٹ ڈپٹ کے بجائے نرم اور ملائم زبان پسند کرتے ہیں۔ خصوصاً" تبلیغ کے لیے ڈانٹ ڈپٹ کا انداز کبھی پر کشش نہیں رہا' لیکن چونکہ حضرت غوث اعظم کا فکر راسخ اور ان کی حقانیت ان کے اخلاص کی انتہا سے عبارت ہے' اور وہی حقیقت میں دلوں اور روحوں کو جذب کرنے کا اصل سبب ہے۔ لہٰذا ان کا اسلوب زجر و توبیخ ناپسندیدہ نہیں بلکہ زیادہ پر کشش رہا ہے۔ دین کی تبلیغ میں سختی اور شدت کے طریقہ کو اپنانے نے بوجہ معاشرے میں غیر دینی عناصر کے رواج پانے کے جس طرح حضرت امام ابن تیمیہؒ' حافظ ابن قیمؒ اور خواجہ عبداللہ انصاریؒ جیسے لوگوں کو شدت پر مائل کر دیا ہے' یا حضرت شیخ کے ہمعصر علامہ ابن جوزیؒ بھی اسی اسلوب کے نقیب بن گئے ہیں اور اس اسلوب کی بنا پر وہ تمام عالم اسلام کے لیے غیر متنازعہ شخصیت نہیں رہے۔ بلکہ ایک خاص طبقہ کے نزدیک وہ مقبول ہیں اور باقیوں کے لیے ناقابل قبول۔ ان کے مقابلے میں حضرت شیخ الجیلانیؒ شدید لب و لہجہ اختیار کرنے کے باوجود تمام اسلامی دنیا میں ہمیشہ غیر متنازعہ رہے ہیں اور ہمیشہ سبھی کے لیے قابل قبول رہے ہیں۔ یہاں تک کہ حنفیوں' مالکیوں' شافعیوں اور حنبلیوں' سب نے ان کا دامن پکڑنے میں بڑی سعادت سمجھی ہے اور ان کی کتب سے استفادہ کرنے میں دنیا اور آخرت کی بھلائی خیال کی ہے۔ ان کی شخصیت اپنی کتب کے حوالے سے باوجود شدت پسندی کے اسی مقام پر نظر آتی ہے جہاں امام احمد بن حنبل موجود ہیں۔ جو اپنے فقہی مسلک میں شدید رویہ کے باوجود اولیا کرام کی فہرست میں ہمیشہ شمار ہوتے رہے ہیں اور تمام عالم اسلام میں ان کی شخصیت' ان کی کتب اور ان کا مسلک غیر متنازعہ رہا ہے اور سب نے اسے حق کے مسلک کی حیثیت سے قبول کیا ہے۔ آج تک ان پر کسی حوالے سے بھی انگلی نہیں اٹھ سکی۔ حضرت داتا گنج بخش الہجویری نے کشف المحجوب میں ائمہ صوفیا کی تاریخ رقم فرمائی ہے' اس میں حضرت امام ابو حنیفہؒ' امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے ساتھ ساتھ امام احمد بن حنبلؒ کو بھی ایک عظیم ولی اللہ اور ایک عظیم صوفی کی حیثیت سے پیش کیا ہے۔ اسی طرح عبدالرحمٰن السلمیؒ (۴۱۲ھ) نے کتاب الزہد میں' ابو نعیم الاصفہانی (م ۴۳۰ھ) نے اپنی کتاب "حلیتہ الاولیاء" میں اور عطارؒ نے تذکرۃ الاولیاء میں بھی یہی انداز اختیار کیا ہے۔

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ بغداد کے باب الازج کے عظیم مفتی تھے۔ یہ علاقہ حنبلیوں کا مخصوص علاقہ تھا اور یہ مدرسہ حنبلیوں کا پرانا اور مرکزی مدرسہ تھا۔ آپ اس کے سربراہ تھے۔ تمام زندگی فتویٰ نویسی کرتے رہے۔ افسوس کا مقام ہے کہ ان کے فتاویٰ کا کوئی مجموعہ نہیں ملتا لیکن یہ بات واضح ہے کہ ان کے حقانیت پر مبنی اور موقف کی شدت سے عبارت یہ فتوے کہیں بھی متنازعہ نہ ہوئے اور نہ انہوں نے کوئی فرقہ وارانہ فضا پیدا کی۔ وہ ہمیشہ فقہ کے آئمہ اربعہ کے پیروکاروں کے ہاں حسن عقیدت اور قبولیت خصوصی سے قبول کیے گئے۔

آپ کے کلام کی یہ عظیم مقبولیت ہے کہ ان کی کتابوں کے تراجم تمام عالم اسلام اور یورپ میں مختلف زبانوں میں ہوئے اور ہر جگہ انہوں نے قاری کی توجہ کو زیادہ سے زیادہ حاصل کیا۔ اپنے اور غیر سبھی ان کے معترف رہے اور اب بھی ہیں اور معلوم ہوتا ہے کہ ان کے کلام اور تصانیف کی یہ قبولیت لازوال ہے اور قیامت تک کسی صورت کم نہیں ہوگی۔

علامہ اقبال حضرت مولانا روم کے فکر کی عظمت اور اس کی غیر فانی حیثیت کے سامنے سربسجود رہے چنانچہ وہ کہتے ہیں۔

راز معنی مرشد رومی گشود
فکر من بر آستانش در سجود

یہی حال حضرت شیخ الجیلانیؒ کے کلام اور تصانیف کا ہے جس کے سامنے اکابر علم اور ارباب عرفان ہمیشہ سرفگندہ رہے ہیں اور انہوں نے شیخ الجیلانیؒ کے کلام کی تشریحات اور توضیحات قلمبند کی ہیں اور اپنی عظیم کتابوں میں ان کے کلام سے شواہد تحریر کیے ہیں۔

حضرت جیلانی کا تصنیفی کام احیائے اسلام کے ضمن میں ان کی مساعی جمیلہ کا ایک حصہ ہے۔ وہ اکیلی شخصیت ایک یونیورسٹی' بلکہ کئی یونیورسٹیوں کا درجہ رکھتی تھی اور ایک مبلغ کی نہیں بلکہ لاتعداد مبلغین کی جماعت کے اثرات اپنی ذات کے اندر سمیٹے ہوئے تھی۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کے بارے فرمایا ہے کہ وہ خدا کی ایک فرمان پذیر امت اور قوم کا درجہ رکھتے تھے۔ (سورۃ النحل' ۱۶: ۱۲۰) ایسے ہی یہ ہستی اپنی ذات میں خدا کے ایک زبردست فرمان پذیر امت ساز شخص کی شکل اختیار کیے ہوئے تھی اور ان کی احیائی تحریک جہاں بصورت سلسلہ ان کے پیروکاروں میں آج تک منتقل ہوتی چلی آئی ہے وہاں اسلام کے عام قارئین کے لیے اور حتیٰ کہ غیر مسلموں کے لیے بھی نہایت پر تاثیر اور مسحور کن رہی ہے۔

حضرت شیخ کی مقبولیت کا ایک اور بڑا سبب ان کی ولایت کا غیر معمولی درجہ اختیار کر جانا ہے۔ اپنی ولایت میں بھی وہ اکابر کے سامنے اس بلند مینار کی حیثیت اختیار کر گئے ہیں کہ جس کی چوٹی کو دیکھتے ہوئے ان کی پگڑیاں گرنے لگتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ عوام اور خواص میں ان کی ولایت کو جو درجہ بلند حاصل ہوا وہ کسی اور کو نصیب نہیں ہو سکا۔ ولایت کی ایک علامت کرامت ہوتی ہے اور ولی اللہ کے لیے ضروری ہے کہ وہ صاحب تصرف ہو اور اپنے تصرفات کی بنا پر اپنے مریدین کی ظاہری اور باطنی اصلاح میں کوشاں ہو۔ اپنی توجہ سے ان کے نفوس کا تزکیہ کرے اور پھر اپنے تصرفات سے ان کی ظاہری مشکلات میں ان کی دستگیری کرے تاکہ مشکلات میں گھر کر وہ ایمان سے ہاتھ نہ دھو بیٹھیں۔ ولی جس قدر کامل ہوگا' اسی قدر اس کے تصرفات قوی ہوں گے اور وہ مریدین کو بے سہارا نہیں چھوڑے گا۔ اس لحاظ سے تمام اکابر خواہ زمانہ ماضی کے ہوں یا حاضر کے اس بات پر متفق رہے ہیں کہ حضرت غوث الاعظم کے تصرفات حد اور حصر سے باہر ہیں اور جہاں کوئی شخص ان سے دستگیری کا طالب ہو' خواہ وہ قادری ہو یا نہ ہو حتیٰ کہ وہ مسلمان ہو یا غیر مسلمان' شیخ کی روح اس کی مدد کے لیے فوراً پہنچ جاتی ہے اور اپنے تصرفات عظیم سے کام لیتے ہوئے اس کی دستگیر ہوتی ہے۔ یہ تجربات و مشاہدات اس قدر عام ہوئے کہ برصغیر میں ہندوؤں اور سکھوں نے بھی اپنی عقیدت شیخ سے وابستہ کر لی۔ افریقہ میں ان قبائل نے جو ہرگز مسلمان نہیں تھے' نہ طریقہ قادریہ کے پیروکار تھے۔ حضرت شیخ کو نہایت عالی مرتبہ صاحب تصرف کی حیثیت سے قبول کیا اور

ہواؤں میں ان کو اپنی مشکلات میں پکارنے لگے اور ان سے روحانی مدد پانے لگے۔

اس طرح سے شیخ کی ولایت کی جہاں تک ایک برتر حیثیت ہر جگہ تسلیم کی گئی وہاں ان کی شخصیت نے افسانوی حیثیت بھی اختیار کرلی۔ بعض لوگوں نے جو دین کی خاص حدود میں رہنا چاہتے تھے یا عقل کی کسوٹی پر حقائق دین کو تولنے پر مصر تھے' جہاں دیگر اولیاء اللہ اور ان کے تصرفات کا انکار کیا وہاں حضرت غوث اعظمؒ کے بھی منکر ہوگئے لیکن اس کے باوجود اسلام کی توضیح اور تشریح کے ضمن میں وہ حضرت شیخ کے کلام کو ہمیشہ سرچشمہ ایمان سمجھتے رہے اور ان سے منکر نہیں ہوئے۔

برصغیر میں حضرت شیخ کی عام قبولیت کی ایک بڑی علامت ان کے ماہانہ ختم شریف کی ہے جو چاند کے حساب سے ہرماہ کی گیارہویں تاریخ سے مخصوص ہے اور گیارہویں شریف کے نام سے مشہور ہے۔ گیارہویں شریف کا ختم اتنا زیادہ مقبول ہوا کہ ہندو اور سکھ بھی تقسیم سے پہلے مخلوط معاشرے میں بڑی عقیدت سے منعقد کرتے ہوئے پائے گئے۔ وہ سوکھی رسد کسی مسلمان مولوی یا پیر کو دے دیتے تھے اور کہتے تھے' اسے پکا کر گیارہویں کا ختم دلا دو اور اپنے آپ کو پوتر نہ سمجھتے ہوئے کہ وہ دائرہ اسلام میں داخل نہیں وہ خود پکا کر ختم دلانے سے مجتنب رہتے تھے۔

گیارہویں کے ختم کی حیثیت پیروان اسلام میں متنازعہ ہوگئی خصوصاً علمائے ظواہر کے ہاں۔ ان میں سے ایک طبقہ اس کا منکر ہوگیا۔ یہ وہ طبقہ تھا جو حقائق دین کو روایت کے تنگ ترازو پر تولنے پر مصر تھا۔ وہ بدن کی موت کے ساتھ شاید روح کی موت کا بھی اقراری ہوگیا۔ انہوں نے پختہ عقیدہ بنالیا کہ بدن کے مرنے کے بعد ارواح بے تاثیر ہو جاتی ہیں اور زندہ انسان ان سے کوئی رابطہ قائم نہیں کرسکتے۔ نہ ان کو کوئی تحفہ دے سکتے ہیں اور نہ ان سے کوئی امداد وصول کرسکتے ہیں۔ یہ لوگ حضرت شیخ کے تصرفات بعد از مرگ ہی کے منکر نہ ہوئے بلکہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی طرح دیگر انبیائے کرام کے تصرفات بعد از وفات کے منکر بھی ہوگئے۔ ان کا یہ اصول جس پر انہوں نے انبیاء و اولیاء کی حیات برزخی کو جانچا ان کی خالص شدید روایت پسندی کی توجیہہ پر مبنی تھا۔ ان لوگوں نے اپنی وجدانی دنیا کا دروازہ بند کردیا اور عالم غیب سے انسانی رابطے کو بعید از ادراک سمجھ لیا تھا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ انسان سے اپنا رابطہ اپنے غیبی طریقے سے قائم رکھا ہے۔ جسے وجدان' الہام اور وحی وغیرہ کا نام دیا گیا ہے۔

پیروان اسلام کا دوسرا طبقہ جو وجدانی علوم پر اعتبار و ایقان رکھتا ہے بلکہ اس کے تجربات سے گزرتا ہے اور برزخی حیات کا مشاہدہ کرتا ہے یا اولیاء' انبیاء کی ارواح سے براہ راست استفادے پر عامل ہے' وہ ہمیشہ ان پاکیزہ روحوں سے رابطہ قائم رکھنے پر کاربند رہا ہے۔ ان پاکیزہ روحوں سے رابطہ قائم رکھنے کے لیے ہی انہوں نے ان کے ختمات قائم کیے۔ ان کا یہ عقیدہ تھا کہ دنیا میں اگر کوئی چیز فاتحہ پڑھ کر ان کے لیے تقسیم کردی جائے تو اس چیز کا ثواب ان ارواح کو پہنچ جاتا ہے اور ان کو معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ تحفہ اور ہدیہ ہمیں فلاں شخص نے بھیجا ہے۔ لہٰذا وہ اس سے رابطہ قائم کرتی ہیں چنانچہ جہاں اسے فیضان باطنی پہنچاتی ہیں' اس کی ایمانی و ایقانی قوت میں اضافہ کرتی ہیں۔ اسے اپنا کلام پڑھنے پر راغب کرتی ہیں اپنے احوال زندگی جاننے کے لیے متوجہ کرتی ہیں وہاں تصرفات روحانی سے اس کی مشکلات میں اس کی امداد بھی کرتی ہیں۔ حضرت خواجہ اجمیریؒ' بابا فرید گنج شکرؒ' نظام الدین اولیاءؒ' مجدد الف ثانیؒ' بہاؤ الدین نقشبندؒ' شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ اور حضرت صابر کلیریؒ سب کے ختمات برصغیر میں موجود ہیں اور ان کے اہل عقیدت دلاتے ہیں جن کے نتیجے میں ان سے روحانی فیضان پاتے

ہیں امداد حاصل کرتے ہیں لہٰذا گیارہویں کا ختم کوئی ایسی شے نہیں ہے جو ان ختمات سے باہر ہو۔ اس کی صورت بھی فاتحہ کی ہے۔ جن لوگوں کے نزدیک فاتحہ کا ثواب ایک مردے کی روح کو پہنچ جاتا ہے ان کے نزدیک گیارہویں کے ختم کا ثواب حضرت شیخ جیلانیؒ کی روح کو پہنچ جاتا ہے جبکہ شدید روایت پسند طبقے کا عقیدہ یہ ہے کہ آدمی کو ثواب اسی نیک عمل کا پہنچتا ہے جسے وہ اپنی زندگی میں ادا کرلے۔ وفات کے بعد اسے قرآن خوانی' فاتحہ اور دیگر اوراد و وظائف کا ثواب نہیں پہنچتا۔ البتہ ان کے نزدیک صدقہ اور خیرات کا ثواب پہنچتا ہے اور صدقہ و خیرات کے لیے ختم پڑھنا ضروری نہیں ہے صرف نیت ضروری ہے اور اسے غربا اور مستحقین تک پہنچانا ضروری ہے۔ یہ طبقہ کھانے پینے کی چیزوں کو آگے رکھ کر اس پر آیات قرآنی پڑھنے کو ھنود کے مندروں میں "پرشاد" کی محفل سے تشبیہ دیتا ہے حالانکہ ایک کافرانہ مذہب کے اشلوکوں میں اور اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ آخری کتاب کی آیات میں ایک بین فرق ہے۔ اشلوک خواہ کھانے پر پڑھے جائیں یا ویسے پڑھے جائیں اہل اسلام کے نزدیک مردود ہیں جبکہ قرآنی آیات باعث خیر و برکت ہیں خواہ کھانے کی چیزوں پر پڑھی جائیں یا ویسے ہی ان کی تلاوت کی جائے۔ ہر طرح شفا بخشتی ہیں۔ اس روشنی میں جو طبقہ گیارہویں کا منکر ہے اس کا استدلال بھی ان کی کٹر ظاہر پسندی پر مبنی ہے اور ان کی آنکھ باطن اور وجدان کی روشنی سے محروم ہے۔ وہ دین کی کلیت کے عارف نہیں' بلکہ اس کی جزیات پر اڑے ہوئے ہیں۔ یہ شدید روایت پسند طبقہ "وسیلہ" کی اس صورت کا بھی منکر ہے جس کو شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے بیعت کے ذریعہ تزکیہ نفس اور تخلق باخلاق اللہ کے لیے ضروری قرار دیا تھا اور اس کی وسیع اشاعت کرکے ایمان و ایقان اور مشاہدات و ولادت کی دنیا کا دروازہ کھولا تھا۔

سلسلہ عالیہ نقشبندیہ جس سے میرا ذاتی انتساب ہے حضرت شیخ جیلانیؒ کے کمالات اور ان کی عظمتوں کا معترف ہے۔ اس سلسلہ عالیہ کے سرخیل سلسلہ' حضرت خواجہ بہاؤالدین نقشبندؒ وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے حضرت غوث اعظم کے مزار پر حاضر ہوکر باقاعدہ اعتکاف کیا اور ان سے ان کے کمالات ولایت حاصل کیے یہاں تک کہ امور تکوینی میں وہ ان کے جانشین ہوگئے۔ ان کے بعد دوسری عظیم شخصیت جس نے حضرت غوث اعظم کے کمالات ولایت کو براہ راست ان کی روح سے وصول کیا (حالانکہ وہ بچپن میں حضرت شاہ کمال قادری کیتھلیؒ سے گڑھتی پاچکے تھے اور پھر ان کے پوتے حضرت شاہ سکندر قادری کیتھلیؒ سے سلسلہ قادریہ باقاعدہ حاصل کرچکے تھے۔ (وہ مکتوب ۱۲۱/۱ میں واضح کرتے ہیں کہ سلسلہ قادریہ میں ان کے اور حضرت نبی کریمؐ کے درمیان پچیس واسطے ہیں۔) اور امور تکوینی میں ان کی جانشینی ہوئی' وہ حضرت امام ربانی حضرت مجدد الف ثانیؒ کی ہے۔ وہ حضرت غوث اعظم سے مرتبہ غوثیت کبریٰ پر فائز ہوئے اور انہوں نے اس مرتبہ کو "قیومیت" کا نام دیا اور اپنے آپ کو قیوم اول کہا۔ انہوں نے برملا اعتراف کیا ہے کہ حضرت شیخ نے یہ جو دعویٰ کیا ہے کہ

افلت شموس الاولین وشمنا

ابدا علی فلک العلی الا تغرب

(یعنی پہلے لوگوں کے سورج غروب ہوگئے لیکن میرا سورج ہمیشہ بلند آفاق پر رہے گا' کبھی غروب نہیں ہوگا) تو یہ دعویٰ برحق ہے اور وہ اس کے لیے مامور ہوئے تھے اور آپ کی ولایت لازوال ہے۔ حضرت امام ربانی نے یہ بھی رقم فرمایا ہے کہ مرتبہ غوثیت کبریٰ میں وہ حضرت غوث اعظم کے نائب ہیں اور یہ کہ حضرت غوث اعظم کا مرتبہ بہت اونچا ہے۔ وہ اپنے مکتوبات' (۳/ ۱۲۳) میں ارشاد فرماتے ہیں کہ حضرت شیخ کا اصل مقام ولایت "مرتبہ غوثیت کبریٰ" سے عبارت ہے۔ یہ مقام دراصل حضرت فاطمۃ الزہرا کا ہے۔ ان کی وجہ سے حضرت علیؓ

حاصل ہوا ہے اور وہ شاہ ولایت قرار پائے۔ وہ ارشاد فرماتے ہیں کہ ہر نبی میں دو طرح کے کمالات ہوتے ہیں۔ کمالات نبوت اور کمالات ولایت۔ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات نبوت کا زیادہ حصہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کو حاصل ہوا جبکہ ان حضرات کو حضورؐ کے کمالات ولایت سے بھی حصہ حاصل تھا لیکن ان پر کمالات نبوت کا غلبہ تھا لیکن حضرت عثمان غنیؓ اور حضرت علیؓ پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات ولایت کا غلبہ تھا جبکہ حضورؐ کے کمالات نبوت بھی ان حضرات کو حاصل تھے۔ اس طرح حضرت علیؓ کے جو کمالات ولایت تھے وہ امور تکوینیہ سے متعلق تھے۔ اور "غوثیت کبریٰ" کا مقام یہی ہے جو ان سے حضرت امام حسنؓ اور حضرت امام حسینؓ تک بتدریج منتقل ہوا اور ان کے بعد وراثتاً" باری باری باقی آئمہ واہل بیت کو منتقل ہوتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ بالآخر حضرت شیخ جیلانیؒ پر وہ فیضان بطور وراثت پہنچا اور اس کے بعد انہی پر منتہی ہو گیا۔ (مکتوبات امام ربانی' امراہ ۲ = ۳ / ۱۲۳)

حضرت شیخ غوث اعظم اپنے اس مرتبہ پر قیامت تک متمکن رہیں گے۔ آگے جس شخص کو بھی یہ کمالات ولایت حاصل ہوں گے وہ آپ کی نیابت کے طور پر حاصل ہوں گے۔ نہ کہ اصالت کے طور پر۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت شیخ عبدالقادرؒ مامور ہوئے اور ان کو حکم دیا گیا کہ وہ بہ زبان بلند کہیں "قدمی ہذاہ علی رقبتہ کل ولی اللہ۔" حضرت مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت غوث اعظم کے تصرفات کثیرہ کی بڑی وجہ یہ ہے کہ ان کا نزول سلوک میں مقام روح تک ہوا تھا۔ (مکتوبات امام ربانی' ۱ / ۲۱۶) چنانچہ وہ ہوا میں چلتے ہوئے لوگوں کے سروں کے اوپر سے گزر جایا کرتے ہے۔ ان کا جسم ان کی روح کی طرح لطیف ہو چکا تھا۔ حضرت امام ربانی کے نزدیک حضرت غوث اعظم کا مقام جو غوثیت کبریٰ سے عبارت ہے حقیقت میں ولایت کبریٰ میں ان کی سرداری سے عبارت ہے۔ ولایت کبریٰ وہ ولایت ہے جو حضرت غوث اعظم سے پہلے کسی پر نہیں کھلی تھی اور جب ان پر کھل گئی تو اس کے بعد آج تک جس شخص پر بھی وہ کھلتی ہے۔ ان کے وسیلے سے ہی اور ان کی روحانی امداد سے ہی کھلتی ہے۔ یہ ولایت کبریٰ انبیائے کرام کے مبادیات اسماء کے حقائق کی واردات سے عبارت ہے اور لطیفہ نفس کی مکمل فنا اور بقا کے بعد حاصل ہوتی ہے۔

انبیائے کرام کے مبادیات اسما کا مشاہدہ سب سے پہلے حضرت غوث اعظم نے کیا تھا (مکتوبات امام ربانی' / ۲۹۴' ۳۰۲) اور متاخرین اولیاء اللہ کو یہ مشاہدہ ان کی روحانی توجہ سے نصیب ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انبیائے کرام کی ارواح طیبہ ان کے اردگرد رہتی تھیں اور ان کی مجالس میں ان کا بکثرت مشاہدہ کیا گیا تھا۔ حضرت غوث اعظم سے اس سلسلے میں فیضان پانے والا ممتاز آدمی محی الدین ابن عربی ہے جس نے حقائق مبادیات اسمائے انبیاء کا وسیع مطالعہ کیا اور اس پر ایک مستقل کتاب "فصوص الحکم" تحریر کی۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت جیلانیؒ لطیفہ سر میں آخر تک نکل گئے اسی راہ سے واصل ذات حق ہوئے اور پھر اس کے سر حلقہ بن گئے دراصل ولایت محمدیہ ہوئے (مکتوبات امام ربانی' / ۳۹۲) چنانچہ ان کے تصرفات باطنی میں اس وجہ سے ایک عظیم تاثیر پیدا ہو گئی۔ ان کے اوراد و وظائف خصوصاً" "درود کبریت احمر" "اسبوع شریف" اور "چہل کاف" اسی مقام کی تاثیر کا نتیجہ ہیں۔

میرے شیخ حضرت مولانا سید حبیب اللہ نقشبندی (وفات ۱۹۶۱ء) ارشاد فرماتے تھے کہ حضرت غوث اعظم نے لطیفہ سر میں جو کمال ترقی کی اس کا زیادہ فیضان شیخ ابوالحسن شاذلیؒ پر ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی "حزب البحر"

حزب النصر اور ان کے دیگر احزاب و اوراد بہت مشہور ہوئے۔ سلسلہ شاذلیہ میں لطیفہ سر کے کمالات کا فیضان زیادہ ہے۔ ولایت کبریٰ کے بعد ولایت علیا کی دریافت جو ملائکہ کے مبادیات اسماء کے مطالعے سے عبارت ہے' حضرت مجدد الف ثانی کے حصے میں آئی۔ ولایت علیا کے بعد عنصر خاک پر خالص ذات خداوندی کے فیضان کا حصہ بھی جسے کمالات نبوت کہا جاتا ہے' حضرت مجدد پر منکشف ہوا۔ ازاں بعد مجددی سلوک میں کمالات رسالت کمالات الوالعزم حقائق الہیہ مثلاً حقیقت کعبہ' حقیقت صلوٰۃ' حقیقت قرآن' حقیقت معبودیت صرفہ اور حقائق انبیاء مثلاً حقیقت ابراہیمی' حقیقت موسوی' حقیقت عیسوی' حقیقت محمدی' اور حقیقت احمدی وغیرہ کی دریافت بھی حضرت مجدد کو نصیب ہوئی۔ یہاں تک کہ انسان کامل کا مرتبہ تکوینی جسے "حقیقت" کہا گیا ہے' حضرت مجددؒ پر کھلی۔ یہ وہ ترقیات ہیں جو ولایت کبریٰ سے آگے حضرت مجدد کو سلوک اور عرفان میں حاصل ہوئیں۔ آپ کا ارشاد یہ ہے کہ علوم ہمیشہ ارتقا پذیر رہتے ہیں اور کسی ایک جگہ رک نہیں جاتے۔ آپ کا یہ دعویٰ ہے کہ انہوں نے گزشتہ ایک ہزار سال کے علوم و معارف پر ایک ناقدانہ اور مجتہدانہ نگاہ ڈالی ہے ظاہراً اور باطناً" دونوں طرح ان علوم و معارف کو جہاں جہاں کہ وہ تھے' وہاں سے آگے ترقی دی ہے۔

اس بارے میں وہ یہ دلیل دیتے ہیں کہ صرف اور نحو میں جو دریافتیں سیبویہ نے کی تھیں' آج کا علم صرف و نحو اس سے کہیں آگے جا چکا ہے۔ ایسے ہی دیگر علوم و معارف کا حال ہے۔ راقم الحروف نے اپنے شیخ قطب الارشاد حضرت مولانا سید حبیب اللہؒ سے ایک بار دریافت کیا کہ حضرت مجدد الف ثانیؒ نے علوم و معارف میں نئے حقائق دریافت کیے ہیں تو پھر حضرت غوث اعظم اور حضرت مجدد الف ثانیؒ میں کیا فرق ہے۔ دونوں میں سے کونسی شخصیت زیادہ بزرگ ہے؟ انہوں نے جواب میں ارشاد فرمایا' حضرت غوث اعظم حضرت مجدد الف ثانیؒ کے پیروں میں شامل ہیں اور مریدوں کو جو کچھ ملتا ہے وہ پیروں کے طفیل ہی ملتا ہے اور مرید جو بھی ترقی کرتے ہیں وہ پیروں کے بتائے ہوئے راستے پر چل کر کرتے ہیں۔

حضرت مرزا مظہر جان جاناںؒ سے یہی سوال کیا گیا تھا کہ حضرت غوث اعظم اور مجدد الف ثانیؒ میں سے کس کا درجہ زیادہ بلند ہے؟ جواب میں انہوں نے اپنا ایک مکاشفہ بیان فرمایا کہ میں نے دیکھا کہ حضرت غوث اعظم اور حضرت مجدد الف ثانی ایک دوسرے کے متوازی پرواز کرتے ہوئے جا رہے ہیں۔ پھر ارشاد فرمایا کہ حضرت غوث اعظمؒ حضرت مجدد الف ثانیؒ کے پیروں میں شامل ہیں اور مریدوں کو جو کمالات ملتے ہیں وہ پیروں کے طفیل ہی حاصل ہوتے ہیں۔

یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ عام سطح کے پیروکاروں میں جن میں اندرونی بصیرت اور ظاہری علم دونوں کی کمی تھی عرصہ دراز سے قادری اور نقشبندی یا قادری اور چشتی یا کبراوی سلاسل کے درمیان افضلیت کے بارے میں رقابتی انداز رہا جس کو کسی بھی صاحب کمال نے پسندیدہ نگاہ سے نہیں دیکھا۔ ارباب کمال ہمیشہ ایک دوسرے سے استفادہ کرتے رہے اور ایک دوسرے کے کمالات کے معترف رہے ہیں۔ لہٰذا ایسی رقابتیں جہاں فرقہ واریت کو ہوا دیتی ہیں وہاں جزئیت پر رک جانے سے عبارت ہیں۔

علامہ اقبال نے اپنے خطوط میں اور اپنے بعض مضامین میں حضرت غوث اعظمؒ کے کمالات کا برملا اعتراف کیا ہے اور یہ فرمایا ہے کہ احیائے اسلام کے حوالے سے جو کام حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے انجام دیا ہے میرے دل میں اس کی بہت قدر ہے اور پھر یہ بھی واضح رہے کہ علامہ نے تحریر کیا ہے کہ وہ خود قادری سلسلے میں بیعت ہیں۔ انہوں نے اسلامی تصوف کے ذخیروں کو خصوصی طور پر کھنگالا تھا اور ان سے بھرپور استفادہ کیا تھا۔

جیسا کہ وہ برملا کہتے ہیں: شنیدم آں چہ از پاکان امت
ترا باشوخی رندانہ گفتم!!

اور پھر وہ بار بار اکابر اہل علم و عرفان سے استفادہ کی تلقین کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

اخلاص عمل مانگ نیاگان کہن سے
شاہاں چہ عجب گر بنوازند گدارا

وہاں یہ ایک یقینی امر ہے کہ انہوں نے حضرت غوث اعظم کی کتب اور ان کے کلام کا مطالعہ بھی خصوصی طور پر کیا ہو گا۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ کے علاوہ نقشبندی حضرات میں سے دور حاضر میں جنہوں نے حضرت غوث اعظم کی روح مبارک سے براہ راست کمالات حاصل کیے ان میں حضرت خواجہ محبوب عالم نقشبندی سیدوی (وفات ۱۹۱۷ء) اور حضرت مولانا سید حبیب اللہ نقشبندی (م ۱۹۶۱ء) کو ایک خاص امتیاز حاصل ہے۔ حضرت خواجہ محبوب عالم سیدویؒ راقم الحروف کے دادا پیر ہیں۔ وہ اپنے پیشوا حضرت توکل شاہ صاحب انبالوی کی وفات ۱۸۹۷ء کے بعد بغداد شریف چلے گئے تھے اور حضرت غوث اعظم کے مزار اقدس پر دو سال (۱۹۰۱ء - ۱۹۰۳ء) تک معتکف رہے تھے۔ یہاں تک کہ وہاں آپ کی روح سے مقام غوثیت کبریٰ میں نیابت کا شرف پایا اور واپس برصغیر میں آکر دعوت و ارشاد کے کام میں مشغول ہو گئے جبکہ ان کے خلیفہ برحق قطب الارشاد حضرت مولانا سید حبیب اللہ نقشبندیؒ کے بارے میں حضرت خواجہ محبوب عالم سیدویؒ نے ارشاد فرمایا تھا کہ ان کی تربیت کے لیے انہیں حضرت غوث اعظمؒ کی روح مبارک سے ایک خاص حکم ملا ہے۔ چنانچہ اس دور میں قطب الارشاد حضرت مولانا سید محمد حبیب اللہ اعظمؒ کو بھی مقام غوثیت کبریٰ میں نیابت کا مقام حاصل تھا اور وہ فرمایا کرتے تھے۔ "میں حضرت غوث اعظمؒ کی روح مبارک کے بغیر ایک منٹ بھی زندہ نہیں رہ سکتا۔" وہ فرماتے تھے کہ میرے ایک پہلو میں حضرت مجدد الف ثانی ہوتے ہیں تو دوسرے پہلو میں حضرت غوث اعظمؒ۔ دونوں حضرات کے کمالات میں انہیں کامل رسوخ حاصل تھا!

راقم خود سلسلہ عالیہ نقشبندیہ میں قطب الارشاد حضرت مولانا سید محمد حبیب اللہ نقشبندیؒ سے متوسل اور مجاز ہے لیکن راقم کو طریقہ قادریہ میں بھی ذیل کے تین ذرائع سے اسناد حاصل ہیں۔

(ا) قطب الارشادؒ حضرت مولانا سید محمد حبیب اللہ نقشبندی سے جبکہ ان کو ان کے دادا جان شجرۃ الاسلام حضرت مولانا سید سکندر شاہ المعروف سید ننھے شاہ قادری م ۱۹۰۰ء سے یہ نسبت حاصل تھی۔

(۲) قطب الارشادؒ سے دوسری سند قادری جو ان کو حضرت قاضی سلطان محمود اعوان شریف (م ۱۹۱۹ء) سے حاصل تھی۔

(۳) قطب الارشادؒ راقم کو ۱۹۰۶ء میں حضرت مولانا غلام جیلانی قادری م ۱۹۰۷ء میں (مدفون تکیہ حضرت داتا شاہ جمال نوری بیرونی کھیالی دروازہ گوجرانوالہ) کی خدمت میں لے کر گئے تھے اور ان سے بطور خاص کہا کہ وہ اپنی نسبت قادریہ راقم کو تفویض کریں چنانچہ اس بارے میں کمال مہربانی فرماتے ہوئے یہ قیمتی نسبت ایک ساعت کی مختصر مدت میں القا فرمائی۔

سید انور حسین نفیس رقم

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کو دو وجوہ سے عالم اسلام میں سب سے زیادہ شہرت اور مقبولیت حاصل رہی ہے۔ ایک تو علم اور عمل کے اعتبار سے وہ زبردست شخصیت کے مالک تھے۔ دوسرے ان کا تعلق اہل بیت سے تھا۔ آپؒ والد صاحب کی طرف سے حسنی اور والدہ محترمہ کی طرف سے حسینی تھے۔ آپؒ تصوف کے ایک بہت بڑے سلسلے (قادریہ) کے بانی تھے۔ اس چشمہ فیض سے برصغیر ہی نہیں پورا عالم اسلام سیراب ہوا ہے۔ پاکستان و ہند میں قادریہ کے علاوہ باقی تین سلسلوں چشتیہ، نقشبندیہ اور سہروردیہ نے بھی اسلام کی اشاعت اور مسلمانوں کی تہذیبی ترقی میں نہایت اہم کردار ادا کیا ہے۔ جس طرح فقہ کے چار بڑے مسلکوں کو مختلف علاقوں میں مختلف انداز میں فروغ ملا اسی طرح تصوف کے مذکورہ چاروں بڑے سلسلے مختلف علاقوں میں مختلف انداز میں پھلے پھولے۔ میرا خیال ہے کہ اس تقسیم کے پیچھے خاص حکمت الہیہ کارفرما رہی ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ صاحب کرامت ولی اللہ تھے۔ کرامت کا سرزد ہونا کوئی عجیب بات نہیں۔ جس طرح انبیائے کرام کے معجزات سے انکار ممکن نہیں، اسی طرح اولیاء اللہ کی کرامات سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا۔ معجزات اور کرامات کو تسلیم کر لینے سے ہمارا عقیدہ توحید متاثر نہیں ہوتا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام عصا پھینکتے ہیں تو وہ اژدھا بن کر مقابلے پر آئے ہوئے جادوگروں کے سانپوں کو ہڑپ کر جاتا ہے یا ان کے ید بیضا سے آنکھیں چندھیا جاتی ہیں تو یہ معجزہ پیغمبری ہے۔ البتہ یہ خیال میں رہنا چاہیے کہ یہ کارنامہ تنہا حضرت موسیٰ علیہ السلام کا نہیں بلکہ یہ من جانب اللہ ہوتا ہے۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کرامات کے حوالے سے ایک ممتاز حیثیت کے مالک ہیں، البتہ ان سے جو بعض دعوے منسوب کیے جاتے ہیں میرے نزدیک وہ محل نظر ہیں۔ وہ اس لیے کہ اسلامی تصوف کی تاریخ بتاتی ہے کہ صوفیا عجز و انکسار کا پیکر ہوتے ہیں وہ کبھی دعوے نہیں کرتے۔ حضرت شیخ کی ایک بات بڑی اہم ہے۔ آپؒ نے فرمایا کہ میرا مرید بے توبہ نہیں مرے گا۔ مراد یہ ہے کہ آخر میں رب تعالیٰ اسے توبہ نصیب فرما دیں گے۔ جو توبہ کرتا ہے اسے باری تعالیٰ بالآخر بخش ہی دیں گے۔ یہ بھی انہیں منجانب اللہ ارشاد فرمایا گیا ہے۔

حضرت شیخ کے شرف میں ایک روایت یہ بیان کی جاتی ہے کہ آپؒ نے فرمایا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم مبارک میری گردن پر ہیں اور میرے قدم تمام اولیا کی گردنوں پر ہیں۔ اس میں اختلاف رہا ہے کہ آیا آپ کے قدم آپ کے ہم زمانہ صوفیا کی گردنوں پر ہی ہیں یا بعد میں آنے والے تمام اولیا پر اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ بعض نے ایک موقف تسلیم کیا ہے اور بعض دوسرا مانتے ہیں۔ روایت کی بہرحال جو بھی تاویل کی جائے اس حقیقت سے تو کسی صورت انکار ممکن نہیں کہ آپ کی ذات تمام صوفیا اور اولیائے امت میں ممتاز اور منفرد ہے۔ آپؒ کا فیضان آج تک جاری و ساری ہے اور آنے والے زمانوں میں بھی جاری و ساری رہے گا۔ اس دور میں بھی بے شمار لوگوں کو آپ کے طفیل راہ ہدایت نصیب ہوئی ہے۔ روحانی ترقی ملی اور آگے وہ لاکھوں انسانوں کے لیے شمع راہ بن گئے ہیں۔ آپ کی شان اور عظمت کو ہر دور کے صوفیا تسلیم کرتے آئے ہیں البتہ آپ کے معاصر ابن جوزی کا نقطہ نظر مختلف رہا ہے۔

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ فقہ میں جنبلی مسلک سے تعلق رکھتے تھے لیکن ان کی بزرگی اور فہم و نظر کو دوسرے مسلکوں نے بھی تسلیم کیا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ بات اتحاد بین المسلمین کا ذریعہ بنی رہی ہے۔ دراصل چاروں فقہی مسلک برحق ہیں۔ جو لوگ مسالک کے حوالے سے امت مسلمہ کے اندر انتشار و افتراق کی آگ بھڑکانا چاہتے ہیں وہ اسلام کی اشاعت میں رکاوٹ بنتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیات طیبہ میں مختلف کام مختلف انداز میں انجام دیے ہیں۔ باری تعالیٰ نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر ادا کو محفوظ رکھا ہے۔ کوئی ادا حنفیوں نے لے لی' کسی کو مالکیوں نے اختیار کرلیا۔

اڑالی قمریوں نے طوطیوں نے عندلیبوں نے
چمن والوں نے مل کر لوٹ لی طرز فغاں میری

سب فقہی مسالک کا مرکز و محور حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس ہے اس لیے وہ سب برحق ہیں۔ بالکل اسی طرح تمام سلاسل صوفیا بھی برحق ہیں۔ ان میں بھی ایک خاص حکمت نظر آتی ہے۔ وہ یہ کہ کسی کے پاس ذکر جہر ہے۔ کوئی ذکر خفی سے اپنی روحانی ترقی کا سامان کرتے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ تصوف کی ہمیشہ افادیت تسلیم کی گئی ہے۔ خرابی آئی تو بے عمل لوگوں کی وجہ سے آئی۔ ورنہ ان سلسلوں کے جو بانی حضرات تھے' وہ دین کی اشاعت اور مسلم عوام کی تربیت میں اپنی زندگیاں صرف کردیتے تھے۔ چشتیوں کو لے لیجئے۔ حضرت خواجہ معین الدین اجمیریؒ جب ہندوستان تشریف لائے تو بہت سوچ سمجھ کر اجمیر میں مقیم ہوئے۔ یہ علاقہ اس وقت کفر کا بہت بڑا مرکز تھا۔ وہیں بیٹھ کر شہاب الدین غوری کو حملے کی دعوت دیتے ہیں۔ میں نے افغانستان کے شہر ہرات میں چشت نام کی وہ بستی بھی دیکھی ہے جو منبع فیض بنی۔ وہیں مجھ پر یہ بات منکشف ہوئی کہ حضرت خواجہ اجمیریؒ نے آخر غوری کو ہی کیوں حملے کی دعوت دی تھی۔ وجہ یہ تھی کہ محمد غوری بھی اسی روحانی چشمے سے فیض یاب تھا۔ ابھی تک اس خانقاہ کے کھنڈرات موجود ہیں۔ خواجہ اجمیرؒ خود تو سجستان کے رہنے والے تھے۔ تصوف میں انہوں نے حضرت خواجہ عثمان ہارونیؒ سے فیض حاصل کیا۔ آگے ان کے شیخ خواجہ شریف زندنیؒ اور پھر ان کے شیخ خواجہ قطب الدین سید مودود چشتیؒ ہیں۔ حضرت خواجہ اجمیریؒ نے غوری کو جب حملے کی دعوت دی تو اپنے مکتوب میں مرقوم فرمایا:

"مارائے پتھورا را زندہ بہ مسلماناں دادیم"

آگے ان کے جانشین تھے خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ انہوں نے دلی میں رشد و ہدایت کے چراغ روشن کیے۔ ان کے مرید خاص حضرت بابا فرید گنج شکرؒ نے پاکپتن کی تاریک فضاؤں کو نور اسلام سے بدل دیا۔ چشتی سلسلے میں اس سے آگے حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ' حضرت نصیر الدین چراغ دہلی رحمتہ اللہ علیہ اور دیگر کئی اکابرین کے روشن کارنامے ملتے ہیں۔ نقشبندی بھی ادھر آئے تو وہ بھی گوشہ عزلت میں نہیں بیٹھ رہے۔ ان کے مجاہدانہ کارناموں سے برصغیر کی تاریخ کے صفحات جگمگا رہے ہیں۔ انہوں نے اکبری الحاد کو ختم کیا۔ لوگوں کے ایمانوں کو تازگی دی۔ ان کے اثرات اقتدار کے ایوانوں پر بھی مرتب ہوئے۔ حضرت مجددؒ کی تحریک سے جہانگیر متاثر ہوا' شاہجہاں کی روحانی تربیت انہی اثرات کے تحت ہوئی۔ اورنگ زیب عالمگیر حضرت مجدد الف ثانیؒ کے فرزند ارجمند خواجہ محمد معصوم کے حلقہ ارادت میں تھا۔ سہروردیوں میں خواجہ بہاؤ الدین زکریا ملتانیؒ' شیخ صدر الدین عارفؒ اور شیخ رکن الدین رکن عالمؒ نے بھی اسلام کے احیا کے عمل کو خوب ترقی دی۔ سہروردی سلسلے

میں ان کے علاوہ مخدوم جہانیاں جہاں گشت کا نام بھی نمایاں ہے۔

اسی طرح ہمارے قریب کے دور میں حضرت شاہ ولی اللہ اور ان کے خانوادے نے مسلمانوں کے اندر روح جہاد پھونکی۔ ان کے مردہ جسموں میں ایمانی حرارت پیدا کی۔ اس سارے عمل کے پیچھے صوفیانہ تعلیمات اور تربیت کا نہایت اہم کردار ہے۔ حضرت سید احمد شہیدؒ اور حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ ہجرت کرکے سرحد کے علاقے میں پہنچے۔ وہ یہاں اپنا مرکز بنا کر اردگرد کی بستیوں کو اسلام کی روشنی سے منور کرنا چاہتے تھے۔ سید احمد شہیدؒ کے مکاتیب میں ان کا نصب العین واضح طور پر مرقوم ہے۔ فرماتے ہیں: "مقصود اصلی ما جہاد بر ہندوستان است نہ توطن در دیار خراسان۔" روحانی فیضان کا ایک اور سلسلہ ہے جس کی مرکزی شخصیت حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی ہیں۔ آپ چاروں سلاسل میں مجاز اور ممتاز تھے۔ حضرت حاجی صاحب کے سلسلے میں سب سے زیادہ فیوض و برکات جس شخصیت سے ظاہر ہوئیں وہ مجدد العصر قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد محدث گنگوہی ہیں ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں ان سب کا ایک کردار ہے۔ حضرت گنگوہی نے جنگ آزادی میں شاملی کے میدان میں انگریز کے دوبدو جنگ لڑی ۱۸۵۷ء کی جنگ کی ناکامی کے بعد یہاں انگریز کے قدم جم گئے۔ اس کو ہندوستان سے اکھاڑ پھینکنے کے لیے مختلف تحریکیں اٹھیں۔ ان میں سب سے زیادہ روحانی' علمی اور عملی خصوصیات کی حامل تحریک' تحریک ریشمی رومال مشہور ہے۔ جس کے سرخیل حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی (المتوفی ۱۹۲۰ء) تھے۔ ان سے آگے انگریز کے خلاف جتنی تحریکیں بھی برپا ہوئیں' خلافت تحریک' جمعیتہ العلمائے ہند' جمعیت العلمائے اسلام' ان سب میں انہی کی روح کام کررہی تھی۔

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی مبارک اولاد سندھ میں تشریف لائی۔ ان کا بڑا مرکز اوچ شریف تھا۔ یہ لوگ نسل بعد نسل سلسلہ قادریہ کو آگے بڑھاتے رہے اور سندھ اور پنجاب کا علاقہ عرفان و آگہی کی پیاسی روحوں کو سیراب کرتے رہے۔ ڈاکٹر علامہ اقبال مرحوم بھی سلسلہ قادریہ میں بیعت تھے۔ مصدقہ ذرائع بتاتے ہیں کہ ان کا تعلق حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کے مشائخ قادریہ سے تھا۔ ان میں حضرت شاہ محمود امروٹی اور حضرت خلیفہ غلام محمد دین پوری کے اسمائے گرامی ممتاز ہیں۔ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی بھی پہلی دفعہ حضرت خلیفہ غلام محمد دین پوری کے ہاتھ پر بیعت ہوئے۔

حاجی امداد اللہ کے سلسلے کی ایک شاخ خانقاہ قادریہ رائے پور (ضلع سہارنپور) میں بھی مرکز رشد و ہدایت بنی۔ اس خانقاہ کے بانی حضرت شاہ عبدالرحیم رائے پوری تھے۔ ان کے بعد ان کے خلیفہ اعظم جانشین حضرت قطب الارشاد حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری تھے۔ ان کی مجلس رشد و ہدایت سے شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی' حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز رائے پوری' حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری' مولانا خواجہ عبدالحئی فاروقی اور عصر حاضر میں عالم اسلام کی شہرہ آفاق شخصیت حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی اور حضرت مولانا محمد منظور نعمانی جیسے اساطین علم و عمل منسلک ہیں۔ یہ سارا فیضان خانقاہ قادریہ مجددیہ کا ہے۔ اسی خانقاہ کے بزرگوں میں حضرت اخوند عبدالغفور سواتی بھی ہیں۔ جنہوں نے حضرت سید احمد شہید کی جماعت مجاہدین کے ساتھ مل کر امبیلا کے مقام پر انگریز کے ساتھ جہاد کیا اور حضرت اخوند کے شیخ خواجہ محمد شعیب بھی صاحب سیف و علم بزرگ تھے۔ انہوں نے سکھوں کے ساتھ جنگ کی اور میدان جنگ ہی میں جام شہادت پی کر حیات جاوداں پائی۔

فکر ہر کس بقدر ہمت اوست

خانقاہی نظام سے وابستہ ہوتے ہوئے ان ہستیوں نے دین حق کی سربلندی اور ملت اسلامیہ کی بقا کی خاطر جاں سپاری کا راستہ اختیار کیا۔ بعض لوگ گیارھویں شریف کے ختم پر تو زور دیتے ہیں مگر جہاد کا راستہ اختیار نہیں کرتے۔ غار حرا بلاشبہ تزکیہ باطن کے لیے سعی و جہد کا نقطہ آغاز بنتا ہے لیکن معاملہ صرف یہیں تک نہیں رہتا اس سے آگے احد میں دندان مبارک شہید کرا دینے کی منزل بھی آتی ہے' میں نے پیچھے قادریہ سلسلے کے اکابر کا ذکر کیا' انہوں نے احد کے مصائب سہنے کی سنت بھی تازہ کر دی تھی۔

"الفتح الربانی" حضرت شیخ جیلانیؒ کے مواعظہ حسنہ کا بے مثال مجموعہ ہے۔ اس کا اردو ترجمہ "فیوض یزدانی" کے نام سے مولانا عاشق الٰہی میرٹھی نے کیا۔ ہمارے شیخ حضرت رائے پوریؒ کی مجلس میں یہ کتاب بار بار پڑھی گئی۔ وہ اس کے بڑے مداح تھے۔ مواعظ کی مجلس میں فیضان نظر آتا تھا۔ فرماتے تھے: "میرا جی چاہتا ہے تمام لوگ اس کتاب کو اپنے وظیفے میں داخل کر لیں۔"

اس دور میں سلسلہ عالیہ قادریہ کی مختلف شاخیں سرگرم عمل ہیں جن میں حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمتہ اللہ علیہ کے واسطے سے پھیلنے والا سلسلہ خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ مولانا ابوالحسن علی ندوی نے بالکل بجا فرمایا ہے:

"ہمارے اس دور میں اللہ تعالیٰ نے اسی سلسلہ سے حفاظت و تجدید دین کا عالمگیر کام لیا اور اس وقت سب سے زیادہ وسیع' متحرک و فعال یہی سلسلہ ہے۔ دارالعلوم دیوبند و مظاہر العلوم کی تعلیمی خدمت اور مولانا اشرف علی تھانویؒ کی تصنیفات و مواعظ سے اور پھر آخر میں مولانا محمد الیاسؒ کی تحریک دعوت و تبلیغ سے اس سلسلہ کے فیوض عالمگیر ہوئے۔" [تاریخ دعوت و عزیمت حصہ سوم ص ۴۸'۴۹]

صاحبزادہ خورشید احمد گیلانی

اولیاء و صوفیاء کی پوری جماعت میں سب سے زیادہ محبوبیت اور شہرت جس مرد خدا کے حصے میں آئی ہے وہ سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ ہیں۔ کیا عوام اور کیا خواص دونوں طبقوں میں آپ کو ایک یکساں اور لازوال عزت حاصل ہے۔ آپ کو زمانے بھر کے علماء اور صلحاء نے جو مختلف القاب دیے ہیں' ان میں ایک معروف لقب "محی الدین" ہے۔ بلاشبہ اس لقب کی قبائے زیبا آپ کی قامت رعنا پر راست آئی ہے۔ شیخ الاسلام عزالدین عبدالسلامؒ کا قول ہے:

"آپ کا وجود اسلام کے لیے ایک باد بہاری تھا جس نے دلوں کے قبرستان میں نئی جان ڈال دی۔" جس زمانے میں آپ وارد بغداد ہوئے بغداد کی فضا پر علم کی خشکی غالب تھی۔ بحث و مناظرہ کا بازار گرم تھا۔ نئے نئے فرقے وجود میں آ رہے تھے اور نئے نئے نکتے برآمد ہو رہے تھے۔ ہر شخص کتاب خواں تھا مگر صاحب کتاب سے نسبت کی فکر نہ تھی۔ الفاظ کا ایک ذخیرہ تھا جس میں ہر ایک گم تھا۔ کسی کو سراغ زندگی پانے کا شوق نہ تھا۔ لغت ہائے حجازی کے قارون بہت تھے مگر گدائے کوئے حجاز کوئی نہ تھا۔ ہر طرف کتابوں کے انبار لگے تھے لیکن کتاب دل کا ورق الٹنے کی کسی کو توفیق نہ تھی۔

مناظرے کی محفلیں طلوع صبح تک رہتیں مگر شب تار زیست محروم سحر تھی' مسند تدریس پر ترش رو معلم فروکش تھے جبکہ ضرورت نہاں خانہ دل میں اتر جانے والے مرد خلیق کی تھی۔ محراب و منبر پر شعلہ بیان قابض

تھے جبکہ اہل بغداد شیریں مقال واعظ کے منتظر تھے۔ اسی کشیدہ و کبیدہ ماحول سے بالآخر امام غزالیؒ تنگ آ کر جامعہ نظامیہ کو خیرباد کہتے ہوئے شہر سے نکل کھڑے ہوتے ہیں۔ یہ ٹھیک وہی سال تھا کہ امام غزالیؒ علم کی کرسی فخر چھوڑتے ہیں اور شیخ جیلانیؒ مسند فقر پر جلوہ افروز ہوتے ہیں۔ امام غزالیؒ نے جس منصب کو خوشی خوشی چھوڑا لوگ گھل گھل کر اس کی آرزو کرتے ہیں۔ صرف چونتیس برس کی عمر میں غزالیؒ بغداد کی جامعہ نظامیہ کے سربراہ مقرر ہوتے ہیں۔ یہ ایک عالم کے لئے سب سے خوبصورت لمحہ اعزاز اور سب سے بڑا نقطہ کمال تھا۔ امامؒ کے ایک معاصر عبدالغافر فارسی کے بقول: "ان کی علمی جلالت کے سامنے امراء و وزراء تو کیا بارگاہ خلافت کی شان و شوکت ماند پڑ گئی تھی۔" قدرت کا اپنا نظام العمل ہوتا ہے کہ امام غزالیؒ شہر بغداد کو دولت علم سے تونگر بنا گئے اور شاہ جیلانؒ فضائے بغداد کو بوئے فقر سے معطر کرنے کے لیے تشریف لے آئے۔ آپؒ بغداد میں پہنچے تو شہر کا رنگ یکسر بدل گیا۔ "سوز دماغ کی جگہ" "سوز جگر" نے لے لی۔ لوگ دماغ جلانے کے بجائے سراغ پانے میں لگ گئے۔ علم کی شعبدہ بازی چھوڑ کر طریق شاہبازی سیکھنے لگے۔ علم کو منزل نہیں چراغ راہ سمجھنے لگے۔ "مکتب کی کرامت" کا دھیان کم ہوا اور "فیضان نظر" کا رجحان بڑھ گیا۔ دنیا نے امام غزالیؒ کا جاہ و جلال دیکھا تھا اب انہیں سرکار بغداد کا نظارہ جمال کرنا تھا۔ غزالیؒ نے نظامیہ یونیورسٹی کی پرشکوہ فضا میں خلیفہ وقت کو آنے پر مجبور کیا مگر حضرت شیخ کی گھاس پھونس کی کٹیا تاج و تخت اور لشکر و سپاہ کو مات دے گئی۔ آپ کے وجود سے جس قدر اسلام اور اہل اسلام کو عزت اور تقویت ملی اس کا مقابلہ ہزاروں لاکھوں انسانی نفوس نہیں کر سکتے۔

قدرت نے اپنی نیرنگیوں کا تماشا دکھانے کے لئے آپ کا خاص طور پر انتخاب فرمایا اور آپ نے جس طرح قدرت کے ارادوں کو مکمل کیا قدرت کو بجا طور پر اپنے انتخاب پر ناز رہے گا۔ سیاسی سطح پر خلافت عباسیہ مرکز گریز رجحانات کے باعث پریشان تھی۔ آل سلجوق اپنی حکومت الگ سے قائم کر چکے تھے۔ باطنیہ فرقے کی ریشہ دوانیاں اور تشدد آمیز کارروائیاں اپنے روج پر تھیں' ایسے میں روحانی استقلال کا تو ذکر ہی کیا' عباسی شہنشاہ اپنے تمامتر ملکی و ریاستی وسائل سے جو مرکزیت حاصل نہ کر سکے حضرت محبوب سبحانیؒ کی ذات فقر و زمانہ کے باوجود مرکزی حیثیت کی حامل بن گئی۔ آپ کی حیات مبارکہ میں پانچ عباسی خلفاء گزرے۔ آپ نے اور دنیا نے خلیفہ مستظہر باللہ کو مسند اقتدار پر دیکھا' پھر خلیفہ مسترشد باللہ کو سریر آرائے سلطنت ہوتے دیکھا' اس کے بعد خلیفہ راشد باللہ آیا' بعد ازاں خلیفہ مقتفی لامراللہ آتا ہے اور پھر خلیفہ مستنجد باللہ تخت حکومت پر متمکن ہوا۔ یہ لوگ آئے اور چلے گئے' اہل اسلام جس مصیبت میں تھے اسی میں پھنسے رہے۔ کشتی اسلام جس منجدھار میں تھی وہیں ہچکولے کھاتی رہی' نہ خلفاء کا اول بدم کام آیا اور نہ حکومتی وسائل بلاؤں کو ٹال سکے۔ ایک آپ کا وجود مسعود تھا جس نے لوگوں کی مایوسی کو خوش امیدی بخشی اور سفینہ اسلام کو ساحل عافیت پر لگا دیا۔ مسلمان جو سیاسی افراتفری اور ملوکانہ مہم جوئی کا شکار تھے انہیں روحانی مرکزیت نصیب ہو گئی۔

حضرت شیخ کو قدرت نے حلقہ صوفیاء میں جامعیت کے مقام پر فائز کیا تھا۔ حسب و نسب کے اعتبار سے آپ حسنی سید تھے۔ مسند رشد و ہدایت پر بطور مرشد کامل تشریف فرما تھے' قلم و قرطاس کی دنیا میں مانے ہوئے انشاء پرداز تھے۔ آپ کے سحر خطابت کی ایک دنیا اسیر تھی۔ روحانیت میں نہ کوئی ثانی ہوا ہے اور نہ ہوگا۔ اولیاء کی جماعت کو اگر ستاروں کا ہالہ تصور کیا جائے تو آپ اس کا چاند تھے۔ تصوف کو اگر کتاب فرض کیا جائے تو آپ اس کا عنوان جلی تھے۔ روحانیت کو اگر ایک شمع سے تشبیہ دی جائے تو آپ اس کی لو تھے۔ تجدید و احیائے دین کے کام کو اگر شاداب چمن سے تعبیر کیا جائے تو آپ اس کا گل سرسبد تھے۔ شکوہ علم اور غیرت فقر کو اگر کوہ طور کا نام دیا جائے تو آپ اس کا جلوہ نور تھے۔ صف اولیاء میں آپ ایسا جامع الصفات فرد عرب و عجم میں نہیں ملے گا۔

یہی سبب ہے کہ دنیا کبھی آپ کو "شہنشاہ بغداد" کے نام سے یاد کرتی ہے کبھی اس کی نوک زبان پر "شاہ جیلان" جیسا لقب آتا ہے۔ دنیا کا ایک بڑا حصہ آپ کو "محبوب سبحانی" کہتا ہے۔ خلق خدا "غوث اعظم" بھی کہتی ہے۔ لاکھوں لوگ "شیخ الاسلام" جیسے پر عظمت خطاب سے یاد کرتے ہیں اور خواص و عوام میں "پیران پیر" کے نام سے آپ مشہور ہیں۔

آپ کی کثیرالجہات دینی و روحانی خدمات کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ نے اپنے کام کے لئے خاص طور پر آپ کو پیدا فرمایا اور وہ تمام خوبیاں دے کر اس کام کے لئے منتخب فرمایا جو دین کی نشرو اشاعت، مخلوق کی ہدایت، اور بھولے بھٹکوں کی راہنمائی کے لئے ضروری تھیں۔ تدریس کی مہارت، خطابت میں جاذبیت، شخصیت میں کشش اور ملائمت، بات میں تاثیر اور بلا کی ذہانت، انداز بیان میں دلکشی اور حکمت اور فصاحت و بلاغت جیسی خوبیاں منعم حقیقی نے آپ کو ارزاں کی تھیں۔

آپ کے ایک ہمسفر شیخ جبائیؒ کہتے ہیں:

"مجھ سے حضرت شیخ نے ایک روز فرمایا کہ میری تمنا ہے کہ زمانہ سابق کی طرح جنگلوں اور صحراؤں میں رہوں۔ نہ مخلوق مجھے دیکھ سکے نہ میں اس کو دیکھوں لیکن اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں کا نفع منظور ہے۔ میرے ہاتھ پر پانچ ہزار سے زائد یہودی اور عیسائی مسلمان ہو چکے ہیں۔ عیاروں اور جرائم پیشہ لوگوں میں سے ایک لاکھ سے زائد توبہ کر چکے ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے۔"

شان تدریس کا یہ عالم تھا کہ آپ دیگر روحانی مشاغل کے ساتھ ساتھ اپنے مدرسہ میں روزانہ تفسیر، حدیث، فقہ اور اختلافات آئمہ کا سبق پڑھاتے۔ اصول فقہ اور نحو کی کلاس بھی خود لیتے۔ نماز ظہر کے بعد تجوید کی تعلیم دیتے۔ علاوہ ازیں افتاء کا کام بھی سرانجام دیتے۔ کوئی آپ کے یہ معمولات دیکھتا تو یقیناً کہہ لفظ و حرف میں محو اور قرطاس و کتاب میں مستغرق یہ شخص کبھی دوسرے سے بات کرنا تو کجا خود کلامی کی فرصت بھی نہیں پاتا ہوگا۔ مگر یہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ آپ جونہی منصب تدریس سے اتر کر مسند تلقین پر جلوہ گر ہوتے تو ستر ستر ہزار تک لوگوں کے اجتماع سے اس سکون اور وقار سے مخاطب ہوتے کہ کسی کو سرگوشی کا ہوش ہوتا، نہ کھنکارنے اور کھانسنے کی فرصت ہوتی۔ یوں محسوس ہوتا کہ لوگوں کے سروں پر پرندے بیٹھے ہیں جن کے اڑ جانے کے خوف سے یہ لوگ چپ سادھے ہوئے ہیں۔ آپ کے مواعظ اور ملفوظات کو قلمبند کرنے کے لئے بعض اوقات چار چار سو دواتیں مجلس میں لائی جاتیں۔

عبداللہ یافعیؒ کا کہنا ہے کہ آپ کے خطاب کی تاثیر اور سحر انگیزی کا یہ عالم ہوتا کہ لوگ پھڑک کر مرجاتے اور آپ کی مجلس سے کئی بار جنازے اٹھائے گئے۔

آپ کا وعظ پیشہ وارانہ نہیں مجذوبانہ رنگ کا ہوتا تھا۔ جملے منہ سے نکل کر ہوا میں تحلیل نہیں ہوتے تھے بلکہ تیر بن کر دل میں ترازو ہو جاتے تھے۔ آپ کا خطاب دھواں دار نہیں ہوتا تھا کہ ماحول کو اور دھندلا دے بلکہ اس میں شرارے چھپے ہوتے تھے جو دلوں میں موجود حرص و حسد کے خس و خاشاک کو جلا کر پھونک ڈالتے۔ ہر بات زبان سے ہی نہیں کہتے تھے کچھ کام آنکھوں کی روشنی اور دل کی پاکیزگی سے لیتے۔ یحییٰ بن نجاح ادیب کا بیان ہے:

"ایک دفعہ میں نے ارادہ کیا کہ آج حضرت شیخ کی مجلس میں تائب ہونے والے شخص شمار کروں گا جس وقت مجلس میں حاضر ہوا تو میں نے کپڑوں میں ایک دھاگہ چھپالیا۔ جونہی حضرت شیخ کسی کو توبہ تلقین فرما کر اس کے بال کاٹتے میں دھاگے میں ایک گرہ لگا دیتا۔ تھوڑی دیر بعد آپ نے میری طرف دیکھا اور فرمایا "عجیب بات

ہے میں گرہیں کھولتا ہوں اور تم لگاتے جا رہے ہو۔"

آپ نہ صرف واعظانہ کام ہی نہیں کیا مجاہدانہ سرگرمیاں بھی آپ کی شخصیت کا حصہ رہیں۔ اگرچہ آپ نے کبھی براہ راست سیاست میں حصہ نہیں لیا نہ ہی قرب شاہی کی آرزو کی، بلکہ آپ کبھی کسی حاکم سے ملنے نہیں گئے۔ اس کے دسترخوان پر نہیں بیٹھے، ہاں البتہ کئی بار خلفاء اور وزراء آپ کے در دولت پر حاضر ہوئے۔ وہ ہاتھ چومتے مگر آپ انہیں جھڑک دیتے اور ان کی روش ستم پر انہیں ملامت کرتے۔ ایک بار خلیفہ مقتفی لامراللہ نے ابوالوفا ابن سعید کو قاضی مقرر کر دیا۔ آپ کو معلوم ہوا تو برسر منبر فرمایا:

"تم نے مسلمانوں پر ایک ایسے شخص کو حکمران بنایا جو اظلم الظالمین ہے، کل قیامت کو اس رب العالمین کو کیا جواب دو گے جو ارحم الراحمین ہے۔" اس جلال آمیز خطاب کی بازگشت قصر خلافت میں بھی سنی گئی اور خلیفہ نے فوراً اس قاضی کو معزول کر دیا۔ آپ کے زہد کا یہ عالم تھا کہ آپ کے لئے سونے کی ڈلی میں کوئی کشش اور مٹی کے ڈھیلے میں کوئی نفرت نہ تھی۔ آپ کو کسی چیز کے پانے کی بیقراری نہ تھی اور چھن جانے کا خوف دل میں سمایا رہتا، بلکہ خالی ہاتھ دل کی خوشی کا راز پا چکے تھے۔ ایک بار دوران مجلس اطلاع ملی کہ آپ کا فلاں تجارتی جہاز ڈوب گیا ہے۔ آپ نے تھوڑی دیر توقف کرکے فرمایا، الحمدللہ کچھ ہی دیر بعد کسی نے آکر کہا کہ یا حضرت وہ خبر غلط تھی۔ جہاز صحیح سالم کنارے لگ گیا ہے۔ آپ نے پھر توقف کیا اور کہا الحمدللہ۔ حاضرین کے دریافت کرنے پر فرمایا کہ پہلی خبر سن کر میں نے دل کو ٹٹولا تو جہاز اور اسباب ڈوبنے کا ذرا بھی ملال نہ ہوا تو میرے منہ سے الحمدللہ نکلا اور جہاز کے صحیح سالم لنگر انداز ہونے کی خبر ملی تو پھر دل کا جائزہ لیا تو خاص خوشی کی کیفیت محسوس نہ ہوئی، بلکہ دونوں حالتوں میں دل کو بدستور اللہ کی طرف مائل اور شاغل پایا تو الحمدللہ کہا۔

دراصل یہ وہ حکایت لذیذ ہے اسے جتنا بھی دراز کیا جائے قند مکرر کا مزہ دیتی ہے۔ آپ کے ملفوظات پڑھنے کا اگر کسی کو موقع میسر آئے تو سچی بات یہ ہے کہ داستان الف لیلہ میں وہ تنوع دلچسپی، حسن بیان اور مٹھاس نہیں جو آپ کی باتوں میں محسوس ہوتی ہے۔ ایک جگہ فرماتے ہیں:

"دنیا کو دل سے نکال کر اپنے ہاتھوں میں رکھ لو پھر تمہیں کوئی تکلیف نہیں دے گی"

ایک اور موقع پر ارشاد فرمایا:

"دنیا ہاتھ میں رکھنی جائز، جیب میں رکھنی جائز، کسی اچھی نیت سے جمع کرنا جائز، مگر دل میں رکھنا ہرگز جائز نہیں۔ دروازے پر اس کا کھڑا ہونا جائز لیکن دروازے سے آگے گھسنا نہ جائز ہے اور نہ باعث عزت۔"

فتوح الغیب میں فرماتے ہیں:

"خلق کی حقیقت یہ ہے کہ جب تو اللہ کے ساتھ معاملہ کرے تو مخلوق درمیان میں حائل نہ رہے اور جب مخلوق خدا سے معاملہ کرے تو نفس کو آڑے نہ آنے دے۔"

حضرت شیخ ایسے لوگوں کے بارے میں پڑھ کر انسان اپنے اندر عجیب سی کیفیت محسوس کرتا ہے۔ ایک طرف دارا و سکندر کے وارثوں کو دیکھتا ہے تو مرقع عبرت نظر آتے ہیں اور دوسری طرف وہ بوذر و سلمانؓ کے جانشینوں پر نظر ڈالتا ہے تو وہ مینار عظمت دکھائی دیتے ہیں۔ تاج زریں ملیا میٹ ہوگئے مگر خرقہ فقر کا ایک پیوند بھی بوسیدہ نہیں ہوا۔

انوکھی وضع ہے سارے زمانے میں نرالے ہیں
یہ عاشق کون سی بستی کے یارب رہنے والے ہیں

متفرّقات

حضرت غوث الثقلینؒ

قبلۂ اہلِ صفا حضرتِ غوث الثقلینؒ　　دستگیرِ ہمہ جا حضرتِ غوث الثقلینؒ

ترجمہ۔ حضرت غوثِ پاکؒ اہلِ صفا کے قبلہ اور ہر مقام پر دستگیرِ خلق ہیں۔

یک نظر از تو بود در دو جہاں مارا بس　　نظرے جانبِ ما، حضرتِ غوث الثقلینؒ

ترجمہ۔ دونوں جہانوں میں ہمارے لئے آپ کی ایک نگاہ کافی ہے۔ سرکار! ہم پر ایک نگاہِ کرم فرمائیں۔

خاکِ پائے تو بود روشنیٔ اہلِ نظر　　دیدہ را بخش ضیا حضرتِ غوث الثقلینؒ

ترجمہ۔ آپ کی خاکِ پا اہلِ نظر کے لئے بمنزلۂ نُور ہے۔ آپ ہماری آنکھوں کو نُورانیت عطا فرمائیں۔

حضرتت کعبۂ حاجاتِ ہمہ خلقانست　　حاجتم ساز روا، حضرتِ غوث الثقلینؒ

ترجمہ۔ آپ کی بارگاہ ہر نوعِ خلق کے لئے کعبۂ حاجات ہے۔ آپ میری حاجت برآری بھی فرمائیں۔

قُطبِ مسکیں بہ غلامیِ درت منسُوب است　　داغِ مہرش بفزا! حضرتِ غوث الثقلینؒ

ترجمہ۔ مسکین قُطبُ الدین آپ کی بارگاہ کی غلامی سے منسُوب ہے۔ آپ اُس کی محبّت کے داغ کو جلاتے مزید بخشیں۔

(ماخوذ از سیرتِ محبوب)

ؔ خطِ کشیدہ سطر، عنوان اور نام کے علاوہ حضرت خواجہ بختیار کاکی قدس سرّہٗ کی منقبت میں راقم الحروف کی ایک فارسی رُباعی کا آخری مصرع بھی ہے۔ وہ رُباعی اربابِ علم وفن کی ضیافتِ طبع کے لئے یہاں درج کی جاتی ہے۔ عرض کیا ہے ؎

آں مُنفرِدِ زماں بہ ہوش ادراکی　　آئینۂ نُور در لباسِ خاکی

مُسترشدِ خواجہؒ، مُرشدِ گنج شکرؒ　　قُطبُ الدّین بختیار اُوشی کاکیؒ

ترجمہ۔ آپ بلحاظِ دانش وبینش زمانے میں امتیازی حیثیت کے مالک اور خاکی لباس میں ذاتِ باری کے انوارِ جمال کے آئینہ ومظہر ہیں۔ آپ خواجۂ اکبر حضرت غریب نواز اجمیریؒ کے مُرید اور سُلطان الزاہدین حضرت خواجہ فریدالدین مسعُود گنج شکرؒ کے پیرو مُرشد ہیں۔

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ

نسب نامہ

حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت علی کرم اللہ وجہٗ — حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا

- سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ
  - سید حسن مثنیٰ
  - سید عبداللہ محض
  - سید موسیٰ الجون
  - سید عبداللہ صالح
  - سید موسیٰ ثانی
  - سید ابوبکر داؤد
  - سید شمس الدین زکریا
  - سید یحییٰ زاہد
  - سید عبداللہ جیلی
  - سید ابوصالح موسیٰ جنگی دوست رحمۃ اللہ علیہ
- سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ
  - سیدنا امام زین العابدین
  - سیدنا امام محمد باقر رضی
  - سیدنا امام جعفر صادق
  - سیدنا موسیٰ کاظم
  - سیدنا علی رضا
  - سید ابوعلاؤ الدین محمد الجوادؒ
  - سید کمال الدین عیسیٰ
  - سید ابوالعطا عبداللہ
  - سید محمود
  - سید محمد
  - سید ابوجمال
  - سید عبداللہ صومعی
  - سیدہ ام الخیر امۃ الجبار فاطمہ رحمۃ اللہ علیہا

حضرت محی الدین شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ

ثمرۂ باغِ نبیؐ

بے کساں را کس اگر جوئی تُو در دُنیا و دیں — ہست محی الدین سید تاجِ اربابِ یقیں

ترجمہ۔ اگر تُو دین و دُنیا میں بے کسوں کے کسی فریاد رس کا جویا ہے، تو تجھے ایسی ذات حضرت عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کی نظر آئے گی، جو اہلِ یقین کے تاجدار اور سردار ہیں۔

اولیاءِ اوّلین و آخریں سرہائے خُود — زیرِ پایش می نہند از حکمِ ربُّ العالمیں

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ کے حکم کے تحت متقدمین و متاخرین اولیائے عظام اپنی گردنیں حضرت کے قدموں تلے رکھتے ہیں۔

ثمرۂ باغِ نبیؐ و میوۂ شاخِ علیؓ — سروِ بُستانِ حسنؓ، آں سرورِ دُنیا و دیں

ترجمہ۔ دُنیا و دیں کے وہ سردار، گلستانِ نبوت کا ثمر، نسلِ حیدریؓ کا میوہ اور حسنیؓ گلزار کے سرو ہیں۔

نُورِ گلزارِ حُسینؓ آں جُوئبارِ رحمتش — پیرِ پیراں، پیرِ من، محبوبِ ربُّ العالمیں

ترجمہ۔ پروردگارِ عالمیاں کے محبوب، میرے مُرشد، پیروں کے پیر، گلستانِ شبّیر کے نُور اور اُن کی رحمت کی جُوئے رواں ہیں۔

نیست در ہر دو جہاں ملجائے من مجز درگہت — الکرم یا بازِ اشہب، الکرم یا محی دیںؓ

ترجمہ۔ آپ کی بارگاہ کے سوا دونو جہانوں میں میرا کوئی ملجا و ماوٰی نہیں، اے بازِ اشہب (بلند پرواز سفید باز)، اے محی الدینؓ آپ کرم فرمائیں۔

ہر کسے نازد بہ کس الّا بہاءُ الحق زِ دل — می فروشد در رہت از صدقِ دل ایمان و دیں

ترجمہ۔ ہر شخص کو کسی نہ کسی پر ناز ہوتا ہے، مگر بہاءُ الدین صدقِ دل سے دین و ایمان آپ کی راہ میں نچھاور کرتا ہے۔

(از کلام الاولیاء۔ فی شانِ سُلطان الاولیاء)

ولہٗ ایضاً

بہاءُ الدینِ مُلتانی کُند ہر دم ثنا خوانی — کہ تُو محبوبِ سُبحانی و محی الدین جیلانیؓ

ترجمہ۔ بہاءُ الدین زکریا مُلتانی ہر لمحہ آپ کی ثنا کرتا ہے اور یُوں کہتا ہے کہ تُو محی الدین جیلانی اور محبوبِ سُبحانی ہے۔

حضرت خواجہ بہاؤ الدین زکریا ملتانیؒ

توئی مختارِ سبحانی

شفیعِ اُمت و سرور بود آں شاہِ جیلانی   تعالی اللہ چہا قُدرت خدایش کرد ارزانی

ترجمہ۔ حضرت غوثِ پاکؒ سرورِ اولیاء اور افرادِ اُمتِ محمدیہ کے شفاعت کنندہ ہیں (بموجب حدیثِ پاک اولیاء اللہ بھی اپنے مُتبعین کے شفیع ہوں گے) سُبحان اللہ! ذاتِ باری تعالیٰ نے اُنہیں کیسی قدرت عطا فرمائی ہے۔

سکندر می کند دعویٰ کہ ہستم چاکرِ آں شاہ   فلاطوں پیشِ علم اُو مُقر آمد بنادانی

ترجمہ۔ سکندر (مُراد ہر تاجدارِ عصر) اُس شہنشاہ کی غلامی کا مدّعی ہے۔ فلاطوں جیسا ہر فیلسوفِ عالم آپ کی وُسعتِ علم کے آگے جہالت کا معترف ہے۔

تُو شاہِ اولیاء و اولیاء محتاجِ درگاہت   مشائخ را سزد بر درگہت از فخر دربانی

ترجمہ۔ آپ سلطان الاولیاء ہیں اور اہلِ ولایت آپ کی بارگاہ کے محتاج ہیں، یہ امر مشائخِ عالم کے شایاں ہے کہ وہ بصد فخر آپ کے آستانۂ عالیہ کی دربانی کریں۔

مُطیعِ حکم تو دیواں، ملائک چوں پری بندہ   شہنشاہِ شہنشاہاں، امامِ اِنسی و جانی

ترجمہ۔ تمام اہلِ دیواں (اصحابِ حضوری) آپ کے تابعِ ارشاد اور ملائک مانندِ حُور خادم ہیں۔ آپ تاجداروں کے سردار اور جنّ و اِنس کے مقتدا ہیں۔

تراچوں من ہزاراں بندگاں ہستند در عالم   مرا جز آستانت نیست اگر خوانی و گر رانی

ترجمہ۔ مجھ جیسے آپ کے غلام دُنیا میں ہزاروں ہیں؛ بہر صورت میری آپ کے آستانے کے سوا کوئی پناہ گاہ نہیں۔

منم سائل بجز تو نیست غمخوارم کہ گیرد دست   برحمت کُن نظر بر من توئی مختارِ سُبحانی

ترجمہ۔ مَیں سائل ہُوں، میرا کوئی ایسا غمخوار نہیں جو دستگیری کرے، مجھ پر نگاہِ کرم فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو (عالم نوازی کا) مختار بنایا ہے۔

سلطان العارفین حضرت باہوؒ

سیّدہ فاطمہ اُمّ الخیر

طالب ہاشمی

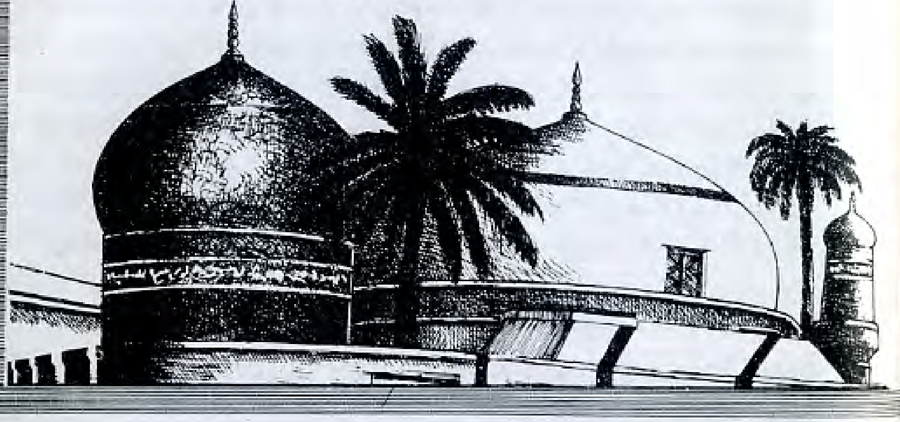

پیران پیر سیدنا حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ کی والدہ سیدہ فاطمہ ام الخیرؒ نہایت پاکباز' عابدہ زاہدہ اور خدا رسیدہ خاتون تھیں۔ ان کی شادی سید ابو صالح جنگی دوستؒ سے ہوئی تھی' وہ بھی بڑے متقی اور خدا رسیدہ بزرگ تھے۔ ان کا عقد سیدہ فاطمہؒ سے جن حالات میں ہوا ان کو پڑھ کر ایمان تازہ ہو جاتا ہے۔ روایت ہے کہ عنفوان شباب میں سید ابو صالح اکثر ریاضات و مجاہدات میں مشغول رہتے تھے۔ ایک دفعہ دریا کے کنارے عبادت کر رہے تھے۔ کھانا کھائے ہوئے تین دن گزر چکے تھے۔ اچانک ایک سیب دریا میں بہتا ہوا دکھائی دیا۔ بسم اللہ کہہ کر اسے پکڑ لیا اور کھا گئے۔ پھر دل میں خیال پیدا ہوا کہ معلوم نہیں اس سیب کا مالک کون ہے۔ میں نے بغیر اجازت کھا کر امانت میں خیانت کی ہے۔ یہ خیال آتے ہی اٹھ کھڑے ہوئے اور دریا کے کنارے کنارے پانی کے بہاؤ کی مخالف سمت سیب کے مالک کی تلاش میں چل پڑے۔ خاصا فاصلہ طے کرنے کے بعد ان کو لب دریا ایک وسیع باغ نظر آیا۔ اس میں سیب کا ایک تناور درخت تھا جس کی شاخوں سے پکے ہوئے سیب پانی میں گر رہے تھے۔ سید ابو صالح نے لوگوں سے اس باغ کے مالک کا پتا دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ اس کے مالک جیلان کے ایک رئیس سید عبداللہ صومعیؒ ہیں۔ فوراً ان کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ سارا ماجرا بیان کیا اور بصد ادب بلا اجازت سیب کھا لینے کے لیے معافی چاہی۔

سید عبداللہ صومعیؒ خاصان خدا میں سے تھے' وہ سمجھ گئے کہ یہ نوجوان اللہ کا خاص بندہ ہے۔ دل میں تڑپ اٹھی کہ اس کو اپنے سایہ عاطفت میں لے لوں۔ فرمایا: "دس سال تک اس باغ کی رکھوالی کرو اور مجاہدہ نفس کرو' پھر سیب معاف کرنے کے بارے میں سوچوں گا۔"

سید ابو صالحؒ نے یہ شرط منظور کر لی اور دس برس تک باغ کی رکھوالی کرتے رہے۔ ساتھ ہی سید عبداللہ صومعیؒ کی ہدایات کے مطابق مدارج سلوک بھی طے کرتے رہے۔ دس سال کے بعد سید عبداللہؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے فرمایا کہ دس سال اور باغ کی رکھوالی کرو۔ سید ابو صالحؒ نے تعمیل ارشاد کی۔ بارہ سال کی مدت پوری ہوتے ہی سید عبداللہؒ نے انہیں بلا کر فرمایا: "اے فرزند! تو آزمائش کی کسوٹی پر پورا اترا ہے، لیکن ابھی ایک خدمت اور باقی ہے ----- وہ یہ کہ میری ایک لڑکی ہے جو پاؤں سے لنگڑی، ہاتھوں سے لنجی، کانوں سے بہری اور آنکھوں سے اندھی ہے۔ اس بیچاری کو اپنے نکاح میں قبول کرو تو میں سیب تمہیں بخش دوں گا۔"

سید ابو صالحؒ نے یہ شرط بھی منظور کر لی اور سید عبداللہؒ نے اپنی لخت جگر کا نکاح ان سے کر دیا۔ ان کی یہ لخت جگر سیدہ فاطمہ تھیں۔ شادی کے بعد سید ابو صالحؒ کو پہلی مرتبہ دیکھا تو یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ ان کے تمام اعضا صحیح و سالم ہیں اور وہ کمال درجہ کے حسن ظاہری سے متصف ہیں۔ دل میں وسوسہ پیدا ہوا کہ شاید یہ کوئی اور لڑکی ہے۔ اسی وقت باہر نکل گئے اور شیخ عبداللہؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر واقعہ بیان کیا۔ انہوں نے فرمایا: "یہی لڑکی میری لخت جگر اور تمہاری بیوی ہے۔ اس کی جو صفات میں نے تم سے بیان کی تھیں، ان کا مطلب یہ تھا کہ اس نے آج تک کوئی کام شریعت کے خلاف نہیں کیا، اس لیے لنجی ہے۔ آج تک گھر سے باہر قدم نہیں نکالا، اس لیے لنگڑی ہے۔ آج تک خلاف حق کوئی بات نہیں سنی، اس لیے بہری ہے۔ آج تک کسی نامحرم پر نظر نہیں ڈالی، اس لیے اندھی ہے۔"

اب سید ابو صالحؒ سب کچھ سمجھ گئے اور ان کے دل میں اپنی اہلیہ کے لیے بے حد محبت اور عزت پیدا ہو گئی۔ اس طرح بخیر و خوبی ان دونوں پاکباز ہستیوں کی رفاقت حیات کا آغاز ہوا۔ انہوں نے جیلان (گیلان) ہی میں مستقل سکونت اختیار کر لی۔ یہ شہر ایران میں ہے۔ وہیں سیدہ فاطمہؒ کے بطن سے بہ اختلاف روایت ۴۷۰ھ یا ۴۷۱ھ میں عالم اسلام کی وہ مایہ ناز ہستی پیدا ہوئی جس کے عظیم الشان تبلیغی اور اصلاحی کارناموں نے خزاں رسیدہ شجر ملت کو سرسبز کر دیا اور راہ راست سے بھٹکے ہوئے لاکھوں انسانوں کو راہ ہدایت پر گامزن کر دیا۔ ہماری مراد سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانیؒ سے ہے۔

حضرت شیخ ابھی کم سن ہی تھے کہ سایہ پدری سے محروم ہو گئے۔ والدہ ماجدہ نے بڑے صبر اور حوصلے سے کام لیا اور اپنے چار پانچ سالہ فرزند کی تعلیم و تربیت اور نگرانی پر خاص توجہ دی۔ اسی توجہ کا نتیجہ تھا کہ سیدنا شیخ عبدالقادرؒ ایک مثالی جوان صالح بنے۔ ابتدائی تعلیم انہوں نے مقامی مکتب میں حاصل کی۔ اٹھارہ سال کی عمر میں مزید تعلیم کے لیے بغداد جانے کا ارادہ کیا۔ اس مقصد کے لیے والدہ ماجدہ سے اجازت طلب کی۔ انہوں نے باچشم پرنم اپنے لخت جگر کے سر پر ہاتھ پھیرا اور فرمایا:

"میرے نور بصر! تیری جدائی تو ایک لمحہ کے لیے بھی مجھ سے برداشت نہیں ہو سکتی لیکن جس مبارک مقصد کے لیے تم بغداد جانا چاہتے ہو، میں اس کے راستے میں حائل نہ ہوں گی۔ حصول علم ایک مقدس فریضہ ہے، میری دعا ہے کہ تم تمام علوم میں درجہ کمال حاصل کرو۔ میں تو شاید اب جیتے جی تمہاری صورت نہ دیکھ سکوں گی، مگر میری دعائیں ہر حال میں تمہارے ساتھ رہیں گی۔" پھر فرمایا:

"تمہارے والد مرحوم کے ترکہ میں سے اسی دینار میرے پاس ہیں، چالیس دینار تمہارے بھائی کے لیے رکھتی ہوں اور چالیس زاد راہ کے لیے تمہارے سپرد کرتی ہوں۔"

پھر سیدہ فاطمہؒ نے یہ چالیس دینار سید عبدالقادرؒ کی بغل کے نیچے ان کی گدڑی میں سی دیے۔ جب وہ گھر سے رخصت ہونے لگے تو ان سے فرمایا: "میرے پیارے بچے! میری آخری نصیحت سن لو۔ اسے کبھی نہ بھولنا۔ وہ یہ

ہے کہ ہمیشہ سچ بولنا اور خواہ کچھ بھی ہو جائے، جھوٹ کے نزدیک بھی نہ پھٹکنا۔"

سعادت مند فرزند نے بادیدہ گریاں عرض کیا: "اماں جان! میں سچے دل سے وعدہ کرتا ہوں کہ ہمیشہ آپ کی نصیحت پر عمل کروں گا۔"

سیدہ فاطمہؒ نے اپنے نور العین کو گلے سے لگا لیا اور پھر ایک آہ سرد کھینچ کر فرمایا: "جاؤ تمہیں اللہ کے سپرد کیا، وہی تمہارا حافظ و ناصر ہے۔"

والدہ ماجدہ سے رخصت ہو کر شیخ عبدالقادرؒ بغداد جانے والے قافلے کے ساتھ ہو لیے۔ اس زمانے میں طویل بیابانی راستوں میں تنہا سفر کرنا ممکن نہ تھا۔ لوگ قافلے بنا کر سفر کرتے تھے اور اپنی حفاظت کا مقدور بھر اہتمام کرتے تھے پھر بھی رہزنوں کا خطرہ ہر وقت دامن گیر رہتا تھا۔ شیخ عبدالقادرؒ کا قافلہ جب ہمدان (ایران) سے آگے تر تنک کے سنسان کوہستانی علاقے میں پہنچا تو ساٹھ قزاقوں کے ایک جتھے نے قافلے پر حملہ کر دیا اور اہل قافلہ کا سب مال و اسباب لوٹ لیا۔ شیخ عبدالقادرؒ ایک طرف کھڑے تھے کہ ایک ڈاکو نے ان سے پوچھا: "اے لڑکے تمہارے پاس بھی کچھ ہے؟"

انہوں نے بلاخوف و ہراس اطمینان سے جواب دیا: "ہاں، میرے پاس چالیس دینار ہیں۔" ان کی ظاہری حالت دیکھ کر ڈاکو کو ان کی بات پر یقین نہ آیا اور وہ ان پر ایک نگاہ استہزا ڈالتا ہوا چلا گیا۔ پھر ایک دوسرے ڈاکو نے ان سے یہی سوال کیا۔ انہوں نے اس کو بھی وہی جواب دیا۔ یہ ڈاکو بھی ان کی بات کو ہنسی میں اڑا کر چلا گیا۔ شدہ شدہ یہ بات ڈاکوؤں نے سید صاحب کو پکڑ کر احمد بدوی کے سامنے پیش کیا تو اس نے ان سے پوچھا: "لڑکے! سچ سچ بتا تیرے پاس کیا ہے؟"

انہوں نے بے دھڑک جواب دیا: "میں پہلے بھی تیرے دو ساتھیوں کو بتا چکا ہوں کہ میرے پاس چالیس دینار ہیں۔"

سردار نے کہا: "کہاں ہیں نکال کر دکھاؤ۔"

حضرت نے فرمایا، میری بغل کے نیچے گدڑی میں سلے ہوئے ہیں۔

سردار نے گدڑی کو ادھیڑ کر دیکھا تو اس میں سے واقعی چالیس دینار نکل آئے۔ سردار اور اس کے ساتھی یہ دیکھ کر حیران رہ گئے۔ سردار نے استعجاب کے عالم میں کہا: "لڑکے تمہیں معلوم ہے کہ ہم ڈاکو ہیں، پھر بھی تم نے دیناروں کا بھید ہم پر ظاہر کر دیا، اس کی کیا وجہ ہے؟"

حضرت نے فرمایا: "میری پاکباز والدہ نے گھر سے رخصت ہوتے وقت مجھے نصیحت کی تھی کہ ہمیشہ سچ بولنا۔ بھلا ان چالیس دیناروں کی خاطر میں والدہ کی نصیحت کیسے فراموش کر دیتا؟"

یہ سن کر سردار پر رقت طاری ہو گئی اور وہ روتے ہوئے بولا: "آہ! اے بچے تم نے اپنی ماں سے کیے ہوئے عہد کا اتنا پاس رکھا۔ حیف ہے مجھ پر کہ اتنے برسوں سے اپنے خالق کا عہد توڑ رہا ہوں۔ اے بچے! آج سے میں اس کام سے توبہ کرتا ہوں۔"

دوسرے ڈاکوؤں نے بھی اپنے سردار کا ساتھ دیا۔ لوٹا ہوا تمام مال قافلے والوں کو واپس کر دیا اور اس کے بعد نیکی اور پرہیزگاری کی زندگی اختیار کر لی۔

ایک روایت میں ہے کہ جس زمانے میں شیخ عبدالقادرؒ بغداد کی تحصیل علم میں مشغول تھے، ایک دفعہ سیدہ فاطمہؒ نے کسی کے ہاتھ ان کے لیے سونے کا ایک ٹکڑا بھیجا۔

سیدہ فاطمہؒ کے سال وفات کے بارے میں سب تذکرے خاموش ہیں۔ البتہ قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے حضرت شیخ عبدالقادرؒ کے زمانہ تعلیم میں ان کی غیر حاضری ہی میں کسی وقت وفات پائی۔

محرم کُل اَسرار دا

(م ۱۹۸۴ء)

سوہنا پیر بغداد شریف والا محبوب غفار دا غوثِ اعظمؒ
ابو صالحؒ دا لختِ جگر نُوری، لال حسنؓ سردار دا غوثِ اعظمؒ
ورثہ لیا سُوہنے پرواہیاں دا، محرم کُل اسرار دا غوثِ اعظمؒ
غوث قطب ابدال تے ولی سارے ہر اک پیا پکار دا غوثِ اعظمؒ
بھور، بُلبلاں، قُمریاں کرن سجدے، مالی فقر گلزار دا غوث اعظمؒ
باراں سال دے ڈُبیاں بیڑیاں نُوں نال نظر دے تار دا غوثِ اعظمؒ
مُرشِدِی لاتخف دا پکڑ خنجر نعرے مارو نگار دا غوثِ اعظمؒ
لاثانی دا کوئی وکھا ثانی پھیرے عرش تے مار دا غوثِ اعظمؒ
اوسے وقت مُرید مُراد پاوے جس وقت چتار دا غوثِ اعظمؒ
محی الدین عبدالقادر جیلانی ہے خطاب سرکار دا غوثِ اعظمؒ
شاہنشاہ درگاہ دا لاڈلا اے، ساقی مست خمار دا غوثِ اعظمؒ
دیوے جام تمام قلندراں نُوں، محرم یار ستار دا غوثِ اعظمؒ
خلق مہر دا مہر افروز روشن، گوہر یثربی ہار دا غوثِ اعظمؒ
مَیں بھی عاجزی عجز نیاز رکھی بخشو دان دیدار دا غوثِ اعظمؒ
کرو کرم گوارکمین اُتے منگت ہاں دربار دا غوثِ اعظمؒ!
کرے کرم رحیم کریم دائم ویکھن حال بیمار دا غوثِ اعظمؒ

دائم اقبال دائم

غوثیتِ کبریٰ کیا ہے؟

روبینہ بشیر

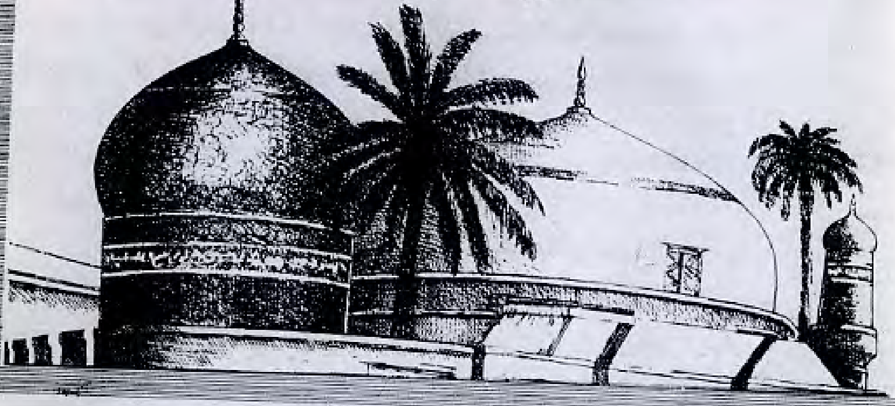

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کو روحانی دنیا میں غوثیت کبریٰ کا مرتبہ حاصل ہے۔ اس مرتبے کی بنیاد پر آپ تمام اولیا کرام میں ممتاز اور منفرد ہیں۔ اس غوثیت کبریٰ کا دوسرا نام غوث اعظم ہے۔ غوث عربی زبان کا لفظ ہے۔ اس کے معنی ہیں فریاد رس' یعنی فریاد کو پہنچنے والا۔ اس کی وضاحت اس طرح ہے کہ دنیا میں انسانوں اور جنوں میں سے اگر کسی کو کوئی تکلیف لاحق ہو' اور وہ اس تکلیف سے عاجز آجائے پھر وہ حضرت غوث اعظم کو پکارے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جناب غوث اعظم کو یہ قوت حاصل ہے کہ وہ اس تکلیف کو رفع فرما دیں۔

یہ مرتبہ جسے غوثیت کبریٰ کہا جاتا ہے' نظام عالم کو چلانے کا ایک عہدہ ہے۔ دوسرے لفظوں میں دنیا کی وہ انتظامیہ ہے جس کو باری تعالیٰ برگزیدہ ارواح اور فرشتوں کے ذریعے چلاتے ہیں۔ اس کی سربراہی حضور غوث پاک کے سپرد کی گئی ہے۔ کائنات کا نظام روز ازل سے دو قسم کا چلا آرہا ہے:

۱۔ تشریعی نظام (ارشاد و ہدایت)

فرشتوں میں اس کے سردار جناب جبرئیل علیہ السلام ہیں۔ اس شعبے کے دیگر عہدیدار انبیائے کرام علیہم السلام ہیں۔

۲۔ تکوینی نظام

اس سے مراد ہے ساری دنیا کا تشکیلی نظام یعنی موت' زندگی' رزق' حوادث' آلام و مصائب' اولاد'

خوشی' مسرت' غم' دکھ وغیرہ جملہ امور جو کائنات میں پیش آتے ہیں۔ ان کی انجام دہی میں حضرت میکائیل اور حضرت عزرائیل کے ساتھ بعض منتخب اولیائے کرام شریک ہوتے ہیں۔ اولیا میں سے جو سربراہ ہوتے ہیں ان کو قطب مدار یا قطب الاقطاب کا نام دیا جاتا ہے۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ شعبہ حضرت علیؓ کو تفویض ہوا تھا۔ اسی لیے انہیں شاہ ولایت کہا جاتا ہے۔ حضرت علی کے بعد یہ عہدہ حضرات حسنین علیہم السلام سے ہوتا ہوا بارہ آئمہ تک پہنچا اور پھر حضرت غوث پاک کو ملا۔

تکوینی نظام کا یہ تصور عوام الناس کے لیے قابل فہم نہیں ہے۔ اس لیے کہ یہ عہدہ اور اس کے تحت دیگر ارباب خدمت مثلاً ابدال' ابرار' نجباء اور مختلف اقطاب کے مناصب ایک دوسری دنیا سے تعلق رکھتے ہیں' جہاں ہر شخص کی رسائی ممکن نہیں۔ حضرات صوفیائے کرام کی ایک کثیر تعداد نے جو ہزاروں سے گزر کر لاکھوں تک پہنچی ہوئی ہے' اس دوسری دنیا کی تصدیق کی ہے۔ چنانچہ غوثیت کبریٰ کے اس منصب کی تشریح کے لیے ہم حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ کے مکتوبات کی تیسری جلد کے مکتوب نمبر ۱۲۳ سے ایک اقتباس پیش کرتے ہیں۔ آپ لکھتے ہیں:

"وہ راستے جو اللہ تعالیٰ کی طرف لے جاتے ہیں' دو ہیں۔"

۱۔ قرب نبوت کا راستہ

تمام انبیائے کرام اس راستے پر چل کر ہی خدا تعالیٰ تک پہنچے' اور ان کے صحابہ کرام بھی اسی رستے پر چل کر بارگاہ ایزدی تک پہنچے۔ انبیائے کرام کی امتوں میں سے جن جن کو اللہ تعالیٰ نے چاہا اپنی طرف رہنمائی دے دی۔ یہ راستہ قریب ترین اور آسان ترین ہے۔ اس میں خدا کا تعلق اپنے بندے سے براہ راست ہو جاتا ہے۔ درمیان میں کسی وسیلے یا واسطے کی ضرورت نہیں پڑتی نہ ہی کوئی وسیلہ یا واسطہ پسند ہی کیا جاتا ہے۔ اس راستے کو "راہ اجتباء" بھی کہا جاتا ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ کی برگزیدگی اور اس کے انتخاب کا راستہ۔ اس راستے میں آنے والے لوگ اللہ کے منتخب اور برگزیدہ لوگ ہوتے ہیں۔ انہیں خود محنت اور مجاہدے کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ ان کو عالم ارواح میں ہی برگزیدہ کر لیا جاتا ہے اور انہیں دنیا میں بھی اللہ تعالیٰ کی براہ راست دستگیری حاصل ہوتی ہے۔ چنانچہ کسی غلط راستے پر انہیں جانے نہیں دیا جاتا اس لیے وہ خطاؤں سے معصوم ہوتے ہیں۔

۲۔ ولایت کا راستہ

اس راستے میں کوئی شخص براہ راست بغیر کسی وسیلے اور واسطے کے خدا تک رسائی نہیں پا سکتا۔ یہ راستہ ہے ہی وسیلے اور واسطے کا۔ لہٰذا اولیائے کرام' ابدال' اقطاب' ابرار' اخیار اور نجباء۔ سبھی اسی راستے پر چل کر خدا تک پہنچے ہیں۔ اس راستے کے سربراہ اور شاہ ولایت حضرت علیؓ ہیں۔ وہ اپنی جسمانی پیدائش سے بھی پہلے اس مقام پر فائز تھے۔ اور جس کسی کو اس راہ کا فیض پہنچتا تھا' ان سے ہی پہنچتا تھا۔ ان کے زمانے کے بعد یہ عظیم الشان مرتبہ ترتیب وار حضرت حسینؓ تک پہنچا اور ان کے بعد بارہ آئمہ کے ساتھ ترتیب وار رہا اور جس کسی کو فیضان ملا' انہیں بزرگوں کے واسطے اور وسیلے سے ملا۔ چنانچہ سب کا ملجا اور ماویٰ یہی بزرگ تھے۔ حتیٰ کہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کا زمانہ آیا تو پھر وہ اس منصب پر متمکن ہوئے۔ یہ مرتبہ ان کے ساتھ کچھ ایسی خصوصیات

اختیار کر گیا کہ قیامت تک وہی اکیلے والی قرار پائے۔ ان کی وفات کے بعد جو لوگ بھی اس مرتبے تک پہنچے وہ ان کے نائب رہے' یعنی اصل مرتبہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کے پاس ہی رہا۔ اس طرف انہوں نے اپنی کئی نثری اور منظوم تحریروں میں علی الاعلان کہا ہے کہ قیامت تک یہ بلند مرتبہ اور عہدہ انہیں کے پاس رہے گا وہ فرماتے ہیں۔

افلت شموس الاولین و شمسنا
ابدا″ اعلی الفلک العلی لا تغرب

(ترجمہ پہلوں کے سورج غروب ہو گئے لیکن ہمارا سورج ماند نہیں ہوا)

حضرت مجدد الف ثانی مزید فرماتے ہیں کہ وہ خود شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے نائب ہیں اور ان کے فیضان سے بے نیاز نہیں ہیں۔

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے اپنے اس عظیم مرتبے کی خبر دیتے ہوئے اپنی زندگی میں ہی بر سر منبر ارشاد فرمایا تھا "قدمی ھذہ علی رقبۃ کل ولی اللہ) مشہور روایت ہے کہ ان کی زندگی میں ہی مختلف علاقوں کے اولیا نے ان کا یہ دعویٰ تسلیم کر لیا اور ان کی سرداری اور عظمت کے سامنے گردنیں خم کر دی تھیں۔ مثلاً آپ کے استاد شیخ حماد بن مسلم الدباس' ابو یعقوب یوسف بن ایوب الصمدانی' شیخ ابو النجیب عبدالقاہر سہروردی' شیخ احمد رفاعی' شیخ عدی بن مسافر' شیخ علی بن ہیتی اور لاتعداد دیگر اولیائے کرام کا آپ کے اس مذکورہ بالا دعوے کے سامنے سر جھکانے کا حوالہ آپ کے بارے لکھی گئی سوانح عمریوں میں ملتا ہے۔

سید محمد ذوقی نے "سردلبراں" میں اولیائے کرام کے مختلف تکوینی مدارج کے بارے میں نہایت جامع معلومات دی ہیں۔ وہ لکھتے ہیں' رجال کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ اولیائے ظاہرین کے سپرد خدمت ہدایت خلق ہوتی ہے۔ یہ ظاہر ہوتے ہیں کیونکہ خدمت ہدایت خلق ان کو اظہار پر مجبور کرتی ہے۔

۲۔ اولیائے مستورین کے سپرد انصرام امور تکوینی ہوتا ہے۔ یہ غیروں کی نگاہ سے اوجھل رہتے ہیں۔ یہ صاحب خدمت ہوتے ہیں۔

رجال اللہ ظاہرین ہوں یا مستورین' وہ بارہ قسموں میں پائے جاتے ہیں۔

۱۔ اقطاب

ہر زمانے میں ساری دنیا میں سب سے بڑا قطب ایک ہوتا ہے جس کو قطب عالم یا قطب کبریٰ' قطب ارشاد یا قطب مدار یا قطب الاقطاب یا قطب جہاں کے نام سے پکارا جاتا ہے۔

۲۔ غوث

بعض بزرگوں کے نزدیک قطب اور غوث ایک ہی چیز ہیں مگر بقول حضرت محی الدین ابن عربی قطب الاقطاب اور غوث جدا نہیں۔ بعض کے نزدیک قطبیت اور غوثیت دو جداگانہ منصب ہیں۔ جو ایک ہی شخص میں مجتمع ہو سکتے ہیں۔ قطبیت کے اعتبار سے اس کو قطب الاقطاب اور غوثیت کے اعتبار سے غوث کہتے ہیں۔

۳۔ امامان

قطب الاقطاب کے دو وزیر ہوتے ہیں' جن کو امامان کہتے ہیں۔ داہنے ہاتھ والا عبدالمالک اور بائیں ہاتھ والا عبدالرب ہوتا ہے۔

۴۔ اوتار

یہ چار ہوتے ہیں۔ چاروں سمتوں میں ایک ایک ہوتا ہے۔ پہلا مغرب والا عبدالودود' دوسرا مشرق والا عبدالرحمان' تیسرا جنوب والا عبدالرحیم اور چوتھا شمال والا عبدالقدوس۔ قیام عالم کے معاملے میں ان سے میخوں کا کام لیا جاتا ہے۔ جیسے قرآن پاک میں پہاڑوں کا ایک مقصد یہ بتایا گیا ہے:

"کیا ہم نے زمین کو بچھونا اور پہاڑوں کو میخیں نہیں بنایا؟"

۵۔ ابدال

ان کو بدلا بھی کہتے ہیں۔ یہ سات ہوتے ہیں اور سات اقالیم میں متعین ہوتے ہیں۔ ان کا مشرب سات انبیائے کرام کا مشرب ہوتا ہے۔ ان کا کام معنوی مدد اور عاجزوں کی فریاد رسی ہے۔ اس کے علاوہ ۳۵۰ ابدال اور بھی ہوتے ہیں۔

۶۔ اخیار

متذکرہ بالا ابدال میں سے سات ہمیشہ سفر میں رہتے ہیں۔ ان کو اخیار کہتے ہیں۔

۷۔ ابرار

ان میں سے ہی پالیس ابدال ابرار کہلواتے ہیں۔

۸۔ **نقباء** یہ تین سو ہیں۔ ان سب کا نام علی ہے۔

۹۔ **نجباء** ستر کی تعداد میں ہوتے ہیں۔ ان کا نام حسن ہے اور مصر میں رہتے ہیں۔

۱۰۔ **عمد** چار ہیں۔ ان کا نام محمد ہوتا ہے۔ زوایائے ارض میں رہتے ہیں۔

۱۱۔ **مکتومان** یہ لوگ چار ہزار ہیں۔ ایک دوسرے کو پہچانتے ہیں مگر اپنے آپ کو نہیں۔ لباس میں ہوتے ہیں۔

۱۲۔ مفردان

افراد کو کہتے ہیں۔ جب قطب عالم ترقی کرتا ہے تو فرد ہو جاتا ہے۔ پھر جب افراد مزید ترقی کر کے فردانیت میں کامل ہو جاتے ہیں۔ تو محبوبیت کا درجہ پا لیتے ہیں۔ پھر محبوبیت میں بعض مقبولان بارگاہ الٰہی ایک خاص امتیازی شان سے نوازے جاتے ہیں جیسے حضرت غوث الثقلین سید عبدالقادر جیلانی اور سلطان المشائخ حضرت محبوب الٰہی نظام الدین اولیاءؒ۔

غوثِ پاکؒ ۔ فریادرس

سید شریف احمد شرافت نوشاہی

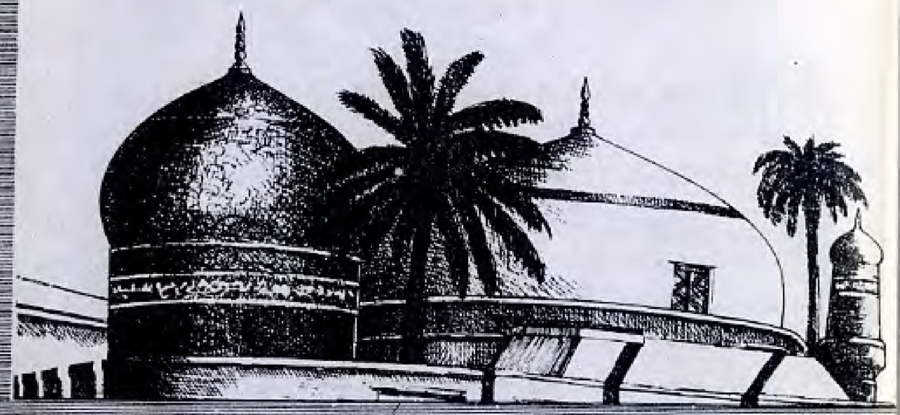

غوث فریادرس کو کہتے ہیں امور تکوینیہ میں ظاہراً" وباطناً" تصرف رکھتا ہو۔ غوث کہتے ہیں قطب عظیم اور مرد عزیز اور سردار کریم کو جس کی طرف لوگ اپنے اضطرار کے وقت محتاج ہوں اور اپنے امور مشکلہ اس سے بیان کر کے دعا کے طالب ہوں اور وہ مستجاب الدعوات بھی ہو' یعنی اگر کسی بات میں قسم کھائے تو اللہ اس کو اس قسم میں سچا کرے' اور قطب جب ہی قطب ہوتا ہے کہ جب اس میں کل اولیا کی صفتیں مجتمع ہوتی ہیں۔

شیخ عبدالرزاق کاشیؒ اپنے اصطلاحات میں لکھتے ہیں کہ غوث وہی قطب ہے جب اس کی طرف التجا کی جائے' اور بغیر اس وقت کے اس کو غوث نہ کہیں گے۔

جامع الاصول میں ہے کہ قطب کا نام غوث بھی رکھا جا سکتا ہے اس وجہ سے کہ وہ عاجز اور غمگین کی التجا پر متوجہ ہوتا ہے اور غوث کہتے ہیں اس ایک شخص جامع کو جو ہر زمانہ میں حق تعالیٰ کا منظور نظر ہو' اور اللہ تعالیٰ نے اس کو طلسم اعظم عنایت کیا ہو' اور اس کا سریان موجودات اور اعیان باطنہ و ظاہرہ میں ایسا ہو جس طرح کہ روح کا بدن میں' اور اس کے اختیار میں فیضان عام ہو جس کا اندازہ اس کے علم کے تابع ہو' اور اس کا علم علم حق کا تابع ہو' اور وہ روح حیات کو موجودات علوی و سفلی میں افاضہ کرتا ہو' اور بر قلب حضرت اسرافیل علیہ

السلام ہو اس حیثیت سے کہ اس میں وہ حصہ ملکیہ ہو جو حامل ہو مادہ حیات و احساس کا نہ بحیثیت اس کے انسانیت کے' اور حکم حضرت جبرائیل علیہ السلام کا اس کے نشاۃ انسانی میں مثل نفس ناطقہ کے ہو' اور حکم حضرت میکائیل علیہ السلام کا اس کے نشاۃ انسانی میں مثل حکم قوت جاذبہ کے ہو' اور حکم حضرت عزرائیل علیہ السلام کا اس میں مثل قوت دافعہ کے ہو تو قطبیت کبریٰ وہی مرتبہ قطب الاقطاب کا ہے جو باطن نبوت محمدیہ صلے اللہ علیہ وسلم ہے تو قطبیت سوائے ورثہ محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اور کسی کو نہ ہوگی' کیونکہ قطبیت عبارت ہے اکملیت سے اور خاتم الولایت اور قطب الاقطاب وہی شخص ہو گا جو باطن خاتم نبوت پر ہو' اور یہی کلام حضرت شیخ اکبرؒ کا ہے۔ جس کو صاحب فواتح نے نقل کیا ہے' اور قیصری کے بیان سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہی ایک شخص ہے جس کو غوث اور قطب دونوں کہتے ہیں' اور نفحات میں بھی ہے کہ ایک ہی شخص کو غوث اور قطب دونوں کہتے ہیں۔

سیر المدار میں ہے کہ قطب وہی ایک شخص ہے جس کو غوث بھی کہتے ہیں' اور حضرت غوث الاعظمؒ بحکم الٰہی بالاصالت فریاد رس ہیں' اور تمام غوث اور قطب آپ کے خلیفہ ہیں کہ ان کی تبعیت و خلافت سے فریاد رسی کرتے ہیں' یہ مرتبہ کسی کو بجز نیابت نسبت نبوت کے حاصل نہیں ہوتا' کیونکہ تمام انبیاء و اولیاء نائب نبویؐ ہیں۔

لطائف اشرافی میں ہے کہ غوث کا جسم ہر چیز سے زائد لطیف ہوتا ہے' اور اسی کتاب میں یہ بھی ہے کہ مجاورت کعبہ شریفہ کی غوث کے واسطے لازمی نہیں' اور اولیائے کاملین کو خدا نے ایسی قوت دی ہے کہ وہ چند مختلف جگہوں میں ایک وقت میں ظہور کرتے ہیں' اور پلک مارنے میں اپنے آپ کو چند جگہ دکھلاتے ہیں' اور غوث لوگوں کی نظر میں کبھی ظاہر اور کبھی چھپا رہتا ہے' اور جائز ہے کہ غوث کی دعا سے دوسرے کو منصب غوثیت مل جائے۔

اقتباس الانوار میں ہے کہ غوث ایک ہی ہوتا ہے اس کا نام عبداللہ ہے' جب اس کا انتقال ہوتا ہے تو ایک شخص عمدا میں سے اس کی جگہ پر مقرر ہوتا ہے' اور جب کوئی عمدا میں سے فوت ہوتا ہے تو اس کی جگہ پر اخیار میں سے کوئی قائم ہوتا ہے' اور اخیار میں سے جب کوئی فوت ہوتا ہے تو نجبا میں سے اس کی جگہ پر ہوتا ہے' اور جب نجبا میں سے کوئی مرتا ہے تو نقبا میں سے کوئی اس کی جگہ پر ہوتا ہے' اور جب نقبا میں سے کوئی مرتا ہے تو خلق سے کوئی اس کی جگہ پر کیا جاتا ہے' اور غوث ترقی کر کے فرد' اور فرد ترقی کر کے قطب وحدت ہو جاتا ہے۔

زبسم اللہ کنم آغازِ مدحِ شاہِ جیلانیؒ   کہ بر قدش درست آمد لباسِ عظم الشانی

ترجمہ۔ میں اللہ کے نام کے ساتھ حضرت محبوبِ سُبحانیؒ کی مدح کا آغاز کرتا ہوں کہ رفعت و عظمت کا لباس آپ کے قدِ موزوں پر راس آیا ہے۔

توئی شاہِ ہمہ شاہاں، ہمہ شاہاں گدائے تو   گدایانِ جہاں از دستِ تو یابند سُلطانی

ترجمہ۔ آپ تاجداروں کے تاجدار ہیں، شاہانِ وقت آپ کے گدا ہیں، بلکہ سلاطینِ عالم کو سُلطانی آپ کے ہاتھوں میسّر آتی ہے۔

(حضرت خواجہ قطب الدین بختیار اوشی کاکیؒ)

دورِ جدید میں قادری سلسلے کی اذان

عبدالرشید ارشد

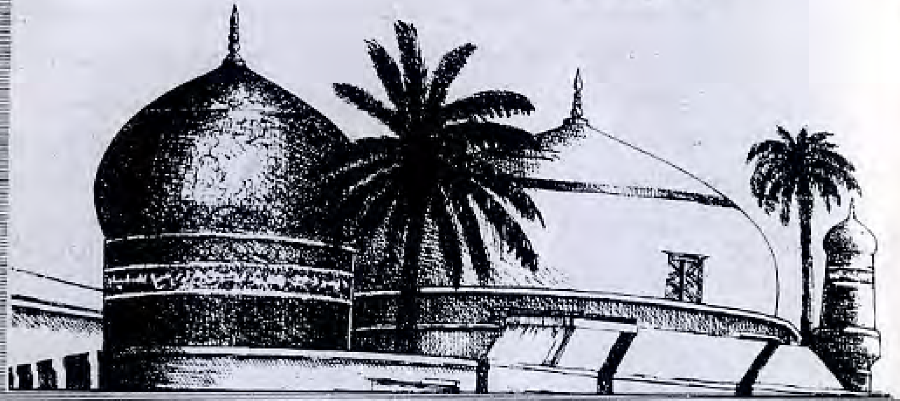

سب سے پہلے انسان حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کے ساتھ ہی خیر و شر کی جنگ شروع ہو گئی جس کی بناء پر حضرت آدم علیہ السلام کو مع اپنی زوجہ محترمہ حوا کے دنیا میں آنا پڑا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو دنیا میں اتارتے ہوئے ان کے ذریعہ ان کی پوری ذریت کو یہ پیام دیا کہ ہم تم میں اپنے رسول بھیجتے رہیں گے جنھوں نے ان کی اتباع کی وہ دوبارہ اپنے جد امجد کے پہلے مستقر (جنت) کو پالیں گے۔ یہ سلسلہ چلتا رہا اولاد آدم زمین پر پھیلتی رہی۔ انسان اپنی جسمانی ضروریات کو تو پورا کرنے کے لیے خود ہی کوشش کرتا رہا لیکن اس کی روحانی رہنمائی کے لیے اللہ تعالیٰ انہی میں سے انبیاء اور رسول مبعوث فرماتا رہا تا آنکہ پوری دنیا کے آپس میں روابط پیدا ہونے شروع ہو گئے۔ تب اللہ تعالیٰ کے مشیت نے صالح کہ اب ایسا رسول اعظم و آخر بھیجا جائے کہ جس کی تعلیمات قیامت تک تمام انسانی دنیا کے لیے مشعل راہ ہوں۔ چنانچہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول اعظم و آخر بنا کر مبعوث فرمایا گیا اور آپ پر ایسی کتاب "قرآن مجید" نازل فرمائی جس میں کوئی تحریف نہ ہو سکے اور خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کی تفصیلات کو اس طرح باقی رکھا گیا کہ انسانوں کو پتہ چلتا رہے کہ قرآن مجید پر آپ نے کس طرح عمل کیا اور کس انداز میں اپنے ماننے والوں تک پہنچایا۔ آپؐ کی زندگی ہی میں عرب کے متبعین جنہیں صحابہ کرامؓ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے' یہ کم و بیش ایک لاکھ چوبیس ہزار کی تعداد تک پہنچ گئے۔ ان میں سے ہر ایک صحابیؓ راہ ہدایت کا ستارہ تھا۔ جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں اتنے صحابہؓ آپ کے گرد جمع کر دیے گئے وہیں اللہ تعالیٰ نے آپ کو خطہ عرب جسے جزیرۃ العرب کہا جاتا ہے پر مکمل سیاسی غلبہ بھی عنایت

فرمایا۔ آپ دنیا میں صحیح معنی میں دینی و دنیاوی طور پر اللہ تعالیٰ کے نائب و حکمران ہوئے۔ آپؐ کے دنیا سے تشریف لیجانے کے بعد ضروری تھا کہ جن کی آپؐ نے تربیت فرمائی تھی وہ آپؐ کے مشن کو آگے بڑھائیں اور صحیح طور پر آپؐ کے نائب ثابت ہوں۔ چنانچہ خلفائے راشدین خصوصاً" حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے نبیؐ کے احکامات کو عملی طور پر آگے بڑھایا۔ لیکن ضرورت زمانہ کے مطابق کچھ نئے کام کئے مثلاً" حضرت ابوبکر صدیقؓ نے صحابہؓ کے مشورے سے قرآن کو اس انداز میں یکجا کیا کہ جیسے حضور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اسے تلاوت فرماتے تھے اور نزول کے بعد فرماتے تھے کہ اس آیت کو فلاں آیت کے بعد رکھو۔ حضرت عثمان غنیؓ کے عہد میں اسمیں مزید ایک کام کیا گیا کہ قرآن پاک کی سات مختلف قراتوں کو ختم کرکے ایک ہی قرات پر جمع کرکے پوری سلطنت میں یہ نسخے پہنچا دیے گئے اور آج اسی ترتیب اور قراءۃ کے ساتھ قرآن مجید پوری دنیا میں شائع ہو رہا ہے۔ حضرت علیؓ نے مزید کام کیا کہ قرآن مجید کی زبان عربی کے قواعد مرتب فرمانے کا حکم دیا اور علم نحو وجود میں آیا۔ اب تک قرآن پاک بغیر اعراب زیر زبر اور پیش کے تھے۔ حضرت امیر معاویہؓ کے زمانہ میں اسلامی سلطنت نے مزید وسعت اختیار کی اور عجم کا بہت وسیع علاقہ زیر ہوا تو اگرچہ ہزاروں حفاظ موجود تھے لیکن اندیشہ تھا کہ کوئی طاقت کسی سازش سے قراءۃ میں تبدیلی نہ کردے اور عجمی لوگوں کو قرآن مجید پڑھنے میں آسانی ہو لہٰذا حجاج بن یوسف نے قران پاک پر اعراب لگوائے۔

قارئین خیال کرتے ہوں گے کہ شیخ عبدالقادر جیلانی نمبر میں پیرایہ آغاز ایسا کیوں اختیار کیا تو ہماری اس سے یہ غرض ہے کہ پتہ چلے کہ زمانے کے ساتھ ساتھ اجتہادات چلتے رہتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں قرآن مجید لکھنے اور جمع کرنیکا حکم تھا کہ اس میں کسی اور کلام مثلاً" احادیث نبویؐ کا اختلاط نہ ہو جائے۔ جب یہ خدشہ مطلق سو فیصد ختم ہوگیا تو احادیث کے مجموعے مرتب ہونے لگے اور جب نئے نئے مسائل پیدا ہونے لگے تو ان کے متعلق فیصلہ کرنے کیلئے علم فقہ وجود میں آیا۔ گو ان چیزوں کا آغاز خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ہوگیا تھا لیکن باقاعدہ مرتب طور پر یہ کام صحابہؓ کو دیکھنے اور سننے والے تابعین اور تبع تابعین کے ذریعہ اسلام کو سمجھنے والے تبع تابعین کے زمانے میں شروع ہوا۔ کئی فقہیں مرتب ہوئیں اور کتب احادث لکھی گئیں --- مثلاً" نعمان بن ثابت جنہیں امام اعظم اور امام ابو حنیفہ کہا جاتا ہے انہوں نے پیش آمدہ نئے مسائل یا ایک مسئلہ پر مختلف احادیث کے آنے پر چالیس کے لگ بھگ شاگردوں کو بٹھا کر یہ کام کیا۔ ایک ایک مسئلہ پر گھنٹوں بحث ہوتی اور پھر ایک فیصلہ ہو جاتا اور اس متفقہ مسئلہ کو لکھ لیا جاتا۔ یہ سب کچھ کتاب و سنت کے پورے ذخیرہ کو سامنے رکھ کر ہوتا --- اگر کوئی مسئلہ ایسا پیش آتا کہ جس کا حکم نہ کتاب میں ہوتا نہ حدیث و سنت میں تو پھر کسی آیت یا حدیث سے اس کا استنباط کیا جاتا اور کبھی ایسا ہوتا نہ کہ حدیث یا سنت پر قیاس کیا جاتا۔ اور یہ تمام فیصلے امام محمد بن حسن شیبانی لکھ لیتے اور یہ جن کتابوں میں لکھے گئے انکا نام جامع الصغیر، مبسوط، جامع کبیر زیادات، کتاب الحج، سیر صغیر و کبیر ہے اس فقہ کا نام امام ابو حنیفہ کی کنیت سے فقہ حنفی پڑا۔ یاد رہے امام بخاری محمد بن اسماعیلؒ کے استاد حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے بھی ایک فقہ مرتب کی جس کو فقہ حنبلی کہا جاتا ہے۔ جس کے مطابق سعودی حکومت فیصلے کرتی ہے۔ امام احمد بن حنبلؒ کے استاد امام محمد بن حسن شیبانی تھے۔ امام احمد بن حنبلؒ نے بھی احادیث کا ایک ذخیرہ جمع کیا جو مسند امام احمد بن حنبل کے نام سے مشہور ہے۔ اسی زمانے میں فقہ مالکی امام مالک بن انس نے اور فقہ شافعی امام محمد بن ادریس شافعی نے مرتب کی۔ اس کے علاوہ

بھی اور بہت سی فقہیں مرتب ہوئیں لیکن انہیں قبول عام حاصل نہ ہوا اور چار فقہیں پورے عالم اسلام میں پھیلیں اور اب تک موجود ہیں اور مختلف ملکوں میں ان کے مطابق فیصلے کئے جاتے رہے یا کئے جاتے ہیں۔ حکمران فیصلے نہ بھی کریں عوام اس پر عمل کرتے ہیں۔ جیسے پاکستان میں کوئی سی فقہ تو کیا کسی طرح کی شریعت نافذ نہیں ہے لیکن نوے فیصد عام مسلمان فقہ حنفی کے پیرو ہیں۔

اسلامی سلطنت کی جب حدود وسیع ہوئیں اور مسلمان حکمرانوں کے پاس بے تحاشہ مال و زر آنے لگا تو اس سے مسلمانوں کی عملی زندگی میں بے شمار خرابیاں پیدا ہوئیں۔ مدین (ایران) کی فتح پر کسرائی بادشاہوں کے جمع شدہ خزانے جب حضرت عمرؓ کے زمانے میں مدینہ منورہ میں آئے تو آپ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی اس عظیم فتح پر خوش بھی تھے لیکن بے تحاشہ مال و زر آنے پر پریشان بھی تھے کہ یہ مال مسلمانوں میں زبوں حالی پیدا کریگا لیکن حضرت عمرؓ خصوصاً" اور تمام صحابہؓ حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تربیت یافتہ تھے لہٰذا ان پر برے اثرات مرتب نہ ہوئے بلکہ حضرت عمرؓ تو اور زیادہ خاشع و متواضع ہوگئے اور خدا کے خوف سے تھر تھر کانپتے رہتے تھے۔ لیکن آپ کا خدشہ یا اندیشہ صحیح ثابت ہوا اور آہستہ آہستہ عملی زبوں حالی مسلمان میں سرایت کرتی گئی۔ دنیا غالب آتی گئی اور دین مغلوب ہوتا گیا چنانچہ تمام تر دعووں کے باوجود آج مسلمانوں کی دنیا سے محبت کا جو عالم ہے وہ کسی سے مخفی نہیں --- اسی چیز نے اسلام میں صوفیاء کا طبقہ پیدا کیا جو رہتا تو اسی دنیا میں تھا لیکن اس پر خوف خدا اور خوف آخرت غالب تھا۔ تابعین اور تبع تابعین میں بے شمار ایسے لوگ تھے کہ جن میں سے بعض اگرچہ خوشحال اور تاجر وغیرہ تھے لیکن خدا کا خوف اسقدر غالب تھا کہ وہ آج ضرب المثل بن گیا ہے۔ ائمہ فقہاء اور ائمہ محدثین کہ جنہوں نے فقہ و حدیث کو مرتب کیا صحیح معنوں میں مرد خدا اور مومن تھے۔ اس کے علاوہ سینکڑوں نہیں ہزاروں لوگ ایسے تھے کہ جنکی زندگیاں کتاب و سنت کے عین مطابق تھیں۔ حضرت جعفر صادق، حضرت زید، حضرت حسن بصری، حضرت جنید بغدادی، حضرت معروف کرخی، حضرت داود طائی، حضرت بایزید بسطامی، حضرت ابوبکر شبلی، حضرت ابن عطاء، حضرت سری سقطی، حضرت سہل تستری، حضرت ابراہیم بن ادھم، حضرت عباس دینوری، خواجہ مودود چشتی رحم اللہ اجمعین دین قیم کے ایسے تابندہ ستارے ہیں کہ ان میں ہر ایک کی زندگی دیکھ کر محسوس ہوتا ہے کہ جیسا ان لوگوں نے براہ راست نور نبوت سے اکتساب کیا ہو جبکہ ایسا نہیں ہے۔ اس پورے نمبر میں اس پر مفصل بحث ہوگی۔

بیعت کا ثبوت تو قرآن پاک سے صراحۃ ثابت ہوتا ہے لیکن کئی لوگ تصوف اور صوفی کے لفظ سے بدکتے ہیں۔ ذکر و فکر کا قرآن پاک میں مختلف جگہ مذکور ہے۔ کلمہ طیبہ، کلمہ شہادت، کلمہ تمجید اور کلمہ توحید اور استغفاوہ کا ثبوت کتاب سے اور سنت سے ثابت ہے۔ درود شریف پڑھنے کے فضائل اسقدر احادیث میں آئے ہیں کہ اس پر مستقل کتب لکھی گئی ہیں۔ انہیں چیزوں کی یادداشت، تکرار، توبہ اور مراجعت الی اللہ کا نام اصطلاحاً" تصوف رکھ دیا گیا۔ قرآن میں آتا ہے۔

"اے ایماندارو اللہ سے ڈرو اور ہر جی کو چاہیے کہ وہ دیکھے کہ اس نے آنیوالی کل کے لیے کیا کیا ہے اور اللہ سے ڈرو۔" (الحشر)

اب اگر اس آیت کو سامنے رکھ کر کوئی یہ کہے کہ ہر مسلمان کو اس بات پر توجہ دینا چاہیے کہ اس نے کل قیامت کیلئے کیا تیار کیا اور ساتھ یہ کہے کہ دن کے کسی خاص حصے میں یا رات کو سوتے وقت اس بات کا دھیان کیا

جائے اور سونے سے قبل چند منٹ قبل سوچا جائے کہ میں نے کیا نیک کام کیا' کس کے کام آیا اور کیا بدی کی اور توبہ کرے تو یہ عین کتاب و سنت ہے اور اگر اسکا اصطلاحی نام مراقبہ رکھ دیا تو یہ تو عین مطلوب ہے کہ ایک قرآنی عمل کیلئے ایک لفظ تجویز کر دیا۔

ہم نے مثال کے طور پر ایک چیز قارئین کے سامنے پیش کی ہے۔ اسی کو تصوف کہتے ہیں اور اس کے اوپر مکمل عمل کرنے والوں کو صوفیاء۔ جس طرح حالات کے تقاضوں نے قرآن پاک کو ایک جلد میں کرنے اور پھر اسکو ایک قراءۃ پر مرتب کرنے اور اس کو صحیح سمجھنے اور پڑھنے کے لیے حضرت علیؓ کے حکم سے علم نحو وجود میں آیا اور قرآن پاک پر اعراب لگائے گئے۔ فقہیں مرتب ہوئیں 'کتب واحادیث مرتب و مدون ہوئیں۔ اسی طرح بگڑتے ہوئے معاشرے کو دیکھتے ہوئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چار فرائض 'تلاوت کتاب' تعلیم کتاب' تعلیم حکمت اور تزکیہ کو سامنے رکھ کر علمائے متقدمین نے چاروں پر عمل کرنے کے لئے کچھ اعمال ترتیب دیے۔ یہ کام پہلی صدی ہجری میں شروع ہو گیا تھا لیکن چار پانچ صدیوں کے بعد اس سے بھی مختلف مسلک و مشرب بن گئے جنکو قادری' نقشبندی' چشتی اور سہروردی سلاسل کہا گیا۔ ان سب کا مرکزی نقطہ مرتبہ احسان ہے۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے انسانی شکل میں آکر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مختلف سوال کئے ان میں سے ایک سوال یہ ہے کہ:

(جبریل نے کہا) اے محمدؐ! مجھے احسان سے باخبر کیجے آپؐ نے فرمایا احسان یہ ہے کہ تو اپنے رب کی ایسے عبادت کرے کہ گویا تو اسکو دیکھ رہا ہے اگر یہ ممکن نہ ہو تو یہ تو (ضرور) ہو کہ بے شک وہ (اللہ) تجھے دیکھ رہا ہے۔

یہ سلاسل اربعہ اسی احسان کی تعلیم دیتے اور اس کی مشق کراتے ہیں اور ایک حاذق حکیم کی طرح اپنے مریض (مرید) پر توجہ رکھتے ہیں اور صحیح مرید اپنے شیخ اور مرشد کے احکام کی تعمیل کرتا ہے۔ ہمارے زمانے میں مولانا مودودی نے تصوف پر خاصی نکتہ چینی کی لیکن ان کی موجودگی میں ہم نے مرشد مودودی کے نعرے لگتے دیکھے۔

ان طویل تمہیدی گزارشات کے بعد مجھے پاکستان میں سلسلہ قادریہ کے ایک اہم مرکز کا تعارف کرانا ہے---

سلسلۂ قادریہ کا گلِ سرسبد
عبیداللہ سندھی

حضرت شیخ سید عبدالقادر جیلانیؒ سے مختلف واسطوں سے مختلف شیوخ برصغیر ہندوستان میں تشریف لائے اور مختلف جگہوں پر بیٹھ کر ارشاد و تلقین کی مجالس گرم کیں۔ ایک شاخ آٹھ مشائخ کے واسطوں سے اچ شریف ضلع بہاول پور میں آئی۔ اچ شریف میں آنیوالے اس بزرگ کا نام حضرت سید محمد غوث گیلانی الحسینی حلبیؒ تھا۔ اس کے نیچے تیرھویں شیخ حضرت حافظ محمد صدیق بھرچونڈی والے ہیں۔ حضرت حافظ محمد صدیق کا ایک واسطہ سے تعلق پیر گوٹھ پگاڑا کے حضرت سید محمد راشدؒ سے ہے۔ اس نسبت سے یہ شاخ قادریہ راشدیہ کہلاتی ہے۔

حضرت حافظ محمد صدیق بھرچونڈی والوں سے امام انقلاب مولانا عبید اللہ سندھی بیعت ہوئے۔ مولانا عبیداللہ سندھی ۱۲ محرم ۱۲۸۹ مطابق ۱۰ مارچ ۱۸۷۲ء کی شام ضلع سیالکوٹ کے ایک گاؤں چیانوالی (اب یہ گاؤں جدید حد بندی کی بناء پر ضلع گوجرانوالہ میں ہے) کے ایک سکھ گھرانے میں پیدا ہوئے۔ مولانا کا والد چار ماہ قبل فوت ہو گیا اور دادا دو سال بعد۔ لہٰذا مولانا نے اپنے ننھیال جام پور میں پرورش پائی۔ وہیں امتیازی حیثیت سے

نذل کیا۔ انہی دنوں آپ کو ایک کتاب تحفۃ الہند مل گئی جس کے مطالعہ سے اسلام سے متعارف ہوئے اور کفرو شرک کی گندگی کا علم ہوا۔ اس کے تھوڑے دنوں بعد "تقویۃ الایمان" مل گئی اور چند دن بعد مولوی محمد لکھوی کی "احوال الآخرت" کا مطالعہ کیا۔

اس طرح مولانا کا سینہ نور اسلام سے منور ہوتا ہے اور آپ ۹ ذی الحجہ ۱۳۰۴ھ کو اپنے اسلام کا اعلان کر دیتے ہیں۔ پہلی کتاب تحفۃ الہند کے مصنف کا نام عبید اللہ تھا لہٰذا آپ اپنا نام اسی محسن کی یاد میں عبید اللہ رکھ لیتے ہیں۔ قدرت نے آپ کو بھرچونڈی ضلع سکھر پہنچا دیا جہاں قادری سلسلہ کے ایک عظیم بزرگ حضرت حافظ محمد صدیق دلوں کو جلا دینے کا کام کرتے تھے۔ انہوں نے پہلی نظر میں گوہر بے بہا کو پہچان لیا اور خصوصی توجہ سے آپ کی تربیت شروع کر دی۔ ۱۳۰۵ھ میں حافظ صاحب کے بیعت ہوئے تھے۔ حضرت حافظ صاحب نے ایک دفعہ فرمایا کہ "عبید اللہ نے اللہ کے لیے ہمیں اپنا ماں باپ بنایا ہے" —— اور چار ماہ کی مدت میں اتنی توجہ سے تربیت کی کہ باید و شاید اور پھر مولانا کو کہا کہ آپ کو دینی علم حاصل کرنا چاہیے اور رخصت کرتے ہوئے فرمایا کہ —— "خدا کرے عبید اللہ کا کسی راسخ العلم عالم سے پالا پڑ جائے" —— چنانچہ مولانا عبید اللہ اپنے شیخ کے حکم سے بہاول پور کی دیہاتی مساجد' دین پور شریف کے مولانا عبدالقادرؒ سے تعلیم حاصل کرتے ہوئے کانپور' رام پور سے مختلف کتابیں پڑھتے ہوئے آخر کار برصغیر بلکہ پرائیویٹ سیکٹر میں دنیا کے سب سے بڑے دینی ادارے دارالعلوم دیوبند میں پہنچ گئے جہاں اپنے وقت کا سب سے بڑا مجاہد اور استاد مولانا محمود حسن آپ ہی کا گویا انتظار کر رہا تھا۔ فطرت نے صاف شفاف آئینہ آفتاب جہانتاب کے سامنے رکھ دیا۔ شیخ الہند مولانا محمود حسن ان دنوں دیوبند کی چٹائیوں پر بیٹھ کر بخاری و ترمذی پڑھانے کے ساتھ ساتھ اپنے مربی و استاد مولانا محمد قاسم نانوتوی جہاد کی یاد تازہ کرتے ہوئے انگریز کو ہندوستان سے نکالنے کی سکیم بھی سوچتے رہتے تھے۔

یہاں اس بات کا اظہار بھی مناسب ہو گا کہ اکابر دارالعلوم دیوبند اگرچہ چاروں روحانی سلسلوں میں بیعت لیتے اور خلافت دیتے تھے لیکن ان پر نسبت چشتیہ صابریہ غالب تھی۔ اب خالص قادری سلسلہ کا ایک طالب علم چشتی صابری اساتذہ سے تعلیم حاصل کر رہا تھا اور یوں مرج البحرین ہو گیا —— مرشدوں کے مرشد اور اکابر دیوبند کے شیخ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی نے خاندان قادری کے ایک گل سرسبد حضرت پیر مہر علی گولڑوی قادری کو ازخود بغیر ان کی طلب کے خلافت دے دی تھی جیسے وہاں قرآن السعدین ہوا ایسے ہی یہاں ہوا۔ مولانا عبید اللہ نے "تحفۃ الہند" کے مصنف کی کتاب پڑھ کر ان کے نام پر اپنا نام عبید اللہ رکھ لیا تھا اب سندھ کے شیخ سے بیعت ہونے کے بعد اپنی نسبت سندھی لکھنے لگے۔ دارالعلوم دیوبند سے تعلیم مکمل کر کے باقاعدہ سند لیتے ہیں یہ ۱۳۰۸ھ ہے اور اسی سن میں آپ کے شیخ حضرت حافظ محمد صدیق کا بھرچونڈی میں انتقال ہو جاتا ہے۔ مولانا بھرچونڈی پہنچتے ہیں تو اپنے شیخ حضرت مولانا تاج محمود امروٹی کے خلیفہ امروٹ شریف حاضر ہوتے ہیں۔ جو واقعہ اپنے شیخ کے جانشین اور بہت بڑے عالم تھے۔ حضرت حافظ صاحب کے دوسرے بڑے خلیفہ حضرت شیخ غلام محمد دین پوری تھے جو اپنے وقت کے کامل شیخ تھے جنہوں نے اپنے اصلی وطن ضلع جھنگ کو دنیاوی آلائشوں کی وجہ سے خیر آباد کہہ کر دین پور کے جنگل میں جھاڑیاں کاٹ کر کچا مکان بنا کر رہنا شروع کر دیا اور تھوڑے ہی عرصے میں شیخ کامل کی توجہ و تربیت سے کہاں سے کہاں پہنچ گئے۔ یہاں یہ بات ملحوظ خاطر رہے کہ یہ گدیاں اور خانقاہیں آج کل کی گدیوں اور خانقاہوں کی طرح نہ تھیں۔ درویش کیکر کی چھال سے اپنے کپڑے رنگتے تھے اور

"ڈیلے" (ایک جنگلی درخت کا پھل) ابال کر نمک ڈال کر اس سے روٹی کھاتے تھے اور عقیدہ توحید میں اتنے پختہ تھے کہ شرک یا بدعت کی ہوا بھی پاس پھٹکنے نہیں دیتے تھے۔ اگر ایسا ہوتا تو ایک نومسلم عبقری نوجوان ان کے پاس کیسے رہ پاتا اور جو دین و سیاسی مسلک آپ کے شیوخ کا تھا وہی آپ کے اساتذہ کا تھا یہ عجیب حسن اتفاق تھا۔

مولانا سندھی تقریباً سات سال امروٹ اور دین پور شریف رہے اور دونوں جگہ سے تربیت حاصل کرتے رہے کہ دارالعلوم دیوبند سے مربی و استاد شیخ الہند مولانا محمود حسن کا حکم پہنچا کہ یہاں آؤ۔ چنانچہ آپ دارالعلوم دیوبند آئے اور شیخ الہند کے حکم سے "جمعیتہ الانصار" کا قیام عمل میں لایا گیا۔ ہم طوالت سے بچتے ہوئے اب قارئین سے عرض کریں گے کہ مشہور تحریک "ریشمی رومال" کہ جس کا مقصد ہندوستان کو انگریزوں سے نجات دلانا تھا وہ شیخ الہند مولانا محمود حسن نے تیار کی۔ جس کا عام شہرہ ہے اور اب جس کی رپورٹوں کی نقل انڈیا آفس لائبریری لندن سے لا کر اردو میں لاہور، کراچی اور انڈیا میں تحریک شیخ الہند کے نام سے شائع ہو چکی ہے تو وہ سب کچھ سوچ اور فکر شیخ الہند کی تھی۔ مولانا سندھی آپ کے نائب تھے دہلی، کراچی، دیوبند، امروٹ شریف، دین پور، چکوال، لاہور اور ہندوستان کے بعض دوسرے شہروں میں اس کی شاخیں قائم کی گئی تھیں۔

شیخ الہند نے برسوں محنت کر کے قبائلی علاقے میں اپنے شاگرد اس کام کے لیے مقرر کر دیے تھے اور مولانا عبید اللہ سندھی کو کابل جانے کا حکم دیا تھا۔ جاپان، جرمن، افغانستان، روس اور ترکی نے اس سکیم کا ساتھ دینا تھا۔ یہ ساری سکیم مخبری کی وجہ سے فیل ہو گئی۔ رولٹ کمیٹی کی رپورٹ آج بھی کہیں سے لے کر پڑھی جا سکتی ہے۔ یہ تفصیل ہمارا موضوع نہیں ہمارا مقصد اس طرف اشارہ کرنے سے یہ ہے کہ جو لوگ قدیم علما اور تصوف کو برا بھلا کہتے ہیں ان کو بتایا جائے کہ یہ سب کچھ گدیوں خانقاہوں اور علما کا مشترکہ کام تھا اور دونوں تینوں گدیاں قادریہ راشدیہ تھیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ اگر خانقاہیں صحیح کام کریں، تو وہ شیخ الہند مولانا محمود حسن اور مولانا عبید اللہ سندھی جیسے شخص پیدا کر سکتی ہیں۔ شیخ الہند خانقاہ امدادیہ چشتیہ صابریہ سے بیعت تھے اور مولانا عبید اللہ سندھی راشدیہ قادریہ بھرچونڈی، امروٹ اور دین پور سے تربیت یافتہ تھے۔ ریشمی تحریک جب راز نہ رہی اور بھید کھل گیا تو مولانا عبید اللہ سندھی نے ۲۵ سال جلاوطنی کے کابل، ترکی، روس اور سعودی عرب میں گزارے اور جب ۱۹۳۹ء کو واپس اپنے ملک آئے تو ایک بیان میں کہا:

"میں نے اپنی طویل پچیس سالہ جلاوطنی میں ایک دنیا کی خاک چھان ڈالی تھی مگر مجھے اپنے مرشد (سید العارفین حافظ محمد صدیقؒ) سا کوئی مرشد اور اپنے استاد (شیخ الہندؒ) سا کوئی استاد نہ ملا۔" یہ لوگ کیا تھے؟ اس کے متعلق مولانا سندھی ہی کی زبان سے دو شعر سن لیں۔ جب شیخ الہند کی وفات ہوئی تو کابل میں ایک تعزیتی جلسہ بابر باغ میں ہوا۔ اس میں مولانا سندھیؒ نے کہا کہ جب میں وطن عزیز سے کوچ کر رہا تھا تو شیخ الہندؒ نے مجھے فرمایا تھا کہ اگر کوئی تمہیں تکلیف پہنچے تو یہ اشعار پڑھیں ان سے تمہیں مایوسی سے نجات اور نیا حوصلہ ملے گا۔

غافل مشو کہ مرکب مردان رو
در سنگلاخ بادیہ پیہا بریدہ اند
نومید ہم مباش کہ رندان بادہ نوش
ناگہ بہ یک خروش بہ منزل رسیدہ اند

اور جب دین پور اجازت لینے کے لیے پہنچا تو رمضان المبارک کا مہینہ تھا۔ حضرت نے فرمایا ابھی نہیں چنانچہ پورا مہینہ حضرت دین پوری کے پاس گزارا آخر ایک دن حضرت نے اپنے پاس بلایا اور ایک چھوٹا سا کاغذ اٹھا کر دے دیا جس پر یہ شعر لکھا تھا۔

جاں بجاناں دہ و گرنہ از تو بستاند اجل
خود تو منصف باش اے دل ایں نکو یا آن نکو

یہ تھا ایک قادریہ راشدیہ خانقاہ کا شیخ اور مرید ایسا تھا کہ جب جلاوطنی سے واپس آیا تو پندرہ پندرہ میل پیدل چلتا تھا اور دو پیسے کی روٹی دہلی کے کسی تنور پر بیٹھ کر کھا لیتا تھا۔۔۔ آج کل کے گدی نشین چاہے وہ چشتی ہوں یا قادری، نقش بندی ہوں یا سہروردی جہاز اور پجارو کے بغیر سفر نہیں کرتے اور فائیو سٹار ہوٹل میں رہائش کا مطالبہ کرتے ہیں۔ ٹھیک ہے کہ ان کے آباء نے توکل و محنت، ریاضت و مجاہدہ اور مشقت و استقامت سے ایسا کام کیا کہ آج ان کے اخلاف ان کی کمائی کھا رہے ہیں۔ ہر انہی گدیوں پر بیٹھنے والوں کو دیکھ کر علامہ اقبال مرحوم نے کہا تھا کہ

میراث میں آئی ہے انہیں مسند ارشاد
زاغوں کے تصرف میں عقابوں کے نشیمن

اور

آں عزم بلند آور آں سوز جگر آور
شمشیر پدر خواہی بازوئے پدر آور

ماضی قریب میں شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوریؒ اور حافظ الحدیث مولانا عبداللہ درخواستی بھی انہی دو روحانی سرچشموں سے فیضیاب تھے۔ آخر میں ہم مولانا سندھی کے ایک ہم عصر اور ساتھی مولانا ابو الکلام آزاد کی ایک تحریر قارئین کی نذر کرتے ہیں:

"توفیق الٰہی کی سیکڑوں راہیں ہیں۔ ہدایت و تربیت غیبی کے ہزاروں بھیس ہیں۔ سب سے زیادہ آسان و پرامن راہ یہ ہے کہ رہنمایان طریق میں سے کسی صاحب ارشاد و ہمت کی صحبت حاصل ہو جائے۔"

(تذکرہ ص ۲۹۸)

رُباعی

آں شاہِ سرافراز کہ غوثُ الثقلین است دراصل صحیحُ النسبین از طرفین است
از سُوئے پدر تا بحسنؓ سلسلۂ اُو وز جانبِ مادر دُرِ دریائے حسینؓ است

ترجمہ۔ وہ تاجدارِ سربلند جنہیں غوث الثقلین کہا جاتا ہے، اصل میں طرفین سے صحیح النسب سید ہیں باپ کی طرف سے اُن کا سلسلۂ نسب حضرت حسن رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے، والدہ ماجدہ کی جانب سے وہ حضرتِ شبیرؓ کے بحر کا گوہر ہیں۔

(حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامی)

یا شہِ گیلانیؒ

گر کسے واللہ بہ عالم از مئے عرفانی است　　از طُفیلِ شاہ عبدالقادرِ گیلانی است

ترجمہ۔ خدا کی قسم اگر دنیا میں کوئی شخص عرفانِ ایزدی کی شراب سے مخمور ہے، تو اُسے یہ کیفیت حضرت غوثِ پاکؒ کے طفیل ہی نصیب ہوتی ہے۔

شیخ خرقانی یکے از خرقہ پوشانِ وَیست　　زاں جہت اُورا لقب در مرداں خرقانی است

ترجمہ۔ حضرتِ ابوالحسن خرقانیؒ آپ کے فیض یافتہ مشائخ میں سے ہیں؛ اِسی باعث لوگوں میں اُن کا لقب خرقانی ہے۔ (خرقہ پوش)

سُہروردی نیز مُلتانیست پیشِ درگہش　　گرچہ اُورا صد ہزاراں بندۂ مُلتانی است

ترجمہ۔ حضرت غوث بہاء الحق سُہروردیؒ بھی آپ کی عظمت کے سامنے ایک باشندۂ ملتان کی طرح ہیں، اگرچہ ملتان میں بسنے والے ہزاروں افراد اُن کے غلام ہیں۔

ہست ہردم جلوہ گر از چہرہ اش حُسنِ حَسَنؓ　　زاں جمالش مصطفٰےؐ را راحت و ریحانی است

ترجمہ۔ آپ کے رُوئے انور سے ہر لمحہ حَسنی حُسن جلوہ گر ہے، اِسی باعث آپ کا جمال رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے قلبِ اقدس کے لئے راحت فزا اور مشامِ پاک کے لئے عنبریں ہے۔

مُسلمی را یا شہِ گیلانی از لُطف و کرم　　سُوئے خود آوازہ کُن وا ماندہ از حیرانی است

ترجمہ۔ اے شاہِ جیلاں! اپنے لُطف و کرم سے مُسلمی کو اپنی جانب بُلائیں، کہ وہ حیرت کے ہاتھوں عاجز ہے۔

وَ لَہٗ ایضاً

تشنہ لب گریاں بہ سُوئے بحرِ عرفاں می روم　　سرزدہ چُوں سیلِ اشکِ خُود بہ افغاں می رَوم

ترجمہ۔ مَیں پیاس کی شدّت سے گریاں عرفان کے سمندر کی طرف جا رہا ہُوں، اپنے آنسوؤں کے سیلاب کی طرح سر مارتے ہوئے آہ و فغاں کرتا ہُوا جا رہا ہُوں۔

(حضرت شاہ ابوالمعالی قادری لاہوریؒ)

ہر مہینے کی گیارہ تاریخ

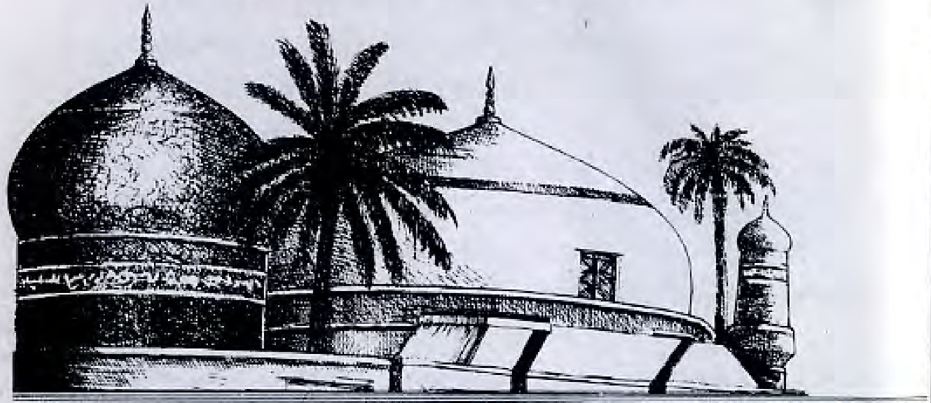

مولانا محمد ضیاء القادری

گیارھویں شریف در حقیقت حضرت سرکار محبوب سبحانی، قطب ربانی شیخ عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ کی روح پر فتوح کو ایصال ثواب کرنا ہے۔ ایصال ثواب کی طرف قرآن مجید میں توجہ دلائی گئی ہے:

"اور وہ لوگ جو ان کے بعد آئے عرض کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہمیں بخش دے اور ہمارے بھائیوں کو جو ہم سے پہلے ایمان لائے۔"

(سورۃ حشر آیت ۲۸)

حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا' ہم اپنے مردوں کی طرف سے صدقہ کرتے ہیں اور حج کرتے ہیں تو کیا انہیں ثواب پہنچتا ہے؟ تو نبی کریمؐ نے ارشاد فرمایا: "ہاں! وہ بے شک اس سے خوش ہوتے ہیں جیساکہ تم میں سے کسی کے پاس طبق ہدیہ کیا جاتا ہے تو وہ خوش ہوتا ہے۔" (مشکوٰۃ شریف)

سیدنا امام اعظم ابوحنیفہؒ' امام احمد و جمہور سلف صالحین کا مذہب ہے کہ میت کو ثواب پہنچتا ہے۔ (شرح فقہ اکبر)' قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جمہور فقہا نے حکم فرمایا ہے کہ ہر عبادت کا ثواب میت کو پہنچتا ہے۔

(تذکرۃ الموتی والقبور)

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی اپنی کتاب فتاوٰی عزیزی صفحہ ۶۱ پر لکھتے ہیں: "فاتحہ پڑھنا اور اس کا ثواب ارواح کو پہنچانا فی نفسہٖ جائز اور درست ہے۔"

حضرت مولانا سید اسماعیل دہلویؒ لکھتے ہیں: "جب میت کو کچھ نفع پہنچانا مقصود ہو تو اسے کھانا کھلانے ہی پر موقوف نہ

سمجھنا چاہیے اگر ہو سکے تو بہتر ہے ورنہ صرف سورۃ فاتحہ اور سورہ اخلاص کا ثواب بہت بہتر ہے۔"

(صراط مستقیم ص ۶۴)

حضور غوث اعظم اور دیگر بزرگان دین کا امت مسلمہ پر بہت بڑا احسان ہے اسی لیے اہل سنت گیارھویں شریف اور ان کے عرسوں کی محافل منعقد کرتے ہیں۔ ان کو ایصال ثواب کر کے ان کے درجات کی بلندی کے لیے اپنے اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ جلیلہ سے اپنے پروردگار عالم کی بارگاہ میں دعا عرض کرتے ہیں۔

شاہ عبدالعزیزؒ ایک اور مقام پر فرماتے ہیں: "اگر کسی بزرگ کی روح پاک کو ایصال ثواب کرنے کے لیے مالیدہ' دودھ اور چاول پکا کر فاتحہ پڑھی جائے تو کوئی مضائقہ نہیں' جائز ہے۔" (فتاویٰ عزیزی ص ۳۹ جلد ۱)

حضرت امامین (حسن و حسینؓ) کی نیاز کا کھانا جس پر سورۃ فاتحہ' سورہ اخلاص اور درود شریف پڑھنے سے وہ کھانا متبرک ہو جاتا ہے اور اس نیاز کا کھانا بہت ہی بہتر ہے (فتاویٰ عزیزی ص ۷۱)

حضرت شاہ ولی اللہ کے والد ماجد حضرت شاہ عبدالرحیمؒ ہر سال نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کی فاتحہ ۱۲ ربیع الاول کو دلایا کرتے تھے۔ (انفاس العارفین ص ۴۱) اہل سنت کے لیے تعین یوم یا تاریخ کوئی ضروری نہیں' یعنی یہ نہیں کہ اگر گیارھویں شریف گیارہ تاریخ کو ہی دی جائے تو ہو گی ورنہ نہیں۔ یہ کسی بھی اہل سنت کی کتاب میں نہیں۔ جب بھی ایصال ثواب کیا جائے جائز ہے لیکن احباب کی آسانی کے لیے دن یا تاریخ کا تعین کیا جاتا ہے۔ حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ فرماتے ہیں:

"مقصود ایجاد رسم عرس سے یہ تھا کہ سلسلے کے سب لوگ ایک تاریخ میں جمع ہو جائیں باہم ملاقات بھی ہو جائے اور صاحب قبر کی روح کو قرآن و طعام کا ثواب بھی پہنچا دیا جائے۔ یہ مصلحت ہے تعین یوم میں (فیصلہ ہفت مسئلہ ص ۸)

حضرت سرکار سیدنا غوث اعظم کی گیارھویں شریف کی مبارک تقریب صرف پاکستان میں ہی مروج نہیں بلکہ اس کا اہتمام عرصہ دراز سے بزرگان دین کرتے آئے ہیں۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں:

"بے شک ہمارے ملک (ہندوستان) میں آج کل گیارھویں تاریخ بہت مشہور ہے اور یہی تاریخ آپ کی ہندی اولاد و مشائخ میں متعارف ہے۔"

اسی طرح سید شیخ موسیٰ الحسینی نے نقل کیا ہے کہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے استاد اور پیر امام عبدالوہاب متقی مکی بھی اسی تاریخ کو گیارھویں شریف کا ختم دلایا کرتے تھے اور ان کے مشائخ بھی۔ (ماثبت من السنہ ص ۱۲۵)

"ملفوظات عزیزی میں حضرت شاہ عبدالعزیز رقم طراز ہیں: "حضرت غوث اعظم کے روضہ مبارک پر گیارھویں تاریخ کو بادشاہ وغیرہ شہر کے اکابرین جمع ہوتے نماز عصر کے بعد مغرب تک کلام اللہ کی تلاوت کرتے اور حضرت غوث اعظم کی مدح میں قصائد و منقبت پڑھتے۔ مغرب کے بعد سجادہ نشین درمیان میں تشریف فرما ہوتے اور ان کے اردگرد مریدین اور حلقہ بگوش بیٹھ کر ذکر جہر کرتے۔ اسی حالت میں بعض پر وجدانی کیفیت طاری ہو جاتی۔ اس کے بعد طعام شیرینی جو نیاز تیار کی ہوتی تقسیم کی جاتی اور نماز عشا پڑھ کر لوگ رخصت ہو جاتے۔" چنانچہ گیارھویں شریف موجودہ دور کی ایجاد نہیں بلکہ ہمارے اسلاف کا طریقہ ہے اور صالحین کا پسندیدہ عمل رہا ہے۔

محمد حمید اختر قادری' سہروردی' سلطانی

گیارھویں شریف حضرت شیخ سید عبدالقادر جیلانیؒ کے ایصال ثواب کے طریقہ کا ایک نام ہے۔ مسلمانان

عالم کی اکثریت یعنی سواد اعظم اہلسنت و جماعت کے مقتدر علمائے کرام اور مشہور مشائخ عظام پیران میں سے ایک بزرگ سے تعلق رکھنے والے جملہ مسلمان خواہ قادری ہوں یا نقشبندی' چشتی ہوں یا سہروردی کئی صدیوں سے اس محبوب و مقبول عمل کو کرتے چلے آ رہے ہیں۔ چنانچہ حضرت عبدالحق محدث دہلوی رحمتہ اللہ علیہ (متوفی ۱۰۵۱ھ) جو اس زمانہ کے علمائے قرآن و حدیث کی زیادہ سمجھ رکھتے تھے اور نہ صرف عالم بلکہ عامل بھی تھے۔ فرماتے ہیں:

"ہم نے اپنے سردار امام و عارف کامل شیخ عبدالوہاب قادری متقی قدس سرہ کو حضرت غوث اعظم کے یوم عرس (گیارھویں شریف) کی محافظت و پابندی فرماتے ہوئے دیکھا۔ علاوہ ازیں ہمارے شہروں میں ہمارے دیگر مشائخ کے نزدیک بھی گیارھویں شریف مشہور و متعارف ہے۔" یہی شیخ محقق فرماتے ہیں:

"شیخ امان پانی پتی رحمتہ اللہ علیہ جو گروہ اولیاء میں مرتبہ بلند اور پایہ ارجمند رکھتے تھے۔ ربیع الثانی کی دس تاریخ (گیارھویں شب) کو حضرت غوث الثقلین کا عرس کرتے تھے۔" (اخبار الاخیار ص ۲۴۲)

اس امر میں بزرگان دین و مشائخ کرام کا معمولی اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک گیارھویں شریف سیدنا غوث اعظمؒ کا اپنا معمول تھا اور بعض کے نزدیک یہ آپ کا عرس شریف ہے' جو آپ کے وصال شریف کے بعد آپ کے عقیدت مند جلیل القدر مشائخ کیا کرتے تھے۔ جو اتنا مقبول اور محبوب ہوا کہ آج تک مسلمان اس عمل خیر کے ذریعہ بارگاہ غوثیت مآب سے فیوض و برکات حاصل کر رہے ہیں۔

علامہ امام یافعی قادری رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک گیارھویں شریف حضور سرور کائنات فخر موجودات ختم رسل مختار صلی اللہ علیہ وسلم کا عرس مقدس ہے جو حضور غوث پاکؒ اپنی ظاہری زندگی میں خود کیا کرتے تھے۔

چنانچہ آپ اپنی کتاب قرۃ الناظرہ خلاصتہ المفاخرہ کے صفحہ ۱۱ پر تحریر فرماتے ہیں:

"حضرت محبوب سبحانی شیخ سید عبدالقادر جیلانی قدس سرہ کی گیارھویں شریف کا ذکر ہو رہا تھا' تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ گیارھویں شریف کی اصل یہ تھی کہ حضور غوث پاک ربیع الآخر کی گیارہ تاریخ کو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا چالیسواں کرتے تھے۔ وہ چالیسواں لوگوں میں اتنی مقبولیت حاصل کر گیا کہ آپ نے ہر ماہ کی گیارہ تاریخ کو حضور علیہ الصلوۃ والسلام کا ختم شریف مقرر کر دیا پھر اس کے بعد دوسرے لوگ بھی آپ کی اتباع میں گیارھویں تاریخ کو حضور نبی کریم کا ختم دلانے لگے۔ رفتہ رفتہ یہی نیاز حضرت محبوب سبحانی رحمت اللہ علیہ کی گیارھویں مشہور ہو گئی۔ اب حضور غوث پاک کا عرس بھی گیارھویں کو ہوتا ہے۔ حالانکہ آپ کی تاریخ وصال ۱۷ ربیع الثانی ہے۔

سلطان اورنگ زیب عالمگیر رحمتہ اللہ علیہ کے استاد اور "نور الانوار" کے مصنف ملا جیون رحمتہ اللہ علیہ کے صاحبزادے ملا محمد اپنی کتاب "وجیز الصراط" کے صفحہ نمبر ۸۳ پر یوں رقم طراز ہیں:

"دیگر مشائخ کا عرس شریف تو سال کے بعد ہوتا ہے لیکن حضرت غوث الثقلین کی یہ امتیازی شان ہے کہ بزرگان دین نے آپ کا عرس مبارک (گیارھویں شریف) ہر مہینہ میں مقرر فرمایا ہے۔"

بعض بزرگان دین نے آپ کی تاریخ وصال بھی گیارہ ربیع الثانی لکھی ہے جیسے کہ حضرت شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی رحمتہ اللہ علیہ کی مذکورہ بالا تحریر سے ظاہر ہو رہا ہے نیز ملا علی قادری رحمتہ اللہ علیہ نے بھی "نزہتہ الخاطر الفاتر" کے صفحہ ۲۱ پر یہی لکھا ہے:

"گیارہویں شریف نہ فرض ہے نہ واجب نہ سنت موکدہ ہے بلکہ کارِ خیر ہے۔ قربِ خداوندی کا ذریعہ ہے اور بزرگانِ دین کا معمول ہے جس کا عامل خیر و برکت حاصل کرلیتا ہے اور نہ کرنے والے پر کچھ مواخذہ نہیں۔"

گیارہویں شریف چند اعمالِ خیر کے مجموعہ کا نام ہے۔ تلاوت قرآن پاک' درود و سلام بر سید امام علیہ الصلوۃ والسلام۔ ورد کلمہ طیبہ۔ اہتمام مجلس ذکر۔ تقسیم طعام یا شیرینی اور ایصال ثواب بارواح سائرہ مسلمین بالخصوص محبوب سبحانی قطب ربانی حضرت غوث الاعظم میراں محی الدین رحمت اللہ علیہ۔

یہ تمام اعمال قربِ خداوندی کا ذریعہ اور باعث حصول خیر و برکات ہیں۔

شیخِ دارینؒ

غوثِ اعظم دلیلِ راہِ یقیں — بالیقیں رہبرِ اکابرِ دیں

ترجمہ۔ حضرت غوثِ پاکؒ راہِ یقین کی دلیل ہیں۔ آپ بلاشبہ اکابرِ دین کے رہنما ہیں۔

شیخِ دارین و ہادیِ ثقلین — زبدۂ آلِ سیّدِ کونین

ترجمہ۔ آپ دارین کے شیخ اور کونین کے ہادی ہیں۔ آپ آلِ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے جوہر ہیں۔

اوست در جملہ اولیاء ممتاز — چوں پیمبر در انبیاء ممتاز

ترجمہ۔ آپ اولیاء اللہ میں اسی طرح ممتاز ہیں، جس طرح رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم انبیائے کرام علیہم السلام میں منفرد ہیں۔

اولیا بندہائیش از دل و جاں — قدمِ او بہ گردنِ ایشاں

ترجمہ۔ اولیاء اللہ دل و جاں سے آپ کے غلام ہیں۔ آپ کا قدم اُن سب کی گردن پر ہے۔

من کہ پروردۂ نوالِ ویم — عاجز از مدحتِ کمالِ ویم

ترجمہ۔ مَیں کہ آپ کی جُود و سخا کا پروردہ ہُوں، آپ کے کمالات کی توصیف سے عاجز ہُوں۔

ہمہ دم غرقِ بحرِ احسانم — اے فدائے درش دل و جانم

ترجمہ۔ مَیں ہر لمحہ آپ کے بحرِ احسانات میں غرق ہُوں؛ میرے دل و جاں آپ کے آستانۂ عالیہ پر نثار۔

در دو عالم بہ اُوست اُمّیدم — ہست باوے اُمیدِ جاویدم

ترجمہ۔ دارین میں آپ کی ذاتِ اقدس سے میری اُمّیدیں وابستہ ہیں؛ آپ میری ہمیشہ کی اُمیدوں کے محور ہیں۔

(حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی)

قصیدہ غوثیہ

سَقَانِی الْحُبُّ کَاسَاتِ الْوِصَالِ ۱ فَقُلْتُ لِخَمْرَتِیْ نَحْوِیْ تَعَالِیْ

عشق و محبت نے مجھے وصل کے پیالے پلائے پس میں نے شراب سے کہا کہ اور میری طرف آ

سَعَتْ وَمَشَتْ لِنَحْوِیْ فِیْ کُؤُوْسٍ ۲ فَہِمْتُ بِسُکْرَتِیْ بَیْنَ الْمَوَالِیْ

ساغر پہ ساغر میرے پاس آتے رہے پس مَیں نے انہیں یارانِ محفل کے ہمراہ عالمِ مستی میں نوش کیا

وَقُلْتُ لِسَائِرِ الْاَقْطَابِ لُمُّوْا ۳ بِحَانِیْ وَادْخُلُوْا اَنْتُمْ رِجَالِیْ

مَیں نے سارے اقطاب سے کہا کہ آؤ میرے سلسلے میں داخل ہو جاؤ کیونکہ تم میرے رفقاء ہو

وَہِیْمُوْا وَاشْرَبُوْا اَنْتُمْ جُنُوْدِیْ ۴ فَسَاقِی الْقَوْمِ بِالْوَافِیْ مَلَالِیْ

ہمت کرو اور جامِ معرفت پیو کہ تم میرے لشکری ہو کیونکہ ساقی قوم نے میرے لیے لبالب جام بھر رکھے ہیں

شَرِبْتُمْ فُضْلَتِیْ مِنْ بَعْدِ سُکْرِیْ ۵ وَلَا نِلْتُمْ عُلُوِّیْ وَاتِّصَالِیْ

میرے مست ہونے کے بعد تم نے میری بچی کچی شراب پی لی لیکن میرے بلند مرتبے اور مقامِ قرب کو نہ پا سکے

مَقَامُکُمُ الْعُلٰی جَمْعًا وَلٰکِنْ ۶ مَقَامِیْ فَوْقَکُمْ مَا زَالَ عَالِیْ

اگرچہ تم سب کا مقام بلند ہے لیکن میرا مقام تمہارے مقام سے بہت بلند ہے اور ہمیشہ بلند رہے گا

اَنَا فِیْ حَضْرَةِ التَّقْرِیْبِ وَحْدِیْ ۷ یُصَرِّفُنِیْ وَحَسْبِیْ ذُوالْجَلَالِ

میں بارگاہِ عالی میں یکتا و یگانہ ہوں اللہ تعالٰے مجھے درجہ بدرجہ ترقی دیتا ہے وہی میرے لیے کافی ہے

اَنَا الْبَازِیُّ اَشْهَبُ کُلِّ شَیْخٍ ۸ وَمَنْ ذَا فِی الرِّجَالِ اُعْطِیْ مِثَالِیْ

میں تمام مشائخ کے درمیان ایسا ہوں جیسا بازِ اشہب پرندوں میں، مردانِ خدا میں سے کون ہے بتلاؤ جو میری مثل ہو

کَسَانِیْ خِلْعَةً بِطِرَازِ عَزْمٍ ۹ وَتَوَّجَنِیْ بِتِیْجَانِ الْکَمَالِ

اللہ تعالٰی نے مجھے وہ خلعت پہنایا جس پر عزم کے بیل بوٹے تھے اور تمام کمالات کے تاج میرے سر پر رکھے،

وَاَطْلَعَنِیْ عَلٰی سِرٍّ قَدِیْمٍ ۱۰ وَقَلَّدَنِیْ وَاَعْطَانِیْ سُؤَالِیْ

اللہ تعالٰی نے مجھے اپنے رازِ قدیم سے آگاہ کیا اور مجھے عزت کا ہار پہنایا اور جو کچھ میں نے مانگا وہ عطا کیا

وَوَلَّانِیْ عَلَی الْاَقْطَابِ جَمْعًا ۱۱ فَحُکْمِیْ نَافِذٌ فِیْ کُلِّ حَالِ

اور مجھے تمام اقطاب پر حاکم بنایا، پس میرا حکم ہر حال میں جاری ہے

وَلَوْ اَلْقَیْتُ سِرِّیْ فِیْ بِحَارٍ ۱۲ لَصَارَ الْکُلُّ غَوْرًا فِی الزَّوَالِ

اگر میں اپنا راز سمندروں پر ڈالوں تو سب کا پانی جذب ہو کر خشک ہو جائے اور انکا نشان بھی باقی نہ رہے

وَلَوْ اَلْقَیْتُ سِرِّیْ فِیْ جِبَالٍ ۱۳ لَدُکَّتْ وَاخْتَفَتْ بَیْنَ الرِّمَالِ

اگر میں اپنا راز پہاڑوں پر ڈالوں تو وہ ریزہ ریزہ ہو کر ریت میں مل جائیں کہ ان میں اور ریت میں فرق نہ ہو

فَلَوْ اَلْقَیْتُ سِرِّیْ فَوْقَ نَارٍ ۱۴ لَخَمِدَتْ وَانْطَفَتْ فِیْ سِرِّ حَالِ

اگر میں اپنا راز آگ پر ڈالوں تو میرے راز سے بالکل سرد ہو جائے اور اس کا نام و نشان باقی نہ رہے

وَلَوْ اَلْقَیْتُ سِرِّیْ فَوْقَ مَیْتٍ ۱۵ لَقَامَ بِقُدْرَةِ الْمَوْلٰی مَشٰی لِیْ

اگر میں اپنا راز مردے پر ڈالوں تو وہ فوراً اللہ تعالٰی کی قدرت سے اٹھ کھڑا ہو اور چلنے لگے،

وَمَا مِنْهَا شُهُوْرٌ اَوْ دُهُوْرٌ ۱۶ تَمُرُّ وَتَنْقَضِیْ اِلَّا اَتٰی لِیْ

مہینے اور زمانے جو گزر چکے ہیں یا گزر رہے ہیں بلاشک وہ میرے پاس ہو کر گزرتے ہیں،

وَتُخْبِرُنِیْ بِمَا یَاْتِیْ وَیَجْرِیْ ۱۷ وَتُعْلِمُنِیْ فَاَقْصِرْ عَنْ جِدَالِیْ

اور وہ مجھ کو گزرے ہوئے اور آنیوالے واقعات کی خبر دیتے ہیں اے منکرِ کرامت جھگڑے سے باز آ،

مُرِیْدِیْ هِمْ وَطِبْ وَاشْطَحْ وَغَنِّ ۱۸ وَافْعَلْ مَا تَشَا فَالْاِسْمُ عَالِیْ

اے میرے مرید سرشارِ عشقِ الٰہی ہو اور خوش رہ اور بے پرواہ ہو اور جو چاہے کر کیونکہ تیری نسبت میرے نام سے ہے جو بہت بلند ہے

مُرِیْدِیْ لَا تَخَفْ اَللّٰهُ رَبِّیْ ۱۹ عَطَانِیْ رِفْعَةً نِلْتُ الْمَنَالِیْ

اے میرے مرید کسی سے مت ڈر اللہ تعالٰی میرا رب ہے اسنے مجھے وہ بلندی عطا فرمائی ہے کہ جس سے میں اپنی مطلوبہ آرزوں کو پالیتا ہوں

طُبُوْلِیْ فِی السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ دُقَّتْ ۲۰ وَشَاؤُسُ السَّعَادَةِ قَدْ بَدَا لِیْ

میرے نام کے ڈنکے آسمانوں اور زمین میں بج رہے ہیں اور نیک بختی کے نقیب میرے لیے ظاہر ہوئے ہیں

بِلَادُ اللّٰهِ مُلْکِیْ تَحْتَ حُکْمِیْ ۲۱ وَوَقْتِیْ قَبْلَ قَبْلِیْ قَدْ صَفَا لِیْ

اللہ تعالٰی کے تمام شہر میرے زیرِ فرمان ہیں اور پیدا ہونے سے قبل ہی میرا وقت اللہ تعالٰی نے مصفٰے کر دیا تھا

نَظَرْتُ اِلٰی بِلَادِ اللّٰهِ جَمْعًا ۲۲ کَخَرْدَلَةٍ عَلٰی حُکْمِ اتِّصَالِیْ

میں نے اللہ تعالٰے کے تمام شہروں کو دیکھا تو سب مل کر رائی کے دانے کے برابر دکھائی دیئے

وَکُلُّ وَلِیٍّ لَّهٗ قَدَمٌ وَّاِنِّیْ ۲۳ عَلٰی قَدَمِ النَّبِیِّ بَدْرِ الْکَمَالِ

ہر ولی کسی نبی کے قدم پر ہوتا ہے اور میں نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے قدم پر ہوں جو آسمانِ کمال کے بدرِ کامل ہیں

دَرَسْتُ الْعِلْمَ حَتّٰی صِرْتُ قُطْبًا ۲۴ وَنِلْتُ السَّعْدَ مِنْ مَّوْلَی الْمَوَالِیْ

میں علم سیکھتے سکھاتے قطب بن گیا اور یہ سعادت مجھے فضلِ الٰہی سے حاصل ہوئی ہے،

فَمَنْ فِیْ اَوْلِیَاءِ اللّٰهِ مِثْلِیْ ۲۵ وَمَنْ فِی الْعِلْمِ وَالتَّصْرِیْفِ حَالِیْ

پس اولیاء اللہ میں کون ہے جو میرے مثل ہے اور کون ہے جو علم اور تصرف میں میری ہمسری کرے

رِجَالِی فِیْ هَوَاجِرِهِمْ صِیَامٌ ٢٦ وَفِیْ ظُلَمِ اللَّیَالِیْ کَاللَّآلِ ،

میرے مرید موسم گرما میں روزے رکھتے ہیں اور راتوں کی تاریکی میں (نورِ عبادت) سے موتیوں کی طرح چمکتے ہیں

مُرِیْدِیْ لَا تَخَفْ وَاشٍ فَاِنِّیْ ٢٧ عَزُوْمٌ قَاتِلٌ عِنْدَ الْقِتَالِ

اے میرے مرید کسی بدباطن مخالف سے نہ ڈر کیونکہ لڑائی میں میں نہایت ثابت قدم اور دشمن کو ہلاک کرنیوالا ہوں

اَنَا الْجِیْلِیُّ مُحْیِ الدِّیْنِ اِسْمِیْ ٢٨ وَاَعْلَامِیْ عَلٰی رَاْسِ الْجِبَالِ

میں جیلان کا رہنے والا ہوں اور محی الدین میرا لقب ہے اور میری عظمت کے جھنڈے پہاڑوں کی چوٹیوں پہ لہراتے ہیں

اَنَا الْحَسَنِیُّ وَالْمَخْدَعُ مَقَامِیْ ٢٩ وَاَقْدَامِیْ عَلٰی عُنُقِ الرِّجَالِ

میں امام حسن کی اولاد سے ہوں اور مخدع میرا مقام ہے اور میرے قدم تمام اولیاء کی گردنوں پر ہیں ،

وَعَبْدُ الْقَادِرِ الْمَشْهُوْرُ اِسْمِیْ ٣٠ وَجَدِّیْ صَاحِبُ الْعَیْنِ الْکَمَالِ

اور عبدالقادر میرا مشہور نام ہے اور میرے نانا حضور صلے اللہ علیہ وسلم سرچشمہ کمال ہیں ۔

شیخ بقا بن بطو نے فرمایا کہ میں نے شیخ عبدالقادر جیلانی کے تمام مریدوں کو نیک بختوں کے لشکر میں دیکھا کہ ان کی پیشانیاں اور ہاتھ پاؤں چمک رہے ہیں۔ شیخ بقا بن بطو سے منقول ہے کہ کسی شخص نے حضور غوث اعظم رحمتہ اللہ علیہ سے دریافت کیا کہ حضور آپ کے مریدوں میں پرہیزگار بھی ہوں گے اور گنہگار بھی۔ آپ نے فرمایا کہ پرہیزگار میرے لئے ہیں اور گنہگاروں کے لئے میں ہوں۔

حضور غوث اعظم رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے قصائد شریف میں اپنے مریدوں کے بارے میں فرمایا ہے: اے میرے مرید سرشار عشق الٰہی ہو اور خوش رہ اور بے پروا ہو اور جو چاہے کر کیونکہ تیری نسبت میرے نام سے ہے جو بہت بلند ہے۔ اے میرے مرید کسی سے مت ڈر اللہ تعالٰی میرا رب ہے اس نے مجھے وہ بلندی عطا فرمائی ہے جس سے میں اپنی مطلوبہ آرزوؤں کو پالیتا ہوں۔ اے میرے مرید کسی بدباطن مخالف سے نہ ڈر کیونکہ لڑائی میں میں نہایت ثابت قدم اور دشمن کو ہلاک کرنے والا ہوں۔ میں اپنے مرید کا نگہبان ہوں جس چیز سے وہ ڈرے اور میں ہر برائی اور فتنے سے اس کی حفاظت کرتا ہوں۔ میرا مرید جب مشرق و مغرب میں ہو، میں اس کی مدد کرتا ہوں خواہ وہ کسی شہر میں ہو۔ اے میرے مرید تو ہمارے وعدوں کا محافظ ہو جا میں بروز قیامت میزان پر حاضر ہو جاؤں گا (مدد کے لئے) اے میرے مرید میری ہمیشگی کے ساتھ تجھے عزت بلندی اور احترام کی زندگی مبارک ہو اور میرا مرید مشرق یا مغرب چڑھے ہوئے دریا تلے بھی مجھ کو پکارے تو میں اس کی دستگیری کرتا ہوں، خواہ وہ روش ہوا پر ہو۔ میں ہر خصومت کے واسطے قضا کی تلوار ہوں۔ میں حشر میں اپنے مرید کی شفاعت کرنے والا ہوں اپنے رب کے پاس پس میری بات رد نہ کی جائے گی۔

اعجازِ قادری

مائل کرنالی

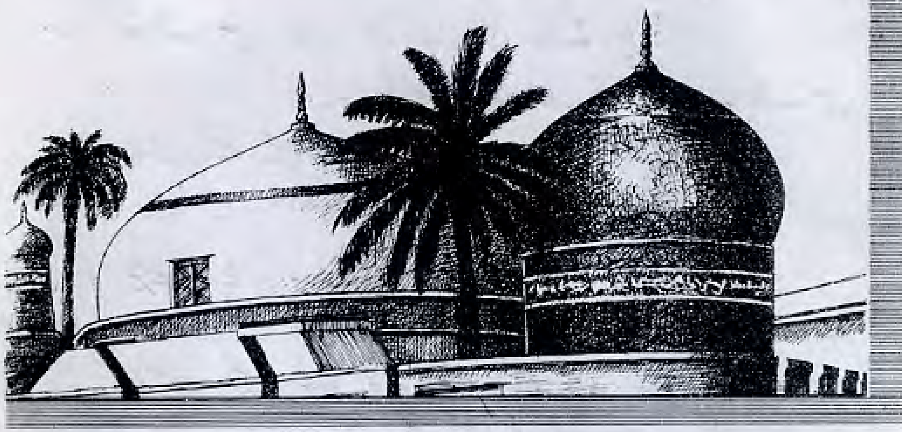

بحمد اللہ جہاں میں کیا بنائے شہرِ جیلاں ہے
کہ رشک گلشن رضواں فضائے شہرِ جیلاں ہے
کسی حُسنِ تخیّل کی ادا ہے اس کی معموری
کسی شانِ حقیقت کی ضیاء ہے اس کی معمُوری
کسی رازِ تدبّر کی یہی ہنگامہ زائی ہے
کسی رمزِ تقدس کی یہی صورت نمائی ہے
یہاں کے ذرے ذرے میں بیاض صد لالی ہے
جہاں میں اس زمیں کا آسماں سے رُتبہ عالی ہے
یہاں اک قطرۂ شبنم میں اک دریائے عرفاں ہے
یہاں ہر برگ و گل میں رونق گلشن کا ساماں ہے

یہاں کچھ اس طرح شانِ مسیحائی چمکتی ہے
صدائے قُم باذنی بھی یہاں حیرت سے تکتی ہے
یہاں ہر شاہدِ قدرت پئے رنگین بیانی ہے
یہاں ہر جذبہ صافی خروشِ لن ترانی ہے
ملائک اس زمیں کا رتبہ عالی بتاتے ہیں!
یہاں کی خاک کے ذروں کو آنکھوں سے لگاتے ہیں
یہاں نُقطے میں پنہاں ہے محیط وسعتِ امکاں
یہاں ہے ایک گوشے میں فرازِ دہر کے ساماں
یہاں ہر داغِ دل میں اک تجلائے درخشاں ہے
نگاہ شوق آگیں لمعہ خورشیدِ تاباں ہے
زمینوں میں اسے رتبہ نرالا ملنے والا ہے
کوئی رنگیں ادا گُل اس زمین پر کھِلنے والا ہے
عجب ہنگامہ برپا ہے یہاں کے سبزہ زاروں میں
نرالی رونق آرائی ہے اس کے لالہ زاروں میں
کہیں گُل کا قیامت آفریں طرزِ تبسم ہے
کہیں موج ہوائے معتدل محوِ ترنّم ہے
وفورِ انبساطِ دل سے ہر اک نغمہ آرا ہے
چمن میں جس جگہ دیکھو، مسرت کارفرما ہے
عروسانِ چمن ہیں کامگار اپنی اداؤں سے
حسینانِ چمن کے بھر گئے دامن مرادوں سے
کہیں سرمایۂ آسودگی ہیں وہ چراگاہیں
نکلتی ہیں جہاں سے مختلف ملکوں کو شہ راہیں

جہاں دیکھو شکوہ عالم آرائی نمایاں ہے
طلسم لفظ کُن، گویا اسی خطے پہ نازاں ہے
کہیں اسرار امکاں کیف بیتابی میں عُریاں ہیں
وقائع بیخودی کیف سُبکساری میں رقصاں ہیں
وہ طرزِ دلستانی غنچہ خود آفریدہ میں
وہ شانِ دلفزائی سبزہ نو آرمیدہ
انہی میں اک چراگاہ طرفہ تر سرسبز و شاداں ہے
کہ جس کی رونقوں سے شانِ فردوسی نمایاں ہے
سکوت آرائیوں پر نازِ گویائی کو حیرت ہے
زبانِ شوق درپردہ نواسنج حقیقت ہے
عیاں اس ارضِ اقدس سے ہے لطف طرفہ سامانی
کہ جس سے مشتعل ہوں خود بخود جذباتِ انسانی
دل و جاں سے فدا ہے حیرت چشم تمنائی
بلائیں لے رہی ہے اس زمیں کی رونق آرائی
کیا گم ہوش والوں کو نوائے ساز قدرت نے
کیا ہے عقل کو بیخود کرشمہ باز قدرت نے
شناسانِ ادا ہیں شوخیٔ تحریر کی صورت
کھڑے ہیں عاملان معرفت تصویر کی صورت
حیا داری کو بھی ان منظروں میں خود نما پایا
جسے دیکھا اسے محو ادائے دل ربا پایا!
بھلا اس خاک کا دیکھا ہے کیا ابر کرم تو نے
کیا جو اس زمیں کو رشک گلزارِ ارم تو نے

غرض کچھ عُرفیات ظاہری کا یوں تماشا ہے
کہ ہر پہلو سے یاں رنگینیٔ قدرت ہویدا ہے
وہ دیکھو سامنے شرقی کنارے پر چراگہ کے
کھڑا ہے ایک طفلِ خوش ادا طرفہ وضاعت سے
حیا و معرفت رہ رہ کے اس کے سر سے قرباں ہیں
تدبر اور کرامت اس کے چہرے سے نمایاں ہیں
صفا و علم و صولت دل سے اس پر جان دیتے ہیں
کبھی عزم و تہور اس کا دامن تھام لیتے ہیں
کھڑے ہیں سرنگوں آگے کمال و اوجِ امکانی
ہوا میں سایہ افگن ہے ہجوم لطفِ ربانی
دل آویزی کوئی دیکھے تو گیسوئے معنبر کی
شعاعِ مہر بوسے لے رہی ہے روئے انور کی
حیائے چشم کہتی ہے کہ ہے والا نسب کوئی
فراست کا اشارہ ہے کہ یہ ہے منتخب کوئی
عصا اک ہاتھ میں ہے اور نگاہوں میں شرارے ہیں
نظر جمتی نہیں رُخسار کیا ہیں ماہ پارے ہیں
لگی ہیں جھالریں اعراب کی جیب و گریباں میں
اور اک بھیڑوں کا گلہ سامنے چرتا ہے میداں میں
یہ شوکت اور یہ بے یاری، یہ صولت اور یہ تنہائی
غرض اس صد تماشا کی ہے قدرت خود تماشائی
نظر اس کی کبھی اس سبزہ زاری پر بھی آتی ہے
کبھی فطرت اسے اپنے نئے منظر دکھاتی ہے
کبھی وہ جحت دل سے ہر اک شے کو پرکھتا ہے
کبھی حسرت بھرے انداز سے میداں کو تکتا ہے

کبھی غُنچوں کو حیرت سے کبھی خاروں کو عبرت سے
کبھی اشجار کو دیکھا نگاہ پُرحقیقت سے
کبھی چہرے پہ رونق اور کبھی عُسرت کا منظر ہے
کبھی وہ خندہ زن ہے اور کبھی حیران و ششدر ہے
گہے سوئے فلک اور گہ نظر سوئے زمیں آئی
نرالی بات ہے کوئی سمجھ میں جو نہیں آئی
غرض کچھ بات ہے ورنہ یہ حیرانی ہی کیوں ہوتی
سبب ہوتا نہ گر اتنی پریشانی ہی کیوں ہوتی
حقیقت میں اُجالا ہے کسی اعلیٰ گھرانے کا
تعجب ہے ملے منصب اسے بھیڑیں چرانے کا
اٹھائی پھر نظر اس نے فلک کو غور سے دیکھا
نگاہِ شوق سے دیکھا نرالے طور سے دیکھا
بس اک دم جوش میں آکر لگا کہنے کہ کیا ہوں میں؟
الٰہی کیا مجھے کرنا تھا اور کیا کر رہا ہوں میں
مجھے تو غافلوں کو ہر طرح بیدار کرنا تھا
جو ہیں مدہوش نادانی انہیں ہشیار کرنا تھا
جو مردہ ہو چکے ہیں ان دلوں کو پھر جلانا ہے
جو مایوس تمنا ہیں انہیں ہمت دلانا ہے
نہیں پروا اگر لاکھوں ستم دل پر اٹھاؤں گا
رسول ہاشمیؐ کی شان کو آخر بڑھاؤں گا
مزا جب ہے کرشمے فیضِ ربی کے ہویدا ہوں
زمینِ شور سے غنچے نئی رنگت کے پیدا ہوں
صدائے نعرۂ حق سے ہلا دوں گا زمانے کو
مجھے جو کرنا ہے کرکے دکھا دوں گا زمانے کو

نہیں کچھ فائدہ ملت کو بھیڑوں کے چرانے سے
بنے گا کیا یہاں یوں زندگی اپنی گنوانے سے
جہاں تک ہوسکے آخر یہاں کچھ کام ہی کر لوں
نہیں گر اور کچھ تو خدمت اسلام ہی کر لوں
کروں کایا پلٹ ایسی تہوّر کے سہارے سے
بدل دوں نقشۂ ایام عالم اک اشارے سے
سناؤں ذرے ذرے کو وہی پیغام اسلامی
پلاؤں تشنہ لب کو بادۂ گلفام اسلامی
یہ اپنے بھائیوں کی بیہشی دیکھی نہیں جاتی
یہ کشتی اس طرح سے ڈوبتے دیکھی نہیں جاتی
ہوئی جب شام بھیڑوں کو لئے واپس ہوا گھر کو
کہ جیسے کوئی افسر لے چلا ہو اپنے لشکر کو
گھر آیا اور کہا فرصت میں اپنی پیاری اماں سے
"مجھے بھیجو کہیں اماں خدارا شہرِ جیلاں سے
جہاں میں علمِ دیں سیکھوں، رموزِ معرفت سیکھوں
یہ پُر آشوب دنیا ہے طریقِ عافیت سیکھوں
گذارا عمر کا عرصہ یونہی بھیڑیں چرانے میں
تمنا ہے کہ میں کچھ کام کر جاؤں زمانے میں"
کہا اماں نے: "بیٹا شوق سے ہر علمِ دیں سیکھو
غرض جو سیکھنا ہے شوق دل سے بے خطر سیکھو
یہاں جیلاں میں تو احوال کی صورت مکدّر ہے
اگر بغداد جاکر علمِ دیں سیکھو تو بہتر ہے
مگر اک بات کہتی ہوں کہ تم آلِ محمدؐ ہو
مذاہب دہر میں جتنے ہیں ان پر صورتِ مَد ہو

صداقت کے لئے اپنی زباں کو کھولنا بیٹا
یہ اماں کی نصیحت ہے کہ سچ ہی بولنا بیٹا"
کہا بیٹے نے: "اے اماں! تمہاری آن کے قرباں
تمہاری بات کے قرباں، تمہاری شان کے قرباں
دعا کیجئے خدا توفیق دے مجھ کو صداقت کی
رہے گی عمر بھر دل میں جو تم نے اب نصیحت کی"
غرض گھر سے چلا لیکن بہت دل شاد تھا اس دم
ملا اک قافلہ جو عازمِ بغداد تھا اس دم
رئیس کارواں بھی خوب دلداری سے پیش آیا
سواری کے لئے اس کی کوئی عمدہ شتر لایا
غرض وہ کارواں والے چلے بغداد کی جانب
امید و شوق میں ہنستے ہوئے بغداد کی جانب
کوئی اک ناز سے تازی کو میداں میں کداتا تھا
دل کو شوق علم دیں بھی گدگداتا تھا
کسی کو فکر ساماں کو تجارت میں لگانے کا
کسی کو مال بک جانے کا اور کافی کمانے کا
کوئی کہتا تھا میں اس نفع سے شادی رچاؤں گا
کوئی کہتا تھا میں سوئے ہوئے دیں کو جگاؤں گا
غرض منزل بہ منزل جا رہے تھے کارواں والے
مگر سوچے ہوئے کچھ اور ہی تھے آسماں والے
ابھی رستے میں تھا یہ کارواں اور کارواں افسر
مسلح ڈاکوؤں کی اک جماعت آ پڑی ان پر
غرض چاروں طرف سے گھر گیا وہ کارواں دم میں
خدا جانے کہاں سے آئی مرگ ناگہاں دم میں

جفاؤ جور کا اُمڈا ہوا طوفاں نظر آیا

تمناؤں کے مٹنے کا نیا ساماں نظر آیا

متاع و مال سب کا لے لیا آکر لٹیروں نے

مچائی لوٹ کچھ ایسی وہاں صحرا کے شیروں نے

سب اہلِ کارواں پر یوں انہوں نے دستکیں چھوڑے

کہ کپڑے بھی بدن کے ان لعینوں نے نہیں چھوڑے

نہ فتنے سے بچنے کی کوئی تدبیر باقی تھی

مگر اس حشر سے امین میں اک تصویر باقی تھی

کہ اس سے بھی کسی راہزن نے پوچھا آدمیت سے

"ارے لڑکے بتا تو بھی، نہیں کچھ پاس تو تیرے؟"

کہا: "ہر وقت سو دینار میرے پاس رہتے ہیں

مری ماں نے مرے کرتے کے نیچے سی کے رکھے ہیں"

لعیں سمجھا کہ لڑکے کا یہ کہنا بے حقیقت ہے

اسے سُود وزیاں کی کیا خبر بچہ کی عادت ہے

پھر آیا دوسرا رہزن بھی اور اس نے یہی پوچھا

کہ: "تیرے پاس بھی کچھ مال ہے یا دے چکا سارا"

کہا: "ہر وقت سو دینار میرے پاس ہوتے ہیں

مری ماں نے مرے کرتے کے نیچے سی کے رکھے ہیں"

نہ رہزن کو جواب طفل کا اصلاً یقیں آیا

ہنسا اور چل دیا لیکن نہ لڑکے کے قریں آیا

کہ اتنے بس لعیں اک اور آیا اور یہی پوچھا:

"ترے قبضہ میں گر کچھ مال و زر ہے تو مجھے بتلا"

کہا: بس اس سے پہلے کہہ چکا ہوں جو حقیقت ہے

مگر تم کو یقیں آ نہیں یہ کیا جہالت ہے

سنو ہر وقت میرے پاس سو دینار ہوتے ہیں

مری ماں نے مرے کُرتے کے نیچے سی کے رکھے ہیں"

یہ سن کر تیسرا رہزن بھی گویا ہوگیا ششدر

بہت حیران ہوا سوچا کیا کچھ دیر بدگوہر!

بالآخر یوں کہا: "سچا ہے گر کرتا دکھا مجھ کو

اے لڑکے! تیری باتوں پر ہے شک بے انتہا مجھ کو"

یہ کہتے ہی لعین حیرت میں لڑکے کے قریں آیا

وہ سو دینار جب دیکھے تو پھر اس کو یقیں آیا

کہا رہزن نے: "قرباں ہوں تری بھولی سی صورت پر

مجھے طرفہ تحیر ہے تری شان صداقت پر"

ابھی کچھ اور باتیں وہ لعیں کرنے نہ پایا تھا

لئے شمشیر قزاقوں کا افسر بھی وہیں آیا

کہا: "کیا ماجرا ہے؟ بات کیا ہے؟ تم جو حیراں ہو"

کہا راہزن نے: "اے افسر ترا رُتبہ فروزاں ہو

کروں کیا عرض خدمت میں یہ حیرت کا تماشا ہے

توجہ سے ذرا سنیئے صداقت کا تماشا ہے"

پھر اس نے من و عن اس کو سنائی داستاں ساری

سنا افسر نے اور اک بیخودی سی ہوگئی طاری

اسے لڑکے کی صورت اک نئی صورت نظر آئی

اسے اک اونٹ پر من موہنی صورت نظر آئی

کہا یوں طفل سے: "تجھ سا نہ دیکھا نوجواں کوئی

نہ میں نے عمر بھر ایسی سنی ہے داستاں کوئی

اگر تو چاہتا، کہتا نہیں ہے پاس کچھ میرے

گماں ہرگز نہ تھا ہم کو کہ یہ دینار ہیں تیرے

بس اتنی بات کہہ کر اپنی پونجی کو بچا لیتا
سمجھ کر بے خبر تیری تلاشی کوئی کیا لیتا
بھلا تو ہی بتا کیا فائدہ ایسی بھلائی کا
ہوا تو آپ ہی باعث یہاں اپنی برائی کا
یہ مانا دہر میں سچ بولنا طرفہ لطافت ہے
مگر اس لوٹ میں سچ بولنا کیسی شرافت ہے
ہوئے ہیں دہر میں لاکھوں صفا و صدق کے بانی
مگر تیری صداقت پر ہے مجھ کو طرفہ حیرانی"
کہا اس حق نوا نے: "جو کہا سوچا نہیں تم نے
ابھی حق اور صداقت کا مزا دیکھا نہیں تم نے
میں سید ہوں، کچھ دن ہوئے جیلاں سے آتا ہوں
حصولِ علم کی خاطر سوئے بغداد جاتا ہوں
جدا ہوتے ہوئے سب نے مجھے اک اک نصیحت کی
مگر ماں نے مری سچ بولنے کی ہی ہدایت کی
نہیں غم گر صداقت مجھ کو اب مفلس بناتی ہے
اگر دینار رکھتا ہوں تو ماں کی آن جاتی ہے
مٹاؤں فخر آبائی یہ ممکن ہو نہیں سکتا
جو دعویٰ خاندانی ہے اسے میں کھو نہیں سکتا
مری آنکھوں کے آگے بس اسی رخصت کی ساعت ہے
کہ ہر دم رُوبرو میرے وہی ماں کی نصیحت ہے
میں اپنی بات کی خاطر یہ جاں اور سر بھی دیدوں گا
مگر ماں کی نصیحت کے مطابق سچ ہی بولوں گا
یہ سن کر دل میں افسر کے ہوا اک خوف سا طاری
ہوئے آنسو بھی آنکھوں سے وہیں بیساختہ جاری

یہ سن کر اور ڈاکو بھی وہاں فریاد کرتے تھے
تڑپ جاتے تھے جب اس کا تکلّم یاد کرتے تھے
دلوں میں ڈاکوؤں کے بجلیاں سی کوند جاتی تھیں
وہ طرزِ گفتگو کی جب ادائیں یاد آتی تھیں
یہ جُملے تھے فضاؤں میں نگارِ برق کی صورت
ہوا میں اڑ رہے تھے وہ شرارِ برق کی صورت
ادھر جذباتِ فطرت نے ہر اک دل کو جلایا تھا
کسی نے دو ہی جُملوں میں نگارِ حق دکھایا تھا
یہ اہلِ کاررواں نے ماجرائے جانستاں دیکھا
قیامت میں کسی طرفہ قیامت کا سماں دیکھا
بالآخر دل میں افسر کے ذرا کچھ ٹھہر کر آیا
یہ لڑکا اس قدر دیوانہ ہے ماں کی نصیحت کا
اِدھر ہم دُور اُفتادہ ہیں اس شان حقیقت سے
کہ جس نے دو جہاں پیدا کیے اپنی کرامت سے
نہ اس کی ذات کو اچھی طرح سے جانتے ہیں ہم
نہ نیکی اور بدی میں فرق کچھ گردانتے ہیں ہم
ہمارا کام تو بس رات دن ظلم و جفا سے ہے
نہ خالق سے تعلق ہے نہ محبوب خدا سے ہے
نہ اس کی آرزو ہم کو نہ اس کی شان سے آگاہ
نہ اس کی ذات سے واقف نہ اس کے حکم کی پرواہ
یہاں آ کر گناہوں کا لیا بارِگراں سر پر
عتاب و قہر خالق کا کھڑا ہے آسماں سر پر
ہمارے حال تو اس چھوٹے بچے سے بھی ابتر ہیں
جو سچ پوچھو تو ہم دنیا میں کتوں کے برابر ہیں

یہ سوچا اور کہا افسر نے یوں راہِ ندامت سے:
"مرے دل میں اثر پیدا ہوا تیری صداقت سے
ٹپکتی ہے تری ہر بات سے اک طرفہ شیرینی
مبارک ہو تجھے اے طفل تیری صدق آئینی
ترے طرزِ تکلم نے دلوں پر یوں اثر ڈالا!
ہماری زندگی کو آ کے تونے پاک کر ڈالا
پڑے تھے مدتوں سے ہم اسی ذلت کی پستی میں
ہمارے ظلم بھی مشہور تھے اطراف و بستی میں
ندامت سے ہم اپنے سر ترے قدموں پہ دھرتے ہیں
تری برکت سے ہم ظلم و جفا سے توبہ کرتے ہیں"
یہ کہتے ہی وہ بولا جوش میں اپنی جماعت سے:
"یہ چھوڑو ذلتیں مل جاؤ یارو ذاتِ وحدت سے
یہ لڑکا دیکھئے اتنا ہے ماں کے حکم کا شیدا
نہ مانیں حکم ہم اس کا، کیا جس نے ہمیں پیدا
ہزاروں ہی خطائیں ہم نے کی ہوں گی قیامت ہے
ہماری ذات پر تُف ہے ہمارے دل پہ لعنت ہے
کرو تم شکریہ اس کا ادا قدموں میں جا جا کر
کہ جس نے راہ حق پر ہم کو ڈالا ہے یہاں آ کر"
کہا یکبارگی سب نے کہ: "اے سردارِ عالیشاں
ترے ہر قول پر قرباں، تری ہر بات پر قرباں
عنایت سے ہمیں راہِ حقیقت اس نے دکھلائی
نہ تھی جس ذات کی مطلق خبر وہ ہم کو بتلائی
کچھ ایسا لطف پایا ہم نے اس کی خوش کلامی میں
یہ حسرت ہے رہیں دن رات ہم اس کی غلامی میں

جہاں تک ہو سکے دل سے محبت کیجئے اس کی
یہ عالی خانداں ہے دل سے عزت کیجئے اس کی
اسی نے آج ہم کو ان گناہوں سے نکالا ہے
نرالی شان والا ہے، نرالی آن والا ہے
غرض وہ افسر و قزاق سارے سامنے آئے
عقیدت اور خلوص دل برائے پیشکش لائے
کہا: "ہے دست بستہ التجا تم سے معافی کی
کوئی صورت تو پیدا کیجئے آخر تلافی کی!
تمہارے کارواں پر ہم نے یوں آ کر جفائیں کیں
تمہاری شان میں گستاخیاں کیں کچھ خطائیں کیں
مگر بہرِ خدا اب تو خطا سے درگذر کیجے
ہوا جو ناشناسی سے پس انداز نظر کیجے!
کہا اس طفل نے اک بیخودی میں ان لیٹروں سے:
"جزائے خیر دیتا ہوں کرو توبہ گناہوں سے
خدا کو ایک جانو اور نبی اس کا محمدؐ ہے
حقیقت آشنائی کی یہی دنیا میں ابجد ہے
تواضع پیشہ ہو جاؤ زبردستی سے رک جاؤ
جفا و ظلم کو چھوڑو، سیہ مستی سے رک جاؤ"
یہ سن کر پھر نہ جامے میں سمائے فرطِ شادی سے
ہر اک رہزن نے کی توبہ وہیں دل کی صفائی سے
پھر اس کے بعد اہلِ کارواں کے پاس جا جا کر
جو مال و زر کہ لوٹا تھا کیا واپس اسے یکسر
انہوں نے لوٹ سے بھی کچھ زیادہ دیدیا سبکو
ہر اک راہزن عطاؤں سے پیارا ہوگیا سب کو

پھر اس کے بعد افسر طشتِ زر لے کر وہاں آیا
رکھا اس طفل کے آگے زباں پر حرف یہ لایا:
"مجھے حسرت رہے گی گر کیا انکار لینے سے"
مگر دل کے غنی نے کر دیا انکار لینے سے
بہت سی التجا کی اور بہت سی چاپلوسی کی!
مگر طفلِ غنی نے ایک کوڑی بھی نہ ان سے لی
ہوا ناچار واپس اک سلام آخری کر کے
اسی اپنی جماعت کی نرالی رہبری کر کے
ہوئے خوش کارواں والے گرے قدموں میں آ آ کر
کہ ان کا مال بھی واپس ہوا تھا لوٹ میں جا کر
ندا آئی: "مبارک تجھ کو عبدالقادر جیلاں
یہ گیرائی مبارک تجھ کو عبدالقادر جیلاں
یہ بچپن اور ابھی سے یوں کرشمہ زائیاں تیری
جماعت رہزنوں کی اور کرم فرمائیاں تیری
بھلا جب تو جواں ہوگا' نرالا ہی سماں ہوگا
جہاں میں ہر طرف اک فیض کا دریا رواں ہوگا
خبر دی ہے تری شانِ جلالت کی خدا نے بھی
بشارت دی تری آمد کی فخرِ انبیاؐ نے بھی
ابھی تو منتظر ہے ایک عالم تیری صورت کا
ابھی خورشید ہونا ہے تجھے چرخِ طریقت کا
ابھی حسنِ طبیعت کے یہ کیا جوہر نکالے ہیں
ابھی اس شمع سے لاکھوں ستارے بننے والے ہیں

یہ بچپن ہے ابھی فیض و کرم کی یوں روانی ہے
ابھی تو باغِ عالم کی تجھے رونق بڑھانی ہے
ابھی لطف و کرم کی سینکڑوں نہریں بہانی ہیں
ابھی تو غرق ہوتی کشتیاں لاکھوں بچانی ہیں
ابھی سوتے ہوئے دینِ محمدؐ کو جگانا ہے
نئے سر سے ہر اک ایوانِ شاہی کو سجانا ہے
مریضانِ محبت کے لیے تُو ہی شفا ہوگا
ہزاروں درد مندوں کے لیے تُو ہی دوا ہوگا
زمین و آسماں کانپیں گے تیرے نامِ نامی سے
نہ ہوں گے تاجور باہر کبھی تیری غلامی سے
ابھی تو ہونا ہے تجھ پر ہجوم فیضِ ربانی
کہے گا ایک دن تجھ کو جہاں محبوبِ سبحانی
ابھی تو مرتبہ ملنا ہے تجھ کو غوث الاعظمؒ کا
ابھی تو جگمگانا ہے جہاں میں تیرے پرچم کا
ہزاروں کو ابھی خوانِ کرم سے سیر کرنا ہے
عطاؤں سے ابھی سنگیں دلوں کو زیر کرنا ہے
ابھی تو رونقِ بزمِ حقیقت کو بڑھانا ہے
ابھی کفرِ جہاں کو جابجا سولی چڑھانا ہے
دکھانی ہے ابھی تو گرمیِ تقریر کی صورت
دکھانی ہے ابھی تو شوخیِ تحریر کی صورت
ترے مہر و **تلطف** کا بیابانوں میں چرچا ہے
ترے جود و عنایت کا خیابانوں میں چرچا ہے

گھرانے میں حقیقت کے ابھی تک فاقہ مستی ہے
زمین اسلام کی تیری تراوش کو ترستی ہے
جہاں میں مہر و ماہ ہیں اب تری تنویر کے خواہاں
جمال و خوبروئی ہیں تری تصویر کے خواہاں!
جہاں آرائی ہونے کو ہے تیری پیاری صورت سے
غرض ہے منتظر اسلام تیرا ایک مدت سے
نہیں یارائے گویائی، نہیں ہے تابِ انسانی
بیاں ہو کیا کسی سے شوکتِ محبوب سبحانی"
خموشی چاہیے اس منزل راہِ حقیقت میں
کہے گا ذرہ ناچیز کیا گردوں کی مدحت میں!
دعا مائل کی ہے یا حضرت محبوبِ سبحانی
مری حالت پہ ہو لطف و کرم کی طُرفہ ارزانی!
مرے دردِ جگر کی داستاں سن لیجئے حضرت
خدا کے واسطے لطف و عنایت کیجئے حضرت
نشانِ پائمالی ہوں، شکار تنگ حالی ہوں
کرم کیجئے، کرم کیجئے، سوالی ہوں، سوالی ہوں
مری شاخِ تمنا میں نئے برگ و ثمر آئیں
خدا کے فضل و رحمت سے مرادیں دل کی بر آئیں
طبیعت میں روانی کی ادا اس طرح آجائے
فضا کے سینے پر جیسے گھٹا ہر سمت چھا جائے
کوئی طرفہ اثر طرزِ بیاں میں لطف پیرا ہو
جہاں میری اداؤں پر ہزاروں دل سے شیدا ہو

ماخذات

۱۔ الفتح الربانی — شیخ عبدالقادر جیلانیؒ / ترجمہ مولانا عاشق الٰہی میرٹھی
۲۔ غنیتہ الطالبین — شیخ عبدالقادر جیلانیؒ / ترجمہ مولانا سید عبدالدائم جلالی
۳۔ فتوح الغیب — شیخ عبدالقادر جیلانیؒ / ترجمہ سید محمد فاروق القادری
۴۔ شرح قصیدہ غوثیہ — نواب محمد عبدالمالک کھوڑوی
۵۔ مجموعہ وظائف — قاری رضا المصطفیٰ اعظمی
۶۔ تاریخ دعوت و عزیمت (جلد اول) — مولانا ابوالحسن علی ندوی
۷۔ تخی سرورؒ — حامد خان حامد
۸۔ مکتوبات — شیخ عبدالقادر جیلانیؒ
۹۔ دائرۃ معارف اسلامیہ پنجاب یونیورسٹی جلد نمبر۱۲، ۱۴، ۱۶
۱۰۔ ماہنامہ منہاج القرآن لاہور — نومبر ۱۹۹۰ء
۱۱۔ آستانہ دہلی — غوث الاعظم نمبر نومبر ۱۹۶۲ء
۱۲۔ ماہنامہ خاتون پاکستان — لاہور ۱۹۶۷ء
۱۳۔ بہجتہ الاسرار — امام ابوالحسن شطنوفی / مترجم مولانا حافظ احمد علی شاہ لاہور
۱۴۔ زبدۃ الآثار — (تلخیص بہجتہ الاسرار) ترجمہ: اقبال احمد فاروقی
۱۵۔ غوث اعظم — امان اللہ خان ارمان سرحدی
۱۶۔ بزم غوث اعظم — ابواللطیف محمد شریف عارف
۱۷۔ سیرت غوث اعظم — طالب ہاشمی
۱۸۔ نام و نسب — سید صاحبزادہ نصیرالدین (گولڑہ شریف)
۱۹۔ مناقب غوث اعظم — سید نصیرالدین ہاشمی قادری
۲۰۔ مخزن اخلاق — رحمت اللہ کیرانوی
۲۱۔ تفریح الخاطر فی مناقب سید عبدالقادر جیلانیؒ / مترجم ابوالمنصور محمد صادق
۲۲۔ شاہ جیلانؒ — عبدالنبی کوکب
۲۳۔ زبدۃ الخاطر الفاتر فی مناقب شیخ عبدالقادر جیلانی ملا علی قاری / مترجم اقبال احمد فاروقی
۲۴۔ مکتوبات امام ربانیؒ — مجدد الف ثانیؒ / مترجم قاضی عالم الدین
۲۵۔ سک متراں دی — حفیظ تائب
۲۶۔ سیدنا غوث اعظم — طالب ہاشمی
۲۷۔ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ — غلام حیدر سہیل
۲۸۔ مظہر جمال مصطفائیؐ — صوفی سید نصیرالدین ہاشمی قادری
۲۹۔ تصوف اسلام — عبدالماجد دریابادی
۳۰۔ خزینتہ العلم والعرفان — سید محمد اکبر شاہ
۳۱۔ روبینہ بشیر — پنجابی شاعری وچ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ دی مدح مقالہ ایم اے پنجابی پنجاب یونیورسٹی لاہور، ۱۹۹۱ء
۳۲۔ مقالات مولوی محمد شفیعؒ — مرتبہ احمد ربانی